ذکرِ رفتگاں

گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ

جلد چہارم

ترتیب:

محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ:

أُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ. (سنن أبي داؤد حديث: ٤٩٠٠)

ذکرِ رفتگاں

(جلدِ چہارم)

گذشتہ سالوں میں وفات پانے والی بعض اہم شخصیات
کا اِجمالی وتفصیلی تذکرہ، اورتعزیتی مضامین کا مجموعہ

ترتیب:

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری

مفتی واُستاذِ حدیث ومرتب ماہنامہ ''ندائے شاہی''
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

مرکزِ نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

- نام کتاب : ذکرِرفتگاں (جلدِ چہارم)
- ترتیب : مفتی محمد سلمان منصور پوری
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
- ناشر : **المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد**

9412635154 - 9058602750

- تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- اشاعتِ اول : رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق اپریل ۲۰۲۲ء
- صفحات : ۶۰۸
- قیمت :

ملنے کے پتے:

- فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلاًّ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (الحشر: ۱۰)

اور جو (دنیا میں) ان (مہاجرین وانصار اور سلف صالحین) کے بعد آئے، (یا آویں گے) جو دعا کرتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیجئے، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قارئین کی خدمت میں ''ذکرِ رفتگاں'' کی چوتھی جلد پیش کی جارہی ہے، جس میں جنوری ۲۰۱۹ء سے فروری ۲۰۲۲ء تک رسالہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں شائع ہونے والے تعزیتی مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ (البتہ والد ماجد امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ - جن کی وفات مئی ۲۰۲۱ء میں ہوئی - کے متعلق مضامین کو ''ذکر رفتگاں'' کی پانچویں اور چھٹی جلد میں الگ سے مرتب کیا گیا ہے)

قبل ازیں جلد اول میں ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۴ء تک، جلد دوم میں ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۰ء تک اور جلد سوم میں جنوری ۲۰۱۱ء سے دسمبر ۲۰۱۸ء تک کے مضامین شائع کئے گئے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

چوں کہ رسائل وجرائد میں شائع شدہ مضامین ومقالات کی زندگی محدود ہوتی ہے، اور وہ وقت گذرنے کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں؛ اِس لئے اُن کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا اِرادہ کیا گیا؛ تاکہ دیرتک اُن سے اِستفادہ کیا جاتا رہے۔

اِس جلد میں بالخصوص حضرت الاستاذ المعظم مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ، فعال عالم دین حضرت مولانا حضرت مولانا متین الحق صاحب اُسامہ کان پوری صدر جمعیۃ علماء اترپردیش اور رفیق گرامی حضرت مولانا معز الدین احمد صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ ناظم امارتِ شرعیہ ہند سے متعلق تعزیتی تحریریں قابل مطالعہ ہیں۔

مولانا معز الدین احمد صاحبؒ سے احقر مرتب کی طویل رفاقت رہی، اور پرخلوص تعلق کا معاملہ رہا۔ اِس بناپر اُن کی وفات کا صدمہ بہت زیادہ محسوس کیا گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبھی مرحومین کی مغفرت فرماکر بلند درجات سے نوازیں، آمین۔

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۵؍شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۱؍اپریل ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

متفرقات

○ ذکرِ سعید (حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید صاحب پالن پوریؒ)

ذکرِ معز الدین (مولانا معز الدین احمد صاحب گونڈویؒ)

متفرقات

رفتـــــــگاں ۲۰۲۱ء-۲۰۲۲ء ۵۲۷

متفرقات

❒❖❒

رفتگاں

۲۰۱۹ء

- مولانا حسیب صدیقی صاحبؒ
- حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندویؒ
- حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بھاگلپوری پٹنہؒ
- حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمیؒ
- حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈویؒ
- جانشین شیخ الحدیث مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ
- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحبؒ
- حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مظاہریؒ

مولانا حسیب صدیقیؒ جوارِ رحمت میں

دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید، جمعیۃ علماء ہند کے خازن، مسلم فنڈ دیوبند اور اُس سے ملحقہ تعلیمی ورفاہی اداروں کے روحِ رواں اور منیجر جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب گذشتہ ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۹؍جنوری ۲۰۱۹ء بروز بدھ کو صبح تقریباً آٹھ بجے ۸۳؍سال کی عمر میں اچانک وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن بعد نماز عصر ہزاروں عوام وخواص کے مجمع نے امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی کی اقتداء میں احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی، بعد اَزاں ''قبرستانِ قاسمی'' میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

موصوف اپنی وضع داری، شرافت، حسن انتظام، نرم خوئی، ہمدردی اور منصوبہ بندی جیسی صفات میں اپنی مثال آپ تھے۔

مسلمانوں کی معاشی پسماندگی دور کرنے کی غرض سے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے جب ۱۹۶۱ء میں دیوبند میں ''مسلم فنڈ'' قائم کیا، تو آپ کی نظر انتخاب حسیب صاحبؒ پر پڑی، اور بلاشبہ یہ انتخاب ایسا حسن انتخاب ثابت ہوا کہ مسلم فنڈ اور حسیب صاحب لازم ملزوم بن گئے۔ سرد وگرم حالات کو برداشت کرتے ہوئے آپ نے ''مسلم فنڈ دیوبند'' کو بامِ عروج پر پہنچایا، اور راستہ کی ہر رکاوٹ کو ہنسی خوشی جھیلتے ہوئے ترقی کا سفر مسلسل جاری رکھا۔

مسلم فنڈ کے ذریعہ بلاشبہ ہزاروں سفید پوش متوسط طبقے کے لوگوں کی سفید پوشی برقرار رہی، اور دیوبند اور اُس کے اَطراف کے غریب اور بے حال مسلمانوں نے مسلم فنڈ سے جو فائدے حاصل کئے، وہ کسی پر مخفی نہیں ہیں۔ اسی طرح ''مدنی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، مدنی آئی اسپتال،

پبلک گرلز اسکول، ٹائپنگ سینٹر، ڈرائیونگ اسکول'' جیسے بہت سے نفع بخش ادارے بھی آپ نے قائم فرمائے، جو حسن وخوبی کے ساتھ چل رہے ہیں۔

آپ کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں دیوبند میں ہوئی، اور آپ کی تربیت میں آپ کے عظیم المرتبت والد جناب منشی عزیز احمد صاحبؒ (جو ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کے دفتر تعلیمات میں معتمد رہے) کا بڑا کردار تھا۔ مزید یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہوا، جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سرفہرست ہیں، جن سے آپ نے ۱۹۵۳ء میں بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔

موصوف دیوبند نگر پالیکا پریشد کے چیئرمین بھی رہے، اور علاقائی سیاست سے بھی مؤثر طور پر وابستہ رہے۔ حضرت فدائے ملتؒ کے معتمد ترین افراد میں آپ شامل تھے۔ نیز حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا بھرپور اعتماد بھی آپ کو حاصل تھا۔ دیوبند عیدگاہ کمیٹی کے بھی آپ ذمہ دار تھے۔ دیوبند میں عرصۂ دراز سے ہر سال حاجیوں کا کامیاب کیمپ منعقد کرانے کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جمعیۃ علماء ہند سے بھی تازندگی آپ کا گہرا ربط رہا، آپ اس کی قومی مجلس عاملہ کے رکن اور خازن تھے۔

الغرض موصوف اپنی ہمہ جہت خدمات کی بنا پر تادیر یاد رکھے جائیں گے، قدم قدم پر آپ کا خلا محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں، آمین۔

آپ ندائے شاہی کے باذوق قارئین میں شامل تھے، اور بہت اہتمام اور پابندی سے اس کا مطالعہ کرتے تھے، اور ملاقات پر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ادارہ ندائے شاہی مرحوم کے صاحبزادگان اور متعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے قارئین سے درخواست کرتا ہے کہ موصوف کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندویؒ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیم اور پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الرائد'' کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء بروز بدھ اذانِ فجر کے وقت انتقال فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ بعد نماز ظہر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادا کی گئی، جب کہ مغرب کے بعد دوسری نماز جنازہ ''تکیہ شاہ علم اللہ'' رائے بریلی میں ادا کی گئی، اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔

مولانا موصوف اپنی وضع داری، حلم وبردباری، خاندانی شرافت ونجابت میں اپنی مثال آپ تھے۔ عربی زبان وادب میں آپ کو ملکۂ تامہ حاصل تھا، حسن تعبیر کے ساتھ ساتھ روانی اور تسلسل آپ کی تحریروں کا امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ آپ بہترین مدرس اور مشفق مربی بھی تھے، طلبہ کے ساتھ آپ کا برتاؤ ایک شفیق باپ کے مانند تھا۔ معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں بھی آپ کا اونچا مقام تھا، سادگی اور بے تکلفی آپ کی ہر ہر اَدا سے نمایاں تھی۔ چھوٹوں کی ہمت افزائی آپ کا خاص وصف تھا۔ جب بھی آپ کی زیارت وملاقات کی سعادت ملی تو آپ نے نہایت شفقت اور اپنائیت کا مظاہرہ فرمایا، اور بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ''ندائے شاہی'' کا بھی مطالعہ فرماتے تھے، اور ملنے پر خوشی اور قدردانی کے کلمات ارشاد فرماتے تھے۔

آپ کی ولادت ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی، والد ماجد کا نام سید رشید احمد حسنی اور والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ تھیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم وطن مالوف تکیہ رائے بریلی میں ہوئی، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، اور ۱۹۵۱ء میں فضیلت کی سند حاصل کی۔ عربی زبان وادب میں آپ نے اختصاص حاصل کیا، اسی کے ساتھ ساتھ ۱۹۵۳ء میں عصری تعلیم میں انٹر پاس کیا۔ بعدازاں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے انگریزی لٹریچر میں ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔

اس کے بعد تقریباً ۲۰ر سال آپ ''آل انڈیا ریڈیو دہلی'' کے شعبہ عربی میں اَناؤنسر اور عربی انگریزی کی مترجم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے، پھر ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ عربی سے وابستہ ہوئے، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ پندرہ روزہ عربی اخبار ''الرائد'' کے رئیس التحریر اور ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' کے معاون مدیر رہے۔ ۲۰۰۰ء میں آپ کو ''**كلية اللغة العربية**'' کا عمید مقرر کیا گیا، جب کہ ۲۰۰۶ء سے آپ معتمدِ تعلیم بنائے گئے، اور تادم آخر اسی عہدے پر قائم رہے۔

آپ اپنے برادر اکبر مخدوم گرامی قدر حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے دست راست اور خصوصی مشیر کی حیثیت رکھتے تھے، اور سفر وحضر کے ساتھی تھے۔ دو بھائیوں میں ایسی ہم آہنگی اور یکسانیت بہت کم نظر آتی ہے۔ حضرت موصوف کی وفات سے یقیناً جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ آسانی سے پر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی بال بال مغفرت فرمائیں، درجات بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بھاگلپوری پٹنہؒ

صوبہ بہار کے معروف ومشہور بافیض عالم دین، رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند شاخ بہاراورصوبائی جمعیۃ علماء کے صدر، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قاسمی بھاگلپوری گذشتہ ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۹ر جنوری ۲۰۱۹ء بروز منگل کو صبح تین بجے مختصر علالت کے بعد انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی پہلی نماز جنازہ پٹنہ کے گاندھی میدان میں حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہ کی اقتداء میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں عوام وخواص نے شرکت کی، بعد میں آپ کی تدفین وطن مالوف کوروڈیہہ بھاگلپور میں عمل میں آئی۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بڑے شریف النفس، ملنسار، باوقار اور جفاکش عالم دین تھے، آپ سے ملنے والا ہر شخص آپ کے حسن اخلاق اور بلند کردار سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ اکثر چہرے پر مسکراہٹ پھیلی رہتی اور پیشانی پر سجدہ کا نشان آپ کی عبادت گذاری اور ریاضت ومجاہدہ کا پتہ دیتا تھا۔ آپ کی زندگی دین کی سربلندی کے لئے فکرمندی سے عبارت تھی، نرم روی اور حکمت عملی کے ساتھ آپ نے اصلاحِ امت کا کام جاری رکھا، اور ملت کے ہر طبقے کا آپ کو اعتماد حاصل رہا، سالوں تک آپ پٹنہ کے گاندھی میدان میں عیدین کی امامت کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

خانوادۂ مدنی سے آپ کا گہرا تعلق تھا، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے آپ خلیفہ مجاز تھے، جب کہ حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ اور حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ بلکہ خاندان کے ہر فرد سے نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے۔

آپ کی پیدائش ۲۰ر نومبر ۱۹۵۳ء کو وطن مالوف ''کوروڈیہہ'' ضلع بھاگلپور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم ''مدرسہ اعزازیہ پتھنہ'' میں حاصل کی، اس کے بعد ''مدرسہ قاسمیہ گیا'' میں داخلہ لیا، پھر ۱۹۶۹ء میں مادرعلمی ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخل ہوئے، اور ۱۹۷۰ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی۔ فخرالمحدثین حضرت مولانا سید فخرالدین صاحبؒ کے آپ خاص تلامذہ میں سے تھے، فراغت کے بعد اولاً تین سال ''مدرسہ حسینیہ بیگاوالا بجنور'' میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعدازاں چھ سال ''مدرسہ اشرف المدارس کلتی ضلع بردوان'' میں خدمت کی، اور ابتداء سے متوسطات تک عربی کتابیں پڑھائیں۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۷۹ء میں بہار کے معروف ادارے ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' پٹنہ میں آپ خدمت تدریس پر مامور ہوئے، یہاں آپ کو حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، اور ہزاروں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، مسلسل ۳۳ر سال اس ادارے سے وابستہ رہ کر ۲۰۱۲ء میں نیک نامی کے ساتھ سبک دوشی حاصل کی۔

پٹنہ کے زمانۂ قیام میں آپ نے ۱۹۸۰ء سے ''نوری مسجد'' میں درس قرآنِ کریم کا سلسلہ جاری کیا، جو نہایت مقبول ہوا، پھر بعض دیگر مساجد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہوا، اور عوام وخواص کی ذہن سازی کا ذریعہ بنا۔

۱۹۸۶ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کے حکم پر آپ دینی تعلیمی بورڈ بہار کے صدر بنائے گئے، اور آپ نے صوبہ میں مکاتب ومدارس کے قیام میں گراں قدر خدمات انجام دیں، اس کے علاوہ آپ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند صوبہ بہار کے صدر بھی رہے۔

۱۹۸۹ء میں آپ نے مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کے مشورہ پر پٹنہ کے مضافات (سبل پور) میں ''جامعہ مدنیہ'' کے نام سے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی، جس نے اللہ کے فضل سے مختصر مدت میں غیر معمولی ترقی حاصل کی، آج اس ادارے کا شمار بہار کے مرکزی اداروں میں ہوتا ہے، جس میں سات سو کے قریب طلبہ مقیم ہیں، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

خلاصہ یہ کہ حضرت مولانا مرحوم دین کے ایک سچے خادم تھے، اور آپ کی خدمات کا دائرہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔

احقر مرتب کے ساتھ بھی حضرت غیر معمولی محبت اور شفقت کا اظہار فرماتے تھے، اکثر فون پر رابطہ رہتا، اور جمعیۃ کے پروگراموں اور دینی تعلیمی بورڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا، دو ماہ قبل دسمبر میں جمعیۃ کے ایک پروگرام میں ملاقات ہوئی تھی، بظاہر طبعیت بحال تھی، اور یہ اندازہ بھی نہ تھا کہ یہ حضرت سے آخری ملاقات ہے۔

۲۷ رجنوری کو رات میں خبر ملی کہ آپ اپنی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد سنت کے لئے نیت باندھنا چاہتے تھے کہ دماغ کی رگ پھٹ جانے کی وجہ سے پیچھے کو گر گئے، آپ کا سر ستون میں لگا، جس سے دماغ کی ہڈی متأثر ہوئی، اور بے ہوشی طاری ہوگئی، فوراً اسپتال لے جایا گیا، پٹنہ کے بڑے اسپتال میں دماغ کا آپریشن بھی کیا گیا؛ لیکن تقریباً ڈیڑھ دن بے ہوش رہ کر آپ خالق حقیقی سے جا ملے، اور حسن خاتمہ کی دولت سے سرفراز ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، واسکنہ فسیح جناتہٖ۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، اعلیٰ درجات سے نوازیں، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، اور آپ کے چھوڑے ہوئے کاموں کی حفاظت فرمائیں، اور امت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۹ء)

امیر شریعت تمل ناڈو

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمیؒ

جنوبی ہند کے نہایت بافیض، بابرکت اور بااثر عالم ربانی، زہد وتقویٰ، اصابت رائے اور استقلال واستقامت کے پیکر جمیل، دینی تحریکات اور مدارسِ اسلامیہ کے سرپرست اعلیٰ، امیر شریعت، عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی وشارمی شیخ الحدیث مدرسہ کاشف الہدیٰ مدراس ورکن رشوریٰ دارالعلوم دیوبند گذشتہ ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۳ر فروری ۲۰۱۹ء بروز اتوار کو فجر کے وقت وصال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن عصر کے بعد آپ کے وطن مالوف ''میل وشارم'' میں ہزاروں علماء اور عوام وخواص نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی، اور وہیں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا مرحوم کی خاموش خدمات کو تادیر یاد رکھا جائے گا، خصوصاً جنوبی ہند میں دارالعلوم دیوبند کی فکر کو عام کرنے اور اُس کے مشن کو آگے بڑھانے میں آپ کا کردار نہایت نمایاں رہا ہے۔ آپ اگرچہ بہت خاموش طبع اور کم گو تھے؛ لیکن دینی فکر اور معاشرہ کی اصلاح کا جذبہ آپ کے رگ وپے میں سمایا ہوا تھا۔ سنت کی اشاعت اور بدعات وخرافات پر نکیر آپ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ سالہا سال تک آپ نے میل وشارم کی ''پاک تنی مسجد'' میں نہایت عام فہم اور مؤثر انداز میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رکھا، جس سے الحمدللہ گھر گھر میں دینی ماحول قائم ہوا، بعد میں یہ خطبات شائع بھی ہوئے، جن سے مسلسل استفادہ جاری ہے۔

آپ انتہائی متقی، پرہیزگار، متواضع اور زاہد فی الدنیا بزرگ تھے، طبعیت میں استغناء

اور قناعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اگرچہ بڑے بڑے سرمایہ دار تجار آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے؛ لیکن آپ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، اور حکمت عملی اور حسن تدبیر کے ساتھ اُن کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔ حق نوازی اور جرأت مندی مثالی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ پوری زندگی ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے گریزاں رہے۔

معمولات کی پابندی اور ذکر وشغل میں اسلاف واکابر کے پَرتو تھے۔ جنوبی ہند میں علماء حق کی تمام تحریکات کے لئے آپ کی ذات ایک سایہ دار درخت کے مانند تھی۔ امارت شرعیہ تمل ناڈو کے امیر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ جمعیۃ علماء، مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس تحفظ شریعت وغیرہ کے سرپرست تھے، اوران کے کاموں کی باقاعدہ نگرانی فرماتے تھے۔

ناکارہ مرتب کے ساتھ حضرت کا معاملہ نہایت مشفقانہ تھا، بہت سی مرتبہ حضرت کے حکم اور ایماء پر میل وشارم کا سفر ہوا، اور مختلف پروگراموں میں بیانات ہوئے، اور حضرت والا تواضع کے ساتھ سامع بن کر تشریف فرما رہے، اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت کے صاحبزادے کے نکاح اور ولیمہ میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی، احقر کی برابر یہ خواہش ہوتی کہ جب بھی مدراس یا اس کے اطراف کا سفر ہو تو حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل کیا جائے، حضرت کو اطلاع ہوتی تو انتظار فرماتے اور ملاقات پر نہایت مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔ افسوس کہ اب یہ سب یادیں ایک خواب بن گئی ہیں۔

آپ کی ولادت ۲۷؍رجب المرجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱؍نومبر ۱۹۳۴ء میں ’’میل وشارم‘‘ ضلع ویلور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم میل وشارم کے ہائی اسکول میں گیارہویں درجہ تک حاصل کی، اور ساتھ میں متعدد اساتذہ سے فارسی اور عربی کی کتابیں بھی پڑھتے رہے۔ اس کے بعد چار سال تک جنوبی ہند کے معروف ادارے ’’جامعہ باقیات الصالحات‘‘ ویلور میں تعلیم حاصل کی، بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور وہاں پانچ سال قیام فرمایا۔ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور اکابر اساتذہ بالخصوص

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب قدس سرہ سے اکتسابِ فیض فرمایا۔ نیز دارالعلوم دیوبند میں آپ کو خاص طور پر حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم کی خدمت اور تربیت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دورۂ حدیث شریف کے بعد اگلے سال تکمیل ادب میں داخل ہوکر عربی ادب میں مہارت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے واپسی کے بعد آپ نے دو سال ''مدرسہ سبیل الرشاد'' بنگلور میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ایک سال متفرق طور پر تبلیغی جماعت میں اور اپنے مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سہارنپور میں گذارا، آپ کی تحریر چوں کہ بہت صاف تھی، اِس لئے حضرت شیخ آپ ہی سے اپنے خطوط لکھواتے تھے۔ پھر ایک سال ''مدرسہ امدادیہ'' تھانہ بھون میں حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھائیں، پھر واپس اپنے علاقہ میں لوٹ گئے، اور اولاً ساڑھے پانچ سال ''مدرسہ مظاہر علوم'' سیلم میں، اور بعد ازاں ساڑھے بارہ سال ''مدرسہ باقیات الصالحات'' ویلور میں اور تقریباً ڈیڑھ سال کیرالہ کے ''مدرسہ حسینیہ'' کایم کولم میں بخاری شریف سمیت دیگر اعلیٰ کتابیں پڑھاتے رہے۔

آپ تادمِ حیات ''مدرسہ باقیات الصالحات'' ویلور کے سرپرست رہے، اور اس قدیم ادارے کو سلف صالحین اور اکابر دیوبند کی فکر سے ہم آہنگ کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا، جس کا کچھ اندازہ ''فتاویٰ باقیات'' کے مقدمہ میں آپ کے طویل اور مفید مضمون سے لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء سے تادمِ آخر ''مدرسہ کاشف الہدیٰ'' مدراس میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی حیثیت سے عظیم خدمات انجام دیں، اور اس ادارے کو بامِ عروج تک پہنچایا، آج یہ اپنی نوعیت کا انتہائی ممتاز ادارہ شمار ہوتا ہے، جس میں اُردو اور تمل زبان میں تعلیم کا بہترین انتظام ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اسی مدرسہ میں آپ نے وفات سے ایک دن پہلے تک بخاری شریف کا درس دیا، اور وہیں فجر کے وقت بحالت نوم آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔

آپ کے بڑے صاحب زادے مولوی محمد اسماعیل ذبیح اللہ قاسمی مدرسہ کاشف الہدیٰ میں مدرس ہیں، جب کہ دوسرے صاحب زادے مولوی محمد حسین قاسمی مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور امت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، اور آپ کے چھوڑے ہوئے اداروں کی حفاظت فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈویؒ

دارالعلوم دیوبند کے مقبول اُستاذ فقہ وحدیث اور متعدد نصابی کتابوں کے معتبر شارح حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ڈیڑھ سال ایک مہلک مرض میں مبتلا رہ کر گذشتہ ۲۳؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۳۱؍مارچ ۲۰۱۹ء بروز اتوار دہلی کے ایک اسپتال میں رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے روز صبح ساڑھے نو بجے ہزاروں علماء، طلبہ اورعوام نے احاطہ مولسری میں امیرالہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ بعدازاں قبرستانِ قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

مولانا موصوف کامیاب مدرس اور بہترین تفہیمی صلاحیت سے مالا مال تھے، آپ کا درس حشو وزوائد سے پاک اور حل کتاب تک محدود رہتا تھا، انداز ایسا دل نشین تھا کہ کم صلاحیت والے طلبہ بھی بآسانی استفادہ کرلیتے تھے، اور آپ کی درس کی پابندی بھی مثالی تھی، گھنٹہ ہونے کے بعد بالکل بروقت درس گاہ میں تشریف لے آتے تھے، جان لیوا بیماری کے باوجود جب تک ہمت اور طاقت رہی، آپ نے سبق کا ناغہ کرنا گوارا نہیں فرمایا۔

آپ نے درسِ نظامی کی متعدد کتابوں کی وقیع شروحات لکھیں، جو طلبہ اور اساتذہ میں کافی مقبول ہیں، جیسے ''اشرف الہدایہ شرح ہدایہ''، ''تکمیل الامانی شرح مختصر المعانی''، ''اجمل الحواشی شرح اُصول الشاشی''، ''قوت الاخیار شرح نور الانوار''، ''فیض سبحانی شرح شرحِ جامی'' یہ علمی خدمات آپ کو علمی طبقوں میں ان شاء اللہ زندۂ جاوید بنائے رکھیں گی۔

مولانا موصوف کی پیدائش ۱۹۴۶ء میں اپنے وطن سکروڈہ ضلع ہریدوار میں ہوئی، ابتدائی

تعلیم ''مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور'' اور ''مظاہر علوم سہارنپور'' میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۹۷۰ء میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ ''ہاپوڑ'' اور ''گاگلہیڑی'' میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایماء پر دارالعلوم میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ اجلاسِ صد سالہ کے بعد آپ نے کم وبیش ۱۸؍سال ''دارالعلوم وقف'' سے وابستہ رہ کر علمی افادہ کا سلسلہ جاری رکھا، اور حدیث کی اعلیٰ کتابوں کا درس دیا؛ تا آں کہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں دوبارہ آپ دارالعلوم دیوبند لوٹ آئے، اور نیک نامی کے ساتھ تادمِ آخر خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ نہایت شریف النفس، طلبہ کے لئے انتہائی شفیق اور مہربان تھے، بہت سے نادار اور بے سہارا طلبہ کی خفیہ طور پر کفالت اور چھوٹوں کے ساتھ انتہائی حوصلہ افزائی کا معاملہ فرماتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی بال بال مغفرت فرمائیں، درجات بلند فرمائیں اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۹ء)

مولانا محمد سعید وستانویؒ

خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم ناظم وبانی جامعہ اشاعت العلوم اکل کواں ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا محمد سعید صاحب وستانویؒ صرف بیالیس سال کی عمر میں گذشتہ ۲۰؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۸؍مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب انتقال فرما گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نہایت ملنسار، خوش اخلاق، ہمدرد اور غم گسار شخصیت کے مالک تھے، اپنے عظیم والد کے حکم پر متعدد اِداروں کی انتظامی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیں، اب تقریباً دوسال سے ایک اعضاء شکن بیماری میں مبتلا تھے، مگر دل ودماغ بالکل درست تھے۔

موصوف ماہنامہ ''ندائے شاہی'' اور اُس کے مرتب سے خصوصی انسیت رکھتے تھے، گاہے بگاہے فون پر رابطہ رہتا تھا، انتقال سے ایک دن قبل بھی خادم کے ذریعہ رابطہ کیا اور خیر خیریت معلوم کی۔

مولانا موصوف کی اس کم عمری میں رحلت والدین محترمین، بیوی بچوں اور بھائی بہنوں کے لئے بڑا صدمہ ہے؛ لیکن قضاء الٰہی کے سامنے کسی کو چارۂ کار نہیں۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آخرت کی راحتیں نصیب فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور پسماندگان کی کفالت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۹ء)

جانشین شیخ الحدیثؒ، بقیۃ السلف

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ

برکۃ العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے اکلوتے صاحب زادے اور سلوک وطریقت میں آپ کے سچے جانشین، معروف ومقبول اور بافیض بزرگ حضرت اقدس مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ نے گذشتہ ۱۰؍ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲؍اگست ۲۰۱۹ء بروز پیر (عین عیدالاضحیٰ کے روز) سہ پہر پونے تین بجے طویل علالت کے بعد میرٹھ کے ایک اسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی روز رات میں گیارہ بجے مظاہر علوم سہارن پور کے وسیع صحن میں قائد ملت حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی اقتداء میں ہزاروں ہزار عوام وخواص نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور اس کے بعد حاجی شاہ کمال قبرستان میں خطۂ صالحین میں اولیاء اللہ کے قریب آپ کو نم آنکھوں سے سپرد خاک کر دیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت موصوف (جو اپنے حلقہ میں علی الاطلاق ''حضرت پیر صاحب'' کے لقب سے معروف تھے) قابل احترام خاندانی نسبتوں کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی ذاتی خوبیوں اور کمالات سے متصف تھے، جو آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ بنائے جانے کے لائق ہیں۔

آپ نے پوری زندگی وعظ وارشاد، ذکر وفکر اور اصلاحِ اُمت کی محنت میں صرف فرمائی۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ الحدیثؒ نے ''سلسلۂ خلیلیہ'' کو جو آب وتاب بخشی تھی؛

آپ نے حتی الامکان اس کو برقرار رکھا، اور خانقاہی معمولات میں کوئی کمی نہ آنے دی؛ بلکہ اس میں مزید اضافہ کے لئے کوشش فرماتے رہے۔ آپ کا سلسلۂ اِرادت ملک و بیرونِ ملک تک پھیلا ہوا تھا، آپ ہر جگہ ذکر کی مجالس کے قیام اور سلوک و معرفت کے سلسلوں سے لوگوں کو وابستہ ہونے کی تلقین فرماتے تھے۔

آپ کی گفتگو کا خاص موضوع یہ ہوتا تھا کہ تعلیم، تبلیغ اور خانقاہوں کے کاموں میں جوڑ ہونا چاہئے، اور دین کے ہر شعبہ سے وابستہ لوگوں کو دوسرے شعبے کا تعاون کرنا چاہئے۔

آپ کا نظریہ یہ تھا کہ دین کو صحیح رخ پر قائم رکھنے کے لئے علم دین سیکھنا ضروری ہے، جب کہ عوام میں دینی شعور بیدار کرنے کے لئے تبلیغ ضروری ہے، اور ذاتی اصلاح کے لئے کسی متبع سنت کامل شیخ سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔

آپ کی فکر یہ تھی کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی اللہ کے ولی سے مربوط ہو کر زندگی گذارنی چاہئے؛ تاکہ حتی الامکان کج روی اور بدعملی سے حفاظت ہو سکے۔ آپ ایسے لوگوں سے سخت نالاں رہتے تھے جو دین کو مختلف شعبوں میں بانٹ کر آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں، یا ایک دوسرے کی تنقیص و تحقیر کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت موصوف کو انگریزی تہذیب اور مغربی تراش خراش سے شدید ناگواری ہوتی تھی، کسی کے سر پر انگریزی بال دیکھ لیتے یا داڑھی سنت کے خلاف دیکھ لیتے تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا، اور بلا خوف لومۃ لائم بروقت اُس پر نکیر فرماتے، جس سے سامنے والا متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا، اور اکثر اسے توبہ کی توفیق میسر آ جاتی۔ احقر بعض ایسے حضرات سے واقف ہے جو بہت صاحب حیثیت ہیں، پہلے خشخشی داڑھی رکھتے تھے، ایک موقع پر حضرت نے تنبیہ فرمائی تو الحمد للہ اب سنت کے موافق داڑھی رکھنے لگے۔ ایسے کتنے لوگ ہوں گے جنہیں آپ کے توجہ دلانے پر اپنی ظاہری وضع قطع دین کے موافق کرنے کی توفیق میسر آئی، اِن شاء اللہ ان کا یہ عمل حضرت پیر صاحبؒ کے لئے صدقہ جاریہ اور موجب رفع درجات بنے گا۔

اِسی طرح آپ کو چھوٹے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی بڑی فکر رہتی تھی، اسی لئے آپ بڑے مدارس کے بجائے جابجا چھوٹے مکاتب کے قیام پر بہت زور دیتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے ملک و بیرونِ ملک کے اہل مدارس اور ذمہ دار علماء اور خواص کے نام اِسی موضوع پر ایک طویل اور پراثر مکتوب لکھا، جس کی تعمیل کرتے ہوئے بہت سے مدارس نے اپنی زیرِ نگرانی مکاتب کے قیام کا نظام بنایا، اور یہ سلسلہ بحمدہٖ تعالیٰ روزافزوں ہے۔

آپ اپنے سادہ مواعظ وبیانات میں ''پھول جیسے معصوم بچوں'' کو انگریزی ماحول والے اسکولوں میں پڑھا کر اُنہیں جیسی تہذیب اپنانے پر دلی کڑھن کا اظہار فرماتے تھے، اور والدین کو متوجہ فرماتے تھے کہ وہ اپنے کسی بھی بچے یا بچی کو ضروری دینی تعلیم دینے میں کوتاہی نہ کریں، اور اپنی نسلوں کو مدارس ومکاتب سے وابستہ ضرور کریں۔

ولادت وتعلیم

آپ کا تعلق کاندھلہ کے معروف علمی خانوادہ سے تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی تھیں۔ ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸ر مئی ۱۹۴۱ء ہفتہ کے روز نظام الدین بنگلے والی مسجد سے متصل مکان میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوتی رہی؛ اِس لئے کہ گھر میں تعلیم وتعلم کا ماحول تھا، جب کہ حفظ کی تکمیل حافظ صدیق صاحب مرزاپوریؒ کے پاس ۱۳۷۵ھ میں ہوئی، اور پہلی مرتبہ ۱۳۷۶ھ میں ''مسجد شاہ جی والی دہلی'' میں تراویح میں ختم قرآن فرمایا۔ اس کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی، متوسط کتابیں مظاہر علوم سہارن پور میں پڑھیں، جب کہ دورۂ حدیث شریف سے فراغت ''مدرسہ کاشف العلوم'' نظام الدین سے ۱۳۸۳ھ میں حاصل کی، یہاں آپ کے اساتذہ میں حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا اظہار الحسن صاحبؒ وغیرہم شامل ہیں۔

بیعت وسلوک

فراغت کے بعد آپ نے اولاً عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر آپ کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی، اور حضرت ہی کے اِشارے پر آپ کے انتقال کے بعد والد ماجد حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرف رجوع فرمایا، اور حضرت شیخ کی طرف سے آپ کو ماہِ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں اجازت وخلافت سے نوازا گیا، جس کی آپ نے پوری زندگی پاس داری فرمائی، اور حضرت شیخ کی غیر موجودگی میں آپ کی خانقاہ کو مسلسل آباد رکھا، خصوصاً رمضان المبارک میں مظاہر علوم دار جدید کی وسیع مسجد میں حضرت کے زمانہ کی طرح حسب معمول اجتماعی اعتکاف کا سلسلہ جاری رہا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

آپ کو اَذکار واَوراد سے خاص شغف تھا، جب تک صحت رہی ہر روز فجر کے بعد ایک سوا گھنٹے مسلسل ذکر میں مشغول رہتے تھے، ویسے بھی عام حالات میں تسبیح ہاتھ میں رہتی، اور موقع ملتے ہی ذکر شروع فرمادیتے، گویا یہ آپ کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ ہزاروں عوام وخواص نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرکے اپنی اصلاح کی سعادت حاصل کی، جن میں ستر سے زائد حضرات کو آپ نے اجازت وخلافت سے نوازا، جن کے ذریعہ آپ کا فیض ملکوں ملکوں میں پھیل رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

مدارس کی سرپرستی

آپ سیکڑوں مدارس کے سرپرست تھے، خاص طور پر جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کی ۱۹۸۲ء سے لے کر تاحیات یعنی تقریباً ۳۷؍سال تک مکمل سرپرستی فرمائی، اور درمیان میں کئی سال رجسٹرڈ مجلس شوریٰ کے سکریٹری بھی رہے۔ اسی طرح ۲۰۰۷ء سے آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن بنائے گئے اور جب تک صحت وقوت رہی، اُس کی مجالس میں شرکت فرماکر مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اور اس کے خدام

سے بھی آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ مدرسہ کے اہم پروگراموں میں آپ کو مدعو کیا جاتا، اور آپ بطیّب خاطر تشریف آوری سے نوازتے تھے۔ سابق مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ اور آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا اخلد رشیدی صاحب (مقیم مدینہ منورہ) اور حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم مدرسہ شاہی سے بھی خصوصی ربط رکھتے تھے۔

ناکارہ پر غیر معمولی شفقت

اِس ناکارہ مرتب سے آپ کا تعلق غیر معمولی تھا، جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کبھی ہماری سہارنپور حاضری ہوتی تو خوشی کے مارے آپ کی رگ رگ کھل اُٹھتی، ناشتہ یا کھانے میں وہ تکلفات ہوتے کہ ہمیں شرمندگی ہونے لگتی۔ اگر ہم اپنی کوئی تالیف پیش کرتے تو دل سے دعاؤں سے نوازتے، اور بڑی تعداد میں اُس کے نسخے خرید کر مفت تقسیم فرماتے، یا کتب خانہ یحیوی میں رکھوادیتے۔

جب احقر کی کتاب ''اللہ سے شرم کیجئے'' شائع ہوئی تو اُس کے بہت سے نسخے خریدے اور پھر احقر نے عرض کیا کہ ''حضرت! اسے آپ خود اپنے کتب خانے سے چھپوالیجئے''، تو آپ نے بڑے اہتمام سے اسے چھپوایا، اور عام طور پر احقر کی کتابیں اور ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ مضامین یومیہ عصر کے بعد کی مجلس میں بالترتیب پڑھواتے، اور ساتھ میں حاضرین کو تلقین فرماتے کہ یہ کتاب اور رسالہ خریدا کریں۔

جب تک صحت رہی تو وقفہ وقفہ سے فون پر بات کرتے اور ہر مرتبہ یہ تقاضا ضرور ہوتا کہ سہارنپور کب آرہے ہو؟ سہارن پور سے مرادآباد کوئی آنے جانے والا مل جاتا تو اُس کے ہاتھ ''سہارنپوری پاپے'' یا ''گلاب کے پھول'' یا جو چیز بروقت موجود ہو؛ وہ اِرسال فرماتے۔

الغرض احقر کے ہر اعتبار سے ناکارہ اور نااہل ہونے کے باوجود ایسی شفقت اور اپنائیت کا اظہار فرماتے تھے، جس کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔

آپ کو حرمین شریفین کی حاضری اور حج وعمرہ کا بڑا شوق تھا، سالوں سے بلاناغہ ہر سال

آپ مع اہلیہ محترمہ خدام کے ساتھ حج کے سفر پر تشریف لے جاتے، احقر کو بھی حج کے بعد اکثر مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں حضرت کی معیت نصیب ہوتی۔ آپ کی خواہش یہ رہتی کہ احقر خاص کر کھانے اور ناشتہ میں حضرت ہی کے ساتھ رہے، بالخصوص دعوتوں میں آپ تقاضے کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جانے کی کوشش فرماتے۔ اور ایک مرتبہ تو ''باب فہد'' سے متصل طیبہ کی عمارت میں تقریباً ایک ہفتہ اپنے کمرے میں اپنے ساتھ قیام کا حکم دیا اور بہت زیادہ خیال رکھا۔

جب ندائے شاہی کا ''نعت النبی نمبر'' شائع ہوا، تو آپ کو بے انتہاء مسرت ہوئی، آپ نے اس کے پانچ سو نسخے خریدے، پھر جب احقر اس کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا، تو آپ حرم کے قریب محلّہ ''عنابیہ'' کی ایک عمارت میں مقیم تھے، احقر ظہر سے قبل آپ سے ملاقات کے لئے قیام گاہ پر حاضر ہوا، آپ خوشی سے دیر تک سینے سے لگائے رہے، اور پھر اسی وقت قیام گاہ سے نیچے اترے، وہاں ایک عطر کی دوکان تھی، اُس دوکان سے بہت گراں قیمت اصلی عود کی ایک بڑی شیشی خریدی اور احقر کو عطا فرمائی، اور فرمایا کہ ''یہ نعت النبی نمبر کا انعام ہے''۔ احقر نے اندازہ لگایا کہ آپ کا یہ عمل دراصل صاحب نعت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سچے عشق ومحبت کا عنوان ہے، ورنہ ہم اس قابل کہاں؟ اللہ کے ان نیک بندوں کے طفیل اگر وہ محنت قبول ہوجائے تو اللہ کا سراسر لطف وکرم ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے ہی قیام کے زمانہ میں عصر کے بعد احقر کو قیام گاہ پر بلایا، تو ایک عربی عبا (مشلح) منگا کر رکھا تھا، اُسے احقر کو پہننے کا حکم دیا، پھر فرمایا کہ ''توکلاً علی اللہ تجھے نسبت خلیلی عطا کرتا ہوں''۔ اِدھر احقر کا حال یہ تھا کہ مارے شرم کے زمین میں گڑا جارہا تھا، اور سوچتا تھا کہ یہ صرف حضرت کا حسن ظن ہے، اور اللہ رب العزت کی شانِ ستاری ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ اس نسبت کی لاج رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

آپ چوں کہ ذکر کا اہتمام کرنے کی تاکید فرماتے تھے، اِس لئے احقر نے جب اپنے غریب خانہ پر ہفتہ واری اصلاحی مجلس کے قیام کی اطلاع دی تو بہت خوش ہوئے، الحمد للہ دس بارہ سال سے یہ سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، آمین۔

متعدد مرتبہ احقر کی دعوت پر مرادآباد تشریف لائے، غریب خانہ کو بھی رونق بخشی اور دعاؤں سے نوازا۔

آپ علماء اور طلبہ کو کتابیں خرید کر پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے، آپ فرماتے کہ ہر مدرسہ میں ایک کتب خانہ وقفی ہونا چاہئے، جس سے طلبہ واساتذہ بطور عاریت فائدہ اٹھائیں، اور ساتھ میں ایک کتب خانہ تجارتی بھی ہونا چاہئے؛ تاکہ جو لوگ قوتِ خرید رکھتے ہیں، وہ بآسانی کتابیں خرید سکیں۔ احقر کو بھی بار بار زبانی اور تحریری طور پر اس جانب متوجہ کیا، مگر احقر برابر معذرت کرتا رہا کہ کتابیں چھاپنا اور پھر ان کا حساب وکتاب رکھنا احقر کے بس کی بات نہیں ہے۔ بہرحال یہ حضرت کی علم دوستی کی دلیل تھی، اور بات اصل میں یہ ہے کہ کتابوں سے تعلق کے بغیر آدمی کے علم میں رسوخ پیدا نہیں ہوسکتا۔

خانوادۂ مدنی سے ربط وتعلق

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے خاندان سے تعلق آپ کو اپنے عظیم والد حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے ورثہ میں ملا تھا، جسے آپ نے پوری طرح نبھایا، اور حسب مراتب خانوادۂ مدنی کے ہر چھوٹے بڑے شخص سے آپ نے رابطہ برقرار رکھا، اور موقع بموقع دیوبند تشریف لاکر اِس تعلق کو تازہ فرماتے رہے۔

خاص کر عزیزم مولوی مفتی سید ازہر مدنی سلمہ اللہ تعالیٰ (صاحبزادہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ) کو تو کئی رمضان آپ کے ساتھ رہنے اور قرآنِ کریم سنانے کا موقع ملا، آپ خاندان کے ہر فرد سے بڑی بے تکلفی سے پیش آتے تھے، اور قلبی اُنسیت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

آخری زیارت

اِس سال عیدالفطر کے بعد احقر زیارت وملاقات کے لئے سہارن پور حاضر ہوا تھا، چوں کہ آپ کے جسم کا دایاں حصہ فالج سے متأثر تھا، اس لئے گویائی پر قدرت نہ تھی؛ لیکن بائیں

آنکھ اور دماغ کام کررہے تھے، اس لئے پہچان لیتے تھے، اور بایاں ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھاتے تھے، اور اشارے سے جذبات کا اظہار فرماتے تھے، احقر کو دیکھ کر مسکرائے، دیر تک مجلس میں حاضری رہی، آپ کے جانشین حضرت اقدس مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم مظاہر علوم سہارن پور بھی تشریف فرما تھے، ان سے مزید احوال کا علم ہوا، اور ناشتہ کے بعد مصافحہ کرکے واپسی ہوئی، کیا خبر تھی کہ ہوش وحواس کے عالم میں یہ آخری ملاقات ہوگی۔

مؤرخہ ۳؍ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۴؍اگست ۲۰۱۹ء کو احقر کی حج کی روانگی طے تھی، احقر دو دن قبل حضرت کی عیادت کے لئے میرٹھ حاضر ہوا، اس وقت ہوش نہیں تھا؛ لیکن چہرے پر ماشاء اللہ رونق تھی، اعضاء رئیسہ بظاہر درست کام کررہے تھے، خدام حضرات بھی ایک گونہ مطمئن تھے، پھر احقر حسب پروگرام مبارک سفر پر چلا گیا، تاآنکہ وہ دن آپہنچا جس سے کسی کو مفر نہیں، اور عین عیدالاضحیٰ کے روز شام دو بج کر پینتالیس منٹ پر آپ نے اپنی جان ذکر کرتے ہوئے جاں آفریں کے سپرد کردی، **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، تَغَمَّدَ اللّٰہُ بِغُفْرَانِہٖ وَأَسْکَنَہٗ فَسِیْحَ جَنَانِہٖ۔**

آخری چند سال آپ کے مختلف عوارض اور امراض میں گذرے، شوگر کی زیادتی کی وجہ سے صحت روز بروز متأثر ہوتی چلی گئی، اس دوران بالخصوص مولوی محمد اُویس گجراتی، مولوی محمد محمود رومی، مولوی محمد جمال الدین چمپارنی، مولوی محمد اسحٰق راندیری، مولوی ہیثم بن طاہر مکی نے جس طرح حضرت کی صبح وشام خدمت کی سعادت حاصل کی، وہ بہت زیادہ قابل قدر ہے، اللہ تعالیٰ اِن سبھی حضرات کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

سبھی قارئین سے گذارش ہے کہ حضرت کے لئے خصوصاً ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو آخرت کی راحتوں سے مالا مال فرمائیں، آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور اولیاء اللہ کی جماعت میں ہم سب کا حشر فرمائیں، آمین ثم آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ

(باتیں اُن کی یاد رہیں گی)

مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

معرفت وسلوک کے امام، رہبر شریعت وطریقت، سادگی وزہد کے مرقع، یادگار اکابر، سرپرست مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے خلیفہ وجانشین (پیرجی) حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ ۱۰؍ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲؍اگست ۲۰۱۹ء بہ روز پیر عیدالاضحیٰ کے دن دوپہر پونے تین بجے میرٹھ کے آنند اسپتال میں تقریباً ۸۰؍برس کی زاہدانہ زندگی گزار کر واصل بحق ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن شب میں ٹھیک گیارہ بجے قبرستان حاجی شاہ کمال سہارن پور کے وسیع میدان میں قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند کی اقتداء میں ہزار ہاہزار افراد نے جنازہ کی نماز ادا کی اور پھر وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا کا سانحہ ارتحال اس دور قحط الرجال میں عوام وخواص سب کے لئے بڑا خسارہ ہے۔ آپ نے اس مادی دور میں دنیا سے بے رغبتی اور رجوع الی اللہ کی جو نظیر پیش کی ہے وہ بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے، ہر دم فکر آخرت میں مستغرق رہ کر ذکر الٰہی سے زبان کو سرشار رکھنا آپ کا محبوب وطیرہ تھا۔ ہم نے ہزار دانوں کی بڑی تسبیح غالباً سب سے پہلے آپ ہی کے پاس دیکھی تھی جو مجلس میں مستقل آپ کے ہاتھوں میں رہتی اور زبان پر ذکر پاک اور درود شریف کا ورد

جاری رہتا، درمیان میں ضرورت کی گفتگو فرماتے اور پھر ذکر میں مشغول ہوجاتے۔ بلاشبہ آپ کی رحلت مجالس ذکر کو سونا کرگئی۔

آپ نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے والد بزرگوار کے حلقہ ارادت کو نہ صرف سنبھالا؛ بل کہ وسعت دی اور ان کی دینی رہنمائی وتربیت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔

آپ خود بھی متبع سنت تھے اور دوسروں کو بھی سنت ہی پر عامل دیکھنا پسند کرتے تھے، خلاف سنت وضع قطع اختیار کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے، کسی ایسے شخص کا مجلس میں آجانا جس کے سر پر انگریزی بال ہوں اور چہرہ ڈاڑھی سے خالی ہو، آپ کو برہم کرنے کے لئے کافی ہوتا تھا، بھری مجلس میں اس پر سختی کے ساتھ نکیر فرماتے، بعض لوگوں کو آپ کا یہ عمل ناگوار بھی گزرتا؛ لیکن بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں یہ بروقت تنبیہ دینی انقلاب کا باعث بن جاتی۔

ایک پیرومرشد ہونے کی حیثیت سے جس طرح سے آپ کا وجود باجود بزرگوں کی خانقاہ کو آباد کئے رہا اور امت کے بڑے طبقہ کو آپ نے اپنے روحانی فیوض سے مالا مال فرمایا، وہیں تحریک مدارس اور دعوت وتبلیغ کی جدوجہد سے بھی آپ کو بھرپور دلچسپی رہی، آپ ملت کی اسلامی شناخت کی بقاء وتحفظ کے لئے دینی محنت کے تینوں میدانوں سے وابستگی کو ضروری سمجھتے تھے۔ عملی طور پر آپ نے اپنی ذات اور سرگرمیوں سے اس ہمہ جہت وابستگی کا مظاہرہ بھی فرمایا اور تینوں بڑے مراکز دین کی بڑے توازن کے ساتھ سرپرستی فرمائی اور بہ وقت ضرورت زبانی یا تحریری اصلاح سے بھی کبھی دریغ نہیں فرمایا۔

آپ اہل علم اور ذمہ داران مدارس کو جگہ جگہ مکاتب قائم کرنے کی بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دیا کرتے تھے۔ چند سال تو ایسے گزرے جس میں شاید ہی کوئی مجلس وعظ ایسی ہوئی ہو جس میں آپ نے مکاتب دینیہ کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں قائم کرنے کی ترغیب نہ دی ہو، باضابطہ ایک خط کتابچہ کی شکل میں ''مکاتب دینیہ کی اہمیت'' کے نام سے آپ نے طبع کرایا اور ہندوستان ہی نہیں؛ بلکہ ساری دنیا میں جہاں تک اسے عام کیا جاسکتا تھا؛ پہنچانے کی کوشش کی۔

ارضِ مقدس حجاز پاک کا سفر آپ کی ترجیحات میں ہمیشہ شامل رہا، جتنا زیادہ سے زیادہ وقت حرمین کی روحانی فضاؤں میں گزارنے کا آپ کو میسر ہوتا اسے غنیمت جانتے، تقریباً ہر سال حج کے سفر پر بالکل پہلی پروازوں سے تشریف لے جاتے اور واپسی عموماً آخری پروازوں سے ہوا کرتی، وہاں جانے کے بعد بھی قیام گاہ یا کسی اور مناسب مقام پر مجلس ذکر کا اہتمام رہتا، ہندوبیرونِ ہند کے متوسلین و متعلقین سے ملاقاتیں رہتیں اور پند و نصائح کا سلسلہ جاری رہتا۔

سلسلہ کے مشائخ اور اکابر اہل اللہ کے مزارات پر حاضری آپ کے معمولات میں شامل تھا، عام طور پر عیدالفطر کے بعد دیوبند اور گنگوہ وغیرہ مزارات اکابر پر تشریف لے جاتے اور ایصالِ ثواب فرماتے، ویسے بھی جب دیوبند آنا ہوتا تو ''قبرستان قاسمی'' ضرور تشریف لے جاتے اور بعض دفعہ وہاں دیر تک مراقب بھی رہتے۔ امروہہ میں بھی چونکہ سلسلہ چشتیہ کے متعدد مشائخ جیسے حضرت شاہ عبدالہادیؒ، حضرت شاہ عبدالباریؒ اور حضرت شاہ عضدالدینؒ مدفون ہیں؛ اس لئے حضرت مرحوم کو شہر امروہہ سے بھی یک گونہ لگاؤ تھا جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ امروہہ کا قصد کرکے ہی تشریف لاتے اور کبھی قرب وجوار کا پروگرام ہوتا تو امروہہ کے لئے وقت نکالتے اور اکابر کے مزارات پر تشریف لے جاتے۔

خانوادہ مدنی سے آپ کو بڑی قربت تھی، اس لئے کہ آپ نے اپنے والدمحترم اور شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ دیرینہ مراسم اور گھر جیسے تعلقات کو خود دیکھا تھا۔

کچے گھر میں بچپن ہی سے ہمیں جانا یاد ہے، ابتداء میں کبھی حضرت والدمحترم مدظلہ العالی کے ہمراہ تو کبھی برادر بزرگوار دام اقبالہ کے ساتھ جب بھی حاضری ہوئی غیر معمولی تعلق کا آپ نے مظاہرہ فرمایا، پہلے سے آنے کی اطلاع ہو جاتی تو فون کرکے معلوم کرتے رہتے کہ کہاں پہنچے ہو، ہر مرتبہ پُرتکلف ناشتہ کا اہتمام فرماتے، جس میں سہارن پور کی مشہور ''چاٹ'' اور ''سموسے'' اکثر دسترخوان پر ہوتے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو کیا مجال ہے کہ بغیر کھانا کھائے چلے آئیں، اگر کسی

اور کے یہاں کھانے کا وعدہ کر لیتے تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ تمہارے نانا سہارنپور میں کچے گھر کے علاوہ کہیں مہمان نہیں بنتے تھے، اس لئے جب بھی آؤ اپنے گھر کی طرح کھانا یہیں کھاؤ، واپسی کے وقت اکثر و بیشتر کتب خانہ یحیوی کی مطبوعہ کتب، نقدی، عطر یا کوئی اور چیز بڑی محبت کے ساتھ بہ طور ہدیہ عنایت فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

گذشتہ سالوں میں کتب خانے کے قیام اور بکری پالن کی بڑی ترغیب دیتے تھے، اس کے طریقہ کار کو سمجھاتے اور فوائد کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے، متعدد مرتبہ باقاعدہ فون کر کے اس سلسلہ میں پیش قدمی کرنے کی ہدایت بھی دی، اپنے ممکنہ تعاون کا بھرپور یقین دلایا؛ لیکن ہماری طرف سے سستی رہی اور ان دونوں کاموں میں سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔

۲۰۰۰ء میں خاکسار کی مجلس نکاح میں خسر محترم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہٗ کی خاص دعوت پر آپ کی مرادآباد تشریف آوری ہوئی، بعد فراغت نکاح مجھے ایک طرف کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ نکاح کے بعد مجھے حضرت والد صاحب (شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ) نے ایک نصیحت فرمائی تھی، میں نے اس پر عمل کیا اور اس کے فوائد محسوس کئے، میں تمہیں بھی وہی بتانا چاہتا ہوں۔ نصیحت یہ ہے کہ جب اہلیہ سے ملاقات ہو تو اَولاً دو رکعت نفل نماز اِس طرح پڑھنا کہ تم امام ہو اور بیوی مقتدی، بعد ازاں دونوں رشتے کے مبارک ہونے اور جملہ خیرات و برکات کے سلسلہ میں دعا کرنا، ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا، بندہ نے اس پر عمل کیا اور اس کے خوش گوار اثرات آج تک باقی ہیں اور ان شاء اللہ باقی رہیں گے۔

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ اپنی سادگی، بے نفسی، بزرگی اور للّٰہیت کے حوالہ سے ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے۔ تصنع اور بناوٹ سے پاک آپ کا فطری انداز قدرے بھاری بدن، گول بارعب چہرہ اور سر پر مخصوص قسم کی گول اونچی ٹوپی، ڈھیلے ڈھیلے کپڑے، کرتے کے اندرونی حصے میں لمبی چوڑی جیب جس میں عطر، پیسے، خطوط ضروری کاغذات اور دیگر اشیاء بحفاظت موجود رہتی تھیں، ترقی کے اس دور میں جب دنیا پیسے رکھنے کے لئے طرح طرح کے قیمتی ''بٹوے''

اپنے ساتھ رکھتی ہے، حضرت مرحوم کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کسی پنّی میں نوٹ لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا کرتے، ضرورت ہوتی تو بڑے اہتمام سے تہہ در تہہ پنّی کھولتے اور بقدر ضرورت رقم نکال کر پھر اسی طرح بند کر دیا کرتے۔

آپ پیر جی کے نام سے معروف تھے، خود اس لقب کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ اپنے کتب خانہ یحیوی پر بیٹھا کھیل کھیل میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو بیعت کر رہا تھا، اتنے میں حضرت مدنیؒ کا تانگہ آ گیا، حضرت تانگہ سے اترے اور مجھے بیعت کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ''مجھے بھی بیعت کر لیں''، میں نے بلا تکلف کہہ دیا کہ آیئے اور حضرت مدنی کو بیعت کر لیا۔ اس کے بعد سے حضرت مدنیؒ مجھے ''پیر صاحب'' ہی کہہ کر پکارتے اور ایک طرح سے یہ میرا لقب بن گیا۔

خاندان کے چھوٹے بڑے سب آپ کو ماموں کہا کرتے تھے، ممانی سے آپ کو بڑا لگاؤ تھا اور ان کا بہت خیال بھی رکھتے تھے، تقریباً سوا برس پہلے ان کے وصال کے بعد سے تو بہت ٹوٹ گئے تھے اور خاموش خاموش رہنے لگے تھے۔

ممانی جو خود ولی صفت خاتون تھیں، ضعیفی اور معذوری کے باوجود ماموں کی پوری نگرانی اور ان کی ضروریات کا بھرپور خیال رکھتی تھیں، وقت پر دوا کھلانا، پرہیزی کھانے کا انتظام کرنا، ان کی صحت کا خیال رکھنا وغیرہ۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ باہر مجلس لگی ہوئی ہے، حضرت گفتگو فرما رہے ہیں لوگ گوش برآواز ہیں، زنان خانہ سے بچیاں آئیں اور دور کھڑے ہو کر آواز دی: ''ماموں! ممانی کہہ رہی ہیں بیٹھے بیٹھے بہت دیر ہو گئی، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، آرام کر لو۔'' حضرت مسکراتے ہوئے جواب دیتے اچھا کہہ دو آرام کر رہے ہیں، پھر کبھی لیٹ جاتے اور کبھی نیم دراز ہو جاتے۔ اللہ اکبر! آپسی تعلق اور احترام رائے کی یہ مثالیں کہاں ملتی ہیں؟

باری تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور انبیاء وصدیقین شہداء وصالحین کے زمرے میں شامل فرمائیں، آمین یارب العالمین۔ (ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۹ء)

❍❖❍

فہرست خلفاء ومجازین

حضرت اَقدس مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ

مولانا مفتی فرید بن محمد یونس دیولوی

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، وعلىٰ آله وصحبه أجمعين، وبعد!

آہ! سیدی ومرشدی حضرت اقدس، پیرطریقت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ہم جیسے سیکڑوں، ہزاروں بل کہ لاکھوں مریدین، متوسلین اور عقیدت مندوں کو روتے سسکتے اور تشنہ لب وپریشان حال چھوڑ کر مؤرخہ ۱۰رذی الحجہ ۱۴۴۰ھ بروز پیر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، اے مالک دارین! ہمارے حضرت کی مغفرت فرما کر اپنی شایانِ شان جنت الفردوس میں مراتب عالیہ سے سرفراز فرما، آمین۔

افسوس! حیات مبارکہ میں ہم نے آپ کی وہ قدر نہیں کی جس کے آپ مستحق تھے، اور اپنی نالائقی سے وہ اکتسابِ فیض نہیں کر سکے جس کا اللہ نے ہمیں زریں موقع عنایت فرمایا تھا، یہ حقیر جب بھی وطن واپسی کا ارادہ کرتا تو فرماتے: ''بھائی مدرسہ کی خدمت اور پڑھنے پڑھانے کا موقع ان شاء اللہ ہمارے بعد بھی ملے گا مگر ہم کہاں ملیں گے''! اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھتے ہوئے رخصت کرتے:

بہت روئیں گے کر کے یاد اہل مے کدہ مجھ کو
شراب دردِ دل پی کر ہمارے جام ومینا سے

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ برادرانِ طریقت میں سے بہت سوں نے اس چشمۂ صافی سے خوب خوب سیرابی حاصل کی، اور کئی ایک کو اللہ تعالیٰ نے فنائیت کا شرف عطا فرمایا اور ان میں بعض سعادت مندوں نے زندگی کی آخری سانس تک خصوصاً معذوری کے ایام میں ٹوٹ کر

حضرت والا رحمہ اللہ کی ہر طرح سے خدمت انجام دی، اللہ تعالیٰ ان دوستوں کو جملہ برادرانِ طریقت کی جانب سے دونوں جہان میں بہترین بدلہ عنایت فرمائے، اور حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ کے فیوض و برکات سے خوب خوب مالا مال فرمائے، آمین۔

اس وقت مقصدِ تحریر حضرت رحمہ اللہ کے خلفاء و مجازین کی فہرست پیش کرنا ہے، یہ حضرت رحمہ اللہ کی ایک امانت ہے جسے اس کے مستحق تک پہنچانا اس حقیر کی ذمہ داری ہے، کیوں کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے اِس حقیر کو خلفاء و مجازین کے ناموں کے اندراج اور ان کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا، اس لئے ذیل میں وہ فہرست پیش کی جا رہی ہے۔ واضح ہو کہ یہ فہرست حضرت کے جانشین حضرت اقدس مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہری زید مجدہم کی نظر سے بھی گذر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

فہرست خلفاء ومجازین حضرت اَقدس مولانا محمد طلحہ صاحب رحمہ اللہ

(۱) جناب مولانا احمد عمر جی صاحب آچھودی رحمہ اللہ بانی: بچوں کا گھر، آمود ضلع بھروچ، گجرات

(۲) جناب الحاج ظہور احمد صاحب زرگر رحمہ اللہ لکھی گیٹ دوئم، سہارن پور

(۳) جناب الحاج عبدالکریم صاحب سرائے مردان علی، سہارن پور

(۴) جناب الحاج عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ ناظم کتب خانہ یحیوی، متصل مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور

(۵) جناب مولانا عبدالحق صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند (اجازت: ۶؍رجب ۱۴۱۹ھ)

(۶) جناب الحاج بھائی خالد منیار صاحب سورتی سورت بورڈ پیپر ملس، اودھنا مین روڈ، سورت، گجرات (اجازت: ۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ)

(۷) جناب مولانا احمد لاٹ صاحب ندوی مقیم مرکز تبلیغ، بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی (اجازت: ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ)

(۸) جناب مولانا ملک عبد الوحید صاحب مدینہ منورہ (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ)

(۹) جناب مولانا محمد سلمان صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، وجانشین حضرت پیرومرشد رحمہ اللہ، کچا گھر سہارن پور (اِجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ)

(۱۰) جناب صوفی محمد عمر جی بچھیڑ کلاں والے

(۱۱) جناب مولانا مفتی عاشق الٰہی بلندشہریؒ مہاجر مدنی مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفا وکرامۃ

(۱۲) جناب مولانا محمد ممتاز صاحب رحمہ اللہ مدھوبنی بہار (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ)

(۱۳) جناب قاری محمد صالح صاحب جوگواڑی مقیم حال کناڈا (اجازت: ۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ)

(۱۴) جناب الحاج مولانا محمود صاحب مقیم حال افریقہ

(۱۵) جناب الحاج بھائی نعیم اللہ صاحب حیدرآباد (اجازت: ۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ)

(۱۶) جناب الحاج بھائی ذکاء اللہ صاحب الحرم اسٹیشنرس، اردو بازار لاہور پاکستان (اجازت: ۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ)

(۱۷) جناب الحاج بھائی نصرت اللہ صاحب الحرم اسٹیشنرس، اردو بازار لاہور پاکستان (اجازت: ۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ)

(۱۸) جناب مولانا عبد الرحیم حاجی دالا رصاحب ہارونی منزل، سوسائٹی روڈ آنند گجرات (اجازت: رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ)

(۱۹) جناب مولانا رفیق احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم چھاپی گجرات، محلّہ پارہ، پورہ معروف، پوسٹ کورتھی جعفر پور ضلع مئو یوپی (اجازت: ۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ)

(۲۰) جناب مولانا محمد رضوان صاحب قصبہ گُرسی ضلع بارہ بنکی یوپی (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ)

(۲۱) جناب مولانا جمال الدین صاحب مظاہری مہتمم مدرسہ مدنیہ خیروا پوسٹ بیلا، تھانہ چھورادانو، مشرقی چمپارن بہار (اجازت: ۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ)

(۲۲) جناب مولانا عبداللہ معروفی صاحب استاذ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند، محلّہ نئی بستی پارہ، پورہ معروف ضلع مئو یوپی (اجازت: ۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ)

(۲۳) جناب مولانا مبین صاحبؒ سابق استاذ جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام ہاپوڑ یوپی (اجازت ۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ)

(۲۴) جناب صوفی محمد میاں صاحب امیر جماعت سورت گجرات

(۲۵) جناب مولانا مفتی ریاست علی شکار پوری محلّہ قانون گویان شکار پور بلند شہر یوپی (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ)

(۲۶) جناب مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی آسام

(۲۷) جناب مولانا حکیم محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ محلّہ مفتی سہارن پور (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

(۲۸) جناب حافظ محمد یوسف صاحب مالے گاؤں ناسک مہاراشٹر (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

(۲۹) جناب مولانا مفتی محمد ذاکر صاحب جے پور راجستھان (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

(۳۰) جناب بھائی محمد الطاف صاحب دہلی (اجازت: ۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

(۳۱) جناب مولانا ظہور الدین صاحب مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین دہلی (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

(۳۲) جناب مولانا سید محمود میاں صاحب جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور پاکستان

(۳۳) جناب حافظ محمد اسماعیل صاحب موضع فیروز پور نمک میوات ہریانہ (اجازت: رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ)

(۳۴) جناب مولانا محمد صاحب معہد الخلیل الاسلامی، بہادر آباد کراچی پاکستان (اجازت: ۱۴۲۷ھ)

(۳۵) جناب بھائی اقبال حفیظ صاحب اقبال منزل بھوپال (اجازت: رمضان ۱۴۲۸ھ)

(۳۶) مفتی فرید بن یونس دیولوی صاحب دارالافتاء اِدارہ فیض شیخ زکریا ویزل پور احمد آباد ۵۵ گجرات (اجازت: ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ)

(۳۷) جناب مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب دارالمبلغین، پاٹا نالہ لکھنؤ (اجازت ۱۴۲۹ھ بذریعہ فون)

(۳۸) جناب مولانا مفتی محمود صاحب ناظم جامعہ عربیہ بشوندرا ڈھاکہ بنگلہ دیش (اجازت: ۳۰ رجون ۲۰۰۸ء)

(۳۹) جناب مولانا محمد عثمان صاحب محلّہ اسلام پورہ کاکوسی ضلع پٹن گجرات (اجازت: ۸ر رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ)

(۴۰) جناب مولانا ناصر علی صاحب مدرسہ مدینۃ العلوم لہر پور ضلع سیتا پور یوپی (اجازت ۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ)

(۴۱) جناب مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلندر پور اعظم گڈھ یوپی مقیم ابوظہبی (اجازت بذریعہ تحریر)

(۴۲) جناب مولانا مفتی مقصود عالم صاحب جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ یوپی (اجازت بذریعہ تحریر)

(۴۳) جناب مولانا یوسف صدیق صاحب اسلام پوری جامعہ ہدایت ہمت نگر سابر کانٹھا گجرات (اجازت ۱۷ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ)

(۴۴) جناب مولانا زاہر حسین صاحب رشید پور اَلٹا باڑی کشن گنج بہار (اجازت: ۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ)

(۴۵) جناب مولانا نیاز الدین اصلاحی صاحب استاذ شعبۂ کتابت دار العلوم دیوبند (اجازت: ۲۶ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ)

(۴۶) جناب مولانا عبد الرؤف بن شیخ عبد الحفیظ صاحب مکی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ)

(۴۷) جناب مولانا محمود رومیؔ صاحب جون پوری مدرسہ حلیمیہ رسول پور اعظم گڈھ یوپی۔ (اجازت: ۲۸؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ)

(۴۸) جناب مولانا قاری رضوان نسیم صاحب صدر القراء جامعہ مظاہر علوم سہارن پور (اجازت: ۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ)

(۴۹) جناب حافظ پٹیل صاحب نوساری گجرات مرکز تبلیغ لندن یو کے (اجازت: رجب المرجب ۱۴۳۱ھ بذریعہ تحریر)

(۵۰) جناب مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد (اجازت: ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ بہ مدینۃ المنورہ)

(۵۱) جناب مولانا مفتی ریاست علی رام پوری صاحب مفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ (اجازت: ۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ)

(۵۲) جناب مولانا عبد الرحیم لمباڈہ صاحب دار العلوم بری لندن یو کے (اجازت: شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ)

(۵۳) جناب مولانا محمد اویس صاحب اسلام پور ہمت نگر سابر کانٹھا گجرات (اجازت: رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ)

(۵۴) جناب محمد امتیاز خاں صاحب حسین پورہ ولوڈ تمل ناڈو (اجازت: ۱۰؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ)

(۵۵) جناب مولانا ابراہیم میاں فام صاحب ساؤتھ افریقہ (اِجازت: رجب المرجب ۱۴۳۳ھ)

(۵۶) جناب مولانا محمد عتیق الرحمٰن بن عزیز الرحمٰن صاحب جامعہ دار العلوم زکریا اسلام آباد پاکستان (اجازت: ۲۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ)

(۵۷) جناب مولانا محمد اویس بن عزیز الرحمٰن صاحب جامعہ دار العلوم زکریا اسلام آباد پاکستان (اجازت: ۲۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ)

(۵۸) جناب حافظ محمد شاہد صاحب معہد الخلیل الاسلامی کراچی پاکستان (اجازت: ۲۹؍جمادیٰ الثانیہ ۱۴۳۳ھ)

(۵۹) جناب مولانا محمد سلمان صاحب معہد الخلیل الاسلامی کراچی پاکستان (اجازت: رجب المرجب ۱۴۳۳ھ)

(۶۰) جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب کراچی پاکستان (اجازت: رجب المرجب ۱۴۳۳ھ)

(۶۱) جناب مولانا اسحاق صاحب راندیری ٹائیواڑ راندیر سورت (اجازت: ۳۰؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ)

(۶۲) جناب مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاذ حدیث وتفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (اجازت: رجب المرجب ۱۴۳۴ھ)

(۶۳) جناب مولانا حسن جان صاحب خطیب مسجد ابوذر غفاری حیات آباد پشاور پاکستان (اجازت: محرم الحرام ۱۴۳۵ھ)

(۶۴) جناب ڈاکٹر نوید جمیل ملک صاحب سرسید روڈ راول پنڈی کینٹ پاکستان (اجازت: ۱۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ)

(۶۵) جناب مولانا زہیر الحسن صاحب مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین دہلی (اجازت: جمادیٰ الثانیہ ۱۴۳۵ھ بذریعہ تحریر)

(۶۶) جناب الحاج سید محمد ناطق صاحب قادری المسند ینار اورنگ آباد بہار (اجازت: ۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ)

(۶۷) جناب مولانا موسیٰ صاحب رانی پوسٹ راب گنج (اجازت: ۲۳؍رمضان ۱۴۳۵ھ)

(۶۸) جناب بھائی عبد القادر صاحب سرگودھا پاکستان (اجازت: رجب ۱۴۳۶ھ)

(۶۹) جناب مولانا عبدالعظیم مظاہری ندوی صاحب مہتمم مدرسہ حلیمیہ رسول پور اعظم گڈھ (اجازت: ۲۶؍رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ بذریعہ تحریر)

(۷۰) جناب الحاج لقمان مکی صاحب مقیم حال مدینہ منورہ سعودیہ عربیہ (اجازت: ۷؍شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ)

(۷۱) جناب ہیثم صاحب مکی مکہ مکرمہ سعودیہ عربیہ (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ)

(۷۲) جناب مولانا محمد شعبان صاحب دودھارا ضلع سنت کبیر نگر بستی (اجازت: ۱۰؍شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ)

(۷۳) جناب مولانا سید ازہر صاحب مدنی مہتمم مدرسہ مدنیہ تعلیم القرآن گنگوہ (اجازت ۱۴۳۸ھ)

(۷۴) جناب مولانا سید محمد جنید صاحب استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور (اجازت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ)

(۷۵) جناب مولانا معاذ بن حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب مکہ مکرمہ سعودیہ عربیہ (اجازت: محرم الحرام ۱۴۴۰ھ)

(۷۶) جناب مولانا یحییٰ بن مولانا یوسف لدھیانوی مکتبہ لدھیانوی کراچی، پاکستان

نوٹ:- جن حضرات کا اِس فہرست میں اتفاقاً نام آنے سے رہ گیا ہو، وہ بندہ مرتب سے رابطہ فرمائیں (بندہ فرید بن یونس دیولوی دارالافتاء ادارہ فیض شیخ زکریا ویزل پور احمد آباد ۵۵ گجرات 8200543810)

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۹ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحبؒ

قطب الارشاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کے محبّ ومحبوب خلیفہ اجل، بلادِ مغرب میں علم دین کی اشاعت، دعوت وتبلیغ اور سلوک ومعرفت کے میدان میں عظیم خدمات انجام دینے والے مقبول ومعروف عالم دین، انگلینڈ کے اولین مدرسہ ''دارالعلوم ہول کمب بری'' کے بانی وشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۹ رمحرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ۹ رستمبر ۲۰۱۹ء بروز پیر رات ۸ ربجے کناڈا کے شہر ''ٹورنٹو'' میں تقریباً ۷۵ رسال کی عمر میں انتقال فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن بعد نماز ظہر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

مولانا موصوف بڑے باکمال شخص تھے، عزم کی پختگی، ہمت کی بلندی، تعلق مع اللہ، علمی گیرائی، اذکار واوراد پر مداومت، احقاقِ حق، وابطال باطل، استغناء اور بے نیازی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

انتہائی ناموافق ماحول میں عظیم الشان دینی اداروں کا قیام وانتظام کوئی معمولی کام نہ تھا، جسے آپ نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت اور اپنے اکابر کی دعاؤں کی بدولت پوری ذمہ داری سے انجام دیا، آج تو الحمد للہ پورے برطانیہ میں جابجا دینی مدارس ومکاتب اور مسلم اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے؛ لیکن ایک زمانہ تھا جب اس دیارِ غیر میں ان سرگرمیوں کا کوئی تصور نہ تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ جو پورے عالم میں احیاء اسلام کے لئے متفکر رہتے تھے، اُنہوں نے حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ کی صورت میں ایک نایاب ہیرے کو پہچان کر اس ملک میں علم

دین کا چراغ جلانے کا حکم دیا۔ اور پھر سخت ضعف وپیری کے باوجود اس مدرسہ کی بنیاد رکھنے کے لئے ایک بڑی جماعت کے ساتھ بذاتِ خود انگلینڈ تشریف لے گئے، اور ''بری'' جہاں یہ دارالعلوم قائم ہے، وہاں مسلسل کئی روز قیام فرمایا، اور ذکر واذکار اور شبانہ روز مخلصانہ دعاؤں سے اس ظلمت کدہ کو بقعہ نور بنادیا۔ حضرت شیخ کی توجہ اور حضرت مولانا متالا صاحبؒ کی مسلسل اور اَن تھک محنت نے جلد ہی اس مدرسہ کو پورے یوروپ کے ''اُم المدارس'' ہونے کا مقام عطا کیا۔ الحمدللہ آج اس ادارے کا فیض گھر گھر، مسجد مسجد اور ملکوں ملکوں میں پھیلا ہوا ہے، اور اس ایک ادارے کی بدولت سیکڑوں ادارے وجود میں آچکے ہیں، فالحمد کلہ للہ۔

حضرت مولانا محمد یوسف متالا رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک الگ شان رکھنے والے بزرگ تھے، آپ کے مشورے بڑے صائب اور رہنمائی حالات کے عین مطابق ہوتی تھی، لوگ اپنے اجتماعی اور انفرادی معاملات میں حضرت سے رجوع کرتے اور آپ کی ہدایت پر عمل کرکے کامیابی حاصل کرتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو آپ سے اور آپ کے برادر اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (مقیم چپاٹا زامبیا) سے کمال درجہ کا تعلق تھا، جس کو مقام محبوبیت کے علاوہ کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، جس کا کچھ اندازہ حضرت شیخ کے ان مکتوبات سے ہوتا ہے جو آپ نے ان دونوں برادران کے نام لکھے، جو تین ضخیم جلدوں میں ''محبت نامے'' کے عنوان سے شائع ہوچکے ہیں۔

حضرت مولانا متالاؒ کی مجلسیں محبت خداوندی اور عشق نبوی کی خوشبوؤں سے معطر رہتی تھیں، جن کو بعد میں ''محبت رسول'' اور ''اطاعت رسول'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع کردیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کی تالیف کردہ ایک کتاب جس میں اہل اللہ کے آخری وقت کے حالات جمع کئے گئے ہیں، وہ بہت عمدہ پراثر اور بابرکت کتاب ہے، پڑھنے والا اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اسی طرح آپ کے بہت سے دروس حدیث شریف بھی شائع شدہ ہیں، جو شائقین کے لئے سرمۂ بصیرت بنائے جانے کے لائق ہیں۔

آخری عمر تک آپ درسِ حدیث دیتے رہے، مزید یہ کہ آپ نے ''اضواء البیان'' کے نام سے قرآنِ کریم کا بہترین اور آسان اردو ترجمہ بھی شائع فرمایا، پھر اس کی عربی اور اردو میں مختصر تفسیری نوٹ بھی تیار فرما رہے تھے، کئی سورتوں کے مسودے شائع بھی فرمائے، اور انہیں تائید و تصدیق کے لئے اکابر علماء کی خدمت میں بھی پیش فرمایا۔

الغرض آپ کی ذاتِ عالی مغربی ممالک میں آباد مسلمانوں کے لئے ایک سائبان کی حیثیت رکھتی تھی، قدم قدم پر آپ کی کمی عرصہ تک محسوس کی جاتی رہے گی، مگر دنیا کا دستور یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنے کے علاوہ چارۂ کار نہیں ہے۔

بس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، متعلقین کو صبرِ جمیل سے نوازیں، اور آپ کے چھوڑے ہوئے تمام علمی و دینی اداروں کو ہمیشہ آباد و شاداب رکھیں، آمین۔

مختصر حالات:- حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ کا اصلی وطن قصبہ نانی نرولی ضلع سورت گجرات ہے، وہیں ۲۵ رنومبر ۱۹۴۶ء مطابق محرم الحرام ۱۳۶۶ھ کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں ہی حاصل کی، اس کے بعد راندیر کے ''جامعہ حسینیہ'' میں داخل ہوئے، اور وہاں متوسط عربی کتابیں پڑھیں، پھر ۱۳۸۵ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا اور ۱۳۸۶ھ میں یہاں کے اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، ناظم جامعہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ شامل ہیں۔ زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ حضرت شیخؒ سے بیعت ہوئے، اور برادر محترم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں ''کچے گھر'' میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۳۸۹ھ میں مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں حضرت شیخؒ کی طرف سے آپ کو اجازت بیعت سے نوازا گیا۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد آپ دینی خدمت کے ارادے سے ۱۳۸۸ھ میں انگلینڈ تشریف لے گئے، اور یہاں آ کر حضرت شیخؒ کے حکم سے ''دارالعلوم'' قائم فرمایا اور یہاں کی سبھی دینی تحریکات کی سرپرستی فرمائی۔

آپ نے دو نکاح فرمائے، دوسری اہلیہ سے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں، سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیزم محمد قاسم سلمہ کی عمر صرف آٹھ سال ہے۔ جب کہ پہلی اہلیہ سے ایک صاحبزادی ہیں، جو مولانا جنید ڈیسائی مقیم ٹورنٹو (کناڈا) سے منسوب ہیں، اسی صاحبزادی سے ملنے کے لئے آپ اس سال عیدالاضحیٰ سے قبل کناڈا تشریف لے گئے تھے، وہیں اواخر ذی الحجہ میں قلب کا دورہ پڑا اور تقریباً پندرہ روز بے ہوش رہ کر اسی عالم میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

احقر کا جب بھی برطانیہ کا سفر ہوا، تو حضرت موصوف نے حضرت مدنیؒ کی نسبت کی بنا پر نہایت شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا، اپنے مدرسہ میں اور دولت خانہ پر حاضری کا حکم دیا، اور مفید ہدایات اور قیمتی نصائح سے نوازا، ویسے بھی ''وہاٹس ایپ'' کے ذریعہ آپ سے رابطہ رہتا تھا، ضروری امور کے بارے میں معلومات کا تبادلہ فرماتے رہتے تھے۔

مرض الوفات سے چند یوم قبل آپ نے اپنے بعض احباب کو متعدد وائس میسج بھیجے، جن میں صاف اشارہ تھا کہ آپ کی جدائی کا وقت قریب ہے، گویا کہ موت سے قبل آپ نے اس کی پوری تیاری کر رکھی تھی، بالآخر وقت موعود آپہنچا اور آپ نے وہ منزل پار کر لی جو بہر حال ہر مخلوق کو پار کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وقت سے پہلے موت کی تیاری کرنے کی اور آخرت کی سبھی منازل میں آسانی کی توفیق ارزانی فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا محمد جمال صاحب قاسمیؒ

اُستاذ دارالعلوم دیوبند

موصوف گذشتہ ۱۷؍محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۷؍ستمبر ۲۰۱۹ء بروز منگل طویل علالت کے بعد ۸۳؍سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ بڑے صاف دل، سادہ لوح، خوش مزاج اور جامع الکمالات شخص تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے شاگردی کا شرف حاصل تھا۔

۳۴؍سال دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دی، اس سے قبل گجرات اور جنوبی ہند کے مدارس میں خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ نے تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی اختیار فرمایا، جن میں جلالین کی شرح ''جمالین'' بہت مشہور ہوئی۔

مولانا موصوف کو طب وحکمت میں بھی خاصا درک حاصل تھا، حسبۃً للہ دوا علاج میں مشغول رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مظاہریؒ کانپور

موصوف ملک کے مشہور ومعروف بافیض، حق گو اور جرأت مند عالم دین تھے، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ کے قدیم ممبر اور جمعیۃ علماء ہند اور امارتِ شرعیہ ہند کے رکن رکین تھے۔ آپ نے تقریباً ساٹھ سال مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور کانپور میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں، اور شہر کانپور کے قاضی ہونے کی حیثیت سے ملی وسیاسی قیادت بھی فرمائی۔ آپ کا علم پختہ اور مستحضر تھا۔

آپ کی پیدائش ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں پوتریا ضلع جونپور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم بیت العلوم سرائے میر میں حاصل کی، پھر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لے کر ۱۹۴۷ء میں فراغت حاصل کی، اس کے بعد اپنے مربی اور سرپرست فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر کانپور تشریف لے آئے، اور پھر پوری زندگی یہیں گذار دی۔

اخیر عمر میں ضعف اور دیگر عوارض میں مبتلا رہ کر ۵؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۳؍نومبر ۲۰۱۹ء بروز اتوار داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کانپور میں ہی آپ کی تدفین ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا قاری محمد اصغر صاحب قاسمیؒ

شیخ الحدیث مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ

آپ مغربی یو پی کے قدیم مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے ناظم تعلیمات اور شیخ الحدیث تھے، انتہائی متواضع، کم گو، شریف النفس اور اعلیٰ اخلاق کے حامل بزرگ تھے۔ آپ کا علمی فیض دور دور تک پھیلا ہوا تھا، آپ عرصۂ دراز سے شہر ہاپوڑ کے قاضی اور امام بھی تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں ہوئی، آپ نے ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی، ۱۹۶۰ء میں تکمیل ادب اور ۱۹۶۲ء میں دو سال افتاء کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد تادم آخر تقریباً ساٹھ سال مدرسہ خادم الاسلام سے وابستہ رہ کر عظیم خدمات انجام دیں۔

چند روز علیل رہ کر مؤرخہ ۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱؍ نومبر ۲۰۱۹ء بروز پیر کو واصل بحق ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے روز بعد نماز ظہر ایک جم غفیر نے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیو بند کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا قاری محمد اصغر صاحب گنگوہیؒ

مختصر حالات اور خدمات

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری اُستاذ حدیث و مفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

یہ دنیا دارِ فانی ہے اور روزانہ ہی بے شمار انسان اس دار فانی سے عالم جاودانی کی جانب رحلت کرتے رہتے ہیں اور بے شمار انسان ہی روزانہ پیدا بھی ہوتے ہیں، کتنی ہی جانیں روزانہ ختم ہوتی ہیں مگر ان پر آنسو بہانے والا میسر نہیں ہوتا مگر اس کارخانہ قدرت میں بعض نفوس ایسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہوتے ہیں کہ ان کے رحلت کرنے سے ایک عالم سوگوار ہوجاتا ہے اور ان کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے سے ملت اسلامیہ عظیم خسارہ سے دوچار ہوجاتی ہے اور اس خلاء کو بھرنا دشوار ہوجاتا ہے۔ انہی عظیم شخصیات میں مشہور عالم دین، عظیم محدث و مفسر اور صاحب فیض مدرس حضرت مولانا قاری محمد اصغر صاحب گنگوہیؒ کی ذات گرامی بھی ہے، جن کے مختصر حالات درج ذیل سطور میں پیش کئے جارہے ہیں:

ولادت اور نام و نسب

آپ کا اسم گرامی محمد اصغر والد گرامی قدر کا اسم گرامی حافظ محمد سعید اور دادا کا نام ملا جمال (متوفی ۱۳۵۵ھ) ہے۔ آپ خاندانی طور سے نہٹور ضلع بجنور کے باشندہ ہیں۔ آپ کے خاندان کے لوگ آج بھی نہٹور ضلع بجنور یوپی کے محلّہ دکھنی سرائے میں مقیم ہیں، ان میں سے بعض سے بندہ ذاتی طور سے واقف ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے والد ماجد کسی زمانہ میں نہٹور سے گنگوہ ضلع سہارن پور یوپی انتقال مکانی کرکے تشریف لے گئے تھے اور گنگوہ کو اپنا وطن اصلی اور مستقر بنالیا تھا، جو اَولیاء واَقطاب کی سرزمین ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کے تین بزرگ شاہ عبدالقدوس

گنگوہیؒ، شاہ ابوسعید گنگوہیؒ، قطب الارشاد اِمام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے وطن ہونے کا شرف بھی اسی سرزمین کو حاصل ہے، اور یہی سرزمین مذکورہ اکابر ثلاثہ کی آخری آرام گاہ ہے۔ بعد کے اکابر میں مرشدی ومولائی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ سابق مفتی اعظم ہند وصدر مفتی دارالعلوم دیوبند، نبیرۂ قطب الارشاد حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود عرف حکیم ننومیاں قدس سرہٗ، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب قدس سرہٗ بانی ومہتمم مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کا تعلق بھی اسی بابرکت اور مقدس سرزمین سے ہے۔ اسی مقدس سرزمین میں اوائل نومبر ۱۹۳۳ء مطابق ۱۳۵۲ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ لال مسجد گنگوہ کے قریب آپ کا مکان تھا، جس کو راقم السطور نے مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ میں طالب علمی کے زمانہ میں بارہا دیکھا ہے، آپ ہی کے مکان میں میرے مشفق ومہربان استاذ حضرت مولانا رئیس الدین صاحب بجنوری نوراللہ مرقدہٗ سابق استاذ مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ و سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور قیام پذیر رہتے تھے۔ آپ سے بڑے آپ کے دو بھائی اور بھی تھے جن میں سے ایک کا نام عبدالوحید اور دوسرے کا نام محمد اکبر تھا۔ الحاج محمد اکبر کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد انور صاحب گنگوہی دامت برکاتہم سابق استاذ حدیث مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ وموجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم رشیدیہ گنگوہ میرے گنگوہ کے زمانہ کے مشفق ومحترم استاذ ہیں، موصوف سے بندہ نے تفسیر جلالین جلد ثانی، الفوز الکبیر، میبذی، قطبی جیسی اہم کتابیں پڑھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو تادیر جاری وساری فرمائیں، آمین۔

تعلیم وتربیت

قاری محمد اصغر صاحب موصوف وممدوح کی تعلیم کا آغاز مدرسہ اَشرف العلوم گنگوہ سے ہوا جو اَولاً باہر لی مسجد محلّہ اشرف علی میں جاری تھا۔ بعد میں سہارن پور بس اسٹینڈ پر عظیم الشان عمارت میں منتقل ہوا؛ لیکن حضرت قاری محمد اصغر صاحبؒ کی تعلیم باہر لی مسجد میں ہوئی، مولانا

قاری شریف احمد صاحبؒ آپ کے حفظ وناظرہ کے استاذ تھے۔ابتدائی اردو دینیات وغیرہ کی تعلیم بھی اسی مدرسہ میں مکمل کی۔

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں داخلہ

حفظ وناظرہ اردو دینیات کی تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۱ء میں ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم کے لئے آپ نے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں داخلہ لیا اور عربی وفارسی کے ابتدائی درجات کی کتابیں اس ادارہ کے مؤقر اساتذہ کرام سے پڑھیں، مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ سابق صدر وفاق المدارس پاکستان، حضرت مولانا صفی اللہ خاں صاحب عرف بھائی جان قدس سرہٗ، حضرت علامہ مولانا رفیق احمد صاحبؒ، حضرت مولانا عقیل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد جیسی مؤقر شخصیات شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد سے علمی تشنگی بجھانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۵۵ء میں داخلہ لیا اور مکمل سات سال تک بھرپور محنت، جانفشانی اور یکسوئی کے ساتھ مختلف علوم وفنون کی کتابیں دارالعلوم کے مؤقر وماہرفن اساتذہ کے زانوئے تلمذ طے کرکے پڑھیں اور تمام فنون میں درک اور مہارت حاصل کی۔ ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور کتب صحاح ستہ کی اس وقت کے اساتذۂ حدیث سے پڑھ کر اجازت حدیث حاصل کی۔۱۹۶۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تکمیل ادب میں داخلہ لیا اور اسی کے ساتھ قرأت سبعہ عشرہ کی تکمیل فرمائی جبکہ قرأت حفص کی تکمیل درس نظامی کی کتب کی تدریس کے دوران آپ کر چکے تھے۔۱۹۶۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر فتوی نویسی کی مشق کی اور دارالافتاء کے مقررہ نصاب کی کتابیں پڑھیں۔ اس طرح جنوری ۱۹۶۲ء تک

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کا سلسلہ قائم رہا، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ ہی میں آپ تقریباً سات سال تک مسجد قدیم دارالعلوم دیوبند کے امام وخطیب بھی رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اَساتذۂ کرام

اَز ہر ہند ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں جن نابغۂ روزگار، عبقری شخصیات سے آپ نے کسب فیض کیا ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب ہاپوڑی ثم مرادآبادی نوراللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید فخرالحسن صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاںپوری رحمۃ اللہ علیہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ استاذ ادب دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ صدرالقراء دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

نامور رفقاء درس

آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب بنگلوریؒ سابق امیر شریعت کرناٹک مہتمم وشیخ الحدیث سبیل الرشاد بنگلور، حضرت مولانا قاضی زین الساجدین صاحب مدظلہ قاضی شہر میرٹھ، حضرت مولانا عبداللہ صاحب مغیثی مدظلہ مہتمم جامع گلزار حسینیہ اجراڑہ وغیرہ نامور شخصیات شامل ہیں۔

درس وتدریس

دارالعلوم دیوبند کے درس نظامی کے نصاب سے فراغت اور علوم مشرقیہ میں کامل مہارت کے بعد آپ نے درس وتدریس کی زندگی میں قدم رکھنے کا ارادہ کیا اور اپنے اساتذہ کرام سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا چنانچہ آپ کے مشفق ومہربان اساتذہ حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ نے مؤرخہ یکم ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ مطابق اپریل ۱۹۶۲ء میں مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں حضرت مولانا ناظر حسین ؒمہتمم مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی طلب صادق پر آنجناب کا تقرر فرمادیا اور آپ پوری دلجمعی اور یکسوئی سے اس ادارہ میں درس وتدریس میں مصروف ہوگئے اور از ابتداء تا انتہاء درس نظامی کی تقریباً تمام ہی کتابیں آپ نے پڑھائیں۔ صرف ونحو، منطق وفلسفہ، معانی و بیان وبدیع، ادب عربی، فقہ اصول فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، عقائد وکلام وغیرہ تمام ہی علوم وفنون کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں اور مکمل تیاری کے بعد پوری توجہ سے آپ طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ طلبہ آپ کے درس سے بیحد مطمئن رہتے تھے۔ ۱۹۷۶ء میں جب مدرسہ خادم الاسلام میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا تو صحاح ستہ کی کتابوں میں صحیح مسلم کا درس آپ سے متعلق رہا، جبکہ صحیح بخاری کا درس مولانا قاری مشتاق احمد نوراللہ مرقدہٗ صدرالمدرسین مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ سے متعلق کیا گیا اور وہی مدرسہ کے اولین شیخ الحدیث قرار پائے۔ اس کے بعد ۱۹۸۸ء میں مولانا قاری مشتاق احمد صاحب نے اپنی مصروفیات اور ضعف ونقاہت کی وجہ سے بخاری شریف جلد ثانی کا سبق آپ کی طرف منتقل کردیا پھر قاری صاحب موصوف کی طویل علالت کے زمانہ میں بخاری شریف جلد اول بھی آپ سے متعلق رہی اور قائم مقام صدرالمدرسین وشیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ نے خدمات انجام دیں۔ پھر قاری مشتاق احمد صاحب کے ۲۰۰۰ء میں انتقال کے بعد مجلس شوری مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ نے آپ کو مستقل صدرالمدرسین وشیخ الحدیث کا منصب سپرد فرمایا اور آپ نے تاحیات اس منصب پر رہ کر مدرسہ کی عظیم خدمات انجام دیں، جب کہ ناظم تعلیمات کا منصب مدرسہ میں تقرر کے چند سالوں کے بعد ہی آپ کو سپرد کردیا گیا تھا۔ درس نظامی کی کتابوں کی تدریس کے ساتھ آنجناب نے فن تجوید قرأت

سبعہ عشرہ سے ہمیشہ تعلق برقرار رکھا۔ چنانچہ جزری، خلاصۃ البیان، قرأت سبعہ میں شاطبیہ، طبیہ اور رائیہ برابر پڑھاتے تھے۔ اسی طرح ۱۹۹۱ء مطابق ۱۴۱۲ھ میں جب دارالافتاء کے شعبہ میں طلبہ کی تدریس کا آغاز ہوا تو الاشباہ والنظائر و سراجی وغیرہ کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔

کمالات و خصوصیات

آپ جید الاستعداد اور صاحب صلاحیت عالم دین تھے، عربی، فارسی اردو میں شعر گوئی پر یکساں قدرت رکھتے تھے، سپاس نامے، ترانے، تہنیت نامے اور مرثیے آپ نے کثرت سے تحریر فرمائے ہیں، آپ کے لائق و فائق فرزندان گرامی ضرور آپ کی شعری مجموعہ کو مرتب کر کے شائع کریں گے؛ نیز فن تجوید و قراءت، حفص، سبعہ عشرہ میں آپ کو مکمل مہارت حاصل تھی۔ اسی حسن صلاحیت کی بناء پر آپ کو دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تجوید کے امتحان کے لئے عرصہ دراز تک مدعو کیا جاتا رہا۔ بعض مواقع پر قراءت سبعہ عشرہ کی کتابوں کی پرچہ سازی کا کام بھی آپ سے لیا گیا اور تحریری پرچوں کی جانچ بھی آپ ہی سے کرائی گئی۔ اس کے علاوہ آپ انتہائی خوش نویس شخص تھے، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں خوش خطی سے وابستہ رہ کر اس فن کو باکمال اساتذۂ کرام سے حاصل کیا تھا، آپ کی تحریر انتہائی خوشنما اور دیدہ زیب ہوتی تھی۔ اس طرح آپ سادگی پسند انسان تھے اور نظم وضبط آپ کی طبیعت و عادت تھی۔ نظامت تعلیمات سے متعلق جملہ امور انتہائی منضبط رکھتے تھے، تعلیمی سال کے آغاز میں جدید طلبہ کے داخلوں کا نظم انتہائی مرتب طریقہ سے کرنے کی کوشش کرتے تھے، پھر تقسیم اسباق اور گھنٹوں کی ترتیب اور ششماہی وسالانہ امتحانات، جلسہ سالانہ کی ترتیب و نظامت اور طلبہ و اساتذہ کے تعلیمی امور سے متعلق مسائل کا حل تمام ہی کام انتہائی سلیقہ اور ترتیب سے انجام دینے کی کوشش فرماتے تھے۔ قاری مشتاق احمد صاحبؒ کے انتقال کے بعد محکمۂ شرعیہ کے قاضی کے فرائض بھی آپ نے انجام دئے تھے، اس کے قبل محکمۂ شرعیہ کے ۱۹۶۲ء میں قیام کے بعد سے مستقل رکن کی حیثیت سے محکمۂ شرعیہ سے وابستہ رہے؛ نیز قاضی شفاعت النبی مرحوم قاضی شہر ہاپوڑ کی وفات کے بعد عمائدین شہر اور اَرباب حل وعقد نے قاضی

شہر وامام العیدین کی ذمہ داری بھی قاری صاحب موصوف کو تفویض فرمائی اور تقریباً پچیس سال تک اس عظیم ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ نبھاتے رہے، مختصر یہ کہ:

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

علالت، وفات اور تدفین

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اچھی صحت عطا فرمائی تھی، ہلکا پھلکا اور چھریرا آپ کا بدن تھا۔ معمولی نزلہ زکام یا بخار کے علاوہ کوئی بڑی بیماری آپ کو کبھی لاحق نہیں ہوئی؛ لیکن انتقال سے تقریباً دو ہفتہ پہلے آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور دماغ کی نس متاثر ہوئی اور آپ کی گویائی کی قوت سلب ہوگئی۔ صاحب زادگان نے اولاً مقامی نرسنگ ہوم میں داخل کرایا اور وہاں انتہائی نگہداشت والے روم میں آپ کو داخل کر کے علاج کرایا پھر چند روز کے وقفہ کے بعد دہلی کے پنت ہسپتال میں داخل کیا گیا؛ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' آپ کی طبیعت میں سدھار کے بجائے برابر حالت تشویش ناک حد تک خرابی کی جانب مائل رہی، بالآخر وقت موعود آ پہنچا اور مؤرخہ ۱۳؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱؍نومبر ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ تقریباً ایک بجے دہلی کے ہسپتال میں آپ کی روح قفس عنصری کو پرواز کر کے مولائے حقیقی سے جاملی اور آپ وہاں چلے گئے جہاں سب کو جانا ہے۔ اس طرح ایک بافیض اور مردم ساز شخصیت اپنے اہل خانہ، اَعزہ واَقرباء، ہزاروں تلامذہ اور متعلقین کو روتا بلکتا چھوڑ کر دارالبقاء کی جانب رحلت کرگئی۔

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

انتقال کے بعد آپ کا جسد خاکی دلی سے ہاپوڑ لایا گیا اور بروز پیر بعد نمازِ ظہر اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کے باوقار مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور محلّہ کریم پورہ کے قبرستان سادات میں مولانا ناظر حسین صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ اور مولانا قاری مشتاق احمد صاحب سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے درمیان آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ میں

مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے طلبہ، اساتذہ، ارباب انتظام، اراکین شوریٰ، قرب وجوار کے مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ اور شہر ہاپوڑ کے عوام وخواص بھاری تعداد میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم دیو بند سے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے علاوہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نائب مہتمم دارالعلوم دیو بند، مولانا مفتی محمود حسن بلندشہری مفتی دارالعلوم دیو بند، مولانا عارف جمیل صاحب استاذ ادب دارالعلوم دیو بند، مولانا قاری ارشاد احمد مولانا مفتی کوکب عالم صاحب اَساتذۂ دارالعلوم دیو بند، مولانا محمودالحسن صاحب مہتمم مدرسہ برکات الاسلام کھیروا راجستھان ورکن شوریٰ دارالعلوم دیو بند شریک ہوئے۔

پسماندگان

حضرت قاری صاحب نے اپنے پسماندگان میں ہزار ہاہزار تلامذہ ومحبین کے علاوہ اہلیہ محترمہ، تین صاحب زادگان مولانا قاری محمد ارشد، مولانا قاری محمد اسعد، حافظ محمد اسجد، لڑکیاں (جن کی تعداد اس وقت یاد نہیں) پوتے پوتیاں، نواسے، نواسیاں، کثیر تعداد میں چھوڑی ہیں، بڑے صاحب زادہ مولانا قاری محمد ارشد سعودیہ عرب کے شہر ریاض میں مقیم ہیں اور مسجد صحابہ میں درس وتدریس کا کام کرتے ہیں، سعودی عرب جانے سے پہلے مدرسہ تعلیم الاسلام پپلیڑہ ضلع غازی آباد میں کامیاب طریقہ سے تدریسی فرائض انجام دے چکے ہیں۔ دوسرے صاحب زادہ مولانا قاری محمد اسعد صاحب دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے بعد کافی عرصہ تک مدرسہ نافع العلوم کورانہ میں شعبۂ عربی وتجوید میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد اس وقت ایک اسکول میں سرکاری ماسٹر ہیں، تیسرے صاحب زادہ حافظ محمد اسجد حفظ وتجوید کی تعلیم کے بعد اپنے کاروبار میں مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ تمام ہی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور قاری صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۲۰)

حضرت مولانا غلام نبی صاحب کشمیریؒ

اُستاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

دارالعلوم وقف دیوبند کے مقبول ومعروف اور قدیم اُستاذ اور ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف'' کے ایڈیٹر حضرت مولانا غلام نبی بخش کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ۹؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۷؍نومبر ۲۰۱۹ء بروز جمعرات کو طویل علالت کے بعد دہلی کے ایک اسپتال میں رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف ایک جید عالم دین، بہترین مدرس اور شگفتہ مزاج خطیب تھے، علماء اور طلبہ میں آپ کو یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ تدریس کے ساتھ قلم سے بھی آپ کا رشتہ مضبوط تھا، کئی تصانیف آپ کے قلم سے شائع ہوکر مقبول ہوئیں، جن میں ''دیوانِ متنبیّ'' کی اُردو شرح قابل ذکر ہے۔

نیز آپ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی اُردو میں تسہیل وتشریح کا بھی مفید سلسلہ شروع کیا تھا، جس کی آپ کے زیرِ اِدارت ''ندائے دارالعلوم وقف'' میں ۷۴؍قسطیں شائع ہوچکی تھیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند سے بلند فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۹ء مع اضافہ)

متفرقات:

حضرت حکیم سید مرتضیٰ حسن پٹھیڑ سہارن پور

اسی طرح حضرت حکیم سید مرتضی حسن صاحب پٹھیڑ ضلع سہارنپور، چچا خسر حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کا ۹۴؍سال کی عمر میں ۲۳؍ربیع الثانیہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۳۰؍دسمبر ۲۰۱۸ء بروز اتوار کو وصال ہوگیا، ان کے پسماندگان میں تین بیٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائیں، اور جنت الفردوس میں مقام عالی نصیب ہو اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا زبیر احمد صاحب مدھوبنیؒ

بزرگ عالم دین حضرت مولانا زبیر احمد صاحب ناظم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں ضلع مدھوبنی صوبہ بہار مؤرخہ ۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۳؍جنوری ۲۰۱۹ء بروز اتوار کو طویل علالت کے بعد وفات پاگئے، موصوف جرأت مند متبحر عالم دین تھے، فقہ و افتاء پر گہری نظر تھی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۹ء)

اہلیہ محترمہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ

شارح التبلیغ، داعی الی اللہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ کی اہلیہ محترمہ گذشتہ ۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲؍فروری ۲۰۱۹ء کو رات میں طویل علالت کے بعد رحلت فرماگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن ظہر کے بعد حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی، اور ''پنج پیران قبرستان'' حضرت نظام الدین نئی دہلی میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

مرحومہ بڑی وضع دار، صابرہ وشاکرہ اور خالص دینی مزاج رکھنے والی خاتون تھیں، اخیر تک اپنے معمولات کی پابند رہیں۔ مرحومہ نے اپنی اَولاد کی تربیت میں اہم کردار اَدا کیا، اور الحمد للہ ایک بھرا پرا خاندان چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئیں، آپ کی اَولاد در اَولاد میں بکثرت علماء اور حفاظ موجود ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مرحومہ کی وفات پر آپ کے صاحبزادگان ومتعلقین بالخصوص حضرت مولانا عبدالرشید بلیاوی، حضرت مولانا عبدالرحیم بلیاوی، حضرت مولانا عبدالعلیم بلیاوی اور حضرت مولانا عبدالعظیم بلیاوی صاحبان وغیرہم کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۹ء مع اضافہ)

مولانا قاری جسیم الدین قاسمی پورنویؒ

مولانا قاری جسیم الدین قاسمی پورنوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ شاہی کے قدیم فاضل اور مدرسہ فیض الاسلام بروالان مرادآباد کے بانی ومہتمم تھے، خوش رو، خوش خلق اور فکر مند عالم دین تھے، خطابت کا بھی اچھا ملکہ عطا ہوا تھا، ۷؍شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۳؍اپریل ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ کو وفات ہوئی، بعد اَزاں تدفین وطن مالوف پورنیہ بہار میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائیں، اور درجات بلند فرمائین، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۹ء)

مولانا محمد اطہر شاہ خاں صاحبؒ سرائے ترین سنبھل

مولانا اطہر شاہ خاں صاحب شہر سنبھل کے مشہور علماء میں سے تھے، آپ کے والد محترم، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی اختر شاہ خاں صاحب مدرسہ شاہی مراد آباد کے اُستاذ تھے۔ اِسی نسبت سے مولانا اطہر شاہ خاں صاحبؒ نے بھی مدرسہ شاہی سے تادمِ آخر مضبوط تعلق قائم رکھا۔ آپ بڑے وضع دار، خود دار اور جرأت مند شخص تھے۔ دینی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، جمعیۃ علماء ضلع سنبھل کے صدر بھی رہے۔

موصوف نے ۲۰؍شعبان المعظم مطابق ۲۶؍اپریل ۲۰۱۹ء بروز جمعہ کو وفات پائی، حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند (جن سے مرحوم کا خصوصی ربط تھا) نے نماز جنازہ پڑھائی، علاقے کے علماء اور عوام بڑی تعداد میں موجود تھے۔ بعد ازاں سرائے ترین کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۹ء)

حاجی ایم ایم فاروق صاحب آمبور

محترم حاجی ناٹامکار فاروق احمد صاحب رحمہ اللہ گذشتہ ۹؍جون ۲۰۱۹ء بروز اتوار کو وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم انتہائی علم دوست اور مخیّر شخص تھے، دینی تعلیم کی نشر واشاعت میں ہر ممکن طریقہ پر حصہ لیتے تھے، اور صدقہ جاریہ کی نیت سے دینی واِصلاحی رسائل وکتب کی اِشاعت کا بھی اہتمام کرتے تھے، مرحوم کی اچانک وفات سے بڑا خلا پیدا ہوگیا، اللہ تعالیٰ اُن کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور درجات بلند فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا ریاض احمد قاسمی صاحب

مہتمم مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ

گذشتہ یکم ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۳ر اگست ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ حضرت مولانا ریاض احمد صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ طویل علالت کے بعد میرٹھ کے ایک اسپتال میں انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ مغربی یوپی کے مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔ سادگی، بے تکلفی اور تواضع میں ممتاز تھے، ایک طویل عرصے تک مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی تدریسی وانتظامی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے، حضرت مولانا ناظر حسین صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ کو مہتمم بنایا گیا، جس پر آپ تادم آخر فائز رہے، نیز جمعیۃ علماء ضلع ہاپوڑ کے صدر بھی تھے۔

آپ کے ایک صاحب زادے جناب مولانا مفتی کوکب عالم صاحب زید علمہ دارالعلوم دیوبند کے معروف اساتذہ میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۹ء)

رفتـــــــگاں

۲۰۲۰ء

- حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلیؒ
- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ
- حضرت مولانا محمد اعلم صاحب قاسمیؒ
- حضرت مولانا محمد یوسف تتلا صاحبؒ اسٹینگر
- حضرت مولانا معز الدین احمد صاحب گونڈویؒ
- حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پالن پوریؒ
- حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب فلاحی رویدرویؒ
- حضرت مولانا عادل خان شہیدؒ کراچی
- حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزارویؒ

حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلیؒ

ملک کے معروف ومشہور عالم دین اورفقیہ، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ اُستاذ فقہ وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماءلکھنؤ مؤرخہ ۲۱ رجمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۷ ارجنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعہ عصر کے وقت رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف انتہائی وضع دار، شریف النفس، خوش خلق اور باوجاہت شخصیت کے مالک تھے۔ کھلتے ہوئے چہرے پر اکثر مسکراہٹ پھیلی رہتی، اور عالمانہ شان چہرے بشرے سے نمایاں ہوتی تھی۔ درس وتدریس کا بہترین ملکہ حاصل تھا، اور ساتھ میں فقہی جزئیات وکلیات پر بھی خاصا عبور تھا، جس کا اندازہ آپ کی فقہی تحریرات اور مضامین سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ ''مجلس تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء'' کے ناظم اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت قائم ''دارالقضاء اُتر پردیش کمیٹی'' کے صدر تھے۔ علاوہ ازیں اِسلامک فقہ اکیڈمی کے نائب صدر بھی رہے، اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے زیر اہتمام ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کی تدوین میں بھی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ نیز آپ اخیر تک جمعیۃ علماء ہند اور اُس کے فقہی شعبے ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' سے بھی وابستہ رہے، اور اُس کے فقہی اجتماعات میں پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے رہے۔

مولانا موصوف کی ولادت ۴ رذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ رفروری ۱۹۳۸ء کو وطن مالوف سنبھل (ضلع مرادآباد) میں ہوئی۔ آپ کے والد حضرت مولانا قاری حمید الدین صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردوں میں تھے، اُنہیں سے آپ نے حفظ وتجوید اور ابتدائی دینیات کی تعلیم حاصل کی، اور متوسط تعلیم کے لئے سنبھل کے دیگر مدارس میں داخلہ لیا۔ بعدازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے،

جہاں سے ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ اتفاق سے اسی سال شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کا سانحہ پیش آیا، اِس لئے آپ بخاری شریف کے صرف ابتدائی حصہ میں ہی حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے اِستفادہ کر پائے، اور تکمیل فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہوئی۔ آپ کے دیگر اَساتذہ میں حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اولاً مدرسہ سراج العلوم سنبھل میں کچھ دن پڑھایا، اُس کے بعد ۱۲؍سال تک مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ دہلی کے قیام کے دوران ایک مسجد میں درسِ قرآن بھی دیا، جو عوام میں کافی مقبول ہوا۔

تا آں کہ آپ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے وابستہ ہوئے، اور تقریباً ۵۰؍سال تک تادمِ وفات یہاں رہ کر عظیم علمی خدمات انجام دیں، اور ہزاروں تلامذہ کے علاوہ اُردو اور عربی میں تقریباً ۳؍درجن کتابیں صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑیں۔ جن میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں: ○**قضايا فقهيه معاصره** ○**التوئم المتلاصق ؛ نكاحه وجنايته وارثه** ○ چند اہم دینی مباحث ○ جدید طبی مسائل ○ معاشرتی مسائل ○ رویت ہلال کا مسئلہ ○ یونیفارم سول کوڈ اور عورت کے حقوق ○ موجودہ زمانے کے مسائل کا شرعی حل ○ نفقہ مطلقہ ○ چند اہم کتب تفسیر اور قرآنِ کریم کے ترجمے ○ خواتین کے لئے اسلام کے تحفے۔

تصوف میں آپ کو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادۂ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اِجازتِ بیعت حاصل تھی۔

موصوف جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے رکن شوریٰ بھی تھے، اور جامعہ کے سابق

مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کے بے تکلف دوستوں میں تھے۔ آپ طبعی کمزوری اور معذوری کے باوجود پورے اہتمام کے ساتھ شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کرتے، اور اپنی گراں قدر آراء سے مستفید فرماتے تھے۔

ناکارہ مرتب کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ بڑا مشفقانہ تھا۔ مرادآباد میں محلّہ سرائے کشن لال میں آپ کے بعض اعزاء مقیم ہیں، صحت کے زمانے میں اکثر آپ جب اُن کے یہاں تشریف لاتے، تو ہم لوگوں سے ملنے کے لئے شاہی مسجد یا غریب خانے پر بھی تشریف آوری فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ صبح کے وقت پیشگی اطلاع کے بغیر شاہی مسجد میں ترجمۂ قرآن کی مجلس میں تشریف لے آئے، جہاں احقر ترجمہ کی خدمت پر مامور تھا، یہ آپ کے کمالِ تواضع کی دلیل تھی۔ اپنی کوئی نئی تصنیف آتی تو اَز راہِ شفقت ہدیہ میں بھیجتے اور ندائے شاہی میں اُس پر تبصرہ کا حکم فرماتے تھے۔

گذشتہ تقریباً ۱۰-۱۲/سال سے آپ فالج کی وجہ سے بے تکلف چلنے پھرنے سے معذور ہوچکے تھے؛ لیکن دل ودماغ اور یادداشت پر کوئی اثر نہ تھا، اِس حالت میں بھی اپنے علمی مشاغل جاری رکھے۔ بہرحال حضرت مولاناؒ کا وجود پوری ملت کے لئے باعثِ خیر وبرکت تھا، وہ اپنے پیچھے اچھی یادیں اور روشن نقوش چھوڑ گئے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا موصوف کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور آخرت کی راحتوں سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

ہماری طرف سے سبھی اہل خانہ بالخصوص آپ کے صاحبزادے گرامی قدر حضرت مولانا نعمان الدین صاحب سنبھلی زیدعلمہ (جو خود بھی عربی اور اُردو کے اَدیب ہونے کی حیثیت سے معروف ومشہور ہیں، اور لکھنؤ کے ایک دینی اِدارے کے ذمہ دار ہیں) کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش ہے۔ (ندائے شاہی مارچ ۲۰۲۰ء)

سید عتیق الرحمٰن صاحبؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے برادر زادۂ نسبتی جناب مولانا سید فضل الرحمٰن صاحبؒ ساکن الہ داد پور ٹانڈہ فیض آباد کے صاحبزادے، حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کے ماموں زاد بھائی اور حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ کے سمدھی جناب سید عتیق الرحمٰن صاحبؒ گذشتہ ۲۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸؍جنوری ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ کی شب میں ۸۲؍سال کی عمر میں وفات پاگئے، اگلے دن دوپہر میں احاطہ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور قبرستانِ قاسمی میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

موصوف بڑے شریف النفس، یکسوئی پسند اور حوصلہ مند انسان تھے، ایک عرصہ تک بسلسلہ ملازمت جدہ سعودی عرب میں مقیم رہے، وہاں سے واپسی کے بعد دیوبند میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں، اور سبھی متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۲۰)

حضرت مولانا محمد اعلم صاحب قاسمیؒ

مغربی یوپی کے معروف ومشہور عالم دین، دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کے مہتمم اور جمعیۃ علماء شہر مرادآباد کے صدر عالی وقار حضرت مولانا محمد اعلم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدۂ گذشتہ ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۵/ فروری ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ قبل نماز عصر انتقال فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن صبح عیدگاہ مرادآباد کے میدان میں آپ کے صاحب زادے مولانا مفتی محمد طیب صاحب قاسمی کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، جس میں علاقے کے علماء اورعوام وخواص نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

مولانا موصوف انتہائی متواضع، شریف النفس، نرم خو اور معاملہ فہم شخصیت کے حامل تھے، بڑوں کا اکرام اور چھوٹوں پر شفقت آپ کا خاص وصف تھا، آپ نے پوری زندگی قوم وملت کی خدمت میں صرف فرمائی، اوراپنے بعد آثار صالحہ چھوڑ کر تشریف لے گئے۔

آپ کی پیدائش یکم ستمبر ۱۹۴۲ء میں محلّہ پیرزادہ مرادآباد میں انصار برادری کے ایک متوسط گھرانے میں ہوئی، آپ کے والد ماجد صوفی عبدالواحد صاحب ’’جمعیۃ علماء ہند‘‘ اور ’’مجلس احرار‘‘ کے سرگرم رکن اور تحریک آزادیٔ ہند کے سرفروش مجاہد تھے۔ موصوف نے ۱۹۴۱ء میں انگریز کے دور میں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

حضرت مولانا محمد اعلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادیہ چوراہا گلی میں اوراُس کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں حاصل کی، خاص طور پر اِس دور میں مربی جلیل حضرت مولانا سید مستحسن الدین صاحب (اُستاذ اول درجہ فارسی مدرسہ شاہی) کی خدمت میں رہ کر اُن

سے اِستفادے کا بھرپور موقع ملا، پھر آپ نے متوسط عربی تعلیم جامعہ مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی؛ لیکن بعض جسمانی اعذار کی وجہ سے آپ وہاں سے تعلیم کی تکمیل کئے بغیر واپس مدرسہ شاہی تشریف لے آئے، اور یہیں سے ۱۹۶۶ء میں دورۂ حدیث شریف سے آپ کی فراغت ہوئی، یہاں آپ کے اَساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی، حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہوی اور حضرت مولانا سید اختر الاسلام صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ دورۂ تفسیر کی تعلیم کے لئے دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور وہاں کے اکابر اَساتذہ سے اِستفادہ کیا۔ اِسی دوران خارجی اَوقات میں اَدیب العصر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ سے اَدب پڑھنے کی بھی سعادت حاصل کی۔

اُس کے بعد آپ نے مدرسہ اِمدادیہ مرادآباد میں تین سال تدریسی خدمات انجام دیں، بعد اَزاں آپ نے اپنے والد (صوفی عبدالواحد صاحبؒ) کے قائم کردہ ''مدرسہ جامع الہدیٰ'' کے نظم وانتظام کی ذمہ داری سنبھالی، جو اَولاً ایک چھوٹی مسجد (چبوترے والی) میں قائم تھا، پھر بعد میں آپ کی اَنتھک محنت سے محلّہ گلشہید کی بڑی مسجد میں منتقل ہوا، جو جلد ہی ایک بڑے مدرسے میں تبدیل ہوگیا، اَب وہاں ابتدائی دینیات سے دورۂ حدیث شریف اور تکمیل اِفتاء تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

اِسی کے قریب طالبات کا ایک اِدارہ بھی ''مدرسہ سرور جمیل'' کے نام سے جاری ہے، نیز مدرسہ جامع الہدیٰ ہی کا ایک حصہ ''دریائے گاگن'' کے قریب سنبھل روڈ پر ''وادیٔ ہدیٰ'' کے نام سے ایک وسیع زمین پر قائم ہے، جس میں ایک شاندار عظیم مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ یہ سب اللہ کے فضل اور آپ کی مسلسل محنت کی بدولت ممکن ہوسکا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت مولانا محمد اعلم صاحبؒ شروع ہی سے جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات سے وابستہ رہے،

اور تقریباً ۲۲؍سال شہری جمعیۃ کی صدارت آپ سے متعلق رہی، نیز صوبائی جمعیۃ کے آپ نائب صدر بھی تھے، آپ نے خوش اُسلوبی اور جفاکشی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ علاوہ اَزیں آپ ''محکمہ شرعیہ ضلع مرادآباد'' (زیرانتظام امارتِ شرعیہ ہند) کے فعال رکن اور نائب سکریٹری بھی تھے، اور معاملات کو سلجھانے میں اپنی خداداد صلاحیت سے فائدہ پہنچاتے تھے۔ اسی طرح آپ جامع مسجد اور عیدگاہ کمیٹی مرادآباد کے بھی سرگرم رکن تھے، اور ملی اِداروں کی بہبودی اور اُن کے ساتھ خیرخواہی کے خواہاں رہتے تھے۔

عرصۂ دراز سے آپ کو سانس کا مرض لاحق تھا، جو اخیر عمر میں خطرناک صورت اختیار کرگیا، کئی مہینے آپ نے اپنے دولت خانے پر مسلسل آکسیجن لگے ہونے کی حالت میں گذارے؛ لیکن الحمدللہ اخیر تک ہوش وحواس قائم رہے، اور عیادت کرنے والوں کے ساتھ طبعی حسن اخلاق کے موافق گفتگو فرماتے رہے؛ تا آں کہ وقت موعود آپہنچا، اور آپ نے ایمان کے ساتھ اپنی جان جاں آفریں کے سپرد فرمائی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آپ کے اَولاد میں ۴؍صاحب زادے (مولانا مفتی محمد طیب، مولانا محمد طاہر، حافظ عبد اللہ اور مولانا محمد یحییٰ صاحبان) اور ۵؍صاحب زادیاں ہیں، جو سب تعلیم یافتہ اپنے اپنے گھروں پر شاداں وفرحاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، درجات بلند فرمائیں اور آپ کے چھوڑے ہوئے گلشنوں کو آباد وشاداب رکھیں، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۲۰)

بقیۃ السلف

حضرت مولانا محمد اعلم صاحب قاسمیؒ

مولانا مفتی محمد طیب صاحب قاسمی دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد

ہم سب اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اس تغیر پذیر کائنات میں ہر چیز کو ایک عارضی وجود بخشا گیا ہے، یہاں کسی بھی چیز کو ثبات وقرار نہیں، ہر شیٔ آنی وفانی ہے، یہ اللہ کی سنت اور قانون کا اہم حصہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، ہم خود شب و روز لاتعداد مخلوقات کو اپنی آنکھوں سے پردۂ وجود سے پردۂ عدم میں جاتے ہوئے اور ہست سے نیست ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، انسان بھی اس کائنات کا ایک حصہ ہے، اس کا معاملہ بھی دوسری مخلوقات سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی ایک مقررہ مدت کے لئے دنیا میں آتا ہے اور اپنی محدود ومعین زندگی گذار کر اس دار فانی سے دارالبقاء کی طرف کوچ کرجاتا ہے، اور یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے تسلسل کے ساتھ جاری وساری ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) چناں چہ اسی دستور خداوندی کے تحت روزانہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان دنیا میں آتے ہیں اور لاکھوں انسان دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، پھر ان انسانوں کے مختلف درجات ہیں، کچھ وہ ہوتے ہیں جن کے رخصت ہونے کا غم صرف ان کے اہل خانہ اور اعزاء و اقرباء کو ہوتا ہے اور ان کے جانے سے صرف ایک گھر یا ایک خاندان متأثر ہوتا ہے اور بعض انسان وہ ہوتے ہیں کہ جب وہ رخصت ہوتے ہیں تو گھرانہ یا ایک خاندان نہیں؛ بلکہ پورا شہر اور پورا علاقہ غمگین اور متأثر ہوتا ہے، اور وہ ایسے نقوش چھوڑ کر جاتے ہیں کہ لمبے زمانے اور طویل عرصہ

تک دنیا انھیں یاد کرتی ہے، یہ موت اور رخصتی ایک عالم کی موت ہوتی ہے جس سے ایک عالم متأثر ہوتا ہے؛ اسی لئے کہا گیا ہے: ''موت العالم موت العالم' عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے، موت ہر کسی کی جاں شکن اور المناک ہوتی ہے لیکن ایک عالم، ایک سالار قافلہ، ایک قائد اور رہبر کی موت پوری جماعت قوم اور کمیونٹی کے لئے غم وحسرت کا سامان ہوتی ہے۔

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کے سانحہ وصال پر کچھ ایسا ہی دیکھنے میں آیا کہ ان کے وصال کی خبر سے صرف ہم اہل خانہ ہی نہیں؛ بلکہ پورا شہر اور پورا علاقہ غمزدہ اور غمگین نظر آتا ہے، اور کئی روز گذرنے کے بعد بھی آج تک بہت سے احباب و متعلقین اپنے اپنے طور پر تعزیت پیش کررہے ہیں اور انھیں یاد کررہے ہیں، والد صاحب علیہ الرحمہ کی موت ایک ایسے عالم کی موت ہے، جن کا شمار یقینی طور پر اُن علماء میں ہوتا ہے، جن کو مبدأ فیاض نے بے پناہ مقبولیت، خوبیوں اور اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، ان کا سانحہ ارتحال ایک عظیم ملی وعلمی سانحہ ہے۔

پیدائش وخاندانی احوال

نمونۂ اسلاف حضرت مولانا محمد اعلم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ شہر مرادآباد کے محلّہ پیر زادہ انصار برادری کے ایک متوسط خاندان کے چشم وچراغ تھے، کاغذات میں درج شدہ تحریر کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۲ء مرادآباد میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محبّ العلماء صوفی باصفا ''عبدالواحد رحمانیؒ'' تھا، صوفی جی بچپن ہی میں سایہ پدری سے محروم ہوگئے تھے؛ اس لئے باقاعدہ آپ کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہوسکا اور آپ کی تعلیم وتربیت کی عظیم ذمہ داری آپ کی والدہ کے کاندھوں پر آگئی، جس کو اُنہوں نے اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق اَدا بھی کیا، ابتدائی تعلیم اپنے مکان پر حاصل کرنے کے بعد مرادآباد بالخصوص محلّہ پیرزادہ کی مشہور پیتل صنعت سے جڑے اور سیاہ قلم (نقاشی) کا کام سیکھا اور الحمدللہ اس میں اُستادانہ حیثیت حاصل کی، موصوف (عبدالواحد رحمانی) نہایت خوش عقیدہ، صالح بزرگ اور علماء حق کے گرویدہ وپروانہ تھے، موصوف جوانی ہی سے دینی رجحان رکھتے تھے اور اس زمانے کی اصلاحی تحریکوں میں شامل ہوتے

تھے اس لئے صوفی کے لقب سے مشہور ہوگئے، آپ نے اگر چہ باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن اصلاحی تحریکات کے زمانے میں بہت سے اکابر علماء کرام و بزرگان متین کی صحبت ومعیت حاصل ہوئی اور اُن سے اکتسابِ فیض وتزکیۂ نفس کا خوب موقع ملا اور ان اکابرین کی رفاقت میں جیل میں مزید پڑھنا لکھنا سیکھا، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، حافظ عبدالرحمٰنؒ، مولانا اختر الاسلامؒ، مولانا محمد حیات سنبھلیؒ وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

صوفی عبدالواحد مرادآبادیؒ عنفوان شباب ہی سے جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوگئے تھے، اور آزادیٔ وطن کے لئے جماعت کے ساتھ ہر محاذ پر سرگرم رہے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ مجلس احرار کے باضابطہ رضا کار رکن تھے، جمعیۃ علماء ہند اور ملک کی آزادی کی تحریکوں میں دلچسپی رکھتے تھے؛ یہاں تک کہ ملک کی آزادی اور حکومت برطانیہ کے خلاف پورے جوش وخروش کے ساتھ جدوجہد کی۔ ۱۹۴۱ء میں گرفتار ہوکر جیل گئے، اور مؤرخہ ۱۸/ مارچ ۱۹۴۱ء کوشری آر جی مشرا کی عدالت میں دفعہ نمبر ۱۲۱/ ۳۸ (ڈی آئی آر) کے تحت ۸/ ماہ کی قید بامشقت اور ۵۰/ روپئے جرمانہ کی سزا سنائی گئی، جیل کے اندر موصوف کو اور آپ کے رفقاء جیل کو سخت سے سخت صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا، ہر طرح کے پرتشدد واقعات برداشت کرنے پڑے، غلامی کی زندگی گذارنی پڑی، خاموش کرنے کی حد درجہ کوششیں کی گئی گویا ہر طرح انھیں تختۂ مشق بنایا گیا، اس کے باوجود اُنہوں نے گھٹنے نہیں ٹیکے، بالآخر جیل کی مدت پوری ہونے کے بعد جرمانہ کی رقم ادا کرکے اور پوری سزا کاٹ کر رہا ہوئے، اس کے بعد ملک کی آزادی کی تحریک میں برابر سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں وطن عزیز آزاد ہوگیا، آزادی کے بعد ملک میں خصوصاً مسلمانوں کے لئے ناگفتہ بہ حالات پیش آئے، اس سے کافی کبیدہ خاطر تھے، اس لئے سرکار سے کسی قسم کی مراعات لینے کی کوشش نہیں کی، آزادی کے بعد موصوف اپنی گھریلو ضروریات اور بال بچوں کی پرورش میں مشغول ہوگئے۔

تعلیمی سفر وتدریس

والد صاحب علیہ الرحمہ (حضرت مولانا محمد اعلم صاحب قاسمیؒ) کی ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادیہ چوراہا گلی مرادآباد میں ہوئی، وہیں ناظرہ قرآن پاک کی تکمیل کی اوراسی کے ساتھ ساتھ گھر پر اردو پڑھنا لکھنا سیکھا، ۱۹۵۴ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخلہ لے کر فارسی عربی کی تعلیم شروع کی اور قطب وقت حضرت مولانا سید مستحسن الدینؒ (خلیفہ ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ) کی زیر نگرانی سال دوم (ہدایۃ النحو) کی تعلیم مدرسہ شاہی میں مکمل کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور میں سال سوم (کافیہ) میں داخلہ لیا، کچھ دن کے بعد بیمار ہوگئے، بیماری کے طویل ہوجانے کی وجہ سے رخصت لے کر گھر واپس آنا پڑا، اور بقیہ سال مدرسہ شاہی مرادآباد میں ہی پورا کیا، آئندہ سال پھر مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور واپس جاکر سال چہارم میں داخلہ لیا اور الحمد للہ پورے سال مظاہرعلوم میں امام النحو حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کشمیریؒ سے شرح جامی اور شرح تہذیب پڑھی، کنز الدقائق حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحبؒ والد محترم حضرت مولانا محمد سلمان صاحبؒ ناظم مظاہرعلوم سہارن پور سے پڑھی، ترجمہ قرآنِ کریم حضرت مولانا ظریف احمد صاحبؒ، اصول الشاشی، تلخیص، مختصر المعانی فن ثالث حضرت مولانا سید وقار علی صاحبؒ سے پڑھا، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہرعلوم کی خصوصی شفقت وتوجہ کی وجہ سے فارسی کی مشہور کتاب ''انوار سہیلی'' کے چند اسباق پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس کے بعد آئندہ سال سالِ پنجم میں داخلہ کے لئے مادرعلمی دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور سالِ پنجم میں داخلہ لے کر ذی الحجہ تک تعلیم حاصل کی، اور ذی الحجہ کی چھٹی میں گھر واپسی ہوئی؛ لیکن گھر آکر بیمار ہوجانے کی وجہ سے تاخیر کے باعث دارالعلوم سے داخلہ منسوخ ہوگیا اور بقیہ تعلیم مدرسہ شاہی میں مکمل کی، پھر دورۂ حدیث شریف تک مدرسہ شاہی میں ہی رہ کر تعلیم مکمل کی، بخاری شریف حضرت مولانا شیخ عبدالجبار صاحب اعظمیؒ اور مسلم شریف حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہویؒ، اور ابوداؤد شریف حضرت

مولانا سید اختر الاسلام صاحبؒ وغیرہ سے پڑھی، مدرسہ شاہی سے تکمیل دورۂ حدیث کے بعد پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند جانا ہوا، اور دورۂ تفسیر (تخصص فی التفسیر) میں داخلہ لیا اور باوجود بیماری کے الحمدللہ سال مکمل کیا اور سالانہ امتحان میں شرکت کے بعد گھر واپسی ہوئی، دورۂ تفسیر میں بیضاوی شریف جلد اول حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، بیضاوی شریف جلد دوم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ، نیز بیضاوی جلد سوم حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ سے پڑھی، ابن کثیر حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ سے، دوسرا جزء حضرت مولانا نعیم احمد صاحبؒ سے اور تیسرا جزء حضرت مولانا انظر شاہ صاحبؒ کشمیری سے پڑھا، اسی سال خارج میں بعد نماز مغرب حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ سے تمرین صف عربی وغیرہ پڑھی، حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ سے صبح کے وقت خارج میں بخاری شریف کے مختلف اسباق پڑھے اور باقاعدہ اجازت حاصل کی، درس نظامی، دورۂ حدیث شریف، تخصص فی التفسیر سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت مولانا معین الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ اِمدادیہ کی طلب پر مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں درس وتدریس کی سعادت حاصل کی، اور الحمدللہ تقریباً تین سال مدرسہ امدادیہ میں تدریس کا سلسلہ جاری رہا جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں آپ سے متعلق رہیں، خاص کر نورالانوار، قطبی وغیرہ پڑھانے کا موقع ملا۔

عظیم کارنامہ

۱۹۴۷ء میں وطن عزیز کی آزادی کے بعد جب ملک میں نیا جمہوری نظام قائم ہوا، تو حکومت کی جانب سے یہ خوش کن اعلان کیا گیا کہ ہر ہندوستانی کو تعلیم یافتہ بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور بیسک تعلیم کے لئے چھ سال سے گیارہ سال تک کے ہر بچے کو اسکول جانا لازمی ہے؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ سرکاری اسکولوں میں جو نصاب تعلیم رائج ونافذ کیا گیا وہ مشرکانہ عقائد اور ایک خاص مذہب کے رسم ورواج وثقافت کا آئینہ دار تھا جس کو پڑھ کر معصوم ذہنوں کا متأثر ہونا لازمی تھا۔ نیز وہ اُن کے اسلامی عقیدہ توحید کے سراسر منافی وخلاف تھا، ایسے نازک حالات میں دردمند

اَصحابِ فکر علماء کرام واکابرینِ ملت نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا بندوبست خود کریں اور اپنے آزاد مکاتب قائم کریں؛ لہٰذا اِس مشن کو باقاعدہ تحریکی شکل دینے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے دینی تعلیمی بورڈ اور دینی تعلیمی کونسل کی جانب سے انجمن تعلیمات دین جیسی فعال تحریکیں وجود میں آئیں، جنہوں نے قریہ قریہ، بستی بستی مساجد کے اندر مکاتب ومدارس کا جال بچھا کر نونہالانِ ملت کے ذہنوں کو مسموم ہونے سے بچالیا۔

اسی تحریک کے زیر اثر اور انہی مکاتب کی اہمیت وافادیت کو سامنے رکھ کر محبّ العلماء مجاہد آزادی جناب صوفی عبدالواحد رحمانیؒ (والد محترم حضرت مولانا محمد اعلم قاسمی نور اللہ مرقدہ) نے ذی قعدہ ۱۳۷۴ھ مطابق: جون ۱۹۵۴ء میں اپنے گھر کے متصل شہر مرادآباد کے محلّہ پیرزادہ کی ایک چھوٹی سی مسجد جس کو چبوترے والی مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے ’’جامع الہدیٰ‘‘ کے نام سے ایک مکتب قائم کیا اور محلّہ سے کچھ بچے فراہم کرکے تعلیم دینے کے لئے ایک مدرس کا انتظام کردیا گیا، چوں کہ اس وقت محلّہ پیرزادہ میں کوئی ادارہ یا مکتب نہیں تھا اس لئے الحمد للہ کچھ ہی دنوں میں بچوں کی تعداد کافی بڑھ گئی، جگہ کی تنگی اور طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر موصوف نے قریب ہی ایک وسیع وعریض مکان کرایہ پر لے کر مدرسہ کو وہاں منتقل کردیا، نیز تعلیمی درجات میں اضافہ کرتے ہوئے شعبہ حفظ وناظرہ وابتدائی فارسی کی تعلیم کا نظم کیا اور ایک عالم دین کا تقرر بھی کرلیا، اس کے بعد تعلیمی سلسلہ کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ۲۲؍اکتوبر ۱۹۵۶ء میں پرائمری درجات درجہ ایک تا درجہ پانچ کو میونسپل بورڈ کے محکمہ تعلیم سے منظور کراکر باضابطہ تعلیم کا بندوبست کردیا، جناب صوفی عبدالواحدؒ کے اخلاص اور انتھک کوششوں کے باعث مدرسہ آہستہ آہستہ تعلیمی ترقی کے منازل طے کرتا رہا، بالآخر موصوف نے جولائی ۱۹۶۶ء میں مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف اپنی وفات تک مدرسہ کے مہتمم رہے۔

بانی مرحوم کے وصال کے بعد مدرسہ کے نظم ونسق کی ذمہ داری مرحوم کے فرزند رشید حضرت مولانا محمد اعلم قاسمیؒ کے سپرد کی گئی، جوکہ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں دورۂ تفسیر کے

طالب علم تھے اور انتقال کے وقت دیوبند ہی میں تھے، بذریعہ تار اُن کو والد صاحب کے انتقال کی خبر موصول ہوئی، جنازے میں شرکت کے لئے دیوبند سے سفر شروع کیا، سفر کی زیادہ سہولت نہ ہونے کی وجہ سے مرادآباد پہنچنے میں تاخیر ہوگئی اور والد صاحب (صوفی عبدالواحدؒ) کو قبر میں اُتار دیا گیا، بہرحال تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد دارالعلوم واپسی ہوئی اور حضرت مولانا سید فخرالدین صاحبؒ سرپرست مدرسہ جامع الہدیٰ سے ملاقات کی، اور والد صاحب کے انتقال کی خبر دی، حضرتؒ کو والد صاحب سے خصوصی تعلق تھا، حضرت نے معلوم کیا کہ تمہارے والد صاحب جو مکتب چلاتے تھے اُس کا کیا انتظام کیا، تو میں (محمد اعلم قاسمی) نے فرمایا کہ اَبا کا شوق تھا اَبا کے ساتھ چلا گیا، تو حضرت نے فرمایا کہ تمہارے باپ نے جیل میں رہ کر پڑھنا لکھنا سیکھا اور مکتب قائم کیا اور تم دیوبند کے فاضل ہونے کے بعد جاؤ، مدرسہ کی دیکھ بھال کرو؛ لہٰذا حضرت کے حکم اور اُن کے فرمانے پر مدرسہ کی دیکھ بھال شروع کی، اور اہل محلّہ مدرسہ کے ذمہ داران نے مجھے باقاعدہ مدرسہ کا مہتمم بنادیا، اِسی درمیان مدرسہ اِمدادیہ کی طلب پر مدرسہ جامع الہدیٰ کے اہتمام کے ساتھ مدرسہ امدادیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

موصوف نے نامساعد اور حوصلہ شکن حالات کے باوجود اپنے والد مرحوم کی تحریک، مشن اور امانت کو بہت ہی جاں فشانی اور عرق ریزی سے پروان چڑھایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدرسہ نے بہت جلد عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرلی، جس کی بناء پر طلبہ کے رجوع میں کافی اِضافہ ہوا اور کرایہ پر لی گئی مدرسہ کی یہ وسیع وعریض عمارت بھی اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگی، بالآخر یہ مدرسہ ''جامع الہدیٰ'' محلّہ پیرزادہ کو الوداع کہہ کر ۶۹-۱۹۷۰ء میں محلّہ گل شہید کی بڑی مسجد (جو کہ اس وقت تقریباً غیر آباد تھی) میں منتقل ہوا اور حضرت مولانا محمد اعلم قاسمیؒ نے نئے جوش وجذبہ کے ساتھ تعلیمی، تعمیری ہر اعتبار سے اس مدرسہ کو بام عروج پر پہنچادیا۔ اور آج الحمدللہ یہ اِدارہ والد مرحوم کے اخلاص اور اُن کی سعی پیہم اور اکابر کی سرپرستی کی بدولت شمالی ہند کا ایک عظیم علمی مرکز شمار ہوتا ہے، جس میں درجات پرائمری، حفظ و ناظرہ سے لے کر دورۂ حدیث شریف وشعبہ اِفتاء تک کی تعلیم کا معقول ومکمل بندوبست ہے۔

الحمد للہ اس وقت مدرسہ کی قدیم عمارت مسجد گل شہید کے علاوہ جامع الہدیٰ سے متصل ہی اسی کے زیر انتظام لڑکیوں کا ایک ادارہ جناب الحاج جمیل الرحمٰن مرحوم، اوران کی اہلیہ سروری آپا کے وقف کردہ مکان میں ''مدرسہ سروری جمیل'' کے نام سے چل رہا ہے، جس میں پرائمری درجات تا پانچ کے علاوہ عالیت کا بھی مکمل کورس ہے، الحمد للہ اس وقت تقریباً ۲۵۰ر طالبات محنتی وجفاکش معلمات کی زیر نگرانی اپنے تعلیمی وتربیتی سفر پر رواں دواں ہیں اور تقریباً ۵۰ر طالبات ردائے فضیلت حاصل کر کے مختلف مقامات وعلاقوں میں درس وتدریس اور اشاعتِ دین کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ اسی طرح دار العلوم جامع الہدیٰ ہی کے زیر انتظام ایک اِدارہ ''دار العلوم وادیٔ ہدیٰ'' کے نام سے سنبھل روڈ پر واقع ہے جس کی تقریباً ایک ایکڑ آراضی ۱۹۸۶ء میں خریدی گئی تھی، الحمد للہ وہاں بھی تعلیمی وتعمیری سلسلہ جاری ہے اور درجاتِ حفظ وناظرہ کے علاوہ شعبۂ افتاء واز عربی اول تا عربی سوم، شعبہ تجوید وقرأت کی تعلیم جاری وساری ہے۔

جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ اَیامِ شباب ہی سے مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے، آپ کو جمعیۃ سے بے پناہ محبت ولگاؤ تھا، تقریباً ۲۲ر سال جمعیۃ علماء شہر مرادآباد کے صدر کے عہدہ پر فائز رہے، ملک وملت کی فلاح وبہبود کے لئے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ہمہ وقت ہر محاذ پر سرگرم عمل رہے، اپنی پیرانہ سالی وعلالت کے باوجود جمعیۃ کا کوئی اجلاس ہو یا میٹنگ سب میں پیش پیش رہتے، فکرمندی کا یہ حال تھا کہ گویا سب انہی کی ذمہ داری ہے۔ فرماتے تھے کہ میں جمعیۃ کا ایک خادم ہوں اور میں جو کچھ کرسکتا ہوں یا کرتا ہوں وہ میرا تنہا کارنامہ نہیں، میرے جملہ رفقاء کار کی مشترکہ جد وجہد کا نتیجہ ہے، اپنی حیات کے آخری لمحات تک جمعیۃ کی ہمہ جہت ترقی، استحکام، دائرہ کار کو بڑھانے، اجتماعیت کو باقی رکھنے کے تعلق سے مفید مشوروں، مفید تجربوں سے نوازتے تھے، اس کے علاوہ آپ شہر مرادآباد کی کئی باا‌ثر وفعال تنظیموں سے بھی منسلک رہے۔

اوصاف وخصوصیات

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ بے شمار خوبیوں، اوصاف وکمالات کے حامل تھے، مبدأ فیاض نے ان کو بے پناہ خوبیوں، امتیازات وخصوصیات سے نوازا تھا، والد مرحوم ایک فکرمند، جفاکش اور باہمت عالم دین تھے، اپنے اسلاف واکابر کے نظریات ومزاج سے پوری طرح ہم آہنگ تھے، عقائد راسخہ اور اعمالِ صالحہ پر استقامت کے ساتھ قائم تھے، بدعات ورسومات سے سخت متنفر رہتے، زندگی کے ہر شعبہ میں اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے، والد صاحب مرحوم کا نمایاں وصف چھوٹوں پر شفقت اُن کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ تھا، آپ جملہ اہل خانہ نیز چھوٹوں بڑوں کے ساتھ نرمی محبت ومہربانی کا معاملہ فرماتے، گھر کے جس فرد سے ملتے اس کے دل کو چھو لیتے، ہر ایک کی بات ایسے غور واطمینان سے سنتے کہ یوں محسوس ہوتا کہ آپ اس کے بہترین سرپرست ومشیر ہیں۔

اخلاص

آپ کی زندگی کا سب سے اعلیٰ وممتاز وصف اُن کا اخلاص تھا، موصوفؒ کی مقبولیت وبڑائی کا راز یہ ہے کہ وہ سرتاپیر مخلص تھے، ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی کام اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا، وہ اپنے کام میں ہر وقت مخلص تھے، ان کی ساری جدوجہد محض رب کی خوشنودی کیلئے تھی۔

تواضع وخاکساری

والد صاحبؒ تواضع وخاکساری ہی کا پیکر تھے، حد سے زیادہ تواضع وانکساری اُن کا خاصہ تھی، بے حد ملنسار وخلیق تھے، عزم وحوصلہ، عالی ہمتی، دینی انہماک ومصروفیت، کام کی لگن اور دھن موصوفؒ کو حد سے زیادہ تھی، سکون اور فرصت نام کی کوئی چیز اُن کے یہاں نہیں تھی، کاموں کے ہجوم میں گھرے رہنا ہی انہیں پسند آتا تھا، خود بھی وہ کبھی چین سے بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے، آپ کی طبیعت میں فقیروں کی سی سادگی اور بوریہ نشیں بزرگوں جیسا انکسار ووقار تھا۔

صبر وتحمل

میرے ابی علیہ الرحمہ کا ایک خاص وصف صبر وتحمل بھی تھا، کیسی ہی شدید تکلیف ہو اور کیسا ہی مشکل مرحلہ ہو ان کی زبان شکر ہی ادا کرتی رہی، زبان پر حرف شکایت تو درکنار اشارۃً بھی کبھی قلت رضا کا گذر نہیں ہوا، وفات سے قبل آخری چند مہینوں میں کمزوری کے ساتھ تکلیفیں بھی بڑھ گئی تھیں، مگر کبھی چہرے کے تأثرات سے بھی شکوہ کا اندازہ نہ ہوا، عیادت کے لئے آنے والے حضرات جب طبیعت کے تعلق سے معلوم کرتے تو جواب میں ''الحمد للہ علیٰ کل حال'' فرماتے اور کہتے کہ بہت سوں سے اچھا و بہتر ہوں، اللہ رب العزت سب کو عافیت وسلامتی سے رکھے۔

الغرض یہ بات قابل قدر اور باعث ذکر ہے کہ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی عمر کے تقریباً ساٹھ سال علمی، انتظامی، سماجی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دیے، دار العلوم جامع الہدیٰ مراد آباد کو اپنے خون جگر سے سینچنے اور اس کو تعلیمی وتعمیری اعتبار سے پروان چڑھانے میں صرف کئے اور بعد والوں کے لئے صدیوں تک نہ بھلائے جانی والی عظیم خدمات کی شکل میں انمٹ نقوش چھوڑ کر زبان حال سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوگئے:

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ بانی مرحوم کے لگائے ہوئے اس چمن کی آبیاری کرتا رہے اور ان کے خوابوں کے پایۂ تکمیل تک پہنچائے، داخلی، خارجی، ظاہری، باطنی، اندرونی، بیرونی تمام فتنوں سے مکمل حفاظت فرمائے، اور والد علیہ الرحمہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازکر ان کی مغفرت تامہ ورفع درجات کا ذریعہ بنائے اور آپ کی جملہ صفات کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا محمد یوسف تتلا صاحبؒ اسٹینگر جنوبی افریقہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل، عالم با عمل بزرگ اور داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف تتلا صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۳؍شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۹؍مارچ ۲۰۲۰ء بروز اتوار کو اسٹینگر جنوبی افریقہ میں ۸۰؍سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف انتہائی متقی، پرہیز گار، اکابر سے تعلق رکھنے والے اور نرم طبعیت کے مالک تھے، تواضع اور صلہ رحمی کے اعتبار سے ممتاز مقام پر فائز تھے۔ جماعت دعوت وتبلیغ سے خصوصی لگاؤ تھا، اکثر مقامی اور بیرونی تقاضوں پر اسفار فرمایا کرتے تھے۔ حرمین شریفین کی بھی بکثرت آمدورفت تھی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا موصوف کی دعوت پر ۱۴۰۱ھ میں (وفات سے ایک سال قبل) ''اسٹینگر'' جنوبی افریقہ میں آپ کے گھر کے قریب ایک جامع مسجد میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ اعتکاف فرمایا، اور حضرت کے اِس قیام رمضان کی وجہ سے ساؤتھ افریقہ میں عجیب وغریب روحانی ودینی اثرات رونما ہوئے تھے، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

آپ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے نامور فاضل اور حضرت شیخ رحمہ اللہ وغیرہ کے شاگرد رشید تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی آپ سے بہت اُنسیت تھی، چناں چہ ''آپ بیتی'' میں جا بجا مختلف مناسبتوں سے آپ کا تذکرہ موجود ہے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور خانوادۂ مدنی سے

بھی آپ خاص اُنسیت رکھتے تھے، جب بھی ہندوستان تشریف لاتے تو اہتمام کے ساتھ دیوبند بھی حاضری دیتے تھے۔

ناکارہ مرتب کو بھی بچپن سے آپ سے واقفیت رہی، اور چند سال قبل (۲۰۱۳ء میں) جب ساؤتھ افریقہ کا سفر ہوا تو مولانا موصوف کی پراصرار دعوت پر آپ کے دولت خانہ پر حاضری اور اسٹینگر کی مذکورہ مسجد میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کی پرخلوص مہمان نوازی اور چمکتا ہوا پرنور چہرہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

مولانا موصوف وفات سے چند دن قبل تبلیغی سفر پر ہندوستان تشریف لائے تھے، وطن واپسی کے بعد ہلکا سا موسمی نزلہ اور بخار ہوا، اور چوں کہ اِس وقت وبائی بیماری (کورونا وائرس) پھیلی ہوئی ہے، اِس لئے اہل خانہ نے فوراً ٹیسٹ کرایا، تو وہ مثبت آیا، چناں چہ ڈاکٹروں کے مشورہ پر آپ کو گھر ہی میں قرنطینہ میں رکھا گیا، طبعیت بظاہر معمول پر تھی، وفات والے دن عشاء کی نماز بعافیت اَدا کی، اُس کے بعد طبعیت زیادہ بگڑنے لگی، تو اسپتال جانے کا مشورہ ہوا، آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے وضو کرایا جائے، وضو کے بعد آپ نے باقاعدہ عمامہ باندھا – جو عام طور پر باندھنے کا معمول تھا – اُس کے بعد دو رکعت نماز شروع کی، اور نماز ہی کے دوران سجدے کی حالت میں آپ کی روح پرواز کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

بلاشبہ یہ ایسی موت ہے جس پر جتنا بھی رشک کیا جائے؛ کم ہے۔ وبائی بیماری کی وجہ سے بہت محدود تعداد نے آپ کے جنازے میں شرکت کی؛ لیکن دنیا بھر میں پھیلے ہوئے آپ سے تعلق رکھنے والوں نے اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے آپ کے لئے دعاءِ خیر اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۰ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا وسیم احمد صاحب سنسار پوریؒ

جامعہ اشرف العلوم گنگوہ کے شیخ الحدیث، معتبر اور راسخ فی العلم با فیض عالم دین حضرت مولانا وسیم احمد صاحب سنسار پوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱؍اپریل ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ رات میں تقریباً ساڑھے آٹھ بجے چند روز علالت کے بعد انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

لاک ڈاؤن کی وجہ سے اُسی شب بارہ بجے آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی اور نم آنکھوں سے سپردخاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

مولانا موصوف نہایت خوش اخلاق، کم آمیز، سادگی پسند، متواضع اور متبحر عالم دین تھے، آپ کی پیدائش وطن مالوف سنسار پور ضلع سہارن پور میں ۱۹۵۲ء میں ہوئی، والد ماجد کا نام: مولانا بشیر احمد تھا، آپ نے ابتدائی تعلیم ''مدرسہ فیض رحمانی'' سنسار پور اور ''جامعہ اشرف العلوم'' گنگوہ میں حاصل کی، اُس کے بعد ۱۳۸۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے، جہاں سے آپ نے ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

آپ نے بخاری و مسلم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ سے، ابوداؤد اور نسائی شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ سے، اور ترمذی شریف فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھی، نیز طحاوی

شریف کا کچھ حصہ حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

موصوف حضرت شیخ محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منظورِ نظر شاگردوں میں سے تھے، اور بہت ہی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ علمی وتدریسی مشاغل میں پوری زندگی لگے رہے، اور اپنے کو ہر طرح کے انتشار اور اختلاف سے محفوظ رکھا۔

جامعہ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد ہی آپ علاقہ کے مرکزی اِدارے ''مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ'' کے مدرس بن گئے تھے، جہاں آپ کو ابتدائی عربی فارسی سے لے کر بخاری شریف تک کی کتابیں پڑھانے کی توفیق میسر آئی، اور ۱۴۰۵ھ سے تادمِ آخر مسلسل ۳۶؍سال آپ اِدارے کے ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز رہے۔ اِس دوران ہزار ہا ہزار طلبہ نے آپ سے اِستفادہ کیا، جن کے ذریعہ سے آپ کا فیض ملک وبیرونِ ملک تک پہنچا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

آپ کو سلوک وتصوف میں حضرت اقدس مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری دامت برکاتہم خلیفہ اجل حضرت رائے پوریؒ سے اِجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

آپ نے چند تحریریں بھی مرتب فرمائیں، جن میں ''بذل السعایہ فی مقدمۃ الھدایہ''، ''تبذیر البیان فی تذکرۃ النعمان'' اور ''مقدمۃ الحدیث'' قابل ذکر ہیں۔ (مستفاد: علماء مظاہر علوم سہارن پور وانجازاتھم العلمیۃ والتالیفیۃ ۳؍۲۰۳-۲۰۴، تذکرہ اکابر گنگوہ یعنی حیاتِ شریف الامۃ ۵۵۷-۵۵۸)

آپ کے صاحب زادگان میں مولانا مفتی کلیم احمد صاحب کرت پور ضلع بجنور کی جامع مسجد کے اِمام اور ''مدرسہ اسلامیہ کلروالی مسجد'' میں محدث ہیں، اور ماشاء اللہ ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِیْہِ'' کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور سبھی متعلقین کو صبرِ جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۰ء)

❍❖❍

ہندوستان کے عظیم اور مثالی محدث، اُستاذ الاساتذہ

حضرت مولانا وسیم احمد صاحب سنسار پوریؒ

شیخ الحدیث جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری اُستاذ حدیث ومفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

اس کائنات ہست و بود میں ہر چیز فانی ہے، روزانہ ہی بے شمار انسانوں کی موت ہوتی ہے اور زیر زمین دفن ہوجاتے ہیں اور زمین ان کو اپنا پیوند بنا لیتی ہے، خالق ارض وسماء کے نظام کے تحت موت وحیات کا سلسلہ ابتداء آفرینش سے قائم ہے اور قیامت تک جاری وساری رہے گا، بعض انسانوں کے مرنے پر کوئی بھی سوگ کرنے والا نہیں ہوتا؛ البتہ بعض عظیم انسانوں کی وفات پر ایک عالم سوگوار ہوتا ہے اور ان کی وفات سے عالم ارضی میں ایسا خلاء پیدا ہوجاتا ہے جس کا ملاء دشوار ہوتا ہے اور صدیوں تک اس عظیم ہستی کو یاد کیا جاتا ہے، انہی عظیم اور نامور شخصیات میں ہمارے مشفق ومہربان استاذ، عظیم مربی ومحدث، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا وسیم احمد صاحب سنسار پوری، مظاہری نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی ذات گرامی بھی ہے، جن کا مختصر ذکر جمیل درج ذیل سطور میں کیا جاتا ہے:

ولادت اور خاندان

آپ کا اسم گرامی وسیم احمد ابن مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم ہے۔ آپ کی ولادت ضلع سہارن پور کی مردم خیز بستی سنسار پور میں ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم مولانا بشیر احمد صاحبؒ شہر سہارن پور میں ایک مسجد کے امام وخطیب تھے اور مختلف مساجد میں قرآن کریم کا

ترجمہ اور تفسیر بھی عوام الناس کے روبرو بیان فرماتے تھے۔ اس کے ساتھ مسجد میں وابستہ مکتب میں پڑھایا بھی کرتے تھے اور کثیر مصروفیات کی حامل شخصیت تھے۔

جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں داخلہ

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی ہی بستی کے بافیض ادارہ مدرسہ فیض سبحانی سنسار پور میں حاصل کی، اس کے بعد اپنے والد محترم کے مشورہ اور حکم سے آپ گنگوہ پہنچے، اور شوال ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۲ء مرکز تعلیم و تربیت جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں آپ نے داخلہ لیا۔ اس دور میں بانی جامعہ مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ (متوفی: ۲۴؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۴؍مئی ۲۰۰۵ء) کا انداز تربیت مثالی اور لائق تقلید تھا۔ عوام و خواص کو آپ کی تربیت پر مکمل اعتماد حاصل تھا۔ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں آپ کا قیام دو سال رہا اور ابتدائی فارسی سے لے کر شرح جامی بحث فعل تک تمام کتابیں مکمل محنت اور توجہ و جانفشانی سے آپ نے پڑھیں۔ گنگوہ میں بانی جامعہ مولانا قاری شریف احمد نور اللہ مرقدہٗ کے علاوہ آپ کے نامور اساتذہ میں حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری بجنوریؒ (متوفی: ۱۰؍شوال ۱۴۳۸ھ) سابق شیخ الحدیث دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ (اس دور میں غازی صاحب مرحوم جامعہ اشرف العلوم رشیدی ہی میں تدریسی فرائض انجام دیا کرتے تھے)

مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ اور فراغت

شوال ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۴ء کو آپ نے جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور شرح جامی بحث اسم، کنز الدقائق، شرح تہذیب، شرح وقایہ وغیرہ کتابوں سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا پھر درجہ بدرجہ تعلیمی مراحل طے کرتے رہے اور کتب درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں اساطین علم و فضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے کتب صحاح ستہ پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے نامور اَساتذۂ کرام

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں علوم نبوت کے جن درخشندہ ستاروں سے آپ نے کسب فیض کیا اور علمی تشنگی بجھائی۔ ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:

اسعد الملت حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ رام پوری سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور و خلیفۂ اَجل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے طحاوی شریف پڑھی پھر آپ کی علالت طبع کی وجہ سے اس کی تکمیل مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے کرائی۔ فقیہ الاسلام مولانا مفتی قاری مظفر حسین صاحب مظاہری سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے آپ نے ترمذی شریف مکمل اور طحاوی شریف کا آخری حصہ پڑھا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ سے آپ نے بخاری شریف مکمل اور مسلم شریف مکمل پڑھی۔ حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور سے آپ نے ابوداؤد شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھی۔ درج بالا شخصیات کے علاوہ امام النحو حضرت علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ، امام الفرائض حضرت مولانا وقار علی صاحب بجنوریؒ، حضرت علامہ مولانا محمد یامین صاحبؒ، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری موجودہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، حضرت مولانا اطہر حسین صاحب اجراڑوی، حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اللہ صاحب رام پوری وغیرہ حضرات بھی آپ کے اساتذہ کرام کی فہرست میں شامل ہیں۔

نامور رفقاء درس

آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب صاحبزادہ محترم رئیس التبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا ظہیر انوار صاحب بستوی ناظم دارالعلوم اسلامیہ بستی، حضرت مولانا حبیب اللہ چمپارنیؒ خادم خاص حضرت شیخ الحدیث مولانا

محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ مقیم مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفا وکرامہ، مولانا قاری احمد گورا صاحب خادم خاص ومجاز بیعت حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ، حضرت مولانا سید محمد شاہد مدظلہ سکریٹری جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، مولانا عبدالقادر صاحب احمد آبادی، مولانا ثناء اللہ ہزاری باغوی جیسے عظیم لوگ شامل ہیں۔

جامعہ اشرف العلوم رشیدی سے تدریسی زندگی کا آغاز

شوال ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء کے اواخر میں اکابرین مظاہر علوم کے مشورہ اور حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کی حسن طلب پر جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں آپ کا تقرر عمل میں آیا اور اس طرح جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے حلقۂ خدام اور زمرہ اساتذہ میں آپ کی شمولیت سے حسین اضافہ ہوا۔ خدمت تدریس پر فائز ہونے کے بعد آپ نے ابتدائی فارسی عربی سے درجات نہائیہ دورۂ حدیث وافتاء تک درس نظامی کی بیشتر کتابیں انتہائی کامیابی اور نیک نامی کے ساتھ آپ نے بار بار پڑھائیں۔ رب ذوالجلال نے تمام ہی علوم وفنون میں کامل درک اور مہارت تامہ کے امتیازی وصف سے آپ کو حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین، جلالین شریف، بیضاوی شریف، مشکوۃ شریف کا آپ کا درس اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے، حتی کہ دوسرے قرب وجوار کے مدارس کے طلبہ بھی اپنے خارجی اوقات میں آپ کے درس سے استفادہ کے لئے گنگوہ آتے رہتے تھے کیونکہ آغاز مدرسہ کے وقت سے پچاس ساٹھ سال تک اکابرین کے مشورہ اور گنگوہ کے خاص حالات کے پیش نظر مدرسہ اشرف العلوم میں جمعہ کے دن تعلیم ہوتی تھی اور ہفتہ کے دن ہفتہ واری تعطیل رہتی تھی، اس لئے دیگر مدارس اسلامیہ کے طلبہ حضرت والا کے درس سے استفادہ کے لئے جمعرات کی شام گنگوہ پہنچ جاتے تھے اور جمعہ کے اسباق میں شریک ہوکر شام کو اپنے مدرسہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس طرح فنون کی کتابیں کافیہ، شرح جامی، مختصر المعانی، مقامات حریری، سلم العلوم، قطبی، میبذی، شرح عقائد نسفی، اصول الشاشی، نور الانوار وغیرہ بھی آپ نے بار بار پڑھائیں۔

راقم السطور از شوال ۱۴۰۲ھ تا شعبان ۱۴۰۴ھ دو سال مدرسہ اشرف العلوم رشیدی میں طالب علمانہ حیثیت سے مقیم رہا اور اس دور کے مشاہیر اساتذۂ کرام سے شرف تلمذ کی سعادت حاصل رہی۔ حضرت والا سے راقم السطور نے شرح جامی بحث اسم، مختصر المعانی، مقامات حریری تین کتابیں مدرسہ کے نصاب کے مطابق پڑھیں۔ حضرت والا کا انداز تدریس انتہائی مثالی اور نرالا تھا۔ پورے سال کتاب کے مضامین کو سمجھانے کے لئے حضرت والا نے کبھی کتاب اپنے سامنے تپائی پر نہیں رکھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کتاب کے مضامین بالاستیعاب آپ کو از بر حفظ یاد ہیں۔ صرف ترجمہ کے لئے مضامین کتاب مکمل ہونے کے بعد کتاب سامنے رکھتے تھے اور بیان کردہ مضامین کو کتاب کی عبارت پر منطبق فرماتے تھے۔ مذکورہ تین کتابوں کے علاوہ احقر کو خارج میں سراجی پڑھنے کی سعادت بھی حاصل رہی۔ سراجی پڑھنے کی سعادت کے حصول کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت والا سال کے آخر میں موقوف علیہ کے طلبہ کو صبح کے آخری گھنٹہ کے بعد چھٹی کے وقت سراجی پڑھایا کرتے تھے اور حضرت والا کی درس گاہ اس وقت کی ترتیب کے اعتبار سے کمرہ نمبر ۵ دار جدید کے برآمدہ میں لگتی تھی، بندہ کا قیام کمرہ نمبر ۱ دار جدید میں رہتا تھا۔ آپ ایک روز درس سراجی میں باپ کے احوال پڑھا کر فارغ ہوئے تھے اور باپ کے تینوں حالات کو تختہ سیاہ پر سمجھایا تھا، بندہ کا آپ کے سامنے سے جب گزر ہوا تو بندہ تختہ سیاہ کو پڑھنے لگا، اس کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ کیا دیکھ رہا ہے کچھ سمجھ میں آیا، بندہ نے کہا جی سمجھ میں آ رہا ہے، پھر حضرت کی فرمائش پر میں نے باپ کے تینوں حالات مع امثلہ بتلا دیئے پھر حضرت والا نے فرمایا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا تو بندہ نے عرض کیا کہ میں نے سابق مدرسہ میں کافیہ کے سال سراجی پڑھ لی ہے تو حضرت والا نے پابندی سے درس سراجی میں شرکت کا حکم فرمایا اور پھر مستقل طور پر سراجی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

الحاصل رسوخ فی العلوم کی دولت جو رب ذوالجلال اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ یقیناً مبدأ فیاض کی طرف سے آپ کو حاصل تھی، حضرت مولانا محمد سلمان گنگوہی مدظلہ استاذ

حدیث جامعہ اشرف العلوم رشیدی کی روایت کے مطابق حضرت والا ہر فن کی کتاب پوری تیاری اور محنت سے پڑھاتے ہی نہیں تھے؛ بلکہ طلبہ کو گھول گھول کر پلانے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ حضرت الاستاذ مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ کو حضرت والا مرحوم سے فارسی سے لے کر مشکوۃ شریف تک متعدد کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ اس لئے حضرت والا کے حق میں آنجناب کی شہادت بلاشبہ انتہائی وقیع اور مضبوط شہادت ہے۔

گنگوہ کا حلقۂ درس حدیث

فقیہ النفس، قطب الارشاد، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا درسِ حدیث اپنے دور میں بے انتہاء مقبول و معروف درس حدیث تھا۔ امام ربانیؒ نے حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی، مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے دہلی جا کر علوم شرعیہ اور فن حدیث کو پڑھ کر اجازت حاصل کی پھر شیخ المشائخ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلوک و تصوف میں کمال پیدا کیا اور حاجی صاحبؒ کی جانب سے اجازت بیعت وخرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد گنگوہ واپس ہو کر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حجرہ کو اپنی قیام گاہ بنایا اور وہیں بیٹھ کر درس حدیث اور بیعت وارشاد کا سلسلہ شروع فرمایا اور یہ درس حدیث کا مشغلہ سالہا سال تک جاری رہا اور تمام ہی کتب حدیث بشمول صحاح ستہ کو آپ تنہا پڑھاتے تھے۔ اس زمانہ میں طلبہ کی محدود تعداد ہوتی تھی۔ ۱۳۱۴ھ تک آپ کا درس حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔ آپ کے درس حدیث کے آخری شاگرد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی قدر مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ تھے۔ ۱۳۱۴ھ کے بعد نزول الماء کی وجہ سے آپ کا درس حدیث کا سلسلہ بند ہو گیا؛ لیکن بیعت وارشاد اور فتاویٰ کا سلسلہ حیات مستعار کی آخری سانس تک جاری رہا اور جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ آپ کی وفات پر منقطع ہوا۔ اس کے بعد گنگوہ کا حلقہ درس تقریباً ۹۲ سال تک قائم نہ ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی

جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کو کہ موصوف کی انتھک کوششوں کے بعد امام ربانیؒ کی وفات کے تقریباً بیاسی سال بعد اور انقطاع حدیث کے تقریباً ۹۲ سال کے بعد گنگوہ میں درس حدیث کا سلسلہ ۵/ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۳/اگست ۱۹۸۴ء بروز جمعہ بعد نمازِ جمعہ دوبارہ شروع ہوا اور شہرۂ آفاق محدث استاذِ گرامی حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے صحیح بخاری کی پہلی حدیث پڑھ کر اس کا آغاز فرمایا۔

عہدۂ شیخ الحدیث کے لئے مبارک انتخاب

جب جامعہ اشرف العلوم گنگوہ میں دورۂ حدیث شریف کا افتتاح عمل میں آیا، تو بانی جامعہ حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ نے اس وقت موجود نامور اساتذۂ کرام کے درمیان دورۂ حدیث کی کتابوں کو اپنے قلم سے تقسیم فرمایا اور بخاری شریف کا درس حضرت مولانا وسیم احمد صاحبؒ کے لئے تجویز فرمایا اور آپ اس ادارہ کے اولین شیخ الحدیث قرار دئے گئے اور تاحیات تقریباً ۳۶/سال تک درس بخاری اور عہدۂ شیخ الحدیث آپ کی ذات کے ساتھ خاص رہا اور گنگوہ کی نسبت سے لفظ شیخ الحدیث آپ کے اسم گرامی کا جزءلازم اور آپ کا عرفی نام بن گیا۔ بخاری شریف کے علاوہ صحیح مسلم شریف بھی ابتدائی چند سالوں کے علاوہ تاحیات آپ ہی سے متعلق رہی۔ اس کے علاوہ مختلف اوقات میں ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد وغیرہ کتب حدیث کا درس بھی آپ پڑھاتے رہے۔ آپ کا درس حدیث بے انتہاء مقبول اور مدلل ہوتا تھا، وقت کے مایہ ناز محدثین نے اپنے اپنے حلقہ درس میں آپ کے درس حدیث کی اعلیٰ اور وقیع الفاظ میں تعریف وتحسین فرمائی تھی، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ العالی صدر المدرسین وشیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور اسی طرح صوبہ گجرات سے متعلق بعض اساتذۂ حدیث نے آپ کے درس حدیث کی جامعیت کی متعدد مرتبہ اپنے اپنے حلقہ ہائے درس میں تعریف

وتحسین فرمائی، مظاہر علوم کے قضیہ نامرضیہ کے بعد جب مظاہر علوم دو حصوں میں تقسیم ہوگیا، تو حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے متعدد مرتبہ آپ کو مظاہر علوم کا شیخ الحدیث بنانے کی کوشش فرمائی مگر آپ نے گنگوہ چھوڑنا پسند نہیں فرمایا۔ شوال ۱۴۰۲ھ تا شعبان ۱۴۴۱ھ تقریباً ۳۶ سال کے عرصہ میں آپ سے حدیث شریف پڑھ کر اجازت حدیث حاصل کرنے والے فضلاء کی تعداد تقریباً ساڑھے تین ہزار ہے۔ ان فضلاء نے صحیحین (بخاری ومسلم) کی اجازت کے ساتھ مسلسلات کی بھی اجازت حاصل کی۔

دورۂ حدیث کے قیام کے چند سالوں کے بعد جب جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں دارالافتاء کا شعبہ قائم ہوا اور اس میں تمرین فتاویٰ کے لئے طلبہ کا داخلہ شروع ہوا تو دارالافتاء کی نصابی کتابوں میں درمختار کتاب النکاح والطلاق کا آپ نے تاحیات درس دیا اور درمختار پڑھنے والے آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی سیکڑوں میں ہے۔ مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں آپ کی مدت تدریس عیسوی کے حساب سے پچاس سال کے طویل عرصہ پر محیط ہے اور قمری سال کے حساب سے اکیاون سال سے زائد عرصہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

بیعت وسلوک

سلوک وتصوف اور صفت احسان کے حصول کے لئے غالباً آپ نے اولاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور اس کے بعد مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری دامت برکاتہم العالیہ (خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ) سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور حضرت سنسارپوری مدظلہ کی جانب سے ہی آپ کو اجازت بیعت اور خرقۂ خلافت کا تمغہ حاصل ہوا پھر حضرت والا نے اس سلسلہ کو اپنے دائرہ میں جاری وساری رکھا اور اصلاح نفس اور اصلاح قلب کے لئے آپ سے بیعت ہونے والوں کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ ہر سال ماہ رمضان میں جس مسجد کے آپ امام ہیں، آپ کی خانقاہ قائم ہوتی تھی اور شہر وقرب وجوار سے لوگ آپ کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اوراد و وظائف پورے کرتے تھے اور آپ سے سلوک و احسان کا درس حاصل کرتے تھے۔ قرب و جوار اور شہر کے لوگوں کے علاوہ فضلاء مدارس خاص طور سے فضلاء جامعہ اشرف العلوم رشیدی بھی بڑی تعداد میں آپ سے بیعت تھے۔ آپ کے خلفاء و مجازین بیعت کی بھی یقیناً بڑی تعداد ہوگی جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ہمارے دوست مولانا بدرالاسلام صاحب مدظلہ امام و خطیب جامع مسجد کوٹ دوار اتراکھنڈ کو حضرت والا سے اجازت بیعت حاصل ہے۔

اخلاق و عادات اور اوصافِ جمیلہ

رب ذوالجلال نے رسوخ فی العلم اور کمال استحضار کے وصف خاص سے آپ کو نوازا تھا، سادگی و فروتنی، تواضع و خاکساری آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ ایک عظیم ادارہ کے شیخ الحدیث اور علوم نبوت کی جامع ترین شخصیت ہونے کے باوجود اپنی سادگی اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی وجہ سے عام آدمی آپ کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ اساتذہ کی صف میں آپ کو اولیت کا مقام حاصل تھا، اس کے باوجود فرائض تدریس کے علاوہ مدرسہ کے دوسرے امور انجام دینے میں کبھی آپ کو تکلیف نہیں ہوتی۔ مدرسہ کے سابق ناظم و مہتمم بانی مدرسہ مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ اور موجودہ ناظم مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ آپ پر مکمل اعتماد فرماتے ہیں۔

ماہ رمضان میں دونوں حضرات مدرسہ کی ضروریات کے لئے بیرون ملک کا طویل سفر فرماتے تھے اور مدرسہ کے جملہ امور کا ذمہ دار آپ ہی کو بنا کر جاتے تھے۔ اندرون ملک فراہمی مالیات کے لئے جانے والے سفراء اور اساتذہ کرام سفر سے واپسی پر وصول شدہ رقوم آپ کی خدمت میں لا کر جمع کرتے تھے اور مالیہ کا مکمل حساب ماہ شعبان، رمضان اور اوائل شوال میں آپ ہی کے پاس رہتا تھا اور ذمہ داران کے سفر سے واپس آنے پر ان کے سپرد فرمایا کرتے تھے اور آخری زندگی تک سالہا سال یہ نظام قائم رہا۔

اپنے اساتذہ اکابر کی خدمت اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور مرحومین اکابر و

مشائخ کا بڑے احترام وعقیدت سے تذکرہ فرماتے تھے۔ اسباق کی پابندی ہر کتاب کو مکمل تیاری اور مطالعہ کے بعد پڑھانا آپ کا معمول تھا۔ مطالعہ اور تدریس کے علاوہ تلاوت قرآن کریم کے آپ رسیا تھے۔ کثرت تلاوت اور اوراد و وظائف کی پابندی آپ کا امتیازی وصف تھا، طلبہ کی تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے، شریعت اور سنت کے اتباع کا التزام ہر حالت میں کرتے تھے۔ الغرض آپ مجمع الحسنات اور جامع الکمالات تھے۔

اصلاحی اور دعوتی اسفار

آپ کو عام طور سے سفر سے وحشت ہوتی تھی؛ لیکن اہل تعلق اور تلامذہ کے اصرار پر گاہے گاہے اصلاحی و دعوتی سفر بھی فرماتے تھے۔ یہ اسفار مختلف نوعیّتوں کے ہوتے تھے، سال کے آخر میں عام طور پر ختم بخاری شریف یا مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں میں خصوصی خطاب کے لئے اسفار ہوتے تھے۔ اس مقصد سے آپ نے ہندوستان کے علاوہ بیرون ملک میں بنگلہ دیش، افریقہ وغیرہ کے بھی اسفار فرمائے ہیں؛ نیز اتر پردیش کے دوسرے صوبہ جات: آندھرا پردیش، تلنگانہ، کرناٹک، مدراس، بہار، بنگال، آسام، مہاراشٹر اور گجرات وغیرہ کے بھی اسفار فرمائے ہیں۔ ایک سفر میں راقم السطور کو بھی رفاقت کی سعادت حاصل رہی جو نظام آباد اور حیدرآباد کا سفر تھا اور دونوں ہی مدارس میں ختم بخاری شریف کا پروگرام تھا۔

زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ راقم السطور کی دعوت پر بندہ کے گاؤں بھی تشریف لائے اور وہاں آپ نے عوام کے مختصر مجمع سے خطاب بھی فرمایا۔ اس کے علاوہ حج وعمرہ کے ارادہ سے متعدد مرتبہ آپ نے حجاز مقدس کا سفر بھی فرمایا اور زیارت حرمین شریفین کی سعادت عظمیٰ سے مشرف اور فیض یاب ہوئے۔ مرض الوفات سے قبل ششماہی امتحان کے موقع پر بھی آپ کو رب ذوالجلال نے عمرہ کی سعادت عطا فرمائی تھی۔

تصنیفات وتالیفات

علمی استحضار اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور صلاحیت کے باوجود آپ نے تصنیف وتالیف کو

اپنا علمی مشغلہ نہیں بنایا، اس کے باوجود آپ کے گوہر بار قلم سے بعض اہم تالیفات وجود پذیر ہوئیں، جن کی مختصر تفصیل اس طرح ہے:

(۱) بذل السعایہ فی مقدمۃ الہدایہ، فقہ حنفی میں علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ کا مبسوط و قیع مقدمہ آنجناب نے عربی زبان میں ترتیب دیا تھا، پھر اپنے والد محترم مولانا بشیر احمد صاحبؒ کی تعمیل ارشاد میں اس کو اردو زبان میں منتقل فرمایا، یہ مقدمہ دو باب اور سات فصول پر مشتمل ہے۔ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ میں لکھا گیا اور شائع بھی ہوا مگر اس وقت نایاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں فقیہ الاسلام مولانا مفتی مظفر حسین اور مولانا اطہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وقیع تقریظات ہیں۔

(۲) تبذیر البنان فی تذکرۃ النعمان یہ موصوف کے قلم سے امام ابوحنیفہؒ کے تذکرہ پر مشتمل اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں امام اعظمؒ کے محدثانہ اور فقیہانہ مقام کی بہترین وضاحت اور معاندین ومخالفین کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا محققانہ اور عالمانہ جواب دیا گیا ہے، کتاب ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

اس کے علاوہ مقدمہ تفسیر، مقدمہ حدیث آپ کی بہترین تالفات ہیں جو ابھی تک شائع ہونے کا انتظار کر رہی ہیں۔

نیز حضرت الاستاذ مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی دامت برکاتہم استاذِ حدیث جامعہ اشرف العلوم رشیدی نے اپنے زمانہ طالب علمی میں آپ کے درس جلالین کی تقریر انتہائی اہتمام سے مرتب فرمائی، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے اس کا نام ملاحظہ کے بعد ''نفحاتِ وسیم'' تجویز فرمایا۔ اسی طرح حضرت الاستاذ مدظلہ نے آپ کے درس مشکوۃ کی تقریر کو بھی ضبط فرما کر مرتب فرمایا۔ یہ دونوں علمی ذخائر بھی ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ رب ذوالجلال ان کے شائع ہونے کا نظم فرمائے۔ (آمین)

تلامذہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کے ملک و بیرون ملک تلامذہ اور شاگردان

باصفا کی تعداد کا احاطہ دشوار ہے۔ ہندوستان کے بیشتر مدارس میں آپ کے شاگرد ماشاء اللہ مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار یا کلیدی عہدوں پر فائز ہیں، جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے موجودہ ناظم و مہتمم حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب گنگوہی قدیم ترین استاذِ حدیث دونوں ہی آپ کے شاگرد میں اول الذکر دیگر متعدد کتابوں کے ساتھ بخاری شریف کے اولین شاگرد ہیں اور ثانی الذکر بھی دیگر متعدد درسی کتابوں کے ساتھ مشکوۃ شریف کے اولین شاگرد ہیں؛ نیز مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ اور گنگوہ واطراف گنگوہ کے دوسرے مدارس کے بیشتر اساتذۂ کرام بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ از ہر ہند ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری نقشبندی استاذ الحدیث ومدیر ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، مولانا قاری عبدالرؤف بلندشہری شیخ القراء دارالعلوم دیوبند، سہارن پور میں حضرت مولانا مفتی مقصود احمد صاحب صدر مفتی واستاذ حدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، حضرت مولانا نثار احمد صاحب استاذ حدیث مظاہر علوم وقف سہارن پور آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں، اس کے علاوہ مولانا محمد سفیان سہس پور ضلع بجنور، مولانا بدرالاسلام صاحب کوٹ دوار مولانا محمد اسلم جاوید قاسمی صاحب صدر جمعیۃ علماء ضلع رام پور و مہتمم مدرسہ فیض العلوم تھانہ ٹین رام پور، مولانا محمد قسیم صاحب قاضی شہر سلطان پور، مولانا انیس آزاد بلگرامی نقشبندی ناظم مدرسہ سید المدارس دہلی، حضرت مولانا محمد انور صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم رشیدیہ گنگوہ، مولانا مفتی حبیب اللہ چمپارن مہتمم دارالعلوم مہذب پور اعظم گڑھ، مولانا مفتی شعیب اللہ مفتاحی مہتمم و بانی مدرسہ مسیح العلوم بنگلور، مولانا مفتی شفقت اللہ صاحب قاضی شہر ہردوئی، مولانا مفتی علی حسن صاحب نہٹوری مفتی مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارن پور وغیرہ آپ کے مشہور تلامذہ ہیں۔ بیرون ملک سعودی عرب، انگلینڈ، ویسٹ انڈیز، افریقہ، امریکہ، برما، بنگلہ دیش، پاکستان، پنامہ، کناڈا وغیرہ میں آپ کے تلامذہ و شاگردان باصفا ماشاء اللہ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

علالت، وفات اور تدفین

آپ کافی عرصہ سے بیمار تھے، علاج ومعالجہ بھی چل رہا تھا، اس کے ساتھ تمام معمولات اور فرائض تدریس بھی پورے اہتمام کے ساتھ جاری تھے۔ مدرسہ کے روح روان مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ نے آپ کے اعذار وامراض کی وجہ سے آپ کے اسباق کی ترتیب صبح کے اوقات ہی میں قائم فرمادی تھی تاکہ شام کے وقت دوبارہ مدرسہ تشریف لانے کی زحمت نہ رہے اور آپ کو مکمل راحت کا موقع حاصل رہے، امراض کے باوجود اسباق کی پابندی آپ کی قابل رشک اور لائق تقلید تھی۔ ادھر چند ماہ پیشتر آپ کی بیماری میں اچانک اضافہ ہوا اور آپ کو علاج کے لئے دہلی ہسپتال داخل کرنا پڑا۔ چند روز ہسپتال میں علاج کرانے کے بعد جب قدرے افاقہ ہوا تو گنگوہ واپس تشریف لے آئے؛ لیکن ضعف ونقاہت کی وجہ سے آپ مدرسہ تشریف لے جانے کے قابل نہ رہے مگر طلبہ دورۂ حدیث اور دوسرے طلبہ آپ کے دولت کدہ پر جاکر پڑھنے لگے اور آپ اس طرح اختتام سال تک صحیح بخاری وصحیح مسلم اور دوسری کتابوں کا درس دیتے رہے اور تعلیمی سال مکمل ہوگیا۔ بالآخر وقت موعود آگیا اور ۱۶ر شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ کا دن مکمل کرکے غروب کے بعد شب یکشنبہ مؤرخہ ۱۷ر شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱ر اپریل ۲۰۲۰ء تقریباً سوا آٹھ بجے علوم نبوت کا یہ آفتاب عالم تاب اپنے اہل خانہ، متعلقین، اعزہ واقرباء اور ہزارہا تلامذہ ومسترشدین کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا اور علوم شریعت کی ضیاء پاشی کرنے والا یکتائے روزگار عالم دین اپنے مالک حقیقی سے ملاقات کے لئے ہم سے رخصت ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ملک میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے آمد ورفت بالکل ناممکن اور دشوار تھی، اس لئے کسی کو اطلاع کرنا خلاف مصلحت سمجھا گیا پھر بھی آندھی کی طرح ملک وبیرون ملک آپ کی وفات حسرت آیات کی اندوہناک خبر تیزی کے ساتھ پھیل گئی۔ اگر عام حالات میں حضرت والا کا وصال ہوتا تو یقیناً ہزار ہا ہزار عوام وخواص کا جم غفیر نماز جنازہ میں شرکت اور آخری دیدار کی سعادت حاصل کرتا؛ لیکن ملک کے ناموافق حالات کی وجہ سے تجہیز وتکفین میں عجلت

سے کام لیا گیا اور دفعہ ۱۴۴ر کی وجہ سے شہر کے لوگوں کی آمد ورفت کو بھی انتظامیہ نے روک دیا اور جلدی غسل دلا کر رات کے دو بجے گنگوہ کے مقامی وعلاقائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ مختصر اور محدود مجمع کے ساتھ مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ ع

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

آپ کے پسماندگاہ میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ چار صاحب زادہ مولانا مفتی کلیم احمد صاحب، قاری فہیم احمد صاحب، مولانا قسیم احمد صاحب، مولانا علیم احمد صاحب اور پوتے پوتیاں ہیں۔ اول الذکر فرزند کرتپور کی جامع مسجد کے خطیب وامام اور مدرسہ ضیاء العلوم کرتپور میں استاذِ حدیث ہیں، قاری فہیم احمد اور مولانا علیم احمد گنگوہ ہی کے اندر قرآن کریم کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور مولانا قسیم احمد شہر سہارنپور کی کسی مسجد میں امامت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ مذکورہ نرینہ اولاد کے علاوہ آپ کے پسماندگان میں ہزار ہا ہزار تلامذہ اور مسترشدین ہیں جو آپ کی جدائی کے غم کو عرصہ دراز تک یاد رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام ہی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۰ء)

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پالن پوریؒ

(دینیات ممبئی)

اِدارۂ دینیات (فائن چِّ) کے شیخ الحدیث، قابل قدر، صاحب نظر عالم دین، خوش بیان واعظ اور داعی الی اللہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۶رشعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱راپریل ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ معمولی علالت کے بعد اچانک وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں تھے، علم گہرا اور مستحضر تھا، آپ نے ''اِدارۂ دینیات'' سے وابستہ رہ کر فقہ وحدیث کی تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق وتالیف کا کام بھی پوری دلجمعی سے انجام دیا۔

مذکورہ اِدارے کی طرف سے مکاتب کے لئے جو مختلف نصاب تیار کئے گئے، اور مساجد میں تعلیم کے لئے ''پانچ منٹ کا مدرسہ'' نامی کتاب تالیف کی گئی، اُس میں آپ کی محنت کا بڑا دخل تھا۔

اِس کے علاوہ آپ نے ''شمائل محمدی'' کے نام سے ''شمائل ترمذی شریف'' کی اُردو میں بہترین شرح لکھی۔ نیز آپ کی مفید تالیفات میں ''اسلاف کی طالب علمانہ زندگی''، ''الفیض الحجازی شرح الحسامی''، ''عیون البلاغہ شرح دروس البلاغہ''، ''خطباتِ سلف'' (۶رجلدیں)، ''آسان حج'' (۴رزبانوں میں) اور متعدد چھوٹے بڑے رسائل بھی شامل ہیں، جن سے عوام وخواص فائدہ اُٹھاتے رہیں گے۔

آپ وعظ وخطابت کے لئے اسفار بھی فرماتے تھے، گفتگو کا انداز بہت ہی دل نشیں تھا۔

نیز آپ کو حج بیت اللہ اور زیارتِ حرمین شریفین سے بھی خصوصی شغف تھا، اور حج سے پہلے حجاج کے تربیتی پروگراموں کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

آپ ایک ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے، اپنے طلبہ کے ساتھ والہانہ اور مشفقانہ تعلق رکھتے تھے، اور اُن کی ہر ممکن خبر گیری فرماتے تھے۔

ناکارہ مرتب کے ساتھ بھی برادرانہ تعلق تھا، اکثر مسائل کے بارے میں ٹیلی فون پر رابطہ فرماتے تھے، موصوف کی اچانک وفات سے صدمہ ہوا۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے درجات بلند فرمائیں، علمی اور دینی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور متعلقین کو صبرِ جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۰ء)

مولانا عبدالرحیم صاحبؒ فلاحی رویدری (اکل کواں)

جامعہ اشاعت العلوم اکل کواں مہاراشٹر کے معروف ومشہور اُستاذ حدیث، مسابقاتِ قرآنیہ کے روحِ رواں، انتہائی گراں مایہ عالم دین حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی رویدری رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر علالت کے بعد کھروڈ ضلع بھروچ کے ایک اسپتال میں گذشتہ ۱۷/شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۲/اپریل ۲۰۲۰ء بروز اتوار تقریباً صبح ۸/بجے ۵۶/سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن بعد نماز عصر آپ کے وطن مالوف رویدرا گجرات میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

مولانا موصوف حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری (ہانسوٹ) مدظلہ کے برادر اصغر اور خادم القرآن والسنہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم کے برادر نسبتی اور تعلیمی وانتظامی اُمور میں اُن کے دست راست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بلند اخلاق، ورع وتقویٰ، بے مثال فعالیت، ذمہ داریوں کی بحسن وخوبی اَدائیگی، طلاقتِ لسانی اور حسن انتظام کی دولت سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔

جامعہ اکل کواں میں تفسیر وحدیث کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس کے ساتھ ساتھ موصوف نے مخدومِ گرامی حضرت مولانا وستانوی مدظلہ کے ذریعہ پورے ملک میں جاری کردہ قرآنی مسابقات کو منظم انداز میں منعقد کرنے میں جو بنیادی کردار اَدا کیا؛ اُسے کبھی بھلایا نہیں جاسکے گا؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ صوبائی اور مرکزی مسابقوں میں آپ ہی کی ذات مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ عموماً شرکاء مسابقہ سے تفسیر اور تجوید وغیرہ سے متعلق سوالات آپ ہی فرمایا کرتے تھے، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کو اِس موضوع پر پوری طرح گرفت حاصل ہوچکی ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اِن منظّم مسابقات کو پورے ملک کے مدارسِ دینیہ میں قرآنِ پاک کو باتجوید پڑھانے اور طلبہ کو فنِ تفسیر کی طرف راغب کرنے کا بڑا ذریعہ بنایا ہے، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

موصوف جامعہ فلاحِ دارین ترکیسر کے نمایاں فضلاء میں تھے، اِسی لئے ''فلاحی'' نسبت لگاتے تھے، اُس کے بعد آپ نے جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے فراغت حاصل کی، اور محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اَساتذۂ جامعہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اُس کے بعد ایک عرصہ تک اپنے برادرِ گرامی حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں جامعہ ہانسوٹ میں خدمات انجام دیں۔ بعد اَزاں جامعہ اِشاعت العلوم اکل کواں سے وابستہ ہوئے، اور اِسی کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، **فجزاہ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ خیر الجزاء۔**

موصوف کو تدریس وانتظام کے علاوہ تصنیف وتالیف سے بھی دلچسپی رہی، متعدد مفید کتابیں آپ نے مرتب فرمائیں، جن میں ''تحفۂ تراویح'' بہت مشہور ہے، جس میں تراویح میں پڑھے جانے والے ہر پارے کا خلاصہ دل نشیں انداز میں لکھا گیا ہے کہ اگر ہر روز اُسے تراویح کے بعد پڑھ کر سنادیا جائے، تو قرآنِ کریم کے مضامین سے سامعین کو اچھی مناسبت پیدا ہوسکتی ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

نیز آپ کی دیگر کتابوں میں ''اَوراقِ سعادتِ دارین''، ''تحفۂ اذان ومؤذنین''، ''تحفۂ حفاظ یعنی آیاتِ متشابہات'' اور ''نگارشاتِ فلاحی'' بھی شامل ہیں، جو بہت نفع بخش ہیں، اور آپ کے لئے اِن شاء اللہ صدقۂ جاریہ بنیں گی۔

مولانا موصوف کی وفات سبھی طبقہ علماء بالخصوص جامعہ اکل کواں اور اُس کے رئیس محترم حضرت مولانا وستانوی مدظلہ کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے، مگر صبر کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، درجات بلند فرمائیں اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، اور سبھی متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۰ء)

مولانا حبیب اللہ صاحبؒ گنٹور (آندھراپردیش)

جمعیۃ علماء ضلع گنٹور آندھراپردیش کے صدر اور علاقے کے انتہائی سرگرم اور فعال عالم دین جناب مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۷رشعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۲راپریل ۲۰۲۰ء بروز اتوار رات ساڑھے دس بجے چندروز وبائی بیماری (کورونا وائرس) سے متأثر رہ کر ''وجے واڑہ'' کے سرکاری اسپتال میں داغِ مفارقت دے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف بہت سی خوبیوں کے حامل، باوقار، فکرمند، خاموش مزاج؛ مگر منصوبہ ساز صلاحیت سے متصف تھے۔

۱۹۸۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے علاقہ گنٹور کو میدانِ عمل بنایا، جہاں آپ نے بچیوں کی دینی تعلیم کے لئے ایک بہترین اِدارہ قائم کیا، اور ساتھ میں ملی اور سماجی خدمت کے لئے جمعیۃ علماء ضلع گنٹور کی صدارت کی ذمہ داری قبول کی، اور اُس کے ذریعہ سے پورے علاقے میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ آپ نے ضلعی جمعیۃ کے تحت جابجا منظم مکاتب دینیہ قائم کئے، اور صوبائی اور مرکزی جمعیۃ کی طرف سے موقع بموقع جو بھی ہدایات جاری کی جاتیں، اُن میں آپ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، اور ملی موضوعات پر بڑے بڑے عظیم الشان اِجلاس آپ کی نگرانی میں گنٹور میں منعقد ہوئے۔

ناکارہ مرتب کا بھی متعدد مرتبہ مولانا موصوف کی پرخلوص دعوت پر اِس علاقے کا سفر ہوا، تو اندازہ ہوا کہ مولانا موصوف کی خدمات کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔

بہر حال مولانا موصوف اپنے پیچھے روشن خدمات کا ایک تسلسل چھوڑ گئے ہیں، اور اُن کی کمی شدت سے محسوس کی جائے گی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو آخرت میں مرتبہ شہادت سے نوازیں، اُن کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۰ء)

ذکرِسعید

بیاد: اُستاذالاساتذہ،محدثِ کبیر

حضرت مولانامفتی سعیداحمدصاحب پالن پوری نوراللہ مرقدہٗ

شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند

(ولادت: ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۲ء، وفات: ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰۲۰ء)

……نایاب ہیں ہم

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کی ۲۵ر تاریخ اور ۱۹ر مئی ۲۰۲۰ء منگل کا دن ہمارے لئے اور ہم جیسے ہزاروں اَفراد کے لئے بہت صدمہ اور افسوس کا دن تھا، جب صبح اِشراق کے وقت ہمارے محبوب ومشفق اور مہربان اُستاذ گرامی قدر، فکر ولی اللہی کے ترجمان، علومِ نانوتوی کے اَمین، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین، محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ تعالیٰ ممبئی کے ایک اسپتال میں اپنے خالق ومالک کے دربار میں بصد عجز ونیاز حاضر ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جو بھی دنیا میں آیا ہے، اُسے بہر حال یہاں سے جانا ہے؛ لیکن بعض حضرات کا جانا دیر تک محسوس کیا جاتا ہے، اور اُن کی یادیں سالہا سال ذہن ودماغ میں رچی اور بسی رہتی ہیں، اور اُن کے خلا کو بہت زیادہ محسوس کیا جاتا ہے، بالخصوص کسی عالم ربانی کا دنیا سے اُٹھ جانا ایسا نقصان ہے جس کی تلافی قیامت تک نہیں ہوسکتی۔ امیر المؤمنین، خلیفۂ رابع سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا مقولہ ہے: **"إِذَا مَاتَ الْعَالِمُ انْثَلَمَ فِيْ الإِسْلَامِ ثَلْمَةٌ، لاَ يَسُدُّهَا شَيْءٌ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ"**. (كشف الخفاء للعجلوني ٨٧/١ وله شواهد) (یعنی جب کسی عالم کا انتقال ہوتا ہے تو اسلام میں ایسا خلا ہوجاتا ہے، جسے قیامت تک کوئی چیز پر نہیں کرسکتی) وجہ اِس کی یہ ہے کہ ہر عالم کی ایک امتیازی شان ہوتی ہے جو اُسی کے ساتھ رخصت ہوجاتی ہے۔ دیکھنے میں بظاہر سب کام جاری رہتے ہیں؛ لیکن قدم قدم پر جانے والے کی کمی کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے۔

ایسے ہی نایاب علماء ربانیین میں حضرت الاستاذ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شمار

ہے۔ آپ نے قمری اعتبار سے ۸۰؍سال اور شمسی اعتبار سے ۷۸؍سال کی عمر پائی، اور نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر فائز رہ کر ہزار ہا ہزار تشنگانِ علومِ نبوت کو جی بھر کر سیراب فرمایا، اور نہ صرف یہ کہ تدریس؛ بلکہ بیش قیمت نہایت مفید اور نافع تصانیف اور شروحات لکھ کر اُمت پر احسان فرمایا۔ اِس اعتبار سے آپ کی ذاتِ عالی زندۂ جاوید بنی رہے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے: ''**إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ**''. (صحيح مسلم ٤١/٢) (یعنی جب اِنسان دنیا سے چلا جاتا ہے تو اُس کے اَعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے؛ لیکن تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اجر وثواب بعد میں بھی جاری رہتا ہے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) دعاءِ خیر کرنے والی نیک اَولاد)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اِن تینوں سعادتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا، صدقہ جاریہ کے ساتھ ساتھ علم نافع اور صالح اَولاد (جو سب ماشاء اللہ قرآنِ کریم اور علم دین سے وابستہ ہیں) آپ کے لئے اَجر وثواب میں اِضافے اور آخرت میں رفعِ درجات کا ذریعہ بنتی رہیں گی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی اِرشاد فرمایا ہے کہ: ''**اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ**'' ......**الخ**. (سنن أبي داؤد رقم: ٤٩٠٠) (یعنی اپنے مرحومین کی خوبیوں کو اُجاگر کیا کرو) خاص طور پر ایسے حضرات جن کی زندگی بعد والوں کے لئے مشعلِ راہ اور بہترین نمونہ ہو؛ اُن کی قابلِ تقلید باتوں کو سامنے لانا بجائے خود بہت نفع کی بات ہے۔ اِس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی چند نمایاں صفات کو اختصار کے ساتھ عرض کریں؛ تاکہ ہمارے اندر بھی اُن کو اپنانے کا جذبہ پیدا ہوسکے:

(۱) اَوقات کی حفاظت:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا بہت ہی قیمتی اور روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے اپنی عمرِ عزیز کو بالکل ضائع نہیں ہونے دیا، اور ایسے مشاغل ومصروفیات سے اپنے کو دور رکھا جن کی وجہ سے آپ کے علمی سفر میں کوئی خلل پڑسکتا تھا۔ جن حضرات نے آپ کو قریب سے دیکھا ہے، وہ اِس بات کی گواہی دیں گے کہ طبعی تقاضوں اور دنیوی ضروریات کے علاوہ آپ کی چوبیس گھنٹے کی پوری زندگی کسی نہ کسی خیر اور فائدے کے کام ہی میں گذرتی تھی۔ مدرسہ کا وقت: تدریس یا بوقتِ ضرورت تعلیمی وانتظامی مشوروں میں گذرتا؛ جب کہ گھر میں درس کی تیاری، مطالعہ یا تصنیف وتالیف میں دیر رات تک مشغول رہا کرتے تھے۔ درمیان میں اگر وقت ملتا تو گھر کے بچوں کو بھی چھوٹی بڑی کتابیں خود ہی پڑھادیا کرتے تھے۔ الغرض آپ نے پورا ماحول اِس طرح کا بنا رکھا تھا کہ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ فضول ضائع نہ ہو، اِسی کی برکات تھیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان کاموں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، جن کی تیاری کے لئے پوری پوری اکیڈمی کی ضرورت پڑتی ہے۔

حضرت الاستاذ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص بھی اپنے مقصدِ زندگی کو متعین کر کے نظام الاوقات بنا کر یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ محنت میں لگے گا، وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اَوقات اور خداداد صلاحیتوں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(۲) ٹھوس استعداد:

حضرت مفتی صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِستعداد کی پختگی اور قابلِ رشک علمی گیرائی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ نحو وصرف سے لے کر فقہ وحدیث اور تفسیر تک تمام علوم پر آپ کی نظر تھی، اور برموقع حسبِ ضرورت اُن باتوں کو مرتب کرنے کا سلیقہ بھی آپ کو عطا ہوا تھا۔

اور ظاہر ہے کہ عالمِ اَسباب میں یہ علمی رسوخ اچانک حاصل نہیں ہوجاتا؛ بلکہ اُس کے

لئے شروع سے ہی محنت اور جدوجہد ضروری ہوتی ہے۔ آپ کی استعداد کیسے بنی؟ اِس کا تذکرہ فرماتے ہوئے مدرسہ شاہی مرادآباد کے اجلاسِ دستار بندی (منعقدہ: ۴؍جون ۲۰۱۳ء بروز منگل) میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے اِرشاد فرمایا:

''مدرسہ میں محض پڑھنے سے علم نہیں آتا، آپ کہیں گے کہ ہم تو پڑھ رہے ہیں؟ امتحان دے رہے ہیں؟ تو بات یہ ہے کہ پڑھنا دو طرح سے ہوتا ہے: ایک پڑھنا ہے اپنے لئے اور ایک پڑھنا ہے ابّا کے لئے، ابّا کے لئے پڑھنے سے علم نہیں آئے گا......۔

میں نے چہارم تک ابّا کے لئے پڑھا، شرح جامی میں میں نے سہارن پور مظاہر علوم میں داخلہ لیا، چناں چہ سہارن پور کی کوئی گلی ایسی نہیں ہے جس میں میں نے سائیکل نہ چلائی ہو، اتفاق ایسا ہوا کہ مجھے ''ٹائی فائڈ'' ہوگیا، ٹیلی گرام کیا گیا، ابّا لینے کے لئے آئے اور مجھے گھر لے گئے، یہ یاد رہنا چاہئے کہ میں انتہائی غریب گھر کا تھا، میں نے سنا کہ ابّا اپنی والدہ سے میرے بارے میں باتیں کررہے تھے کہ مجھے اس لڑکے کو اب نہیں پڑھانا ہے؛ کیوں کہ یہ بیمار ہوا اس پر اتنا خرچ ہوا، میں لینے گیا، اب یہ واپس جائے گا، اور اس پر اس قدر خرچ ہوگا، اس نے پڑھا تو کچھ نہیں، میری دادی کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا، میں یہ سب باتیں سن رہا تھا، مجھے احساس ہوا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اَب مجھے پڑھنا ہے، مجھے پوری رات نیند نہیں آئی، میں صبح کو والدہ کے پاس آیا اور میں نے کہا میرا سامان تیار کرو اور مدرسہ آگیا۔ اُس دن سے آج تک میں ۲۷؍سال کا ہوگیا ہوں؛ میں اپنے لئے پڑھ رہا ہوں''۔ (ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۳ء)

اِس خطاب سے آپ کے عزم وہمت اور تادمِ آخر طلبِ علم میں حوصلہ مندی کا پتہ چلتا ہے، جو ہم سب کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

علاوہ اَزیں آپ نے حالاتِ زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بقدرِ ضرورت گجراتی اور انگریزی زبان بھی سیکھی، اور اپنے تلامذہ کو بھی اِس کی ترغیب دیتے رہے۔ مدرسہ شاہی کے اِجلاس دستار بندی (منعقدہ: نومبر ۲۰۰۳ء) میں تقریر کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

''میں نے بچپن میں گجراتی زبان بالکل نہیں پڑھی تھی، اور میرا گجرات میں رہنے کا اِرادہ

بھی نہیں تھا؛ لیکن قسمت نے مجھے راندیر (گجرات) ہی پہنچا دیا، تو میں نے سوچا کہ اَب زندگی بھر گجرات میں رہنا ہے، تو دین کا کام کرنے کے لئے گجراتی پڑھنا ضروری ہے، چناں چہ میں نے راندیر میں مدرسی کے دوران ایک غیر مسلم ماسٹر سے ڈبل اُجرت دے کر باقاعدہ گجراتی سیکھی اور اِس قدر سیکھی کہ میں نے پانچ کتابیں گجراتی زبان میں تصنیف کیں، جو اَب بھی موجود ہیں اور چھپی ہوئی ہیں۔

پھر مجھے خیال آیا کہ انگریزی بھی پڑھنی چاہئے، اِس کے بغیر دنیا میں کام نہیں چل سکتا، چناں چہ میرا ایک طالب علم جو ساؤتھ افریقہ کا رہنے والا اور اچھا انگریزی تعلیم یافتہ تھا، تو میں نے اُس سے کہا کہ ''احمد! تم مجھے انگریزی پڑھاؤ''۔ چناں چہ میں اُسے ''ہدایہ اولین'' پڑھاتا تھا، اور وہ مجھے عصر کے بعد انگریزی پڑھایا کرتا تھا۔ اور میں نے اُس سے اتنی انگریزی پڑھی کہ میرے اندر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں ڈگری حاصل کرنے کے لئے علی گڈھ میں امتحان دوں، اگر چہ بعد میں عین وقت پر یہ ارادہ ترک کر دیا، اِس خطرہ سے کہ کہیں یہ ڈگریاں راستہ بدلنے کا ذریعہ نہ بن جائیں؛ لیکن الحمدللہ آج میں انگریزی زبان میں اپنی ضرورتیں پوری کرنے پر قادر ہوں۔ تو اگر ہم سب یہی طریقہ اختیار کریں کہ جو بھی کمی اپنے اندر پائیں اُسے دور کرنے کی کوشش کریں، تو اعتراض کرنے والوں کو اعتراض کا موقع ہی نہ ملے''۔ (ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۳ء)

حضرت کے اِس طرزِ عمل میں بھی بعد والوں کے لئے بہترین رہنمائی موجود ہے۔

(۳) بے مثال اَندازِ تفہیم:

حضرت الاستاذ کی وہ اِمتیازی صفت جس کا لوہا مانا گیا اور تسلیم کیا گیا، وہ آپ کا بے نظیر اَندازِ تفہیم وتدریس تھا، اِسی بنا پر آپ کو طلبہ کے درمیان اِنتہائی محبوبیت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کا درس بلاشبہ ایک شاہکار درس کی حیثیت رکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمیں ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ ''ترمذی شریف'' و ''طحاوی شریف'' میں شرکت کی سعادت ملی، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دور علمی اعتبار سے حضرت والا کے عروج کا دور تھا، صحت وقوت بھی قابلِ رشک تھی، درس کی

پابندی بھی مثالی تھی، اگر پورے سال کا حساب لگایا جائے تو شاید ہی دو ایک روز ایسے ہوں گے جن میں آپ کسی عذر کی وجہ سے درس کے لئے تشریف نہ لائے ہوں؛ ورنہ روزانہ بلا ناغہ اور بلا تکان دو ڈھائی گھنٹے انتہائی نفع بخش اور عالمانہ شان والا درس ہوتا تھا۔ بڑی سے بڑی گنجلک بحثوں کو آسان سے آسان تر کر کے گویا کہ سامعین کو گھول کر پلا دینے کا فن اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اِسی لئے اَدنیٰ سے اَدنیٰ طالبِ علم کو آپ کے درس سے انتہائی دلچسپی ہوتی تھی، آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی دارالحدیث طلبہ سے بھر جاتی، اور جو کچھ دیر میں آتا اُسے دروازوں پر ہی جگہ ملتی تھی۔

درس میں آپ کا طرزِ گفتگو ایسا دل موہ لینے والا ہوتا تھا کہ شروع سے آخر تک ہر شخص ہمہ تن گوش رہتا، پوری درس گاہ میں سناٹا چھایا رہتا۔ ائمہ مجتہدین کے کامل احترام کے ساتھ ساتھ اُن کے مابین اختلافی مسائل کی ایسی وضاحت فرماتے کہ بات دل میں اُترتی چلی جاتی، اور شروع کتاب سے لے کر اخیر تک علوم ومعارف کا ایسا فیضان ہوتا کہ ہر نکتہ پر طبعیت عش عش کر اُٹھتی۔ حدیث کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اہم مباحث کو بھی ایسے دلچسپ انداز میں پیش فرماتے کہ ساری بحث بسہولت ذہن نشیں ہو جاتی۔ اِنہیں امتیازات کی وجہ سے آپ کا درس غیر معمولی اہمیت کا حامل ہوتا تھا، اور کوئی طالب علم بھی اُس کا ناغہ پسند نہیں کرتا تھا۔ اکثر طلبہ آپ کے درس کو بآسانی کاپی میں نوٹ کرتے، اور علمی جواہر پاروں کو محفوظ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

آپ کے یہاں حدیث کی عبارت پڑھنے والے طلبہ بھی شروع سال ہی میں منتخب ہو جاتے تھے، جو صحیح اعراب اور تلفظ کے ساتھ حدیث کی قرأت کرتے اور ساتھ میں آپ کے مزاج شناس بھی ہوتے کہ کب پڑھنا ہے اور کہاں رکنا ہے؟

(۴) نافعیت:

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو خلق خدا بالخصوص طالبانِ علومِ نبوت اور

علماء کے لئے نافع بنانے پر بھی مسلسل کوشش فرمائی۔ درس وتدریس کا نفع تو ظاہر ہے، اِس کے علاوہ آپ نے جو گراں قدر تصنیفات اور شروحات مرتب فرمائیں، جن سے طلبہ اور اَساتذہ بھرپور فائدہ اُٹھا رہے ہیں، وہ ضرور آپ کے حسنات میں بے حد اِضافے کا ذریعہ اور سبب بنتی رہیں گی۔

یوں تو آپ نے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں مرتب فرمائیں؛ لیکن اُن میں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی ضخیم اُردو شرح ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' (۵؍جلدیں) کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ حضرات اہل علم واقف ہیں کہ یہ کتاب (حجۃ اللہ البالغۃ) اعلیٰ ترین علمی وفکری مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے عوام تو کجا؟ بڑے بڑے علماء کی گرفت سے بھی باہر سمجھی گئی ہے، اور ہما شما کو تو اُس سے کما حقہ فائدہ اُٹھانے کا حوصلہ بھی نہ تھا، اور چوں کہ اس کے مضامین عموماً اِس طرح کے ہیں کہ اُنہیں حل کرنے کے لئے کوئی باقاعدہ کتاب بھی دستیاب نہ تھی، اِس لئے آج تک کسی نے اُس کی شرح کرنے کی بھی ہمت نہ کی تھی، مگر یہ عظیم سعادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مقدر فرما رکھی تھی کہ آں موصوف نے اپنے اعلیٰ حکیمانہ علمی ذوق کا مظاہرہ فرماتے ہوئے نہایت جانفشانی کے ساتھ اِس عظیم اور بے نظیر خدمت کا بیڑا اُٹھایا، اور صرف ۵؍سال کے عرصے میں بڑی تختی کی ۵؍ضخیم جلدوں اور ۳۶۰۰؍صفحات میں اِس شرح کو مکمل فرمایا۔ بلاشبہ یہ دورِ حاضر کا عظیم ترین علمی کارنامہ ہے، اور فرزندانِ دارالعلوم دیوبند کی شاہکار خدمات میں سے ایک ہے۔ حضرت موصوفؒ نے علومِ ولی اللہی کی تسہیل وتشریح فرما کر علماء حق پر ناقابلِ فراموش احسان فرمایا ہے، جسے برابر یاد رکھا جائے گا۔ اِس عقلیت پسندی کے دور میں ایسی کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے؛ تاکہ نت نئے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا بہتر انداز میں جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہوسکے۔

اِسی طرح آپ کی ''تفسیر ہدایت القرآن'' بھی عظیم کارنامہ ہے، جس میں بہت دل نشیں اَنداز میں قرآنی مضامین کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علاوہ اَزیں بخاری شریف اور ترمذی شریف کے آپ کے درسی اِفادات؛ جنہیں آپ کی

نگرانی اور سرپرستی میں آپ کے صاحب زادے جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری زید علمہ نے بالترتیب ''تحفۃ القاری'' (۱۱؍جلدیں) اور ''تحفۃ الالمعی'' (۸؍جلدیں) کے نام سے مرتب فرمایا، وہ بھی بڑی گراں قدر خدمت ہے، جس سے طلبہ اور اَساتذہ بھرپور فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اِس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔

(۵) عالمانہ وقار:

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے پوری زندگی مکمل عالمانہ شان کے ساتھ گذاری، اور جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں ودیعت فرمایا تھا، اُس کی پوری لاج رکھی۔ ایک واقعی عالم کی زندگی جیسی ہونی چاہئے، اُس کا نمونہ آپ کی حیات میں ہمیں نظر آتا تھا۔ کئی سال ہم لوگ حضرت کے مکان کے قریب دیوبند کے محلّہ ''بیرونِ کوٹلہ'' میں مقیم رہے، اور ایک ہی مسجد میں حضرت کے ساتھ نماز پڑھنے کی سعادت میسر آئی، اُس وقت حضرت اپنے دولت خانے سے پیدل دارالعلوم تشریف لے جاتے تھے، اکثر سر پر عمامہ اور اُس پر سفید رومال، جھکی ہوئی نظریں اور جو بھی سامنے نظر آئے اُس کو سلام کی ابتدا؛ یہ آپ کا خاص وصف تھا۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ کسی دوسرے کو آپ سے سلام میں سبقت کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص رعب بھی عطا فرمایا تھا، ہر ایک کو آپ سے بات کرنے کی بھی جلدی سے ہمت نہ ہوتی تھی، ہر روز عصر کے بعد آپ کی عام مجلس ہوتی، جس میں صرف علمی گفتگو اور نصیحت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

اکثر آپ طلبہ کو نصیحت فرماتے ہوئے اپنے اُستاذ گرامی حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کا خاص طور پر ذکر فرماتے تھے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ:

> ''میں جب پڑھانے کے لئے راندیر جانے لگا تو حضرت الاستاذ علامہ ابراہیم بلیاوی قدس سرہ سے میں نے نصیحت کی گذارش کی، حضرت نے کہا: مولوی صاحب صبح آئیو! میں صبح ۴؍بجے حاضر ہوا، حضرت نے کھڑے کھڑے معانقہ کیا اور کہا کہ: (۱) ''فن دیکھ کر پڑھائیو علم آئے گا''، یعنی فقہ پڑھانا ہے تو پورا فن دیکھو، اوپر بدائع اور شامی تک اور نیچے تعلیم الاسلام تک؛

کیوں کہ بعض اَوقات تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور میں مسئلہ کی ایسی تعبیر مل جاتی ہے جسے ہم جھک مار کر بھی حاصل نہیں کر سکتے۔(۲) اور فرمایا کہ: ''سنت کی پیروی کرنا تمہاری قدر بڑھے گی''۔(۳) اور فرمایا کہ: ''طلبہ کو اپنی اولاد سمجھنا''۔ (ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۳ء)

حضرت مفتی صاحبؒ اکثر فرماتے کہ: ''یہ حضرتؒ کی انتہائی قیمتی نصیحتیں ہیں، جن سے مجھے بہت فائدہ پہنچا، میں حضرتؒ کا احسان نہیں بھول سکتا''۔

اِسی طرح استغناء اور خود داری بھی آپ کی سرشت میں داخل تھی۔ بار بار فرماتے تھے کہ: ''کسی بھی شخص کو ''عبد الدینار والدرہم'' (روپیہ پیسہ کا غلام) نہیں بننا چاہئے، حدیث میں بھی اِس کی ممانعت وارد ہے''۔

آپ کی خواہش یہ رہتی تھی کہ مدارس کے فضلاء زندگی بھر علمی مشغلے ہی میں لگے رہیں، اور اپنی مصروفیات کو تبدیل نہ کریں۔ کئی مرتبہ آپ کے سامنے ایسے عصری اداروں کا تذکرہ ہوا، جن میں فارغین مدارس کے لئے عصری تعلیم کی سہولیات فراہم کی گئی تھیں، تو آپ فرماتے تھے کہ: ''مدارس میں پڑھنے والے اعلیٰ ذہن کے طلبہ اگر ایسے اِداروں کی طرف متوجہ ہوں گے تو دین کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں گی؟ اِس لئے کہ عصری تعلیم کے بعد معمولی دینی خدمت پر قائم رہنا آدمی کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے''۔

(۶) مسلک پر تصلب:

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فقہی مسلک یعنی فقہ حنفی پر پوری ثبات قدمی کے ساتھ قائم رہے، اور کسی بھی مسئلے میں فقہی جزئیات واُصول سے اعراض آپ کو گوارا نہ تھا۔ اِسی طرح اکابر علماء دیوبند کے نظریات وافکار پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، اور اپنی دانست میں اُن سے سر مو انحراف بھی آپ کو منظور نہ تھا۔

آپ فرقِ باطلہ سے کبھی بھی مرعوب نہیں ہوئے؛ بلکہ جب بھی اِس موضوع پر گفتگو فرماتے، تو پورے اعتماد کے ساتھ مضبوط گفتگو کرتے تھے۔ اور اِس بارے میں کسی کی اچھائی یا

برائی کی کوئی پروانہیں فرماتے تھے، اور اپنے تلامذہ کا بھی یہی ذہن بناتے تھے کہ وہ حق پر قائم رہیں اور اکابر کے نقشِ قدم پر ثابت قدم رہیں۔ اور اِس سلسلے میں جہاں کوئی کوتاہی دیکھتے تو بروقت تنبیہ بھی فرماتے تھے۔

آزادرَوی اور سلفِ صالحین کے منہج سے دوری کو آپ ساری خرابی کی بنیاد سمجھتے تھے۔ اِسی وجہ سے مولانا مودودی کے افکار ونظریات اور غیر مقلدین کی حرکتوں پر آپ سخت نکیر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا واضح موقف یہ تھا کہ یہ کج فکری آدمی کو اہل سنت والجماعت کے دائرے سے خارج کردیتی ہے۔ ایک مرتبہ جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کی صدارت میں دہلی میں ''تحفظ سنت کانفرنس'' منعقد ہوئی، تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اُس میں جامع اور مختصر خطاب کرتے ہوئے عدمِ تقلید کی خطرناکی کو واضح فرمایا، یہ خطاب ایسا مؤثر تھا کہ اُسے کانفرنس کا خلاصہ اور ماحصل سمجھا گیا۔

(۷) خوردنوازی:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خاص صفت یہ بھی تھی کہ آپ اپنے اصاغر اور تلامذہ کی زبانی اور تحریری طور پر بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا تھا۔ جب بھی آپ کو اپنے کسی شاگرد کی علمی ودینی خدمات کا علم ہوتا، تو آپ نہایت مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے، اور دعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔

دورانِ سفر آپ کا ساتھیوں کے ساتھ بہت ہی بے تکلفی کا معاملہ رہتا تھا، جس کی وجہ سے سفر میں کوئی کلفت نہ ہوتی تھی۔ اِس ناکارہ کو بھی متعدد مواقع پر آپ کے ساتھ سفر کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ ممبئی میں ''مدرسہ معراج العلوم چیتا کیمپ'' کا اجلاس تھا، اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مقررین میں حضرت مولانا شوکت علی صاحب بستوی اُستاذ دارالعلوم دیوبند اور اِس ناکارہ کا بھی نام شامل تھا، جب ہم لوگ مدرسہ سے جلسہ گاہ کے لئے روانہ ہونے لگے، تو گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم دونوں کو ایک

کنارے لے گئے، اور فرمایا کہ: ''بے خوف ہوکر تقریر کرنا، میرے لحاظ میں تقریر میں کوئی کمی نہ کرنا''۔ ظاہر ہے کہ حضرت کے سامنے لب کشائی کوئی آسان کام نہ تھا؛ لیکن حضرتؒ نے ہمت بندھائی، چناں چہ جلسہ میں ڈرتے ڈرتے ایک مختصر حدیث کا ترجمہ پیش کیا گیا، پھر بعد میں جب حضرتؒ کا بیان ہوا، تو آپ نے بھی اُنہیں باتوں کا حوالہ دیا، یہ خورد نوازی نہیں تو اور کیا ہے؟

آپ نے احقر کی متعدد تالیفات پر بہت ہی حوصلہ افزا تحریرات لکھیں۔ احقر کا ایک مضمون ''ایک جامع قرآنی وعظ'' کے نام سے ''ندائے شاہی'' میں ۲؍ قسطوں میں شائع ہوا، پھر بعد میں اُس کو کتابی شکل دی گئی، تو حیدرآباد کے فقہی اجتماع سے واپسی میں ہوائی جہاز میں احقر نے حضرت کی خدمت میں اُس کا مسودہ برائے ملاحظہ پیش کیا، حضرتؒ نے پورے مسودے پر سرسری نظر ڈالی، اور پوچھا کہ: ''یہ ایک ہی آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ ......الخ سے مربوط مضمون ہے؟'' جب احقر نے اِثبات میں جواب دیا، تو بہت مسرت کا اظہار فرمایا، اور دیوبند واپسی کے بعد ایک دعائیہ تحریر ''آیتِ قرآنی پر سلمانی وعظ'' کے نام سے اِرسال فرمائی، جسے پڑھ کر خود احقر کو شرم آگئی، اور فون پر عرض کیا کہ: ''حضرت کا یہ حسن ظن ہمارے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے''۔ حضرت نے بہت دعائیں دیں اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

آپ ''ندائے شاہی'' کا اہتمام سے مطالعہ فرماتے تھے، اور ملاقات پر مضامین کے بارے میں تذکرہ اور تبصرہ بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''میں ندائے شاہی کے وفیات کا کالم ضرور پڑھتا ہوں، جس سے بہت سے حضرات کی وفات کے بارے میں علم ہو جاتا ہے، اور اُن کے لئے دعاءِ خیر کرنے کا موقع ملتا ہے''۔

تحفظ ختم نبوت

۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں جب ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' قائم ہوئی، تو آپ کو اُس کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا، جب کہ والد محترم حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم ناظم بنائے گئے۔ تو حضرت والد صاحب مدظلہ کی اَنتھک محنت اور

دلچسپی اور حضرت مفتی صاحبؒ کی مشاورت سے الحمد للہ ''تحفظ ختم نبوت'' کا کام پورے ملک میں حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا گیا۔ اور افراد سازی کے لئے جا بجا تربیتی کیمپوں کا انعقاد ہوا، جن میں حسبِ موقع حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف لے جاتے، اور ''ردِ مرزائیت'' کے موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں مدلل اور مؤثر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اِس سلسلے کی آپ کی بعض تقریریں شائع بھی ہو چکی ہیں۔

فقہی اجتماعات میں شرکت

جمعیۃ علماء ہند کے ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کے اِجتماعات میں بھی اکثر آپ اہتمام سے از اول تا آخر پوری دلچسپی کے ساتھ شرکت فرمایا کرتے تھے۔ تمام مقالات اور بحثوں کی سماعت فرماتے، اور اپنے علم اور رائے کی روشنی میں اُن پر تبصرے بھی فرماتے تھے۔ بہت سی مرتبہ رائے کا اختلاف بھی ہوتا تھا، اور بسا اَوقات آپ کے تلامذہ آپ کے سامنے مخالف دلائل بھی پیش کرتے تھے؛ لیکن اکثر آپ اپنی رائے پر ثابت قدم رہتے، اور اختلافِ رائے کے باوجود کسی کی بات کا برا نہیں مانتے تھے۔

ایک مرتبہ احقر دولت خانہ پر حاضر ہوا، تو دورانِ گفتگو اِرشاد فرمایا کہ: ''عالم اور جاہل میں یہی فرق ہے کہ جاہل شخص اختلافِ رائے کی وجہ سے تعلقات ختم کر لیتا ہے، جب کہ عالم دلائل کی روشنی میں اختلاف کو اختلاف تک رکھتا ہے، اُس سے قدیم تعلقات پر فرق نہیں آنے دیتا''۔

بلاشبہ حضرت کا یہ اِرشاد ایک روشن نصیحت ہے، جسے ہمیں پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔

آپ کا عام طور پر مدرسہ وغیرہ کے جلسوں میں شرکت کا معمول نہ تھا؛ لیکن تلامذہ یا ہم عصر علماء کے اصرار پر بعض جلسوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ کئی سال مرادآباد میں شہری جمعیۃ کی طرف سے منعقد ہونے والی سالانہ ''سیرت خاتم النبیین ﷺ کانفرنس'' میں تشریف لا کر گراں قدر ملفوظات سے نوازتے رہے۔

آپ سالوں سے شعبان کے اَواخر میں بیرونِ ملک (لندن، کنیڈا اور امریکہ) کے طویل سفر پر تشریف لے جاتے، اور وہاں مختلف شہروں میں حضرت کا قیام رہتا، اور علمی واصلاحی اِفادات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اکثر اِس سفر سے شوال کے اخیر میں واپسی ہوتی تھی، اِس ذریعہ سے آپ کا فیض ملکوں ملکوں تک پہنچ رہا تھا۔

علالت اور وفات

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحت اگرچہ عام طور پر بہتر رہی؛ تاہم ایک عرصہ سے شوگر کا مرض تھا، اور ''انسولین'' استعمال فرماتے تھے۔ چند سال قبل قلب کے عارضہ کی وجہ سے آپریشن کی نوبت بھی آئی، اُس کے بعد طبعیت بحال ہوگئی؛ البتہ چند سالوں سے سماعت پر معمولی اثر تھا، جو اکثر محسوس نہ ہوتا تھا، اِسی کے ساتھ کبھی کبھار زبان اَلفاظ کا ساتھ نہ دیتی تھی۔

اِسی طرح کا واقعہ اِس سال رجب کے وسط میں بخاری شریف کے ختم پر دارالحدیث میں پیش آیا کہ آپ کوشش کے باوجود ختم پر کوئی کلام نہ فرما سکے، اور یہ کہہ کر تشریف لے آئے کہ ''اَب جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا''۔ یہ منظر دیکھ کر طلبہ میں ہیجان اور گریہ وزاری کا عالم برپا ہوگیا اور جس نے بھی اِس واقعہ کو سنا وہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔ اگلے دن آپ علاج کے لئے ممبئ تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی، اور وہ کیفیت جلد ہی ختم ہوگئی؛ لیکن چوں کہ ۲۴/ مارچ ۲۰۲۰ء سے پورے ملک میں ''لاک ڈاؤن'' نافذ ہوگیا تھا، اِس لئے آپ واپس دیوبند تشریف نہ لا سکے۔ اِسی دوران رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا، تو متعلقین نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے آپ سے علمی اِستفادے کی درخواست کی، جسے آپ نے قبول کرلیا، اور ہر دن تراویح کے بعد آپ کے آن لائن بیانات اور سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا، جو ۱۵/ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ تک جاری رہا۔ جس میں بہت سی قیمتی باتیں آپ نے اِرشاد فرمائی، جو یوٹیوب پر محفوظ ہیں۔

اس کے بعد آپ کو شدید بخار آیا، مرض کی زیادتی پر ''ملاڈ اسپتال'' میں داخل کیا گیا، اَولاً طبعیت میں کافی سدھار تھا؛ لیکن دو دن قبل یعنی ۲۳ رمضان المبارک کو اَچانک حالت تشویش ناک ہوگئی، اور گہری نیند کی کیفیت طاری ہوگئی، ڈاکٹروں نے پھیپھڑوں میں انفیکشن تجویز کیا۔

بالآخر اسی حالت میں ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل کو صبح آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسپتال میں ہی آپ کو غسل وکفن دیا گیا، اور قریبی مسجد کے میدان میں آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالوحید صاحب مدظلہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی، اور شام کو عصر کے بعد جوگیشوری ویسٹ کے عام مسلم قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، اور آپ کی خدمات کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائین، آمین ثم آمین۔

فقہ وحدیث کا شہسوار بالآخر رخصت ہوا!

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

مؤرخہ: ۲۵ ؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹؍مئی ۲۰۲۰ء کو جب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری علیہ الرحمۃ کی وفات کی تکلیف دہ خبر ملی، تو مجھے اپنا دورِ طالب علمی یاد آ گیا، اور مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے اندازِ درس کی چاشنی ذہن ودماغ میں محسوس ہونے لگی، میں خود اِس بات پر محوِ حیرت تھا کہ ۲۶-۲۷؍سال گذرنے کی بعد بھی آج تک کیسے مفتی صاحب مرحوم کا انداز دل ودماغ میں محفوظ رہ گیا، گھنٹے میں کی جانے والی تقریریں ہوں، یا مغرب کے بعد ہونے والا ترمذی شریف کا سبق ہو، یا اسی طرح زیرِ درس آنے والی ابحاث کے کچھ گوشے ہوں؛ ہر شئی ایک روشن یادگار بن کر خیالات وتصورات کے دریچہ سے جھانکنے لگی، دیر تک غور وخوض کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا کہ یادوں کے نہ ختم ہونے والے اِس تسلسل کی وجہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا وہ اندازِ تخاطب ہے، جو ذہن ودماغ میں پیوست ہو جایا کرتا تھا، باتوں کو بیان کرنے کا دلنشیں انداز اور دلائل کو پیش کر کے سامعین کی سطح کو سامنے رکھ کر بحث کو انجام تک پہنچانے میں رب ذوالجلال نے جو کمال مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو دیا تھا اُس میں وہ بے نظیر تھے، بجا طور سے وہ علم کا ایک خزانہ تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا، اور اِن شاء اللہ اُن کی علمی کاوشوں سے آنے والی نسلیں بھی فیض یاب ہوتی رہیں گی۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ علماء موفقین میں سے تھے، درسیات کے علاوہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپنے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں، وہ ہم سب کے لئے مشعلِ راہ ہیں، اَوقات کی حفاظت لایعنی امور سے اجتناب اور درس وتدریس نیز تحریر وتقریر میں

مستقل انہماک آپ کا طرۂ امتیاز تھا، جس کی ضرورت آج کل ہم جیسے تمام شاگردوں کو پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ رب العزت مفتی صاحب مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے، اُن کی حسنات کو شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین۔

اِس موقع پر مدرسہ شاہی کی طرف سے درج ذیل تعزیتی خط جاری کیا گیا:

محترم المقام حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

مورخہ ۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹؍مئی ۲۰۲۰ء کو حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کا سانحۂ ارتحال پیش آیا جو یقیناً نہ صرف آپ حضرات؛ بلکہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے ہزاروں تلامذہ، پوری دیوبندی برادری اور امت مسلمہ کے لئے انتہائی غمناک حادثہ ہے۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون. إن للّٰہ ما أخذ، ولہ ما اعطیٰ، وکل شيء عندہ بأجل مسمی.**

بلاشبہ حضرت والا کی وفات ”**موت العالم موت العالم**“ کا مصداق ہے، جانا تو ہر کسی کو ہے — **کل نفس ذائقۃ الموت** — مگر حضرت مفتی صاحب ان نابغۂ روزگار شخصیات میں سے تھے جن کی وفات حسرت آیات کی کسک علمی حلقوں میں دیر تک محسوس کی جاتی رہے گی۔ ”**مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے**“ حضرت مفتی صاحب اس صدی کے مایہ ناز محدث، معتبر فقیہ، علوم اسلامیہ کے جید اور پختہ عالم، مثالی شارح حدیث، کامیاب مدرس، باتوفیق مصنف، متقی وپرہیزگار اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ کو منجانب اللہ ذہانت وفطانت سے وافر حصہ ملا تھا، وقت کی حفاظت، مطالعہ اور علمی مشاغل میں ہمہ وقتی مشغولیت، لایعنی امور سے احتراز، شوق ولگن، جہد مسلسل وسعی پیہم، خود اعتمادی وخودداری، سادگی اور زہد وقناعت، عالمانہ وقار، خلوص وللّٰہیت اور شہرت ونا موری سے بیزاری میں آپ اپنی مثال آپ اور دوسروں کے لئے قابل تقلید نمونہ تھے،

آپ کی وفات سے صرف ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں ہی نہیں؛ بلکہ علمی دنیا میں اتنا بڑا خلا پیدا ہوا ہے کہ بظاہر جس کا جلد پُر ہونا ممکن نظر نہیں آتا ہے، اس دور قحط الرجال میں آپ کی رحلت ایک بہت بڑا علمی خسارہ اور سانحہ ہے۔

مشکل سے مشکل اور مغلق مباحث کو پانی کر دینا اور نہایت آسان انداز میں پیش کرنا آپ کا نمایاں ترین وصف تھا جو آپ کی تدریس اور تصنیف دونوں میں موجود ہے، اس خصوصیت کی وجہ سے زیرک وغبی ہر ایک کو آپ کے اسباق سے غیر معمولی دلچسپی تھی، ہر ایک آپ کی باتوں سے بآسانی مستفید ہوتا تھا، آپ کی اس خصوصیت کی وجہ سے آپ کے دروس کو جو غیر معمولی مقبولیت اور اہمیت حاصل تھی اس زمانہ میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔

آپ قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کے شارح ہونے کے ساتھ علوم ولی اللہی اور نانوتوی کے بھی ترجمان تھے، اکابر دیوبند کی تصانیف اور عبارتوں کے رمز شناس تھے۔ اللہ نے آپ کو بے مثال تدریسی صلاحیت کے ساتھ بہترین تصنیفی ذوق بھی مرحمت فرمایا تھا، چنانچہ ''**رحمۃ اللہ الواسعۃ، تحفۃ الالمعی، تحفۃ القاری، تعریب جدید الفوز الکبیر، العون الکبیر، تفسیر ہدایت القرآن، فیض المنعم، تحفۃ الدرر، مبادئ الفلسفہ، معین الفلسفہ، مصباح التہذیب، آسان منطق، آسان نحو، آسان صرف، محفوظات، کیا مقلد پر فاتحہ واجب ہے؟ تسہیل ادلہ کاملہ، افادات نانوتوی، افادات رشیدیہ، ہادیہ شرح کافیہ**'' وغیرہ ان کے رشحات قلم کی یادگار ہیں، آپ خردنواز بھی تھے، چھوٹوں کی محنتوں کو دل سے سراہتے تھے، قلمی کاوشوں پر ہمت افزائی فرماتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کے سانحہ ارتحال پر ہم حضرت کے جملہ فرزندان، برادران وپسماندگان، نیز دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ ودیگر اساتذہ ووابستگان دارالعلوم وغیرہ کو تعزیت پیش کرتے ہیں، ویسے واقعہ تو یہ ہے کہ مدرسہ شاہی کو دارالعلوم دیوبند سے جو فکری ہم آہنگی اور قرب ہے اس کی وجہ سے یہ خود مدرسہ شاہی کے لئے ذاتی حادثہ ہے اور مدرسہ شاہی اور اس کے اساتذہ بھی اس موقع سے تعزیت کے مستحق ہیں، اسی تعلق ووابستگی کی وجہ

سے حضرت والا کے لئے جامعہ میں دعائے مغفرت وایصال کا اہتمام کیا گیا اور تعزیتی سطور ذمہ دارنِ دارالعلوم کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی حسنات اور گراں قدر خدمات کو قبول فرمائے، اور دارالعلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، نیز دارالعلوم دیوبند وتمام مدارس اسلامیہ کو جملہ شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔ آمین

(مولانا) **سید اشہد رشیدی** (صاحب)
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۷/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

انتہائی صدمے کی خبر

مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی خادم الافتاء والحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

بہت ہی صدمے اور گہرے رنج کی بات ہے کہ بتاریخ ۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹؍مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاد استاذ الاساتذہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند صبح ۶-۷؍بجے کے درمیان جوگیشوری بمبئی میں اللہ کو پیارے ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ملک کے طول وعرض اور پوری دنیا میں ان کے تلامذہ کا جال پھیلا ہوا ہے، ان کی وفات کو سن کر ہزاروں لاکھوں دل رو رہے ہونگے۔ ہزاروں تلامذہ نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے مگر احقر کا تعلق ان کے ساتھ استاد وشاگردی میں ایک امتیازی اور نمایاں انداز کا رہا ہے اور کبھی کبھی احقر اور ان کے درمیان رائے کے اختلاف کے ساتھ علمی بحث بھی ہوتی رہی ہے اور احقر نے ان سے بے شمار علمی ابواب وعنوانات حاصل کئے ہیں، احقر نے درس وتدریس میں ہمیشہ انہیں کا انداز اختیار کرنے کی کوشش کی ہے، ان کا سبق ہمیشہ مرتب ہوا کرتا تھا، اس لئے طلبہ ان کے اسباق سے مطمئن ہو کر کے اٹھتے تھے اُن کے زیرسایہ ہزاروں کی تعداد میں بہترین مفتی بہترین مدرس اور اچھے مصنفین تیار ہوئے۔

اُن کا مشغلہ ہمیشہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے دائرے میں رہا، اور تعلیمی سال کے دوران وعظ وتقریر اور ملی سرگرمی کے اسفار بہت ہی کم ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کے یہاں سبق کا ناغہ اور نقصان بھی بہت کم ہوتا تھا اور ان کا درس انتہائی تحقیقی اور محققانہ ہوا کرتا تھا، وہ حل کتاب کے اعتبار سے ایک بہترین استاد تھے اسی لئے طلبہ کے درمیان وہ ایک متکلم عالم اور

محقق کی حیثیت سے مشہور تھے، جس کی وجہ سے ان کے تلامذہ کے علاوہ دیگر علمی حلقوں میں بھی ان کی شہرت نیک نامی اور ایک بہترین محقق عالم کے حیثیت سے ایک عبارت تھی۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے پالن پور گجرات میں حاصل کرنے کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں کئی سال تک تعلیم حاصل فرمائی اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں علوم عالیہ کی تعلیم حاصل فرمائی اور ۱۳۸۲ہجری میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اور وہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے مخصوص اور نمایاں تلامذہ میں سے تھے، اور اُن کے سبق میں حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کا رنگ زیادہ غالب رہتا تھا۔

دورۂ حدیث شریف کے بعد انہوں نے ایک سال افتاء پڑھا اور پھر معین المفتی کی حیثیت سے بھی ایک سال دارالعلوم میں کام کیا اس کے بعد جامعہ اشرفیہ راندیر میں نو سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اس کے بعد ۱۳۹۳ھ سے لگ بھگ ۴۸/سال تک دارالعلوم دیوبند میں نمایاں استاد کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں، اور آج وہ دارالعلوم دیوبند کے ایک شیخ الحدیث کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صدر مدرسی کی مدت بارہ سال رہی۔ اسی طرح حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت کی مدت بھی ۱۲/سال رہی ہے۔

امسال بخاری شریف کے آخری سبق میں اچانک ان کی آواز بند ہوگئی اور طلباء میں گریہ وزاری کی عجیب کیفیت پیدا ہوئی اطلاع ملنے پر احقر نے ان کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی حسین احمد پالن پوری سے حالات معلوم کئے، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اس دن کی نئی بات نہیں ہے؛ بلکہ کم وبیش ایک ہفتے سے اُن کی کیفیت یہی ہوتی رہی کہ اچانک ان کی آواز بند ہوجاتی ہے اور بالکل خاموش ہوجاتے ہیں، پھر جب وہ اصلی حالت میں ہوتے ہیں، تو ان سے معلوم کیا جاتا ہے تو اُن کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا ہوا تھا۔

انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں، اُن میں سے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' جیسی دقیق

کتاب کی شرح بھی مکمل تحریر فرمائی اور ترمذی شریف کی مکمل شرح اسی طرح بخاری شریف کی مکمل شرح بھی حضرت کی درسی تقریر کی حیثیت سے شائع ہوکر مقبول ہوئی، اور ''ہدایت القرآن'' کے نام سے قرآن کی تفسیر کی بھی تکمیل فرمائی، ان کا کوئی کام ادھورا نہیں رہتا تھا؛ بلکہ شروع سے آخر تک مکمل ہوا کرتا تھا۔

آج ہزاروں تلامذہ اور لاکھوں متعلقین کو داغِ فراق دے کر اللہ کو پیارے ہوگئے، آج دارالعلوم دیوبند کے درودیوار اَساتذہ اور تلامذہ ان کے فراق میں پژمردہ ہیں۔

تعزیتی اجلاس سے متعلق ان کی رائے اکابر دیوبند میں بالکل الگ تھلگ رہی ہے، وہ اس کے قائل نہ تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ آج ایسے زمانے میں اُن کی وفات کا دردناک سانحہ پیش آیا ہے کہ پورے ملک میں لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا نہیں سکتے، لاک ڈاؤن اور کرفیو کی ایسی شکل ہے کہ آزادانہ طور پر گلی کوچوں میں چل بھی نہیں سکتے، ایسے حالات میں بمبئی میں اُن کی وفات ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ اور اساتذہ اور جو ان کے تلامذہ کا جال پھیلا ہوا ہے ان میں سے کوئی بھی ان کے جنازے میں شرکت کے لئے نہیں جاسکتا۔

اللہ نے ان کو صاحب اولاد بنایا ہے، دو بیٹیاں اور گیارہ بیٹے اللہ نے ان کو عطا فرمائے، سبھی حافظ قرآن ہیں، دونوں بیٹیاں بھی حافظ قرآن ہیں، انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی حافظ بنایا تھا، ان کے دوسرے نمبر کے بیٹے حافظ سعید صاحب مرحوم جلالین تک پڑھنے کے بعد آگے نہ پڑھ سکے، اور باقی سارے صاحبزادگان حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ عالم دین بھی ہیں، ان کی وفات کے وقت بمبئی میں ان کے ساتھ صرف دو صاحبزادے رہے، باقی سب دیوبند میں ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جنازہ میں شرکت کے لئے کوئی بھی نہ جاسکا، اور ان کے صاحبزادگان میں سے بڑے دو صاحبزادے مولانا رشید احمد اور حافظ سعید احمد حضرت کی زندگی میں وفات پاگئے اور ان کے دوسرے نمبر کے بیٹے حافظ سعید احمد اور تیسرے نمبر کے بیٹے مولانا وحید احمد دونوں نے احقر کی دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کے زمانے میں احقر سے نورالایضاح پڑھی ہے اس لئے دونوں صاحبزادگان کا احقر سے بہت ہی والہانہ تعلق رہا ہے، اگرچہ وہ آج

اکیلے دور افتادہ علاقہ میں اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں؛ لیکن ان کے ہزاروں تلامذہ اور متعلقین ان کے لئے ایصال ثواب میں لگے ہوئے ہیں اللہ پاک ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

وہ پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے ماہر تھے اور ابھی ابھی لاک ڈاؤن کے دوران رمضان سے قبل ثریا ستارے کے طلوع ہونے سے متعلق جو حدیث میں تذکرہ ہے، اس کے متعلق بعض اہل علم کی طرف سے کچھ نامناسب تاویلات کی تشہیر پوری دنیا میں ہونے لگی اس سلسلے میں احقر بھی بہت تشویش میں رہا، احقر تحریری طور پر اشکال وجواب کا قائل نہیں ہے، اس سے عوام میں اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے، اسی لئے خاموش رہا، مگر اللہ نے حضرت الاستاذ کے دل میں بات ڈالی اور پہلی تراویح کے بعد انہوں نے اپنے بیان میں صاف الفاظ کے ساتھ ثریا ستارے کی غلط تشریحات پر تردید فرمائی اور ان کی تردید کے بعد وہ سلسلہ ختم ہوگیا اور لوگوں نے راحت کا سانس لیا۔

حضرت کی ولادت کے بارے میں حضرت سے زبانی معلوم ہوا کہ ۱۳۶۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اس اعتبار سے ۸۱/سال کی عمر ہوگئی، حضرت کو حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سے اور احقر کے بچوں کے نانا حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب سہارنپوری جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے اُن سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی، ان کی طرف سے اجازت بیعت کی تحریر احقر کے ذریعے سے پہنچائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائے، اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، اور اُن کے سارے علمی کارناموں کو شرف قبولیت سے مالا مال فرمائے۔

احقر انہی جملوں کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران اور طلبہ کی خدمت میں اور اُن کے تمام صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کی خدمت میں اور ان کے تمام تلامذہ کی خدمت میں اور تمام پسماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے، اور تمام احباب سے ایصال ثواب کی گذارش کرتا ہے۔

❍❖❍

آسمانِ علم کا نیرِ تاباں غروب ہوگیا

مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری صدر المدرسین واُستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

مشفق استاذ محترم، مادر علمی دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز شیخ الحدیث وصدر المدرسین، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ دنیائے فانی کو الوداع کہہ کر اپنے مزاج کے مطابق شان بے نیازی کے ساتھ جوار رحمت الٰہی میں پہنچ چکے ہیں، تاریخ تھی ۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بوقت اشراق بروز منگل، یہ اتفاق نہیں؛ بلکہ نظام قدرت ہے کہ سعید روح کے پرواز ہونے کے لئے مالک دو جہاں نے اس ماہ مبارک ''رمضان'' کے آخری عشرے کے لمحات کا انتخاب کیا ہوا تھا، جس میں آخری سانس لینا اہل ایمان کے لئے اعلیٰ درجہ کی سعادت وخوش بختی اور علامت قبولیت ہے، طبیعت تو پہلے بھی متعدد مرتبہ تشویشناک حد تک آپ کی خراب ہوئی؛ لیکن اللہ پاک کے خصوصی فضل وکرم اور بے شمار چاہنے والوں کی دعاؤں کی برکت سے پھر ایسے صحت یاب ہوئے کہ معمول کے مطابق درس وتدریس وعظ ونصیحت اور فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرمادیا۔ اس مرتبہ بھی حضرت الاستاذ کی طبیعت کی ناسازی کا علم ہوا تو مجھ جیسے نہ جانے کتنے شاگردوں نے دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا، اور یہ امید کرتے رہے کہ ان شاء اللہ چند روز میں حضرت روبصحت ہوجائیں گے، اور پھر علوم ومعارف کے موتی بکھیرنے شروع کریں گے؛ لیکن تقدیر تدبیر پر غالب آئی اور اس مرتبہ ایسا نہ ہوا، چند روز کی شدید علالت کے بعد آپ غریب الوطنی کی حالت میں (جو بجائے خود مقام سعادت وشہادت ہے) عروس البلاد ممبئی کے ایک شفاخانے میں واصل بحق ہوگئے، اور پھر وصیت کے مطابق مقامی قبرستان ہی میں آسودۂ خواب ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت الاستاذ کے انتقال پرملال کو دو دن گزر چکے ہیں؛ لیکن طبیعت ایسی مغموم اور بجھی ہوئی ہے کہ نہ کچھ کہا جا رہا ہے نہ لکھا جا رہا ہے، یادوں کا ایک سلسلہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا، آپ کا مخصوص لب ولہجہ، خوب صورت ومنفرد اور دلنشیں انداز بیان، جاذبِ نظر خط اور تحریر، ہر چیز کو بہت اہتمام اور اہمیت کے ساتھ ذکر کرنا، قرآنی آیات اور اَحادیثِ نبویہ کی عام فہم تشریح، اُردو وعربی قواعد ومحاورات کی بہترین وضاحت اور اِس طرح کی بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو ذہن ودماغ میں ایسی نقش ہوچکی ہیں کہ مٹائے نہیں مٹ سکتیں۔

بلاشبہ آپ ایک قابلِ فخر، صاحبِ طرز، کہنہ مشق، طلبہ کی نفسیات کو سمجھنے والے ایک کامل اُستاذ تھے، خوش نصیب ہیں وہ تمام حضرات جن کو حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع میسر ہوا۔

آپ صرف استاذ نہیں؛ بلکہ اُستاذ گر تھے، آپ سے پڑھنے والا پڑھانا سیکھ جاتا تھا، نہ جانے کتنے شاگردوں نے آپ کے اُسلوب کو اَخذ کرکے اپنی تدریس کے انداز میں نکھار پیدا کیا ہوگا، بھرپور توجہ کے ساتھ تمام طلبہ پر نگاہ رکھتے ہوئے ایسی سبک رفتاری سے کلام فرماتے کہ لکھنے والا بآسانی آپ کی تقریر کو قلم بند کرلیتا اور ہر طالبِ علم گوش برآواز ہوتا، امثلہ ونظائر کے ذریعہ مسئلہ کو سمجھاتے اور درمیان میں ایسے لطائف بھی سناتے، یا ایسے جملے بولتے، جس سے مجلسِ درس زعفران زار ہوجاتی، اور نئی تازگی محسوس ہوتی، سبق میں شروع سے اخیر تک دلچسپی ایسی برقرار رہتی کہ مجال ہے کہ کوئی طالبِ علم غافل ہوجائے یا بے توجہی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

ہم نے بھی سنن ترمذی کے تقریباً تمام دروس بالاستیعاب ضبط کئے پھر تکرار کے موقع پر اور بعد میں تدریس کے وقت کاپی پر ایک نگاہ ڈالنے سے غیر معمولی فائدہ محسوس ہوا۔

تفہیم کے تو آپ بادشاہ تھے، پیچیدہ سے پیچیدہ مباحث کو دلنشیں پیرایہ میں اس طرح پیش کرنا کہ غبی سے غبی طالبِ علم بھی مطمئن ہوجائے، خدا کی طرف سے عطا کردہ آپ کا وہ امتیاز تھا؛ جس کا ہر شخص قائل اور معترف ہے۔

ہمیں حضرت الاستاذ سے سنن ترمذی اور شرح معانی الآثار پڑھنے کا موقع ملا، صبح کے تیسرے گھنٹے میں اور مغرب کے بعد آپ کا درس ہوتا تھا، محلّہ بیرونِ کوٹلہ میں (جو دارالعلوم سے خاصے فاصلے پر واقع ہے) آپ کا مکان تھا، وہاں سے پیدل بڑی پابندی کے ساتھ بروقت درس میں تشریف لایا کرتے تھے، اور شروع ہی میں طلبہ کو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ میرے آنے کے بعد کسی طالب علم کا درس گاہ میں آنا جرم ہوگا؛ چنانچہ طلبہ اس کا بھرپور خیال بھی کرتے اور آپ کے آنے سے پہلے درس گاہ کھچا کھچ بھر جاتی، اگر کبھی اتفاق سے آپ تشریف لائے اور طلبہ کی تعداد کم محسوس ہوئی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے واپس تشریف لے جاتے، اور خاص طور سے ترجمان سے جواب طلب فرماتے، یہ مرحلہ طلبہ کے لئے بڑی تشویش اور فکر کا باعث بن جاتا تھا، عصر کی نماز کے بعد طلبہ ڈرتے ڈرتے آپ کے گھر مجلس میں حاضر ہوتے، غلطی پر نادم ہوتے، معافی طلب کرتے، آئندہ پابندی کے ساتھ حاضری کا عہد کرتے، تو دوچار تنبیہی جملے کہہ کر معاف فرمادیتے اور اگلے وقت تشریف لے آتے، آپ کے اِس عمل کا یہ اثر ہوتا کہ پھر طلبہ وقت سے پہلے درس گاہ میں موجود دکھائی دیتے۔

ہمارے سال بھی ایک مرتبہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا، ہم لوگ عصر کے بعد حاضر خدمت ہوئے، معافی مانگی، فرمانے لگے کہ تم لوگ کیوں آئے؟ تمہاری وجہ سے میں واپس تھوڑا ہی آیا تھا، جاؤ ان ہی طلبہ کو بھیجو جو درس گاہ میں موجود نہیں تھے، احساس تو اُن کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ پھر طلبہ کی ایک بڑی جماعت حاضر ہوئی، حضرت اولاً ناراض ہوئے پھر فرمایا: ''میں اتنی دور سے تیاری کرکے محنت کرکے سبق پڑھانے جاتا ہوں، اور تم لوگ غائب رہتے ہو'' پھر اسباق میں پابندی سے حاضری کی تاکید فرمائی، اس کے فوائد و برکات بتائے اور پھر شفقت فرماتے ہوئے معاف فرمایا اور اگلے دن سلسلہ درس کا آغاز فرمادیا۔

ابتدائے سال میں مبادیاتِ حدیث، علومِ حدیث، مقامِ سنن ترمذی اور امامِ ترمذی کی مخصوص اصطلاحات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے، جو کئی کئی روز تک مسلسل جاری رہتی۔

آپ کے سبق میں عبارت خوانی کا مرحلہ بھی بڑا اہم ہوتا تھا، ہر طالب علم اس کی ہمت نہیں کر پاتا تھا، آپ باقاعدہ گھر بلا کر عبارت خوانی کے خواہشمند طلبہ کا امتحان لیتے اور پھر چند طلبہ کو سال بھر عبارت خوانی کے لئے متعین فرمادیتے۔ اطمینان کے ساتھ صاف صاف، متوسط آواز میں، صحیح عبارت پڑھنے کی تاکید فرماتے، آواز تھوڑی بھی تیز ہوتی تو حضرت کو ناگوار گزرتی، ٹوکتے اور فرماتے مائک دور کرکے پڑھو، اعراب کی غلطیاں اگر آنے لگتیں تو عبارت خواں تبدیل فرمادیتے، یا خود پڑھنا شروع فرمادیتے، اس لئے عبارت خواں طلبہ بھرپور تیاری کرکے ہی سامنے آتے تھے۔

ہمیں بھی الحمدللہ کتاب کے معتد بہ حصہ کی عبارت پڑھنے کا موقع ملا، ایک دفعہ پڑھتے ہوئے بار بار گلا صاف کرنے کے لئے کھنکھارنے کی نوبت آئی تو مجھے مخاطب کرکے فرمانے لگے: سنو! سب طلبہ متوجہ ہوگئے تو ارشاد فرمایا: ''کل سے چمچہ لے کر آیا کرو اور جہاں آواز پھنسے؛ گلے میں چلالیا کرو''۔ سب ہنسنے لگے، حضرت بھی متبسم ہوئے اور فرمایا چلو آگے پڑھو۔

مغرب کے بعد تشریف لاتے تو باضابطہ سبق کا آغاز کرنے سے پہلے حفظ احادیث کی غرض سے ایک مختصر حدیث لکھواتے اور تین مرتبہ اس کو اجتماعی طور پر کہلواتے۔

شروع سال سے اخیر تک آپ کا انداز تدریس بالکل یکساں رہتا، اواخر سال میں بھی اسی بسط وتفصیل کے ساتھ اطمینان سے پڑھاتے رہتے، جس انداز سے شروع میں پڑھاتے، سب کے اسباق بند ہوجاتے اور آپ کے اسباق کا سلسلہ امتحان کے قریب تک جاری رہتا، کتاب کی تکمیل کے موقع پر آپ کی الوداعی نصیحت بھی بہت اہم ہوتی تھی، جس کا طلبہ کو اشتیاق رہتا تھا، اور جب آپ دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے، تو طلبہ کی روتے روتے یہ سوچ کر ہچکیاں بندھ جاتی تھیں کہ اب حضرت کی مجلس درس میں حاضری کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔

طلبہ کے درمیان مقبول ترین اَساتذہ میں آپ کا شمار تھا، آپ کے شخصی رعب، علمی مقام اور وجاہت کی وجہ سے طلبہ اگرچہ آپ سے بے تکلفانہ گفتگو نہیں کرپاتے تھے؛ لیکن دل سے

محبت اور قدر بہت کرتے تھے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت الاستاذ نے یہ علمی تفوق، رفعت مقام اور لوگوں کے دلوں پر دھاک کسی بیساکھی کے ذریعہ حاصل نہیں کی؛ بلکہ اس کے پیچھے صرف اور صرف اللہ کا فضل وکرم اور حضرت کی مقصد کے تئیں جفاکشی، وقت کا صحیح استعمال اور بے پناہ محنت وجد وجہد ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ دورِ طالبِ علمی سے لے کر زمانہ تدریس تک کیسے کٹھن اور صبر آزما حالات کا آپ نے خندہ پیشانی اور جذبہ شکر کے ساتھ مقابلہ کیا؛ لیکن اپنی علمی سرگرمیوں پر آنچ نہ آنے دی، یہ رتبہ بلند اور علمی دنیا میں آپ کا سکہ اسی جہد مسلسل اور قربانی کا نتیجہ ہے۔

حضرت الاستاذ سے پڑھنے کا موقع تو ہمیں دورۂ حدیث میں ملا؛ لیکن شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد ہی سے ہم نے حضرت الاستاذ کا نام سنا؛ کیوں کہ محلّہ بیرونِ کوٹلہ میں جہاں آپ کی رہائش تھی، اسی کے پڑوس میں حضرت والد محترم دامت برکاتہم کے ساتھ ہم لوگوں کی بھی سکونت تھی، کچھ بڑے ہوئے تو بعد عصر آپ کی مجلس میں حاضری کا بھی موقع ملنے لگا، پھر تو قرب وتعلق اور عقیدت بڑھتی ہی چلی گئی۔

کتابیں اور علمی اشتغال آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، مزاج میں یکسوئی اور زندگی میں انتہائی سادگی تھی، شہر میں زیادہ لوگوں سے آپ کے راہ ورسم نہیں تھے اور علمی اشتغال کی وجہ سے آپ کے پاس اس کا موقع بھی نہیں تھا، جب بھی خدمت میں حاضری ہوتی، کچھ پڑھتے ہوئے، پڑھاتے ہوئے، لکھتے ھوئے، سنتے ہوئے یا نصیحت کرتے ہوئے ملتے، عصر کے بعد عمومی مجلس ہوتی، اس میں طلبہ آپ کے سر پر تیل رکھتے، کچھ پوچھتے تو آپ تسلی سے جواب مرحمت فرماتے، دیر تک خاموشی رہتی تو خود فرماتے: ''کچھ سوال کرو خاموش کیوں بیٹھے ہو، یہاں آیا کرو تو سوال سوچ کے آیا کرو''۔

فرقِ باطلہ کا تعاقب، مسلک حق کی ترجمانی، منکرات پر برملا نکیر اپنے موقف پر خلوص نیت کے ساتھ جماؤ یہ چیزیں آپ کے مزاج کا حصہ تھیں۔

دیوبند جانا ہوتا تو حضرت الاستاذ سے ملاقات کے لئے حاضری ہوتی، بڑی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، اسباق کی تفصیلات معلوم کرتے دعائیں دیتے، مدرسہ کے احوال دریافت فرماتے، کوئی نئی کتاب چھپ کر آتی تو عنایت فرماتے، مزید دو نسخے دیتے اور فرماتے کہ یہ مفتی سلمان کو دینا وہ اس پر ندائے شاہی میں تبصرہ لکھ دیں گے۔ ندائے شاہی کا بھی پابندی سے مطالعہ فرماتے، رسالہ اکثر آپ کی تپائی پر دکھائی دیتا، بارہا فرمایا کہ ''تمہارا مضمون پڑھا اچھا تھا لکھتے رہو'' ایک مرتبہ فرمایا کہ ''تمہارا اور مفتی سلمان کا مضمون ضرور پڑھتا ہوں''۔

مدرسہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ کے جلسہ سالانہ میں اکثر و بیشتر حضرت کی شرکت ہوتی تھی، چند سال قبل ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر تشریف فرما تھے اور آخری خطاب آپ کا ہونا تھا، حضرت مولانا قاری شوکت علی صاحب زید مجدہ کا حکم تھا کہ تجھے بھی کچھ کہنا ہے اس کے بعد حضرت بیان فرمائیں گے، میری ہمت بالکل نہیں ہو رہی تھی، میں نے عرض کیا حضرت آپ بیان فرمادیں، آپ کی موجودگی میں ہم کچھ نہیں بول سکتے، حکماً فرمایا کہ ''بیان کرو میں بیٹھا ہوں جب تک ایسے نہیں بولو گے تو بیان کرنا کیسے آئے گا''۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے آپ کا تعلق بہت گہرا اور پرانا تھا، آپ مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر بھی تھے اور پچھلے چند سالوں تک مسلسل ختم بخاری کے لئے تشریف بھی لاتے، مدرسہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمہ سے آپ کی دیرینہ رفاقت تھی، جس کو آپ نے اخیر تک بخوبی نبھایا۔

چند ماہ بیشتر آپ کے صاحبزادہ گرامی کا انتقال ہوا، تو مدرسہ کے ذمے داران کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی، جاتے ہوئے پوچھا کیوں آئے ہو؟ ہم نے مرحوم صاحبزادے کا تذکرہ شروع ہی کیا تھا تو فرمانے لگے ''جو گیا وہ سپنا اور جو رہا وہ اپنا'' اللہ کو جو منظور تھا وہ ہو گیا، بس جانے والوں کے لئے دعاء کرتے رہو، پھر تعزیت کے مروجہ طریقہ کے عدم ثبوت پر گفتگو فرماتے رہے۔

کچھ دیر کے بعد ہم نے عرض کیا کہ حضرت کئی سال سے آپ کی تشریف آوری مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں نہیں ہوسکی ہے اس سال تشریف لے آئیں، مسکراتے ہوئے فرمانے لگے'' اب اس نے موضوع بدل لیا حالانکہ آیا تھا یہ تعزیت ہی کے لئے'' پھر فرمایا کہ ''جلسہ کی تاریخ کے لئے رجب کے شروع میں ملنا'' پھر ملاقات ہوئی تو کمزوری اور طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے معذرت فرمالی۔

حضرت الاستاذ کی شخصیت پر لکھنے کے بہت سے پہلو ہیں، جن پر لکھنے والے ان شاء اللہ خوب اور بہت خوب لکھیں گے، یہ تو بروقت بے ترتیب کچھ تاثراتی سطور ایک ادنی شاگرد کی طرف سے حضرت الاستاذ کے لئے خراج عقیدت کے طور پر قلمبند کردی گئی ہیں۔

اس موقع پر ہم استاذ مکرم کے اہل خانہ بالخصوص آپ کے برادر گرامی استاذ نا حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری مدظلہ اور آپ کے جملہ صاحبزادگان واولاد واحفاد کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعاء گو ہیں کہ اللہ پاک ہمارے حضرت کی مغفرت تامہ فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائیں، آپ کی زریں وسنہری دینی خدمات کا اپنی شایان بدلہ مرحمت فرمائیں اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل عطاء فرمائیں، آمین ثم آمین۔

وہ اِک سفینہ جو ترجماں تھا بہت سی غرقاب کشتیوں کا

مولانا مفتی محمد اجمل قاسمی اُستاذ تفسیر و اَدب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

استاذ کوئی بھی ہو، تعلیم کے کسی بھی مرحلے میں اس نے پڑھایا ہو، وہ آدمی کا محسن اور کرم فرما ہے؛ مگر محسنین کی اس فہرست میں کچھ ایسی ہستیاں بھی ہوتی ہیں جن کی طرف انتساب آدمی کے لئے وجہِ افتخار اور باعث امتیاز بنتا ہے، میرے اور مجھ جیسے ہزاروں فیض یافتگان دارالعلوم دیوبند کے لئے جو ہستیاں وجہ افتخار ہیں ان میں ایک نمایاں اور جلی نام حضرت الاستاذ حضرت مولانا ومفتی سعید احمد صاحب صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کا ہے) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اُردو شاعر فراق گورکھپوری نے بھی اپنے معاصرین سے کہا تھا:

آنے والی نسلیں تم پر رشک ریں گی ہم عصرو!
جب یہ دھیان آئے گا ان کو، تم نے فراق کو دیکھا ہے

پتہ نہیں یہ فراق کی بڑھی ہوئی خوش فہمی تھی یا اس میں حقیقت کا عنصر بھی کسی قدر شامل تھا؟ مگر حضرت مفتی صاحب کے نیازمندوں کے بارے میں یہ بات پورے اطمینان کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آنے والی نسلیں ان پر ضرور رشک کریں گی کہ انہوں نے مفتی سعید احمد صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔

ہزار ہا ہزار شاگردوں، عقیدت مندوں، وفا کیشوں اور نیازمندوں کے دلوں میں حضرت مفتی صاحب کے لئے عقیدت ومحبت اور عظمت واحترام کے غیر معمولی جذبات تھے، آپ کی

اچانک اور غیر متوقع رحلت نے ان جذبات میں ایک زبردست تلاطم برپا کردیا ہے، آپ کی عقیدت ومحبت میں نوکِ قلم سے ٹپکنے والے الفاظ اور تحریریں سوشل میڈیا پر امڈتے سیلاب کا سماں پیش کررہی ہیں، منظوم ومنثور خراجہائے عقیدت کا سلسلہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے۔

وادیٔ ایمنِ ہند مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کو اللہ سدا شاد وآباد رکھے ''شاد باش وشاد ذی اے سرزمین دیوبند'' عنادل خوش نوا اس کی شاخِ نشیمن کو اپنی نغمہ سرائیوں سے معمور کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز صبح قیامت تک معمور رتے رہیں گے؛ مگر جن بلبلان خوش الحان نے ہمارے کانوں میں رس گھولے ہیں یکے بعد دیگرے ان کے کوچ کرتے رہنے سے یہ فضا ہمیں سونی سونی سی نظر آنے لگی ہے، پندرہ سال کے عرصہ میں کتنے اکابر رخصت ہوگئے جو اپنی طویل خدمات کی وجہ سے اس ادارے میں اپنا ایک مقام اور وقار رکھتے تھے، لیجئے اب اس گلشن سے وہ گلِ سرسبد بھی رخصت ہوا جس کی بہارِ حسن اپنے رنگ کی رعنائی اور معطر شمیم سے دل وجان وتازہ اور قلب ونظر کو مست کئے رکھتی تھی۔

جن خوش نصیبوں نے آپ کی مجلس درس کا رنگ دیکھا انہیں دکھانا کیا، جنہوں نے نہیں دیکھا واقعہ یہ ہے کہ انہیں دکھانا مشکل ہے، قلم کو یارائے بیان کہاں جو منظر کی صحیح تصویر اُتار سکے، انگلیاں کی بورڈ پر حرکت میں ہیں اور حضرت الاستاذ کا دل آویز سراپا اور آپ کی مجلس درس کا دلکش سین دماغ کی اسکرین پر متحرک ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں احاطہ مولسری میں نگاہوں کو فرشِ راہ کئے کھڑا ہوں، اور حضرت الاستاذ بعد نماز مغرب صدر گیٹ سے داخل ہورہے ہیں، وجیہ شخصیت، دراز قد وقامت، باوقار سراپا، متین چال، صاف ستھرا لباس، احاطہ مولسری میں پہنچ کر کنویں والے ہینڈ پائپ پر پان تھوک کر منہ صاف کررہے ہیں، پھر دارالحدیث کی طرف محو خرام ہورہے ہیں) وہی تاریخی سرخ رنگ والی دارالحدیث جو دارالعلوم دیوبند کا حسن اور اس کی پہچان ہے، جہاں پہنچ کر مجھ جیسے ہزاروں دل ادب واحترام میں جھکے اور فرطِ عقیدت سے کھنچے جاتے ہیں، جامع رشید کے تہہ خانے یا زیرِ تعمیر شیخ الہند لائبریری کی نچلی منزل سے نہ ہمیں واسطہ

پڑا اور نہ وہ جذباتی لگاؤ ہے۔

دارالحدیث کی شمالی سمت سے جوں ہی آپ اندر داخل ہوتے، طلبہ کے کھچا کھچ بھرے مجمع پر سناٹا پسر جاتا، ہر کوئی سنبھل کر باادب بیٹھ جاتا، درس کو قلم بند کرنے والے سیکڑوں طلبہ اپنے کاغذ قلم ٹھیک کرنے لگتے، پہلی تپائی پر بیٹھنے والے اپنے بال اور ٹوپی بھی اہتمام سے درست کرنے لگ جاتے؛ اس لئے کہ کسی طالب علم کا الول جلول ہیئت میں قریب بیٹھنا حضرت کے لئے باعث تکدر تھا، مسند کے پاس پہنچ کر حضرت سروقد کھڑے ہوجاتے، مجمع پر نظر ڈالتے ہوئے خاص ادا سے سلام کرتے، سال میں دوچار دفعہ ایسا ہوتا کہ مجمع کو ناموافق پا کر غصہ میں تنبیہا یہیں سے الٹے قدم یہ کہتے ہوئے واپس چلے جاتے کہ تمہیں اگر پڑھنے کا شوق نہیں رہا تو ہمارا بھی پڑھانے کا شوق پورا ہو چکا ہے جس کا آئندہ طلبہ کے اہتمام درس پر اچھا اثر مرتب ہوتا، ورنہ عام معمول تھا کہ سلام کے بعد خاص لب و لہجے میں لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے مسند حدیث پر فروکش ہوجاتے، آپ کی زبان اس مبارک ورد کی عادی تھی، دوران درس جب بھی پہلو بدلتے، یا کسی مضمون کو مکمل کرتے، یا کوئی نئی بات شروع کرنے کا ارادہ کرتے تو بے اختیار یہ کلمہ آپ کی زبان پر جاری ہوجاتا:

وہ آئے کب کے، گئے بھی کب کے، نظر میں اب بھی سمارہے ہیں

آپ کی چال ڈھال، نشست و برخاست اور رفتار و گفتار میں عالمانہ وقار اور خاص قرینہ نظر آتا تھا، آپ مسند پر جب فروکش ہوتے تو سامنے کتاب کی طرف کسی قدر جھک کر بیٹھتے، مائک والے کو ہدایت ہوتی کہ آواز بس اتنی رکھے جو دارالحدیث میں صاف سنائی دے، اس بارے میں اسے رہ رہ کر تنبیہ ہوتی رہتی، اس گھنٹے کی چوکسی اسے پورے دن کی ڈیوٹی پر بھاری تھی، دوران گفتگو سامنے مخاطب ہوتے، کسی قدر دائیں بائیں بھی متوجہ ہوتے، مگر پوری طرح چہرہ نہ اِدھر پھیرتے نہ ادھر، بات کہتے ہوئے ہاتھوں کے اشارے سے بھی مدد لیتے؛ مگر نہ اٹھا پٹخ کرتے نہ زیر و زبر ہوتے، بس سینے تک ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے، تدریس و تقریر دونوں کا انداز یکساں تھا۔

دوران درس طلبہ یا تو گوش برآواز ہوکر بدیدہ ودل آپ کی طرف متوجہ ہوتے، یا نظر نیچی کئے آپ کی تقریر قلم بند کرنے میں جٹے ہوتے، ہر طرف سکوت وسکون کی ایسی حکمرانی ہوتی کہ صریر خامہ صاف سنائی دیتی، اوراق الٹنے کی آواز محسوس کی جاتی، دارالعلوم کی مسند حدیث کو یقیناً بہت سے ایسے اکابر نے زینت بخشی ہے جو علم وتحقیق اور صلاح وتقویٰ کے میدان میں حضرت مفتی صاحب سے بہت فائق ہوئے ہیں؛ مگر جس اہتمام اور شوق سے طلبہ کی جتنی بڑی تعداد نے حضرت کے درسی افادات قلم بند کئے کسی اور کے نہ کئے گئے (گرچہ یہ بھی واقعہ ہے کہ اکابر کے دور میں طلبہ کی تعداد آج کے مقابلہ بہت ہی محدود تھی)

آپ کے یہاں ہر چیز کا ایک معیار تھا جس پر مضبوطی سے قائم رہتے، ہر کسی کو آپ کے یہاں عبارت خوانی کا شوق پورا کرنا ممکن نہ تھا، اس کے لئے سال کے شروع میں ایک جائزہ ہوتا، شوقین طلبہ درخواست دیتے، حضرت خود ان کا امتحان لیتے جس کو پاس کرتے اسی کو بس عبارت خوانی کی اجازت ہوتی، جب تک یہ مرحلہ طے نہ ہوجاتا عبارت بھی خود پڑھتے، شروع ہی میں یہ تاکید ہوتی کہ میرے دارالحدیث میں داخل ہونے کے بعد کوئی داخل نہ ہو، اس کا نتیجہ تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے سبھی طلبہ موجود ہوتے، اتفاقیہ کوئی پچھڑ جاتا تو مفتی صاحب کی نظروں سے بچ بچا کر کسی گوشہ میں بیٹھتا یا پھر اوپر کی گیلری میں چلا جاتا، شخصیت کی مقناطیسیت تھی، حسن تدریس کا جادو تھا یا کوئی کرامت تھی کہ طلبہ پروانہ وار آپ پر نثار تھے، اور آپ کے آداب درس کو سعادت سمجھ کر بجالاتے، صدائے احتجاج بلند کرنا تو کجا، شکوہ سنج بھی کم ہی دیکھے گئے ہوں گے۔

آپ درس دے رہے ہوں، تقریر کررہے ہوں یا عام مجالس میں گفتگو کررہے ہوں انداز یکساں ہوتا، موقع عجلت کا ہو یا اطمینان کا گفتگو میں ہمیشہ اطمینان اور ٹھہراؤ ہوتا، بولنے کا ان کا اپنا لب ولہجہ تھا جو شاید ان کے علاقائی لب ولہجے سے متاثر تھا، اردو کے بہت سے الفاظ کے تلفظ کا بھی یہی حال تھا، ہم شمالی ہند کے لوگوں کی طرح وہ اردو نہیں بولتے تھے، آواز بھی کسی قدر

پست تھی ؛ مگر اسی لب و لہجے میں جب بولتے تھے تو علم کے موتی رولتے تھے، محبوبیت ایسی تھی سب کچھ بھاتا اور بھلا لگتا تھا۔

تدریس میں ان کا اپنا خاص نہج اور منفرد انداز تھا جو علامہ ابن رشد مالی کی معرکۃ الآرا تصنیف بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مسوی شرح موطا کے نہج سے ملتا جلتا اور اس کے قریب تر تھا، عام طور پر ہمارے مدارس میں ائمہ کے مذاہب پر طویل بحث ہوتی ہے، دلائل کے درمیان موازنہ ومحاکمہ کیا جاتا ہے، اور مذہب حنفی کی وجہ ترجیح بیان کی جاتی ہے، اس طریقے کی بنیاد حضرت گنگوہی ونانوتوی سے ہوئی، شیخ الہند تک بات اختصار اور اشاروں تک محدود تھی، علامہ انور شاہ کشمیری آئے تو انہوں نے اپنے وسیع مطالعہ، بے پناہ علم، اور بے مثال قوت حافظہ سے اس نہج کو زبردست ترقی دی، اور ان کے شاگردوں نے اس کو عام کیا اور پھیلایا، یہ نہج وقت کی ضرورت کے تحت سمجھ بوجھ کر اختیار کیا گیا تھا، ہندوستان میں غیر مقلدین نے یہ پروپیگنڈہ زور وشور سے کرنا شروع کر دیا تھا کہ فقہ حنفی احادیث صحیحہ کے بجائے قیاس اور ضعیف احادیث پر قائم ہے، اس بے حقیقت پروپیگنڈے کا صحیح جواب یہی تھا کہ تدریس وتحریر کے ذریعہ یہ بات اہل علم پر واشگاف کی جائے کہ فقہ حنفی بھی دیگر مذاہب متبوعہ کی طرح کتاب اللہ اور سنت صحیحہ پر قائم ہے؛ چنانچہ اس نہج پر درس وتدریس کے فوائد بھی سامنے آئے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''نفحۃ العنبر'' اور ''نقش دوام'')

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف تھا کہ جب چاروں مذاہب برحق ہیں تو دلائل میں موازنہ ومحاکمہ اور ترجیح کے قصوں کے دراز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ائمہ کے مذاہب اور ان کے مستدلات کو پیش کرتے، ساتھ ہی یہ بھی واضح کرتے کہ یہ اختلاف نص فہمی کا ہے یا تعارض نصوص سے پیدا ہوا ہے، یہ بھی واضح کرتے کہ مسئلے کی اصل کتاب اللہ ہے یا سنت رسول اللہ، مثلاً ترمذی شریف میں جب مس المرأۃ کا مشہور مسئلہ زیر بحث آیا تو آپ نے فرمایا: یہ مسئلہ دراصل حدیث کا نہیں بلکہ قرآن کا ہے، پھر آپ نے ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ الخ آیت

کریمہ تلاوت فرمائی، اور یہ بھی بتایا کہ اس مسئلے میں اختلاف نص فہمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، جن لوگوں نے لامس کو اس کے حقیقی معنی میں رکھا انہوں نے مس کو ناقض وضو قرار دیا، اور جن لوگوں نے ملامسۃ کو جماع سے کنایہ سمجھا انہوں نے اس کو جنابت سے متعلق قرار دیا اور مس کو ناقض وضو نہیں سمجھا۔

نصوص سے فقہا کے طرز استدلال کو حدیث کے درس میں زیرِ بحث لانے کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے کہ جو مسائل فقہا نے طے کر دئے ان میں تو اب اجتہاد کی ضرورت نہیں، لیکن جو نئے نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں ان میں اجتہاد کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی، جب آپ گذرے ہوئے مسائل میں فقہا کے طرز استدلال سے واقف ہوں گے تو آئندہ اس میں پختگی پیدا کر کے آپ بھی اپنے دور کے مسائل اسی نہج پر حل کر سکیں گے، اور اگر واقفیت ہی نہیں ہوگی تو آپ فقہی بصیرت سے محروم رہیں گے اور نت نئے مسائل کا حل پیش کرنے سے عاجز ہوں گے۔

درس حدیث میں اسناد اور روایت کے مقابل میں درایت کے پہلو پر زیادہ توجہ فرماتے تھے، مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے بھی رکھتے تھے، اور اس کو بہت اہمیت اور قوت کے ساتھ پیش کرتے تھے، بہت سے علمی مسائل میں آپ کی اپنی آرا اور تفردات ہیں جو آپ کے درسی تقریر کے مجموعوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، آپ کی بعض آرا اور تفردات آپ کی حیات ہی میں بحث کا موضوع بنے، سوال و جواب اور بحث و مباحثے کا ایک طویل سلسلہ رہا۔ ناچیز کے دل میں آپ کی عظمت و محبت کے جو نقوش دور طالب علمی میں قائم ہوئے الحمد للہ وہ اب تک مدھم نہیں پڑے، آپ کے دروس سے خاص شغف رہا ہے، سبق میں حاضری کا اہتمام اللہ کے فضل سے ہمیشہ رہا، دورے میں یہ اہتمام مزید بڑھ گیا، شاذ و نادر ہی کسی سبق میں ناغہ ہوا؛ مگر کچھ گھنٹے ایسے تھے جس میں الحمد للہ کوئی ناغہ نہیں ہوا، ان میں ایک گھنٹہ حضرت مفتی صاحب کا بھی تھا؛ مگر بایں اہتمام و شغف حضرت کی آرا کو تفردات سے زیادہ مناسبت نہ پیدا ہو سکی، آپ کی علمی آرا کے بارے

میں مجھ جیسے کا کچھ اظہار خیال کرنا چھوٹا منہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے ان سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔

آپ کا نمایاں امتیاز آپ کی عمدہ تفہیم اور مباحث کی تسہیل وتبسیط ہے، آپ گھول کر پلا دینے کے گر سے واقف تھے، آپ کے سبق میں پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھتیں، اور سنگلاخ علمی مباحث پانی ہوجاتے، آپ کے اس انداز کو آپ کے سیکڑوں تلامذہ نے حسب ظرف واستعداد جذب کیا، اور کامیاب وباتوفیق مدرس بن گئے:

یہ بھی اعجاز ہے آپ کے نطق کا
بے زبانوں و طرز کلام آ گیا

آپ کی اسی خوبی وکمال کا نتیجہ تھا کہ ذہین وزیرک بھی آپ کی باتوں کو سمجھتے، اور غبی وکند ذہن بھی، سبھی کے لئے آپ کے درس میں دلچسپی کا سامان موجود تھا، طلبہ تو خیر طلبہ ہیں، مدرسہ اور مدرسے کی کتابوں سے ناآشنا کوئی عام پڑھا لکھا آدمی بھی اگر آپ کے سبق میں شامل ہوجاتا تو وہ بھی مستفید ہوتا اور بےمزہ نہ رہتا، ایک مرتبہ گاؤں اور علاقے کے کچھ لوگ دارالعلوم کی زیارت کے لئے تشریف لائے، ان میں ایک دو کے علاوہ یا تو اسکول کے ماسٹر تھے یا تاجر، ان کی خواہش حدیث کے سبق میں شرکت ہوئی، میں ان کو مغرب کے بعد حضرت مفتی صاحب کے درس میں لے گیا، اتفاق سے اس دن ترمذی کیسبق میں اعتکاف کے مسائل زیرِ بحث تھے، ہمارے یہ زائرین دیندار لوگ تھے، ان میں سے بعض اعتکاف وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب نے دیر تک اعتکاف ومعتکف کے مختلف مسائل بیان کئے، معتکف کے لئے غسل نظافت وتبرید کا مسئلہ آج کل کے ماحول میں اہمیت اختیار کرچکا ہے، مفتی صاحب نے اس پر بھی بالتفصیل روشنی ڈالی، زائرین بہت محظوظ اور مستفید ہوئے، ایک صاحب تو کہنے لگے مولانا بہت اچھا پڑھاتے ہیں، اگر یہ کتاب اتنی آسان ہے تو ہم لوگ بھی پڑھ سکتے ہیں، غرض آپ کے سبق میں کس وناکس کوئی بھی محروم نہیں رہتا تھا:

ولـلأرض مـن كـأس الـكـرام نصيب

بعض احادیث فکری ونظری کے بجائے عملی ہوتی ہیں، ایسی احادیث کی تشریح میں اگر علمی وفنی موشگافیوں کے بجائے عمل اور تجربہ پیش کیا جائے تو مضمون زیادہ دلنشین ہوتا ہے اور ساتھ ہی عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوتا ہے، حضرت مفتی صاحب ایسی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے بہت سی دفعہ یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے، دورانِ درس کسی مناسبت سے رقیہ (جھاڑ پھونک) کا مسئلہ زیرِ بحث آیا تو حضرت نے فرمایا: کلمات میں اللہ نے اثر رکھا ہے، اللہ پر بھروسہ کرکے اگر ان کو پڑھ کر مریض کو دم کیا جائے تو فائدہ ہوتا ہے، تجربہ کرکے دیکھو! ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے پھر فرمایا: بارہا ایسا ہوا کہ میرے والد کو دردِ سر ہوا، میں نے احادیث میں وارد کلمات پڑھ کر دم کیا اور الحمدللہ تھوڑی ہی دیر میں افاقہ ہوگیا۔ ایک مرتبہ فون کیا، پتہ چلا والد صاحب کے سر میں تکلیف ہے، میں نے ان سے کہا ریسور سر پر رکھئے، میں نے ادھر سے ریسور میں دم کیا اور الحمدللہ افاقہ ہوگیا۔ اس طرح کے بعض اور واقعات بھی ذہن میں ہیں مگر طوالت کا خوف دامن گیر ہے، اس طرح کی احادیث میں تجربہ پیش کرنے سے حدیث پر اعتماد بڑھتا تھا، اور عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوتا تھا۔

آپ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ اگر آپ مسلسل دو گھنٹے پڑھاتے، تو آواز انداز رفتار شروع آخر اور درمیان میں یکساں ہوتی، عام طور سے دورۂ حدیث میں سال کے شروع میں طویل تقریریں ہوتی ہیں، پھر وقت کی کمی کے باعث سرداً و روایۃً کتاب پوری کرادی جاتی ہے؛ مگر حضرت اس معاملے میں بھی طاق تھے جو انداز اور رفتار شروع میں ہوتی وہی آخری سبق تک بحال رہتی، ہر ہر حدیث پر حسب ضرورت کلام فرماتے۔

آپ کو اردو بالخصوص مغربی یوپی میں بولے جانے والے محاورات اور کہاوتوں پر دسترس تھی، احادیث کے ترجمہ میں کبھی اُردو کا کوئی مناسب محاورہ نقل کرتے تو طبیعت محظوظ ہوتی، مانعین زکوۃ کے خلاف خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے جہاد کی تھی، جب کہ دیگر بہت سے صحابہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جہاد میں تامل تھا، جس کا اظہار انہوں نے حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مؤمنانہ اور جوشیلے جملے ارشاد فرمائے ان میں ایک جملہ یہ بھی ہے: "**یا عمر! أجبار فی الجاهلیة وخوار فی الإسلام**" استاذ محترم نے اس کا ترجمہ فرمایا: ''عمر! جاہلیت میں تو بڑے سور ما تھے اسلام میں بھیگی بلی بن گئے'' حضرت کے اِس ترجمہ نے بہت محظوظ کیا، آپ کے درسی اِفادات میں اس جیسی مثالیں جا بجا دیکھنے کو ملیں گی۔

حضرت عزم کے سچے اور دھن کے پکے تھے، جو ٹھان لیتے اس میں جٹ جاتے، اور کر گذرتے، آپ کی زندگی اور کارنامے اس کے شاہد اور گواہ ہیں، افتاء کرتے ہوئے حفظ قرآن کا شوق پیدا ہو گیا، تو افتا کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ چند ماہ میں حفظ بھی کر ڈالا، معاشی حالات کچھ بہتر ہوئے تو بلا معاوضہ خدمت تدریس انجام دینے اور اب تک اس خدمت پر معاوضے میں جو کچھ لیا تھا اس کو واپس کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، چنانچہ اللہ کے بھروسہ پر ٹھان لیا اور کر گذرے، حالاں کہ یہ عمل آسان ہرگز نہ تھا، اولوالعزمی کی یہ مثال اس دور میں مشکل سے ہی ملے گی، ہم طلبہ کو بھی نصیحت کی تھی کہ تنخواہ لے کر کام کرو، اور یہ نیت رکھو کہ اللہ دوسرے ذرائع پیدا کر دے گا تو تنخواہ نہیں لیں گے، اور اگر ممکن ہو سکا تو لی ہوئی تنخواہ بھی واپس کر دیں گے؛ مگر یہ فرہادی حوصلہ اور یہ آہنی ارادہ ہر کس و ناکس میں کہاں؟ یقیناً یہ چیزیں مفتی صاحب کو بہت عظیم بناتی تھیں:

ایسا ہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

آپ مضبوط جی گردے اور طاقتور شخصیت کے مالک تھے، جھینپنا اور مرعوب ہونا جانتے ہی نہیں تھے، اندرون دار العلوم طلبہ واساتذہ کے مجمع کو خطاب کر رہے ہوں یا باہر کسی سیمینار یا اہل علم کے مجمع سے مخاطب ہوں، لہجے میں وہی ٹھہراؤ اور اطمینان ہوتا اور گفتگو کا وہی رنگ و آہنگ ہوتا جس سے وہ جانے اور پہچانے جاتے تھے، ایسا نہیں ہوتا تھا کہ مجمع سے متاثر ہو جائیں، اور انداز گفتگو میں فرق آ جائے، جو موقف رکھتے مضبوطی سے پیش کرتے اور اس پر قائم رہتے۔

آپ مقبولیت اور محبوبیت کی جس بلندی پر تھے وہاں پہنچ کر خواہی نہ خواہی آدمی کے

اسفار نیز پروگراموں اور جلسوں میں شرکت کا سلسلہ دراز ہوجاتا ہے، یہ آدمی کی مجبوری بھی ہوتی ہے اور لوگوں کی ضرورت بھی، بلکہ دیکھا جائے تو یہ ایک دینی ضرورت بھی ہے؛ مگر اس مرحلے میں پہنچ کر اعتدال پر قائم رہنا مشکل ہوجاتا ہے، عموماً ہوتا یہ ہے کہ بیرونی پروگراموں کی کثرت کی وجہ سے اسباق کا حرج اور طلبہ کا نقصان ہوتا ہے؛ مگر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ اس سلسلے میں بالکل مختلف تھا، آپ کے نزدیک درس کو ہمیشہ اولیت اور اہمیت حاصل رہی، دوران تعلیم سفر سے مکمل پرہیز کرتے اور یکسو ہوکر پڑھنے لکھنے اور پڑھانے میں لگے رہتے، سفر کرنا ہوتا تو چھٹیوں کے ایام میں کرتے، عوامی جلسوں اور پروگراموں سے خود بھی پرہیز کرتے اور پڑھنے لکھنے کا ذوق رکھنے والے طلبہ کو بھی اسی کی تاکید کرتے۔ فرماتے کہ عوامی جلسوں کی نذر ہوکر آدمی علم کے مطلب کا نہیں رہتا، مفتی صاحب کا یہ معمول جہاں ان کے علم دوست ہونے کا ثبوت ہے وہیں طلبہ کے تئیں ان کی خیر خواہی اور امانت داری کی بھی دلیل ہے۔ اور بلاشبہ ہم شاگردوں کے لئے ایک بہترین مشعل راہ بھی۔

آپ کی بڑی خوبی وقت کی حفاظت اور اس کی قدردانی تھی، آپ اپنے اوقات کا ایک ایک لمحہ وصول کرتے، ہر وقت علمی مشاغل میں لگے رہتے، آپ کے یہاں مجلس آرائی، لایعنی مشاغل، حد یہ ہے کہ جائز تفریحات کا بھی کوئی خانہ نہ تھا، عیادت وتعزیت کے علاوہ عام طور پر کسی کے یہاں آتے جاتے نہیں تھے، دو تین مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ناچیز چھتہ مسجد کے قریب واقع افریقی منزل (جس میں اساتذہ کی رہائش گاہیں ہیں) سے گذر رہا تھا، کہ حضرت پر نظر پڑی، دیکھا حضرت دارالعلوم کی طرف تیز گامی سے جارہے ہیں یا واپس ہورہے ہیں اور ہاتھ میں کوئی کتابچہ ہے جس کا مطالعہ بھی جاری ہے، میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس مصروف راستے میں تیز گامی سے چلنا اور پھر مطالعہ بھی کرتے رہنا کیوں کر ممکن ہوا، اور اگر ساتھ میں دیوبند کے رکشہ چلانے والوں کی ہٹو بچو اور طوفانی چال کو بھی ذہن میں رکھ لیا جائے تو استعجاب اور سوا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح عصر بعد آپ کی مجلس میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو خیال تھا کہ حضرت طلبہ کو

کچھ نصیحت فرماتے ہوں گے، مگر جب وہاں پہنچا تو قصہ بالکل مختلف تھا، ایک طالب سر میں تیل کی مالش کر رہا تھا، اور حضرت کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف، حاضرین میں سے کسی نے کچھ پوچھا تو مطالعہ جاری رکھتے ہوئے جواب دے دیا اور پھر وہی خاموشی، وقت کی اس طرح قدر دانی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ ترقی کے اس بام عروج پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

آپ حصول علم کی راہ میں مشقت اٹھانے کے عادی اور سخت کوش واقع ہوئے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی اسی طرح دیکھنا چاہتے تھے، فرماتے تھے کہ دینی پیشوائی اللہ کے وعدوں پر یقین اور دین کی راہ میں قربانی اور مشقتوں پر صبر کئے بغیر نہیں ملتی، اور اپنی بات کی تائید میں یہ آیت کریمہ پیش کرتے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدة: ٢٤) اور ہم نے (اُن بنی اسرائیل) میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

علمی مشاغل میں اس درجہ اشتغال کا ایک ناخوشگوار نتیجہ بسا اوقات یہ سامنے آتا ہے کہ آدمی کی معاشرت کمزور پڑ جاتی ہے، لوگوں کے حقوق کا لحاظ نہیں ہو پاتا؛ مگر مفتی صاحب کا یہ پہلو بھی تشنہ نہیں تھا، اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر جس طرح انہوں نے توجہ دی اس کی تفصیل آپ کے برادر خورد استاذ محترم حضرت مولانا مفتی امین صاحب دامت برا تہم کے قلم سے ممدوح محترم کی زندگی میں منظر عام پر آ چکی ہے، ایک دو واقعہ اور پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو دوران درس حضرت سے سنے۔ فرمایا: میں اپنے گھر کی تعمیر کرا رہا تھا کہ ایک پڑوسی نے مجھ سے کہا حضرت! میری طرف دیوار میں ایک طاق اگر نکلوا دیں تو مہربانی ہوگی، وہ میرے چراغ رکھنے کے کام آئے گا، میں نے کہا کہ بہتر ہے، اور مستری کو کہہ کر پڑھانے چلا آیا، واپس آیا تو دیوار اونچی ہوگئی تھی، اور طاق نہیں نکلا تھا، میں نے مستری سے وجہ پوچھی، تو اس نے کہا مولانا صاحب آپ سمجھتے نہیں ہیں، اگر آپ اس طرف طاق نکلوا دیں گے تو کل کو اسے آدھی دیوار پر دعوے کا

حق ہو جائے گا؛ لہٰذا طاق نکالنے میں آپ کا نقصان ہے، میں نے کہا بھائی تمہاری خیرخواہی کا شکریہ، مگر تم نکال دو، اور میں نے اپنے بچوں سے کہہ دیا کہ اگر یہ پڑوسی بھی دیوار پر دعویٰ کر دے تو آدھی دیوار اسے دے دینا۔

اسی طرح ایک مرتبہ دوران سبق وہ معروف حدیث کسی مناسبت سے زیر بحث آئی جس میں ہے: "**إذا طبخت مرقة فكثِر ماء ها، وتعاهد جيرانك**" (کہ جب (گوشت کا) شوربا پکاؤ تو پانی بڑھا لو، اور اپنے پڑوسیوں کا بھی خیال رکھو) آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اچار بنانے کے لئے گھر میں بڑے برتن کی ضرورت ہوئی، پڑوسی کے گھر سے منگایا گیا، جب برتن واپس کرنے کی باری آئی تو میں نے کہا اس برتن میں اچار رکھ کر واپس کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اچار بنانے کا موسم آتا ہے تو وہ پڑوسی صاحب پوچھنے لگتے ہیں کہ برتن کب بھیجوں؟

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

آپ قناعت پسندی، سادگی، خودداری، وضع داری، عزت نفس، عالمانہ وقار، علم کے ساتھ عمل کی دولت سے نہ صرف مالا مال تھے؛ بلکہ ہم جیسوں کے لئے مثال بھی تھے، حرص وطمع اور تعلقات سازی کے فن سے نا آشنا تھے، ان باتوں پر بھی دو چار سطر لکھنے کا ارادہ تھا مگر خوف طوالت مانع ہے۔

حضرت سے ۲۴-۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۳ء میں دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی اور امام طحاوی کی شرح معانی الآثار پڑھنے کی سعادت ملی، دورہ کے بعد مزید پانچ سال اور کل سات سال دار العلوم میں رہنا ہوا، اس دوران حضرت کے بہت سے خطابات کو سننے اور ان سے مستفید ہونے کا موقع ملا جس پر ناچیز اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہے۔ میرے تدریب فی الافتا کے سال حضرت کو بخاری شریف کی جلد اول کی تدریس سونپی گئی، چنانچہ ناچیز جناب مفتی فخر الاسلام صاحب زید مجدہم نائب مفتی دار العلوم دیوبند کے ہمراہ آپ کے پہلے درس بخاری میں شریک ہوا، حضرت نے سبق شروع کے میں فرمایا: جس نے بخاری میں تین باتیں پڑھیں

اس نے بخاری پڑھی ورنہ اس نے بخاری نہیں حدیث بخاری پڑھی:

(۱) فرمایا: امام بخاری خود مجتہد ہیں وہ اپنا موقف اور علمی آراء ابواب کے تراجم کی شکل میں پیش کرتے ہیں؛ چنانچہ کہا گیا ہے کہ ''فقہ البخاری فی تراجمہ'' لہٰذا بخاری پڑھنے میں پہلا کام تراجم میں پیش کردہ بخاری کی آرا اور مجتہدات کو سمجھنا ہے۔

(۲) امام بخاری ادنی ادنی مناسبت سے تراجم کے تحت احادیث نقل کرتے ہیں، بخاری پڑھنے اور پڑھانے میں دوسرا اہم کام تراجم اور اس کے تحت نقل کی گئی احادیث میں مناسبت اور جوڑ کو سمجھنا ہے، یہ موضوع بخاری کیوالے سے اہم اور ارباب فن کی جولان گاہ رہا ہے۔

(۳) تیسری بات جو حضرت نے فرمائی وہ ذہن میں نہیں رہی، شاید مفتی فخر الاسلام صاحب کو یاد ہو، یا آپ کے درسی افادات میں موجود ہو۔ فرمایا: اگر آپ نے ان تینوں باتوں کی رعایت کے ساتھ بخاری پڑھی تو بخاری پڑھی، ورنہ اس کی احادیث پڑھیں۔

اس مقالے میں حضرت کی شخصیت اور ان کارناموں کا پیش کرنا مقصود نہیں ہے، ان باتوں کے لئے تو مبسوط مقالہ درکار ہے، سنا ہے کہ آپ کی حیات ہی میں اس پر کام شروع ہو چکا ہے، ان سطور میں تو بس اپنی تسکین خاطر کے لئے مفتی صاحب سے وابستہ اپنے مشاہدات وتاثرات کو پیش کرنا ہے، اب اگر اس حکایت میں دوسروں کو بھی اپنے مشاہدات وتاثرات کی جھلک مل جائے تو یہ میرے لئے خوشی اور سعادت کی بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی حسنات وخدمات کو شرف قبولیت بخشے، زلات کو معاف فرمائیں، مقام قرب میں جگہ عطا فرمائے، اور دارالعلوم کو آپ کا نعم البدل عطا فرما کر آپ کے خلا کو جلد پر فرمائے، **اللّٰهم لا تحرمنا أجره، ولا تفتنا بعده، واغفر لنا وله، واجمعنا معه في جنات النعيم يا رب العالمين، آمين!!**

آئی جو اُن کی یاد......

پروفیسر محمد فیضان بیگ علی گڈھ شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

دار العلوم سے قدیمی پشتینی تعلق کی وجہ سے وہاں کے اکابرین مشائخ اور اساتذہ سے یک گونہ عقیدت ہم سب گھر والوں کو رہی ہے، اگرچہ مجھے براہ راست کبھی کسی دینی ادارہ میں پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا؛ لیکن اس کے باوجود منجملہ اور حضرات کے حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ کے نام سے کان نا آشنا نہیں تھے، لڑکپن میں جب میں جامعہ ملیہ ہائر سیکنڈری اسکول میں پڑھتا تھا اور زمانے اور ماحول کے برعکس تبلیغ والوں کی برکت سے دین میں کچھ کچھ دلچسپی شروع ہوئی تھی، تو ہدایت القرآن کے نام سے ایک پارے کا ترجمہ، تشریح و تفسیر حضرت اقدس مفتی صاحب کا کاپی سائز میں چھپا تھا، وہ نظر سے گزرا، پڑھ کر بہت مفید لگا، مفتی صاحب سے غائبانہ تعلق میں ایک درجہ کی مزید زیادتی ہوئی اور اگلے پاروں کی تلاش شروع ہوئی؛ لیکن دیوبند سے براہِ راست تعلق نہ ہونے کی وجہ سے مزید پارے جو نہ معلوم چھپے تھے کہ نہیں، دستیاب نہ ہو سکے، پھر لڑکپن کے کھیل کود میں بات ذہن سے محو ہوگئی۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی زیارت غالباً 1980ء میں ہوئی، جامعہ ملیہ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی طرف سے اسلامی فکر کی تشکیل جدید کے اوپر ایک قومی سیمینار منعقد ہوا تھا، جس کی جگہ ہمارے جامعہ کے ہائر سکنڈری اسکول کا کومن روم تھا، ملک کے بڑے بڑے دانشوروں اور علماء کا اجتماع تھا، دینی شوق میں ہم بھی چلے گئے، ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ایک کونہ میں کھڑے ہونے کی جگہ ملی، سنجیدہ علمی مذاکرات تو ہمارے پلے کیا پڑتے، البتہ ایک دلچسپ لطیفہ ذہن کی سطحوں سے چسپاں رہ گیا، قدیم و جدید کا تنازعہ تھا، ملک کے مشہور دانشور پروفیسر سید طاہر محمود صاحب (جو بعد میں مائنیرٹی کمیشن کے صدر بھی رہے) مناقشہ میں حصہ لیتے

ہوئے شکایتی انداز میں بولے کہ جب ہم کچھ کہتے ہیں آپ علماء کرام تو ہماری بات پر کان دھرتے ہی نہیں، ہم کو تو آپ لوگ شیطان سمجھتے ہیں، بس پھر کیا تھا، اس کے اوپر اگلا جملہ مفتی صاحب نے چپکایا کہ **''نہیں جناب ایسا نہیں ہے، اگر ہم آپ کو شیطان سمجھتے تو فوراً لاحول پڑھتے اور آپ یہاں سے بھاگتے نظر آتے''**۔ مفتی صاحب کی اس حاضر جوابی پر پورا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا، ہم لڑکوں کو بہت اچھا لگا کہ علماء بھی اتنے بذلہ سنج ہوتے ہیں۔ اس کے بعد پھر سالہا سال تک دیوبند کی طرف کوئی رخ نہیں رہا، مفتی صاحب کو بھی تقریباً بھول گئے، عمر ذرا کچھ اور بڑھی، تو جماعتوں میں آنا جانا شروع ہوا، اس درمیان مفتی صاحب کا شمار دار العلوم کے حدیث کے بڑے اساتذہ میں ہونے لگا تھا، میں اس درمیان تعلیمی تجربی مراحل سے گذر کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اُستاذ ہو گیا تھا، اپنے تبلیغی حلقوں میں کبھی کبھی یہ بات کانوں میں پڑتی تھی کہ دار العلوم میں جو مفتی سعید صاحب ہیں، وہ اپنے درس میں، مجلس میں برملا تبلیغ کی بعض باتوں پر تنقید کرتے ہیں، سن کر اچھا نہیں لگتا تھا، سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ کیوں کرتے ہیں؟ پھر سلسلہ علی گڈھ سے دیوبند جماعتوں میں جانے کا شروع ہوا، بھائی جان حضرت پروفیسر محمد سلمان بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ -خلیفہ ومجاز بیعت حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ- جو خود بھی تبلیغ کے کام میں بہت سرگرم تھے؛ بلکہ گویا تبلیغ ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا، ان کو بھی دیوبند سے بہت عقیدت تھی، دیوبند میں وہاں کے بہت سے حضرات اُن کو جانتے مانتے بھی تھے، مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہ وغیرہ سے اُن کا خاص تعلق تھا، دیوبند کی حاضری کے دوران جماعت کے اصول کے مطابق علماء کی خدمت میں بھی حاضری ہوتی تھی، اسی سلسلے میں کسی وقت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بہت ڈرتے ڈرتے اور خدا جھوٹ نہ بلوائے اور معاف کرے بادل ناخواستہ حاضری دی، جاکر دم بخود با اَدب بیٹھ گئے؛ لیکن ذرا ہی دیر گزری تھی کہ مفتی صاحب کی شفقت اور دلچسپ باتوں، علمی نکتوں اور مزاحی چٹکلوں سے طبیعت کا تکدر بالکل دور ہو گیا اور اپنی نالائقی اور بدگمانی پہ دل خود کو ملامت کرنے لگا، پھر جب کبھی علی گڈھ سے دیوبند

حاضری ہوتی تھی، حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھی ضرور حاضر ہوتے تھے۔ ہم نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، ہمارے تایا زاد بھائی مولانا محمد رضوان قاسمی صاحب مقیم مکہ مکرمہ جو مفتی صاحب کے درسی ساتھی یا ہمعصر ہیں اُن کا حوالہ دے کر اپنا تعارف کرایا، مفتی صاحب بہت خوش ہوئے، ہاتھ کے ہاتھ کئی قصے اُن کے سناڈالے اور مانوسیت اور بڑھ گئی۔

تعلقات کی یہی حدود رہیں، جب کبھی دیوبند حاضری ہوتی تو حضرت والا سے بھی شرف ملاقات حاصل کر لیتے، پھر اللہ کی توفیق سے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ میرے بچوں محمد حیان اور محمد حبان کا داخلہ بہت نوعمری میں دارالعلوم میں ہوگیا، اب دارالعلوم میں بار بار حاضر ہونا ایک ضرورت بن گیا۔ ظاہر ہے کہ وہاں کے حضرات سے عقیدت و تعلق میں بھی اضافہ ہوا، اور جب جہاں موقع ہوا اُن حضرات کی مجالس سے خوشہ چینیوں کے مواقع بھی زیادہ فراہم ہونے لگے۔ خاص طور سے میاں محمد حبان سلمہ کو مفتی صاحب سے اور مفتی صاحب کو اُن سے تعلق بڑھنے لگا، فراغت کے بعد تحقیق شامی اور ترتیب فتاویٰ کے سلسلے میں اُن کا قیام مستقل دیوبند ہی میں ہوگیا، تو انہوں نے حضرت مفتی صاحب کی عصر بعد کی مجلس کو گویا اپنے اوپر لازم کرلیا، کسی بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لینے کی ترغیب پر مفتی صاحب کے علاوہ کسی اور کے لئے تیار نہیں ہوئے، ان کے میلان کی پختگی کو دیکھتے ہوئے میں نے مفتی صاحب سے تنہائی میں یہ بات عرض کردی اور یہ التجا بھی پیش کی کہ اب میں اِن کو آپ ہی کے سپرد کرتا ہوں، جس پر مفتی صاحب نے حامی بھری، میں سمجھ رہا تھا کہ اس قسم کی درخواستیں مفتی صاحب کے یہاں شب و روز کا قصہ ہیں، حضرت کو کب اس کا موقع ہوگا، لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب- اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے- یا تو کسی بات کے لئے ہاں نہیں کرتے تھے اور اگر کر لیتے تھے تو واقعی اس کا حق ادا کر دیتے تھے، یہ گویا ان کی خوردنوازی، عالی ظرفی اور پختگی کردار کا جزو لاینفک تھا۔ مفتی صاحب مجھ کو تھوڑا بہت تو پہچانتے ہی تھے اب اور بھی محبت فرمانے لگے، میں جب کبھی حاضر ہوتا حضرت بہت والہانہ انداز میں نہایت بشاشت کے ساتھ ''آؤ بھئی! بیگ صاحب، آگے آجاؤ'' کہہ کر آگے بلا لیتے؛ لیکن یہ ساری محبت اور سارا تعلق صرف عصر کے بعد کی مجلس

ہی تک محدود تھا، اگر اپنی حماقت سے کسی اور وقت حاضری کی اجازت مانگی تو ایک آدھ بار کے علاوہ سوکھا صاف جواب انکار ہی میں ملا۔ ایک بار حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں آج کل اعتکاف میں ہوں، تفسیر ہدایت القرآن مکمل فرما رہے تھے، فرمایا کہ بغیر اعتکاف کے کوئی کام مکمل نہیں ہوتا، اس لئے جب بھی مجھے کوئی اہم کام کرنا ہوتا ہے تو میں معتکف ہو جاتا ہوں، اس سے مراد حضرت کی تعلقات کے سلسلے کو یکسر منقطع کر کے اپنے تصنیفی کام کو مکمل کرنے کے لئے یکسو ہو جانا تھا، میں نے بھی سوچا کہ واقعی بات تو یہی ہے۔

چند ماہ کے بعد پھر حاضری ہوئی تو تفسیر ہدایت القرآن کا کام تقریباً نمٹ چکا تھا، عصر کے بعد کی مجلس میں حاضری کے بعد ایک جلد ہدایت القرآن کی از راہ عنایت مجھے بھی عطا فرمائی، مجلس سے اٹھ کے آنے لگا تو فرمایا کہ بیگ صاحب اس کے اوپر کچھ لکھ دیجیو، میں سناٹے میں آ گیا، کہ نہ میرا میدان اور نہ مجھ میں اتنی اہلیت؛ تاہم علی گڈھ واپس آنے کے بعد محض امتثال امر میں تفسیر کو دیکھنا شروع کیا، تو واقعی بہت اچھوتی، دلچسپ اور نہایت مفید معلوم ہوئی، کچھ تاثرات فی البدیہ قلمبند کروا کے ڈرتے ڈرتے حبان میاں کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں بھجوا دیے، بیس پچیس صفحے کا ایک چھوٹا سا مقالہ سا ہو گیا، حضرت کو پیش کیا گیا تو اَول سے آخر سب پڑھا اور بہت خوش ہوئے اور حبان میاں سے بہت تعریف کی۔ ظاہر ہے کہ میری تحریر اس قابل کہاں تھی، اس کو حضرت کی خوردنوازی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے، جب میں حاضر ہوا تو مجلس میں دوبارہ اپنی مسرت کا اظہار کیا، فرمانے لگے کہ لیکن تم نے اس میں تعریف ہی تعریف لکھی ہے، کچھ خامیوں کی نشان دہی بھی کرنی چاہئے، میں نے تو دیا ہی اس لئے تھا کہ کچھ تنقید لکھ کر لاؤ؛ تاکہ میری خامیاں مجھے معلوم ہوں، حالاں کہ کچھ تھوڑی تجاویز میرے ذہن میں آئیں تھیں؛ لیکن احتراماً میں نے اُن کو حذف کر دیا تھا، خیر مجلس کے اختتام پر تفسیر کا پورا سیٹ مجھ کو عنایت فرمایا اور فرمایا کہ ان پر بھی لکھنا، خاص طور پر آخری جلد کے بارے میں فرمانے لگے کہ اصل مسالہ تو اس میں ہے، اس کو بھی دیکھیو، چنانچہ میں نے آ کر اس بے ربط تحریر میں نئی جلدوں کی روشنی میں اور کچھ اضافے بھی کر دیے۔

ظاہر ہے کہ حضرت سے بہت قریب کا اور براہِ راست شب و روز والا تعلق تو مجھ پردیسی کا تھا نہیں، کبھی کبھی ٹیلی فون پر گفتگو ہو جاتی تھی، وہاں بھی حضرت کی بے تکلفی اور ذرہ نوازی کا یہی حال رہتا تھا، اس سال حضرت کی ختم بخاری کی کیفیت معلوم کر کے بہت تشویش پیدا ہوگئی تھی، ممبئی علاج کے بعد جیسے ہی پتہ چلا کہ حضرت کی طبیعت اب بہتر ہے میں نے فوراً ٹیلیفون پر خیریت معلوم کی، تو تعجب کی انتہا نہ رہی کہ حضرت بالکل ہشاش بشاش تھے، فرمانے لگے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کورونا لاک ڈاؤن شروع ہو گیا تھا، میرے سب بچوں کو فرداً فرداً پوچھنے لگے، یہاں تک کہ ایک بچی جو لکھنؤ میں تھی اس کو بھی پوچھا کہ لکھنؤ والی آ گئی کہ نہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت جب کسی سے تعلق قائم کرتے تھے تو اُس میں کتنی سچائی خلوص اور اپنائیت ہوتی تھی۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت اَب ہمارے درمیان نہیں رہے:

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

میری کیفیت کچھ اُس عرب شاعر کی طرح سے ہے، جس نے اپنے قریبی دوست کی وفات پر اپنے مرثیہ میں کہا تھا:

عجبا أتوحشني وأنت إزائي
وضياء وجهك مالء سودائي

(میں بڑے تعجب میں ہوں کہ تو مجھے شدید احساس، تنہائی اور وحشت میں مبتلا کر رہا ہے، حالاں کہ تو میرے سامنے موجود ہے اور تیرے چہرے کی تابانی میری سوادِ قلب کو پر کئے ڈال رہی ہے)

حضرت پر تو قریبی تعلقات والے تفصیل سے لکھیں گے، میں نے تو یہ چند سطور دوسروں کے لئے نہیں؛ بلکہ اپنے اندرونی جذبے کی تسکین کے لئے تحریر کی ہیں۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۲۰ء)

❍❖❍

حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحبؒ

(مانچسٹر، برطانیہ)

عالم اِسلام کی مشہور و معروف علمی شخصیت، حامی سنت و ماحی بدعت، رئیس المناظرین حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مقیم مانچسٹر انگلینڈ) گذشتہ ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴؍مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات کو ۹۵؍سال کی عمر میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے فرقِ باطلہ سے مقابلہ کی بہترین انداز میں توفیق عطا فرمائی، چناں چہ آپ نے اپنے دروس اور مفید تالیفات کی صورت میں بالخصوص عیسائیت، قادیانیت، شیعیت اور بریلویت وغیرہ کی تردید کے متعلق بہت سا مواد یکجا کردیا، جو بعد والوں کے لئے مسلسل رہنمائی کا سبب بنتا رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

''مطالعۂ بریلویت'' کے نام سے آپ کی آٹھ جلدوں پر مشتمل کتاب نے بہت شہرت حاصل کی، اِس کے علاوہ ''مطالعہ قادیانیت'' (متعدد جلدیں) اور ردشیعیت ورافضیت وغیرہ کے لئے آپ کی خدمات کو تادیر یاد رکھا جائے گا۔ نیز ''آثار التنزیل''، ''آثار الحدیث''، ''آثار التشریع'' اور ''آثار الاحسان'' کے نام سے دو دو جلدوں کی مفید تالیفات بھی آپ کی یادگار ہیں۔ اور سوال وجواب پر مشتمل ''عبقات'' نامی کتاب بھی بے مثال مباحث کا گلدستہ ہے۔

آپ ۱۹۲۵ء میں قصور (موجودہ پاکستان) میں پیدا ہوئے، آپ جامعہ اشرفیہ لاہور کے قدیم ممتاز فضلاء میں سے تھے، جہاں اپنے وقت کے اکابر علماء سے استفادہ کی سعادت ملی،

اگرچہ آپ ۱۹۷۰ء کے بعد پاکستان سے برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں مقیم ہوگئے تھے؛ لیکن ہر سال کچھ مہینوں کے لئے پاکستان تشریف لاتے اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔

آپ نے عصری اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی، اور قیام پاکستان کے زمانے میں مختلف کالجوں میں پروفیسر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں، اور کچھ عرصے کے لئے سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کے جج بھی رہے۔

راقم مرتب کو بھی انگلینڈ کے سفر کے دوران متعدد مرتبہ حضرت موصوف سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ حاضری کے وقت آپ نے اپنا تیار کردہ ایک چارٹ دکھلایا، جس میں بڑی محنت سے معتبر تاریخی حوالوں سے ''حضرات اہل بیت اور خلفاء راشدین'' اور اُن کے خانوادوں کے درمیان قریبی رشتہ داریوں کو اُجاگر کیا گیا تھا، جس سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روافض نے اِن حضرات کے درمیان مخاصمت کی جو داستانیں گھڑی ہیں، اُن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ صاحبؒ کا بنایا ہوا یہ چارٹ بعد میں بہت مقبول ہوا، اور بہت سی جگہ اُس کی اِشاعت ہوئی۔

آپ نے مانچسٹر میں اِسلامی اکیڈمی کے نام سے ایک اِدارہ قائم فرمایا تھا، اور اُسی کے تحت ایک شاندار مسجد اور اِسلامک سینٹر کی تعمیر فرمائی، اُسی کے قریب ایک مختصر پرانی عمارت میں آپ کا قیام رہا۔

بلاشبہ اِس دور میں آپ اہل سنت والجماعت کے بہترین ترجمان اور علماءِ حق کے نقیب تھے، اور قدیم وجدید علوم کے جامع تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں، اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

الحاج حافظ صغیر احمد صاحبؒ لاہور

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور ''جامعہ احسان القرآن والعلوم النبویہ'' لاہور کے بانی اور سرپرست، صاحبِ معرفت بزرگ حضرت الحاج حافظ صغیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۵/شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ مطابق ۸/جون ۲۰۲۰ء بروز پیر ۸۴/سال کی عمر میں اِس دارفانی سے رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ صاحب موصوف حضرت شیخ رحمہ اللہ کے منظورِ نظر لوگوں میں تھے، آپ اگرچہ باضابطہ عالم نہ تھے؛ لیکن علماء اور اہل اللہ سے وابستگی کی وجہ سے دین پر اِستقامت نصیب تھی۔ ۱۹۶۷ء میں سفرحج کے موقع پر مدینہ منورہ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور ۱۹۸۰ء میں حضرت شیخ نے آپ کو اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

موصوف لاہور میں ''مدینہ اسٹیشنری'' کے نام سے کتابوں وغیرہ کے کاروبار میں مشغول رہے، اور اپنے زیرِاہتمام حتی الوسع حضرت شیخ کی تالیفات بالخصوص ''چہل درود شریف'' اور ''فضائل ذکر'' وغیرہ کی طباعت واِشاعت کی فکر فرماتے رہے، تادم آخر آپ کا روحانی فیض جاری رہا۔

آپ کے صاحب زادے مولانا مفتی انیس صاحب مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور کے فاضل ہیں، اور دینی خدمات میں مشغول ہیں۔ اور آپ کے برادر اصغر الحاج نصرت اللہ صاحب پیرجی مولانا محمد طلحہ صاحب کے خاص خدام اور عشاق میں شامل رہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحبؒ کے درجات بلند فرمائیں، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزارویؒ اِسلام آباد

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل اور پاکستان کی معروف ومشہور روحانی شخصیت، ذاکر وشاغل بزرگ، جرأت مند اور حق گو عالم دین حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲ر ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۴ر جون ۲۰۲۰ء بروز بدھ کو چند روزہ علالت کے بعد انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن شام کو آپ کے قائم کردہ اِدارے ''دارالعلوم زکریا ترنول'' اسلام آباد میں ہزارہاہزار اَفراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، اور نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔

مولانا مرحوم سنتِ رسول اللہ کے متوالے اور سچے عاشق رسول تھے، دین کی محبت اُن کی رگ وپے میں رچی اور بسی ہوئی تھی۔ اپنے شیخ حضرت شیخ الحدیثؒ کے مشن یعنی تعلیم وتعلم، ذکر وشغل اور سلوک واحسان کی اِشاعت اور اُن کے مراکز کے قیام کے لئے تازندگی تگ ودو فرماتے رہے۔

پاکستان میں جو بھی تحریکات اُٹھیں، اور اغیار کی طرف سے دین کو نشانہ بنانے کی سازشیں ہوئیں، تو اُن کے مقابلے کے لئے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے جرأت مندانہ کردار کو ضرور یاد رکھا جائے گا۔

آپ مجاہد قوم وملت حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تربیت یافتہ شخص تھے، اور آپ نے مسلسل ۱۴ر سال مولانا کی خدمت میں گذارے تھے، جس کے اثرات واضح طور پر آپ کی زندگی میں نظر آتے تھے۔ سادگی، بے تکلفی، جذبہ خدمت، دین کے لئے ہر

طرح کی قربانی کا جوش آپ کی گفتار اور کردار سے ہمہ وقت جھلکتا تھا۔

سالہا سال آپ نے راولپنڈی کی ''جامع مسجد صدیق اکبر'' کے ممبر سے ہر جمعہ کو پیغامِ حق سنایا، اور احقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ پوری جرأت سے انجام دیا۔ حکومتیں آتی اور جاتی رہیں؛ لیکن یہ بندۂ حق نواز بے نیازی کے ساتھ پوری قوت سے ''رسمِ اذاں'' انجام دیتا رہا۔

مولانا موصوف کو حرمین شریفین سے بھی عشق کے درجہ کا تعلق تھا، سالوں سے شاید ہی کوئی حج ناغہ ہوا ہو، اور سال کے بیچ میں بھی کئی کئی بار حاضری ہوتی، اور زیادہ وقت مدینہ منورہ میں گذرتا تھا۔ درود شریف کا اہتمام خود بھی فرماتے، اور اپنے متعلقین کو بھی اِس کی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔

آپ صوبہ سرحد پاکستان کے ضلع مانسہرہ ہزارہ کے باشندے تھے، ۱۹۴۸ء میں پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے داداجان حضرت مولانا عبدالمنان صاحب نقشبندیؒ اور اُن کے بعد اپنے والد مولانا محمد ایوب صاحبؒ کے پاس حاصل کی۔ بعد اَزاں راولپنڈی کے مختلف مدارس میں موقوف علیہ تک پڑھا، اُس کے بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے دورۂ حدیث شریف کی ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں تکمیل فرمائی۔ فراغت کے بعد راولپنڈی کی مسجد میں امامت کی خدمت پر مامور ہوئے، اور اِس ذریعہ سے عظیم دینی اِصلاحی خدمات انجام دیں۔

طالبِ علمی ہی کے زمانے سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے تعلق قائم ہوگیا تھا، اور بیعت بھی کرلی تھی، پھر ۱۳۹۶ھ میں حرمین شریفین کے سفر کے موقع پر حضرتؒ سے تجدید بیعت کی، اور مدینہ منورہ میں کئی مہینے حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ ۱۴۰۰ھ میں جب حضرت شیخ الحدیثؒ نے فیصل آباد پاکستان میں آخری رمضان گذارا، جس میں حضرت ہزارویؒ نے ایک خادم کی حیثیت سے پوری دلچسپی کے ساتھ خدمات انجام دیں، جس کے تین مہینے کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نام پر اِسلام آباد کے مضافات ترنول میں ''دارالعلوم

زکریا'' کے نام سے ایک بڑا تعلیمی اِدارہ قائم فرمایا، جو ایک وسیع رقبے پر قائم ہے۔

راقم مرتب کے بھی حضرت موصوفؒ سے نیاز مندانہ تعلقات تھے، ملاقات پر بہت ہی شفقت کا اِظہار فرماتے، اکثر حج یا عمرہ کے موقع پر زیارت ہوتی تو مارے محبت کے لپٹ جاتے، اور انتہائی اپنائیت کا اظہار فرماتے۔ کئی سال قبل اِسلام آباد جانا ہوا، تو بڑے اصرار سے اپنے قائم کردہ اِدارے میں لے گئے، اور پر تکلف ضیافت کا اہتمام فرمایا۔

حضرت کی اچانک وفات کی خبر سے صدمہ ہوا، اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت موصوف کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، اور آپ کے چھوڑے ہوئے کاموں کو جاری اور ساری رکھیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب کراچیؒ

جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی کے مہتمم اور پاکستان کے نامور بافیض عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۱؍جون ۲۰۲۰ء بروز اتوار کو عارضہ قلب کی وجہ سے ۶۲؍سال کی عمر میں اچانک انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی مقبولیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے جنازے میں وبائی ماحول کے باوجود کئی لاکھ عوام وخواص نے شرکت کی، اور حضرت اَقدس شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مفتی صاحب موصوف بہت سی خصوصیات کے حامل عالم دین تھے، بڑے ہی وسیع الظرف، منصوبہ ساز، دور اندیش، معاملہ فہم اور باہمت آدمی تھے۔ اُنھوں نے اپنے والد جناب قاری عبدالحلیم صاحبؒ کے قائم کردہ اِدارے ''جامعہ بنوریہ'' کو عالمی اِدارہ بنانے میں عظیم کردار اَدا کیا۔ اِس اِدارے کی خصوصیت یہ ہے کہ اِس میں چین سے لے کر امریکہ تک ۵۰؍سے زائد ملکوں کے کئی سو طلبہ اور طالبات بہترین ماحول میں دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور یہاں بیرونی طلبہ کے معیار کے مطابق قیام وطعام اور تعلیم وتربیت کا عمدہ انتظام ہے۔ اِس کے ذریعہ سے دنیا کے چپے چپے پر آپ کا فیض پہنچا، اور صحیح دینی معلومات کی اِشاعت ہوئی۔ اِس اِدارے کے لئے آپ نے عام مدارس سے ہٹ کر خود کفالتی نظام بنایا، اور مدرسہ کی ضروریات کی تکمیل کے لئے مستقل آمدنی کے ذرائع پیدا کئے۔

آپ کا تعلق سورت گجرات کے ایک پارسی خاندان سے تھا، آپ کے دادا نے تقسیم ہند سے قبل اسلام قبول کیا، جس وقت آپ کے والد کی عمر ۴؍سال کی تھی، والد صاحب نے سورت

سے کراچی ہجرت کی، یہیں ۱۹۵۸ء میں مفتی صاحبؒ کی پیدائش ہوئی، آپ نے اپنے والد جناب قاری عبدالحلیم صاحبؒ سے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ''جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن'' کراچی سے فراغت حاصل کی، اور پھر وہیں ۱۶؍سال کامیاب تدریسی خدمات انجام دیں۔ اُس کے بعد ''جامعہ بنوریہ عالمیہ'' سے وابستہ ہوئے، اور پورا تن من دھن اِدارے پرقربان کرکے اُسے بامِ عروج تک پہنچایا۔ فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

مدرسہ کی مصروفیات کے علاوہ آپ نے رفاہی اور سماجی خدمات بھی انجام دیں، لوگوں کے درمیان پیش آمدہ آپسی تنازعات کے حل اور معاشرہ کے غریب طبقہ کی امداد وتعاون کے لئے بھی آپ کی خدمات کو یاد رکھا جائے گا۔

مزید یہ کہ ''روح البیان'' کے نام سے تفسیر قرآنِ کریم لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، جس کی ۸؍جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جس میں ۱۶؍ پاروں کی تفسیر آئی ہے۔

نیز آپ پاکستان کے مشہور روزنامہ ''جنگ'' میں ہر ہفتے اصلاحی مضامین بھی لکھا کرتے تھے، جن کو بہت مقبولیت حاصل تھی۔ اور آپ نے جدید ذرائع ابلاغ کو بھی دین کی نشر واشاعت میں خوب استعمال کیا، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب مرحوم کی سیئات کو درگذر فرمائیں، درجات بلند فرمائیں، اور آپ کے چھوڑے ہوئے آثار کی حفاظت اور ترقی کے فیصلے فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا سید متین الحق اُسامہ فتح پوریؒ (کانپور)

دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل، اکابر دیوبند کے افکار ونظریات کے کامیاب ترجمان، ملتِ اسلامیہ کے بےلوث خادم اور فکرمند عالم دین حضرت مولانا سید متین الحق اُسامہ صاحب فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸ جولائی ۲۰۲۰ء کی شب میں ڈھائی بجے کے قریب تقریباً ۵۴/سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن صبح آٹھ بجے نماز جنازہ کے بعد مدرسہ محمودیہ اشرف العلوم جاجمئو کانپور سے ملحق قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

حضرت مولانا اُسامہ صاحبؒ اِس دور میں فکر وعمل، جہد مسلسل اور اپنے نظریہ پر استقامت اور احقاقِ حق وابطالِ باطل میں اپنی الگ شان رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علمی وفقہی مناسبت کے ساتھ ساتھ بہترین قوتِ گویائی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ دینی واصلاحی موضوعات پر اُن کے پرمغز اور پرجوش بیانات عوام وخواص میں بہت مقبول تھے۔ پورے ملک بالخصوص مشرقی یوپی میں کسی جلسہ میں آپ کی شرکت اُس کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی، گفتار کا تسلسل اور شگفتہ بیانی ایسی تھی کہ بات دل میں اُترتی چلی جاتی، آپ کے بیانات قرآن وسنت اور اکابر کے اِفادات کے دائرے میں ہوتے تھے۔ آپ اپنے بیانات میں آیاتِ قرآنیہ سے بہترین استدلال اور احادیث شریفہ سے برمحل استفادہ کی کوشش فرماتے تھے۔ اُمت تک صحیح دین کی تبلیغ کے لئے آپ راتوں رات سفر فرماتے، اور جلسوں میں بیانات کا دورانیہ بھی طویل ہوتا، اکثر ڈیڑھ دو گھنٹے کا بیان ہوتا تھا۔ اِس مسلسل محنت ومشقت نے آپ کی صحت کو نہایت متأثر کیا، شوگر بہت زیادہ رہنے لگی؛ لیکن آپ کے معمولات اور جدوجہد میں کوئی کمی نہ آئی۔ بالآخر ملت اسلامیہ کا یہ گوہر نایاب ایک تھکے

ہوئے مسافر کے مانندابدی آرام گاہ میں جا کر آسودۂ خواب ہوگیا۔

مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا مبین الحق صاحبؒ بڑے ہی وضع دار اور باوقار شخصیت کے حامل تھے۔ کانپور کے قدیم تاریخی اِدارے ''جامع العلوم'' پٹکاپور کے مؤقر اُستاذ اور جمعیۃ علماء شہر کانپور کے صدر رہتے تھے۔ حضرت مولانا اُسامہ صاحبؒ کی تربیت بھی اُسی ماحول میں ہوئی، موقوف علیہ تک والد صاحب کی سرپرستی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ازہر ہند دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں فراغت ہوئی، تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ ملی ورفاہی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ جمعیۃ علماء شہر کانپور کو ایسا متحرک کیا، اور اس کے دائرۂ اثر کو عوام میں اس قدر وسیع کیا کہ جمعیۃ کی یہ مقامی اکائی دیگر علاقوں کے لئے ایک بہترین نمونہ بن گئی۔ اِنہی خدمات کی بدولت حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کا خاص اعتماد آپ کو حاصل ہوا، اور حضرت کے زمانے میں آپ کو جمعیۃ کی مرکزی مجلس عاملہ میں مستقل مدعو خصوصی بنایا گیا، اور حضرت کے وصال کے بعد ۲۰۰۸ء سے آپ کو رکن عاملہ نامزد کیا گیا۔ صوبائی جمعیۃ میں بھی آپ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ کے دورِ صدارت میں ناظم کے عہدے پر رہے، اور اس کے بعد حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمیؒ کے دور میں نائب صدر رہے؛ تا آں کہ ۲۰۱۶ء میں آپ کو جمعیۃ علماء اترپردیش کا صدر منتخب کیا گیا۔

شہر کانپور میں فرقِ باطلہ کے تعاقب اور اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں آپ کی روشن خدمات کو بھلایا نہ جاسکے گا۔ تحفظ ختم نبوت، تحفظ ناموسِ صحابہ، فتنۂ انکارِ حدیث اور ردِ بدعات کے متعلق آپ سلسلہ وار چھوٹے بڑے پروگرام مسلسل کرتے رہتے تھے۔ آپ رابطہ مدارسِ عربیہ دار العلوم دیوبند مشرقی اترپردیش زون-۱ کے صدر بھی تھے۔

۲۰۰۳ء میں آپ نے اپنے والد صاحب مرحوم کی ''جامع مسجد جاجمئو'' میں ایک عظیم دینی اِدارے ''مدرسہ محمودیہ اشرف العلوم'' کی بنیاد رکھی، جو بہت ہی کم مدت میں علاقہ کا مرکزی اِدارہ بن گیا، اِس اِدارے کے تحت پچاس سے زیادہ مکاتب بھی آپ کی زیرنگرانی چلتے تھے۔

اِس کے علاوہ فضلائے مدارس میں عصری علوم کی ترویج کے لئے آپ نے مرکز المعارف کے طرز پر ''حق ایجوکیشن ٹرسٹ'' کے نام سے ایک اِدارہ قائم کیا، جس میں خالص دینی ماحول میں جدید علوم کی تعلیم دینے کا نظم ہے۔

ساتھ میں آپ محکمہ شرعیہ کے صدر اور شہر قاضی بھی تھے، عائلی مسائل کے حل میں بھی آپ کی خدمات کو یاد رکھا جائے گا، آپ نے شہر کے نوجوان مفتیان پر مشتمل ایک فقہی مجلس بھی بنا رکھی تھی، جس میں جدید مسائل پر غور وخوض ہوتا تھا، اور مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

مسلم معاشرے کے ساتھ غیر مسلموں کے مختلف طبقات سے آپ کے اچھے روابط تھے، قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے آپ مسلسل کوشاں رہتے تھے، اور اِس سلسلے میں حسب موقع پروگراموں کا انعقاد بھی کراتے رہتے تھے۔ الغرض آپ کی ذات ایک مستقل انجمن کی حیثیت رکھتی تھی۔

آپ کی اچانک جدائی یقیناً متعلقین بالخصوص مدارس اور جمعیۃ سے وابستہ حضرات کے لئے یقیناً باعث قلق ہے؛ لیکن حکم ربی کو ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے۔

اِس موقع پر ہم موصوف کے قریبی اعزاء بالخصوص حضرت مولانا سید محمد طلحہ صاحب نقشبندی دامت برکاتہم، حضرت مولانا مفتی سید محمد حذیفہ صاحب مدظلہ اور صاحب زادے مولوی سید محمد امین الحق عبداللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تعزیت مسنون پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اپنے خاص قرب سے نوازیں، اُن کی دینی خدمات کو قبول فرمائیں، اُن کے چھوڑے ہوئے کاموں کی حفاظت فرمائیں، اور اُمت مسلمہ کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا مفتی خیرالاسلام صاحب

اَمیر شریعت آسام ومشرقی صوبہ جات نائب صدر جمعیۃ علماء ہند وشیخ الحدیث دارالحدیث پرمائی بھیٹی آسام

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر اور اَمیر شریعت شمال مشرقی ہند حضرت مولانا مفتی خیرالاسلام صاحب (ناگاؤں آسام) گذشتہ مؤرخہ ۳؍جولائی ۲۰۲۰ء مطابق ۱۱؍ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ بروز جمعہ طویل علالت کے بعد ۸۴؍سال کی عمر میں رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف کی نماز جنازہ ڈوہ گاؤں آسام میں بروز جمعہ بعد نماز عصر اُن کے صاحب زادے مولانا مفتی فخرالدین صاحب کی اِمامت میں اَدا کی گئی، جس میں کثیر مجمع نے شرکت کی۔ مولانا مرحوم جلیل القدر عالم، متقی اور زاہد وغنی النفس انسان تھے، وہ آسام میں پھیلے ہوئے سیکڑوں مدارس وجامعات کے سرپرست اور مرجع کثیر الخلائق تھے۔ آسام کی معروف علمی ودینی شخصیت اور امیر شریعت اول حضرت مولانا شیخ احمد علی بانس کنڈی نوراللہ مرقدہٗ کے منظور نظر رہے۔ شیخ بانس کنڈی کے انتقال کے بعد ۲۰۰۰ء میں منصب امارت سے سرفراز ہوئے اور تاحیات اس عہدے پر فائز رہے۔

مولانا مرحوم نے ۱۹۶۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد دارالحدیث جے نگر آسام میں درس وتدریس کا آغاز کیا، دوس سال بعد ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم پرمائی بھیٹی آسام میں درس وتدریس سے وابستہ ہوئے، جہاں تاحیات شیخ الحدیث کے فرائض انجام دیتے رہے۔

اِس کے علاوہ مرحوم جمعیۃ علماء آسام کے نائب صدر اور دینی تعلیمی بورڈ کے بھی صدر تھے، ۲۸؍اکتوبر ۲۰۱۷ء کو دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی میں منعقد اجلاس مجلس منتظمہ میں مولانا کو جمعیۃ علماء ہند کا کل ہند نائب صدر منتخب کیا گیا، وہ تا دم واپسیں اِس عہدے پر فائز رہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری اور ناظم عمومی حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی نے مولانا ممدوح کے وصال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے، اُنہوں نے کہا کہ مولانا کے انتقال سے ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، وہ جمعیۃ علماء کی تحریکات اور سرگرمیوں میں نصب صدی سے زائد عرصے تک ایک مرد مجاہد کی طرح وابستہ رہے، اور جسم ناتواں اور مسلک درویشی کے باوجود باطل قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اُن کی جلیل القدر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان تمام نعمتوں سے نوازے جو اولیاء ومقربین کے لئے مخصوص ہیں، اور اُن کے مرابت میں ترقی فرماتا رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے جملہ پسماندگان بالخصوص صاحب زادہ عزیز مولانا مفتی فخر الدین صاحب ودیگر حضرات سے تعزیت مسنونہ ودلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل اور حضرت موصوف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا اَمان اللہ صاحب قاسمی

مہتمم جامعہ حسینہ شری وردھن کوکن و نائب صدر جمعیۃ علماء ہند

خطہ کوکن (صوبہ مہاراشٹر) کے عظیم رہنما اور عالم دین، جامعہ حسینیہ شری وردھن کے مہتمم اور جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت مولانا اَمان اللہ صاحب بروڈ قاسمی گذشتہ مؤرخہ ۱۲/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۴/جولائی ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ کو چند دن علالت کے بعد وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا اَمان اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی متواضع، بردبار، ملنسار، اُصول پسند اور مخلص ترین اِنسان تھے۔ پوری زندگی قوم وملت کی خدمت میں گذاری۔ ایک طرف آپ اپنے والد ماجد جناب حاجی عبدالرحیم بروڈ (خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کے قائم کردہ جامعہ حسینیہ شری وردھن (جو کوکن کا سب سے مرکزی اِدارہ ہے) کے کامیاب مہتمم تھے، آپ کا حسن انتظام اور طلبہ واَساتذہ کے ساتھ مشفقانہ رویہ زبان زد تھا۔ دوسری طرف علاقائی ملی وتعلیمی تنظیموں مثلاً جماعۃ المسلمین، مدنی مجلس، مجلس علمی، شافعی فقہ اکیڈمی وغیرہ کے سرگرم رکن؛ بلکہ سرپرست تھے، اور ساتھ میں آپ کو گذشتہ ٹرم میں مرکزی جمعیۃ علماء ہند کا نائب صدر بھی منتخب کیا گیا تھا، اِن سب ذمہ داریوں کو آپ بحسن وخوبی نبھا رہے تھے۔

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری صدر جمعیۃ علماء ہند ومعاون مہتمم واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند سے بہت رابطہ رکھتے تھے، اور اُن کے معتمد علیہ تھے۔

وفات سے چند دن قبل بھی علاقہ میں سمندری طوفان سے متأثرہ آبادی میں بذاتِ خود تشریف لے جاکر ریلیف کا کام کیا، واپسی پر طبعیت خراب ہوئی، اور چند ہی دن بیمار رہ کر اپنے مالک کے حضور پہنچ گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۹۷۸ء میں فراغت ہوئی، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے آپ ہم درس تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا سید ولی اللہ صاحب قاسمیؒ نظام آباد

صوبہ تلنگانہ کی معروف ومشہور شخصیت، باوقار، مخلص اور ہر دل عزیز عالم دین، جمعیۃ علماء ضلع نظام آباد کے صدر حضرت مولانا سید ولی اللہ صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۵؍ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۷جولائی ۲۰۲۰ء بروز جمعہ عشاء کے وقت تقریباً ۶۰؍سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف بہترین مدرس، مشفق ومہربان مربی، قرآنِ کریم کے صاحب طرز مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ملی اور سماجی معاملات میں ملت کے مثالی قائد اور رہبر تھے۔ موصوف کو اپنی تواضع وانکساری، ملنساری اور خوش مزاجی کی وجہ سے سماج کے ہر طبقے میں مقبولیت ومحبوبیت حاصل تھی۔ بالخصوص جمعیۃ علماء کی تحریکات میں آپ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، اور اُس کے اسٹیج سے قوم وملت کی خدمت کے لئے مسلسل سرگرم رہتے تھے۔ علاقہ کے مسلم وغیر مسلم لوگ سب ہی آپ کا بے حد احترام کرتے، اور آپ کے مشوروں کو مقامی وضلعی انتظامیہ بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

موصوف کا آبائی وطن رٹول ضلع میرٹھ تھا، آپ کے والد مولانا سید محمد عیسیٰ صاحبؒ نظام حیدرآباد کے زمانے میں اسکول میں تدریسی ملازمت کی غرض سے نظام آباد کے علاقے میں تشریف لے گئے تھے۔ اسی درمیان ۱۹۶۰ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ رحمانیہ حیدرآباد میں حاصل کی، پھر مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں داخل ہوئے، اور متوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۸۰ء میں فراغت ہوئی۔ بعد اَزاں ایک سال مدرسہ رفیق العلوم آمبور تمل ناڈو میں تدریسی خدمت انجام دی، اُس کے بعد نظام آباد لوٹ آئے، اولاً یہاں ایک سال جامع مسجد میں اِمامت وخطابت کے فرائض انجام دئے، اُس کے بعد ۱۹۸۳ء سے تادمِ آخر یعنی مسلسل ۳۷؍سال ''مکہ مسجد'' نظام آباد کے اِمام

وخطیب رہے۔ اِس دوران آپ نے اِس مسجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور ۳۷ر سال میں چار دور مکمل کئے، جس سے عوام وخواص کو بہت فیض پہنچا۔

۱۹۹۰ء میں آپ نے عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باندوی کی دعا اور اپنے رفیق خاص حضرت مولانا محمد آصف صاحب کی معیت میں ''مدرسہ مظہر العلوم'' آٹونگر نظام آباد کی بنیاد رکھی، جلد ہی آپ کی انتھک محنت سے یہ مدرسہ پورے علاقے کا دینی وعلمی مرکز بن گیا، اور بے شمار طلبہ نے اِس سے استفادہ کیا، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اسے جاری اور ساری رکھیں، اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

مولانا موصوف ایک عرصہ سے شوگر کے مریض تھے، صبح وشام انسولین استعمال کرتے تھے، وفات سے ایک ہفتہ قبل معمولی بخار کا سلسلہ شروع ہوا، جو بڑھتے بڑھتے وفات کا سبب بن گیا، تکلیف زیادہ ہونے پر ضلع اسپتال میں داخل کیا گیا، وہاں بھی جب طبعیت نہیں سنبھلی تو حیدرآباد لے جانے کا فیصلہ کیا گیا؛ لیکن ابھی اسپتال سے ایمبولینس میں حیدرآباد کے لئے روانہ ہی ہوئے تھے کہ کچھ فاصلے پر پہنچ کر وقت موعود آپہنچا، اور آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

فوری طور پر آپ کو مدرسہ لایا گیا، جہاں غسل اور تجہیز وتکفین کے مراحل طے ہوئے، اور رات میں بارہ بجے کئی ہزار افراد نے روتے اور بلکتے ہوئے آپ کے رفیق خاص مولانا محمد آصف صاحب مدظلہ کی اقتداء میں نماز جنازہ اَدا کی، بعد ازاں نظام آباد کے قدیم قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

ناکارہ مرتب سے مولانا موصوف کا خصوصی لگاؤ تھا، بارہا مولانا کی دعوت پر نظام آباد حاضری ہوئی، اور موصوف کی ہمہ جہت خدمات اور مقبولیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، فون کے ذریعہ بھی مسلسل رابطہ رہتا تھا، اُن کی اچانک وفات سے بہت صدمہ ہوا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔ (ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء) ❍ ❖ ❍

سید مسعود الدین صاحب ممبئیؒ

ندائے شاہی کے قدیم قدرداں اور مدرسہ شاہی کے معاون اور حضرت مولانا سید مستحسن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُستاذ مدرسہ شاہی کے خانوادے سے تعلق رکھنے والے بڑے ہی وضع دار اور باوقار محبّ العلماء بزرگ، جناب سید مسعود الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقیم جوگیشوری ممبئی گذشتہ ۱۱رشوال المکرّم ۱۴۴۱ھ مطابق ۴رجون ۲۰۲۰ء بروز جمعرات بوقتِ عشاء (شبِ جمعہ) انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کورونا کی وبا کی وجہ سے رات ہی میں آپ کی تجہیز وتکفین کی گئی، اور اگلے دن بوقتِ اشراق آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی، اور جنوبی ممبئی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

موصوف کا آبائی وطن نہٹور ضلع بجنور تھا؛ تاہم آپ کے والد ماجد حکیم سید رحیم الدین صاحب طب وحکمت کے سلسلے میں سادات کی مشہور بستی منصور پور ضلع مظفر نگر منتقل ہوگئے تھے۔ (جہاں ۱۹۵۰ء میں حکیم صاحب موصوف کا انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہیں) سید مسعود الدین صاحب کی پیدائش غالباً ۱۹۲۷ء میں ہوئی، اور آپ کا بچپن والد صاحب کے ساتھ منصور پور گذرا، جس کی وجہ سے ساداتِ منصور پور سے گہرے مراسم قائم ہوئے، جسے آپ نے تاعمر بہتر طور پر نبھایا، اور خاندان کے ایک فرد ہونے کی طرح تعلقات برقرار رکھے۔

۱۹۴۳ء میں آپ طلبِ معاش کے لئے ممبئی منتقل ہوگئے، اور بڑی ہی محنت اور تندہی سے رزقِ حلال حاصل کیا۔ شروع میں اگرچہ بہت مشقت اُٹھانی پڑی؛ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے کافی وسعت عطا فرمائی، اور فارغ البال ہوکر زندگی گذاری۔

آپ کی زندگی دین کے رنگ میں پوری طرح رنگی ہوئی تھی، جمعہ اور نماز باجماعت کا

اہتمام مثالی تھا، علماء اور اہل مدارس سے خاص ربط و تعلق تھا۔ ندائے شاہی کو بھی بہت ہی ذوق وشوق سے پڑھتے تھے، اور اُس کی فائل بنا کر رکھتے تھے، اور دیگر لوگوں کو بھی اُس کی ممبر سازی کی تشکیل کیا کرتے تھے۔

راقم مرتب چند ماہ قبل ایک مختصر سفر پر ممبئی گیا، تو اخبار کے ذریعہ معلوم ہوکر بے چین ہوگئے، اور سخت ضعف کے باوجود احقر کی قیام گاہ کا پتہ چلا کر آٹو رکشہ سے اکیلے ملنے کے لئے تشریف لے آئے، کافی دیر تک ساتھ رہے، اور بڑی مسرت وبشاشت کا اظہار فرمایا۔

موصوف کی وفات کو سن کر اَفسوس ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، اور رفع درجات سے نوازیں۔ قارئین سے بھی دعا وایصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہریؒ

معروف عالم ربانی، نمونۂ سلف، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم اعلیٰ، دامادِ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہری نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۸؍ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰؍جولائی ۲۰۲۰ء بروز پیر شام ۵؍بجے مختصر علالت کے بعد رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن بعد نماز عشاء جامعہ مظاہر علوم جدید کے اِحاطے میں حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی، اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا موصوف کا شمار اِس دور کے اکابر علماء میں ہوتا تھا، آپ اپنی سنجیدگی، وقار، ورع وتقویٰ، خوش خلقی، معاملہ فہمی اور حسن انتظام کے ساتھ ساتھ تدریس وخطابت میں بھی ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔

ایک عظیم مرکزی اِدارے کے عہدہ انتظام کے دوران جس طرح آپ نے اپنا تعلیمی اور تدریسی مشغلہ بحسن وخوبی برقرار رکھا، وہ ہم سب کے لئے مشعل راہ اور لائق تقلید ہے۔

آپ کی زبان بہت صاف اور رواں تھی، گفتگو کا بے تکلف انداز دل کو موہ لینے والا تھا۔ عام وعظ وخطابت کی مجلسوں میں بھی علمی رنگ نمایاں رہتا تھا۔ تدریس میں بھی آپ کو بے حد قبولیت حاصل تھی، خصوصاً آپ کا مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف کا درس بہت مقبول تھا۔

آپ کے ۲۴ ر سالہ دورِ نظامت میں جامعہ مظاہر علوم نے تعلیمی اور تعمیری ہر اعتبار سے بے مثال ترقی کی۔ زکریا منزل کی شاندار عمارت آپ ہی کے دور میں مکمل ہوئی، اِس کے علاوہ دارِ جدید کے اَطراف میں دسیوں مکانات خرید کر مدرسہ کے رقبہ میں اِضافہ کیا گیا، اور حسبِ ضرورت تعمیرات کی گئیں۔ اِسی طرح جامعہ کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کو امتیازی مقام آپ کی توجہ سے حاصل ہوا۔

آپ کی مکمل تربیت برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے زیرِ نگرانی ہوئی، مظاہر علوم میں تعلیم کے زمانے میں آپ ہر درجہ میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، اور امتیازی انعامات کے مستحق قرار پائے۔ فراغت کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کے علمی و تصنیفی کاموں میں حوالہ جات کی تخریج اور مسودات کی کتابت میں شریک رہے، جس سے استعداد میں مزید پختگی اور گیرائی حاصل ہوئی۔ اپنی سلامت روی، ذہانت اور حسنِ اَدب کی وجہ سے آپ سبھی اَساتذہ بالخصوص حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر رہے۔

آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اِجازت وخلافت بھی حاصل تھی، اور رمضان المبارک میں تراویح میں حضرت شیخ کی حیات میں ۱۷ ر مرتبہ قرآنِ کریم سنانے کی سعادت حاصل کی۔ آپ بہت صاف اور بہت رواں انداز میں قرآنِ پاک پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر کوئی بوجھ نہ ہوتا تھا۔

صاحب زادۂ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ نے وفات سے قبل آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، اور خانقاہِ خلیلیہ (کچا گھر) کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمائی تھی، جسے آپ نے بحسن وخوبی نبھایا اور فجر کے بعد مجلس ذکر اور عصر کے بعد کی اصلاحی مجلس میں آپ اہتمام سے شرکت فرماتے رہے، اور بے شمار لوگوں نے آپ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔

تاریخ ولادت: ۱۳/ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۰/اکتوبر ۱۹۴۶ء۔

والد ماجد: حضرت مولانا مفتی سید محمد یحییٰ صاحبؒ۔

جد امجد: حضرت مولانا حکیم سید محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

مظاہر علوم میں داخلہ: شوال ۱۳۸۱ھ مطابق اپریل ۱۹۶۲ء۔

فراغت: ۱۳۸۶ھ۔

تدریس: ۱۳۸۷ھ میں مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۳۹۶ھ میں اُستاذ حدیث بنائے گئے اور مشکوٰۃ شریف زیر درس آئی۔

نظامت: ۱۴۱۳ھ میں نائب ناظم اور ۱۴۱۷ھ میں باقاعدہ ناظم بنائے گئے، اور تادم وفات اِس عہدے پر فائز رہے۔

اِس موقع پر ہم آپ کے صاحب زادے اور جانشین جناب مولانا سید محمد عثمان صاحب مظاہری اور اُن کے برادران، نیز حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب زید مجدہم امین عام جامعہ مظاہر علوم و حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہم مرکز نظام الدین دہلی کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات کو بلند فرمائیں، اور جامعہ مظاہر علوم اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، اور سبھی متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

نوٹ:- حضرت کے متعلق مذکورہ بالا تاریخیں مکرمی جناب مولانا عبداللہ خالد صاحب مدیر ''رسالہ مظاہر علوم'' کے مختصر مضمون سے ماخوذ ہیں۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۲۰ء)

ذکرِ معز الدین

بیاد: محبِّ مکرم

حضرت مولانا معز الدین احمد صاحب گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ

ناظم امارتِ شرعیہ ہند دہلی

(ولادت: ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء، وفات: ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۰ء)

مولانا معز الدین احمد صاحب - ایک نظر میں

نام:	معز الدین احمد
والد کا نام:	مولانا عبدالحمید صاحب
تاریخ پیدائش:	۳/مارچ ۱۹۶۳ء مطابق ۶/شوال المکرّم ۱۳۸۲ھ
جائے پیدائش:	موضع ''دتلو پور'' ڈاک خانہ سرائے خاص، ضلع بلرام پور، اتر پردیش
پرائمری تعلیم:	مدرسہ فیضانُ العلوم دتلو پور
حفظ قرآن:	مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (۷۳-۱۹۷۷ء)
ابتدائی عربی تعلیم:	مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (۷۷-۱۹۷۸ء)
متوسطات عربی:	مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور کانپور
داخلہ دارالعلوم دیوبند:	۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء
سند فضیلت:	۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء
معین مدرس:	۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء
تقرر جمعیۃ علماء ہند:	۱۹۸۷ء
اعزازی تدریس:	مدرسہ حسین بخش مٹیا محل دہلی (۱۹۹۰ء-۱۹۹۳ء)
متعلقہ خدمات:	ناظم امارتِ شرعیہ ہند (بیت المال، رویت ہلال، محکمہ شرعیہ)
	ناظم اِدارۃ المباحث الفقہیۃ، رکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند
وفات:	۱۳/ستمبر ۲۰۲۰ء
تجہیز و تکفین:	دفتر جمعیۃ علماء ہند
مقام نمازِ جنازہ:	دفتر جمعیۃ علماء ہند
امامت نمازِ جنازہ:	حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ
تدفین:	جدید قبرستان اہل اسلام، دلی گیٹ دہلی

ممتاز خوبیوں کے حامل

تأثرات: اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہم
صدر جمعیۃ علماء ہند، معاون مہتمم واُستاذ حدیث دار العلوم دیوبند

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

دنیا فانی ہے اِس لئے دنیا میں پیدا ہونے والی ہر چیز فانی ہے، ہر شخص کو فنا ہونا ہے، دوام تو بس اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اور فنا ہونے کے لئے ہر شئ کا ایک وقت متعین ہے؛ تاہم یہ سال بہت سے لوگوں کا وقت موعود بن گیا، بڑی تعداد میں صلحاء اور اہل علم اِس سال اللہ رب العزت کو پیارے ہوگئے۔ اُنہی ذی علم، ہنرمند اور نیک طینت علماء میں سے ایک مولانا معز الدین احمد مرحوم بھی تھے۔

مولانا معز الدین احمد سے میری پہلی ملاقات دیوبند ہی میں ہوئی تھی، اور اُن کی صلاحیتوں کا پہلا تأثر درجۂ پنجم عربی میں ''مقاماتِ حریری'' اور ''مختصر المعانی'' کی جوابی کاپیوں سے قائم ہوا تھا۔ یہ اُن کا پہلا امتحان تھا جس سے اُن کی صلاحیت اور علمی لیاقت واضح طور پر سامنے آئی تھی۔ اُن کے والد مولانا عبد الحمید صاحب مدظلہم کی حضرت شیخ الاسلام اور حضرت فدائے ملت رحمہما اللہ سے والہانہ عقیدت کی وجہ سے مولانا معز الدین احمد کا تعلق مجھ سے بھی مضبوط ہوتا چلا گیا، اور اُن کی علمی لیاقتوں اور پڑھنے لکھنے کے بے مثال جذبے کی وجہ سے میرا لگاؤ بھی بڑھتا چلا گیا۔

دار العلوم دیوبند نے ماہ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں تحفظ ختم نبوت اور ردقادیانیت کے عنوان پر

ایک عالمی کانفرنس منعقد کی، جس کا کنوینر راقم الحروف کو بنایا گیا۔ اِس کانفرنس کے جملہ اُمور میں مولانا معز الدین احمد نے نہایت لگن اور دل جمعی سے حصہ لیا اور میری معاونت کی؛ اگرچہ مجلس کی طرف سے اُنہیں کسی بھی طرح کی باضابطہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی تھی؛ لیکن اس کے باوجود اُنہوں نے کانفرنس کے بحسن وخوبی انعقاد میں بے مثال دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اِس کانفرنس سے اُن کی انتظامی صلاحیتیں بھی اِس طرح اُجاگر ہوئیں کہ ہر کوئی اُن کے کاموں کی تحسین کرتا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت فدائے ملتؒ کی جوہر شناس آنکھیں اُن پر ٹِک گئیں اور موصوف نے اُنہیں ''امارتِ شرعیہ ہند'' کے لئے منتخب کرلیا۔

اُن کی زمانۂ طالب علمی سے قائم ہونے والا یہ تعلق ہر گذرتے لمحے کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا، وہ میرے بچوں سے بھی کافی تعلق رکھتے تھے۔ عزیزم محمد سلمان سلمہ کے ہم عمر تھے اور دونوں میں تعلق بھی کافی تھا۔ اُن کے تمام علمی کاموں میں معاونت کو لازمی تصور کیا کرتے تھے۔ ''جدوجہد آزادی میں علماء اور عوام کا کردار'' اور اسی طرح ''فتاویٰ شیخ الاسلام'' اور ''تاریخ شاہی نمبر'' کی ترتیب وتدوین میں اُن کا کافی کردار رہے۔ وہ عزیزی محمد عفان سلمہ کو بھی کافی چاہا کرتے تھے۔ عزیزان ابوبکر وہشام سلمہما وغیرہ تو خود اُنھیں کے بچوں جیسے تھے۔ دہلی آمد ورفت میں وہ میرا کافی خیال رکھا کرتے تھے، یہ سب باتیں اُن کی بے لوث محبت اور سعادت مند شاگرد ہونے کی غمازی کرتی ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند میں اُن کے ذمہ ''امارتِ شرعیہ ہند'' کا کام تھا؛ لیکن وہ اپنی دلچسپی سے ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کے انتظامی اُمور بھی انجام دیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے ملک کے طول وعرض میں دورے کئے، اور بہت سی صوبائی امارتیں قائم کیں، ضلعی سطح پر شرعی محکمے قائم کئے، اور رؤیت ہلال کے سلسلے میں مختلف علاقوں کے اَصحابِ بصیرت سے رابطہ کرکے ۳۰ رسال سے زائد عرصہ تک مستقل طور پر رؤیت ہلال کی میٹنگیں منعقد کیں اور چاند کی رؤیت اور عدم رؤیت کی اطلاعات مہیا کیں۔ اِسی طرح جدید مسائل میں شرعی رہنمائی کے لئے متعدد فقہی اجتماعات

منعقد کرائے، ان اجتماعات میں اُن کی محنت اور جاں سوزی لائق تحسین ہوا کرتی تھی۔

شخصی طور پر وہ نہایت زیرک، ذکی و فطین اور اعلیٰ علمی استعداد کے حامل تھے، نہ صرف درسیات؛ بلکہ دیگر فنون کی کتابوں پر کافی عبور تھا، اور فقہی جزئیات میں لائق اعتماد مہارت تھی۔ نہایت درجہ خلیق، مہمان نواز، سب کی دیکھ بھال رکھنے والے اور خاص کر صلہ رحمی میں ممتاز شخص تھے۔

اللہ رب العزت مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، اِس مجموعے کو لوگوں کے حق میں مفید اور سود مند بنائیں، اور اِس کام میں شریک تمام اَحباب کو اَجر جزیل عطا فرمائیں، آمین۔

مطالعہ کے شوقین

اَز: جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم
صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

''مولوی معز الدین مرحوم'' سے میرے تعلقات اُن کی زمانۂ طالب علمی سے تھے، اُنہوں نے مجھ سے ''ترمذی شریف'' پڑھی تھی۔ مجھے اِس بات کی خوشی تھی کہ اُن کا ذوق اور مطالعہ کا شوق بڑا اچھا تھا، وہ اِدھر اُدھر کے واہیات مشاغل میں نہیں رہتے تھے، اِسی بنا پر وہ دار العلوم دیوبند میں معین المدرسین رکھے گئے تھے۔

جب امارتِ شرعیہ ہند کا قیام عمل میں آیا، تو وہ جمعیۃ علماء ہند اور امارتِ شرعیہ ہند سے وابستہ ہوگئے، اور امارتِ شرعیہ ہند اور جمعیۃ علماء ہند کے سلسلے میں جو معلومات کا ذخیرہ اُن کے پاس تھا؛ میں سمجھتا ہوں کہ جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں کسی کے پاس نہیں۔ اَب وہ دنیا سے چلے گئے اور معلومات کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لے گئے، میں سمجھتا ہوں کہ کوئی دوسرا آدمی جو اُن کی قائم مقامی کر سکے دفتر کے اندر موجود نہیں ہے۔ میرے خیال میں اُن جیسی صلاحیت کا آدمی ملنا بھی آسان نہیں ہے۔ اُنہیں پڑھنے پڑھانے اور مطالعہ کا بڑا پسندیدہ ذوق تھا ان کا کمرہ گویا ایک چھوٹا سا کتب خانہ تھا۔ مجھ کو جب کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تھی وہ چاہے جمعیۃ سے متعلق ہو، چاہے کسی اور سے یا پرانی تاریخ سے، تو میں اسے تلاش کرتا تھا اور مجھے نہیں ملتی تھی، تو میں مولوی معز الدین احمدؒ سے کہتا تھا اور اکثر وبیشتر یہ ہوا کہ وہ اُن کے پاس سے ملی، یا اُنہوں نے

جمعیۃ علماء ہند کی ''محمودیہ لائبریری'' سے نشان دہی کر کے یا نکلوا کر مجھے دی۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا یہ پڑھنے پڑھانے اور کتابوں کے مطالعہ کا ذوق اخیر تک باقی رہا۔

جمعیۃ علماء ہند کے شعبہ ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کے بھی وہ معتمد تھے، جس محنت وجانفشانی سے اُنھوں نے ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے تحت ہونے والے اِجتماعات کی ذمہ داریوں کو انجام دیا، اِس سے اُن کی لگن اور صلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اب وہ دنیا سے چلے گئے، وہ اگرچہ شوگر کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے؛ لیکن ایسا خیال نہیں تھا کہ وہ اِس مرض کے شکار بن جائیں گے اور ہم سے دور ہو جائیں گے۔ بہر حال آپ کے لئے یہ انتہائی صبر آزما مرحلہ ہے، ماں باپ کو جو تعلق اپنی اَولاد سے ہوتا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے؛ لیکن بہر حال صبر کے سوا کوئی چارۂ کار بھی نہیں ہے۔

میں بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، اُن کے درجات بلند کرے، اُن کے بچوں کی نگہبانی فرمائے۔ خدا کرے وہ بچے بھی باپ کی طرح عالم با عمل بنیں۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو صبر جمیل سے نوازے اور سب کی نگہبانی فرمائے، آمین۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

نمونۂ سلف حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہم مہتمم ومحدث دارالعلوم دیوبند

گذشتہ ایک سال میں ملتِ اسلامیہ ہند جن اہم اور عظیم شخصیات سے محروم ہوئی ہے، ان میں نمایاں اور اہم ترین شخصیات میں ایک نام جناب مولانا معزالدین احمد صاحب گونڈوی کا ہے۔ اچانک ان کی بیماری کی اطلاع ملی، پھر بیماری کے تشویشناک صورت اختیار کرلینے کی اطلاعات ملتی رہیں۔ اس دوران کبھی کچھ امیدافزا خبر ملی اور کبھی مایوس کن؛ تاآنکہ وہ اندیشہ حقیقت کی صورت اختیار کرگیا جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا، اور موت وحیات کی کشمکش سے نجات پاکر مولانا معزالدین احمد صاحب جوارِ رحمت میں منتقل ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اور یہ حالات بھی ایسے ماحول میں پیش آئے کہ نہ بیماری میں عیادت وزیارت کا موقع نصیب ہوسکا، نہ انتقال کے بعد تجہیز وتدفین میں شرکت کا۔

انتقال کے حادثہ پر کئی مہینے گذر چکے ہیں؛ لیکن سارا واقعہ کل کا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کی خدمات کا بھرپور صلہ عطا فرمائے، اور ان کے ساتھ عفو وکرم اور رحمت ومغفرت کا معاملہ فرمائے، آمین۔

مولانا معزالدین صاحب کی علمی وعملی شخصیت کے اتنے پہلو ہیں کہ ان سب پر مستقل گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے ایک ہونہار فرزند تھے۔ ایامِ طالب علمی میں ہی اپنے ہم عصروں کے درمیان نمایاں تھے۔ پختہ علمی صلاحیت، گہرے مطالعہ اور اخذ و استنباط اور نتیجہ انگیزی کی عادت اور مزاج نے ان کو بہت جلد نمایاں کردیا۔

پھر جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ان کی علمی وانتظامی مشغولیات نے ان کی شخصیت میں پوشیدہ صلاحیتوں کے اُجاگر ہونے اور ان سے کام لینے کے خوب مواقع فراہم کئے۔

امارتِ شرعیہ ہند کے ناظم ہونے کی حیثیت سے اُنہوں نے محاکم شرعیہ کی تنظیم، اُصول سازی، تربیتی اجتماعات کے انعقاد اور مباحث فقہیہ کے اجتماعات کے لئے عنوانات کے انتخاب، مفتیانِ کرام سے مراسلت، مضامین کی ترتیب وتلخیص پھر مباحث فقہیہ کے انعقاد کے موقع پر کارروائی کی تکمیل اور تجاویز کی ترتیب تک تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ علم وادب سے ان کی گہری وابستگی اور ان کے ذوق کا نمایاں مظہر ہے۔ مولانا مرحوم صرف کتابوں کا جمع کرنے کے شوقین نہیں تھے بلکہ جمع کردہ کتابوں کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ان کے بارے میں تبصرہ واظہارِ رائے بھی کرتے رہتے تھے۔

مزاج میں سادگی کے ساتھ نفاست وستعلیقیت بھی تھی، غور وفکر کے عادی تھے۔ مشورہ طلب اُمور میں عامۃً آخر میں رائے دیتے تھے اور وہ رائے ایسی نپی تلی ہوتی تھی کہ اس سے اختلاف مشکل ہوتا تھا۔

بہرحال ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ دیر تک محسوس کیا جائے گا، ان کی وفات کا صدمہ ان کے اہل خانہ اور متعلقین کا صدمہ تو ہے ہی، ساتھ ہی جماعت اور ملت کا بھی بہت بڑا خسارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کو ان کا بدل عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ انجام پانے والی خدمات کا سلسلہ جاری رہنے کی شکلیں پیدا فرمائے، آمین۔

ہونہار بروا

بفراقک یا عزیزی إنا لمحزونون

مولانا عبدالحمید صاحب دتلو پور، بلرام پور

سب سے پہلے ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر اَدا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں دنیا کی بیش بہا دولت نیک صالح اَولاد عطا فرمائی، جن کی تعداد احدعشر کو کہا ہے، جن میں سے چھ اللہ کو پیارے ہوگئے، دو بیٹے اور دو بیٹیوں کا انتقال اَیامِ طفولیت ہی میں ہوگیا، تیسرے بیٹے عزیزم قمرالدین جو علی گڈھ اسٹیشن پر ریل حادثے کا شکار ہوکر ۲۹؍مئی ۱۹۹۹ء کو مالکِ حقیقی سے جاملے، مرحوم صاحبزادہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، حافظِ قرآن، دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تکمیل اَدب کے متعلم تھے، مرحوم صاحبزادہ کے حادثے کی خبر ایک عجیب وغریب صورتِ حال میں موصول ہوئی تھی، جس نے دل ودماغ کو جھنجھوڑ کررکھ دیا، اور دل ودماغ پر سناٹا طاری کردیا اور زبان پر سکتہ طاری کردیا تھا، مرحوم کی عمر اُس وقت تقریباً ۲۳؍سال کی تھی۔

۲۰۲۰ء جو کہ عام الحزن کے نام سے جانا جائے گا، ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار صبح دس بجے ہمارے ہونہار بروا کے مصداق بابو معزالدینؒ کے سانحۂ وفات کی خبر موصول ہوئی جو دل ودماغ پر بجلی بن کر گری، عزیزم معزالدین بچپن ہی سے بہت ہی ہونہار ذہین وفطین تھے، نو سال کی عمر میں عزیزم نے پنجم پرائمری کی تعلیم مکمل کرلی تھی، مرحوم بابو کو بچپن ہی سے کھیل کود لہو ولعب، لایعنی چیزوں سے مکمل اجتناب اور احتراز تھا، خدائے بزرگ وبرتر نے عزیزم مرحوم کو وہ تمام

خوبیاں عطا فرمائی تھیں جو ایک باکمال انسان کے اندر ہونی چاہیئے، حصولِ علم کا شوق بچپن ہی سے عزیزم مرحوم کو غایت درجہ کا تھا؛ چناں چہ دس سال کی عمر میں بابو مرحوم حفظ قرآنِ کریم کے غرض سے اُترولہ انجمن محمدی پھر عثمانیہ نامی مدرسہ انٹیا تھوک پھر ہر ہر پور پرتاب گڈھ پھر مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں تکمیل حفظ قرآن کیا، اس کے بعد دوم عربی تک کی تعلیم فرقانیہ ہی میں حاصل کی، جامع العلوم پٹکا پور میں شرح جامی تک کی تعلیم حاصل کی، اس زمانے میں ان کے شوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ شرح جامی جیسی معرکۃ الآرا علم نحو کی کتاب کی شرح فارسی زبان میں دستیاب تھی، اس پر نوٹ لکھتے اور سبق کا خوب مطالعہ کر کے درس گاہ میں حاضر ہوتے، حضرت مولانا مبین الحقؒ (مولانا متین الحق اسامہؒ کے والد تھے، اور جامع العلوم پٹکا پور کے ناظم تعلیمات تھے) ایک مرتبہ بتا رہے تھے کہ معزالدین اتنا ذہین تھا کہ جب وہ درس گاہ میں آتا، تو اساتذہ کی بیدار مغزی میں اِضافہ ہوجاتا اور اُستاذ بہت سنبھل کر پڑھاتا۔

۱۹۸۳ء میں وہ دارالعلوم دیوبند پہنچے اور عربی پنجم میں داخلہ لیا اور پوری تندہی کے ساتھ تحصیل علم کیا، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی جن کو میں بھائی ارشد کہتا ہوں، اُنہوں نے اپنے تعزیتی تحریر میں بھی اس طرف اِشارہ کیا ہے، ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور معین مدرس کے طور پر دارالعلوم میں منتخب کر لئے گئے، ابھی دو سال کی مدت پوری نہیں ہوئی؛ بلکہ ایک ہی سال معین المدرسی کا پورا ہوا تھا کہ حضرت فدائے ملتؒ نے کانپور اسٹیشن پر مجھ سے کہا کہ عبدالحمید اپنے معزالدین کو میرے حوالے کر دو، میں نے حضرت سے کہا کہ وہ آپ ہی کا بیٹا ہے، آپ جہاں چاہیں اس سے خدمت لیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ زمانۂ طالب علمی سے لے کر زمانۂ ملازمت تک کبھی بھی کسی طرح کی کوئی ادنیٰ سی شکایت موصول نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ دتلو پور تشریف لائے تھے، تو فرما رہے تھے کہ میرے نزدیک اَولاد کے سلسلے میں پورے ملک میں دو آدمی قابلِ رشک ہیں: ایک حضرت اَمیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب کا نام لیا دوسرا مجھ ناچیز کا نام لیا، فرمایا عبدالحمید تم بہت

ہی قابلِ رشک عالم ہو، حضرت مولانا ریاست علی صاحب کو بھی عزیزم مرحوم سے بہت گہرا تعلق تھا، ویسے تمام ہی اَساتذہ عزیزم مرحوم کو پیار و محبت کے ساتھ دیکھتے اور قدر و منزلت فرماتے، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ کے تمام اکابر کے وہ معتمد علیہ تھے۔ اَمیر الہند اول حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، اَمیر الہند ثانی فدائے ملتؒ، اَمیر الہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند و معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ امارت میں اُن کو امارتِ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے خوب کام کرنے کا موقع ملا، میرے لئے جو سب سے زیادہ خوشی کی بات ہے وہ یہ ہے کہ ان مذکورہ اکابر کی نگرانی میں پورے اعتماد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی، بات اعتماد کی آئی تو اس کا تذکرہ کرنا بھی تحدیث نعمت کے طور پر مناسب سمجھتا ہوں کہ عزیزم مرحوم خانوادہ مدنی کے ہر خورد و کلاں کے منظورِ نظر تھے خصوصاً فدائے ملت اور جانشین فدائے ملت مولوی سید محمود اسعد مدنی حفظہ اللہ کے غایت درجہ کے معتمد علیہ تھے۔ نیز حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب صدر جمعیۃ علماء کے نزدیک عزیزم مرحوم گھر کے ایک فرد کی طرح تھے، جس طرح قاری صاحب اپنے بچوں اور بچیوں بہوؤں کے لئے عید اور دیگر خوشی کے موقعوں پر کپڑوں کا جوڑا بنانے کا اہتمام فرماتے، تو اسی طرح عزیزم مرحوم اور اُن کی اہلیہ کے لئے بھی اہتمام کے ساتھ کپڑے بنائے جاتے۔

میں نے اپنے ہونہار بروا کے اندر جن چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ محسوس کیا وہ درج ذیل ہیں:

حق گوئی

حق گوئی اُن کی طبیعت ثانیہ تھی، خواہ سامنے والا استاذ ہو والد ہو، پیر اور مرشد ہو، دامن اَدب کو ملحوظ رکھتے ہوئے حق بات کہنے میں کبھی تامل نہیں کرتے تھے۔

صلہ رحمی

عزیزم مرحوم کو اپنے والدین بھائی بہنوں سے غایت درجہ کی محبت تھی، ایک مرتبہ میں ممبئی گیا ہوا تھا، وقت مقررہ پر پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو اپنی والدہ سے کہا جب تک والد صاحب نہیں آئیں گے میں کھانا نہیں کھاؤں گا، میری اور اپنی والدہ کی خدمت کو یقیناً وہ راہِ نجات سمجھتے تھے، ہر چھوٹی بڑی ضرورت کو محسوس کر کے وقت سے پہلے فراہم کرنے کی کوشش کرتے، اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ گذشتہ تقریباً پچیس سال کے عرصہ میں وہ باپ کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، گھر کے جملہ اخراجات اسی طرح بھائی بہنوں میں سے جس کو جس وقت جس چیز کی ضرورت ہوتی اس کو پوری خوش دلی کے ساتھ پورا کرتے۔

خودداری اور استغنائیت

عزیزم مرحوم نے کبھی اپنی خودداری اور استغنائیت پر آنچ نہیں آنے دی، وہ بڑے سے بڑے رئیس آدمی کے مال ودولت سے کبھی متاثر نہیں ہوئے اور نہ کبھی کسی کے مال ودولت پر للچائی نظر ڈالتے البتہ وہ علمی آدمی کے بڑے قدردان تھے حتیٰ کہ مسلک ومشرب سے اوپر اٹھ کر ہر علمی تحقیقی ذوق رکھنے والے افراد کو بنظر استحسان دیکھتے۔

عاجزی وانکساری

عزیزم مرحوم میں میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ وہ کوئی کام شہرت کی غرض سے کرتے ہوں؛ بلکہ وہ اپنے فرائض منصبی سے ہٹ کر دیگر اعمال کو بڑے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دیتے، اپنے اور متعلقین کے بڑے بڑے کام کو کر گذرتے، مگر کسی کو پتہ تک نہیں چلتا۔

بچوں سے پیار

اپنے بچوں سے ہٹ کر تمام بھائیوں بہن کے بچوں سے بے حد پیار اور شفقت کا برتاؤ

کرتے، اِسی لئے اُن کے گھر آنے کے وقت تمام بچے بہت خوش رہتے تھے، ایسا محسوس ہوتا کہ واقعی عید کا دن ہے، اپنی والدہ سمیت تمام بچوں کو بہت پیار سے عیدی دیا کرتے تھے۔

آخر میں میں عزیزم مرحوم کے تمام متعلقین، دوست احباب، اَساتذۂ کرام، تعزیتی تحریر لکھنے والوں اور اُن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی مضامین لکھنے والوں کا شکریہ اَدا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

حرفِ دعا

جانشین فدائے ملت، قائد جمعیۃ
حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی مدظلہ
ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

ایک برس قبل جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے سو سال مکمل ہوئے، اس سلسلے میں صد سالہ جشن اور اس سے پہلے مختلف طرح کی متعدد صد سالہ تقریبات منانے کا فیصلہ کیا گیا، اُسی تجویز میں ایک چیز یہ بھی زیر بحث آئی کہ اکابرین جمعیۃ میں سے چند نمایاں اور ممتاز شخصیتوں پر یادگاری سیمینار منعقد کئے جائیں۔ ماضی کی طرح اِس علمی کام کی ذمہ داری بھی مولانا معز الدین احمد صاحب نے اپنے سر لے لی اور جمعیۃ سے وابستہ علماء کرام کو سیمیناروں کی ذمہ داری دے کر اُن شخصیات پر نہ صرف سیمینار منعقد کرائے؛ بلکہ اُن کی سوانح حیات اور خدمات پر تذکرے بھی شائع کئے۔ کسے معلوم تھا کہ اس تجویز کو پیش کرنے والے، پاس کرانے والے اور سیمیناروں کے بعد تمام تذکرے شائع کرانے والے مولانا معز الدین احمدؒ خود بھی اس سلسلے کی ایک کڑی بن جائیں گے۔

مولانا نہ صرف جماعت کے لئے؛ بلکہ ہمارے خاندان کے لئے بھی ایک اہم فرد تھے، اُن کی وفات سے ہم ایک صائب الرائے اور مخلص مشیر سے محروم ہو گئے۔ مولانا جمعیۃ علماء ہند کے ایک اہم رکن تھے۔ وہ معاملہ فہم، سنجیدہ، متین اور اُصول پسند شخصیت کے مالک تھے، ساتھ

ہی اخلاق، اخلاص اور سادگی کے پیکر بھی۔ اللہ رب العزت نے اُن کو دینی وفقہی علوم میں خاص دسترس عطا کی ہوئی تھی۔ اُن کی رائیں اکثر معاملوں میں نہایت اہم ہوتیں اور جب بھی کوئی مشکل مسئلہ اُن کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ اس کو آسان اور سہل بنا دیتے، جمعیۃ علماء ہند کے لئے اُن کی بیش بہا خدمات ہیں، وہ جمعیۃ کی تاریخ، اکابرین جمعیۃ کے سوانح اور جمعیۃ کے دستور پر گہری نظر رکھتے تھے، اللہ رب العزت غریق رحمت کریں، آمین۔

ایک زیرک اور فعال شخصیت

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

حضرت مولانا معز الدین قاسمیؒ خوش اخلاق، ملنسار اور بلند پایہ عالم دین تھے، وہ جمعیۃ علماء ہند کے بعض اور شعبوں کے بشمول ادارۃ المباحث الفقہیہ کے ناظم تھے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُنہوں نے ادارۃ المباحث الفقہیہ کو ایک نئی روح عطا کی، تمام حلقوں کو اس سے جوڑنے کی کامیاب کوشش کی اور موجودہ زمانہ میں فقہی مسائل پر سیمیناروں کا جو طریقہ عالمی سطح پر مقبول ہے، ادارہ کے اجتماعات کو اسی سانچہ میں ڈھالا، ان کی فقہی آراء اعتدال اور میانہ روی پر مبنی ہوتی تھی۔ انھیں کتابوں کا بہت عمدہ ذوق ودیعت ہوا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ان کا کمرہ ایک بہترین لائبریری تھا، جس میں متنوع موضوعات پر کتابوں کا بڑا عمدہ اور منتخب ذخیرہ تھا، ان کی دعوت پر مجھے ان کا یہ وقیع کتب خانہ دیکھنے کا اور کسی قدر اس سے استفادہ کا بھی موقع ملا۔ مجھے ادارہ کے متعدد اجتماعات میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ بعض دفعہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے میں نے معذرت کرنی چاہی، لیکن ان کے پیہم اصرار اور بار بار تقاضہ نے شرکت پر مجبور کر دیا، ان کی وفات یوں تو پوری علماء برادری کے لئے باعثِ رنج وافسوس ہے، ملک کی قدیم ترین تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے لئے تو غیر معمولی نقصان ہے، اور یہ نقصان انتظامی کاموں سے زیادہ علمی کاموں کے اعتبار سے ہے۔ جمعیۃ علماء نے جو صدی تقریب منائی اس میں بھی ان کی خدمات کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ چند دنوں پہلے ان کی علالت کی اطلاع ملی، یہ حقیر برابر مختلف متعلقین سے ان کی صحت کے بارے میں معلومات کرتا رہا، آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، اور وہ ہم سب کو چھوڑ کر آخرت کے سفر پر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائیں اور بلند درجات عطا کریں، پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازیں۔

❍❖❍

مولانا مفتی معز الدین قاسمی گونڈویؒ

۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء - ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۰ء

مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیو بند

یک شنبہ: ۲۴ر محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳ر ستمبر ۲۰۲۰ء کو، کوئی ساڑھے دس بجے راقم کے پسرِ خرد حافظ مولوی ثمامہ نور سلمہ نے بتایا کہ موبائل میں واٹس ایپ پر آ رہا ہے کہ مفتی معز الدین صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی معز الدین صاحبؒ کا راقم سے چوں کہ بڑی اپنائیت کا تعلق تھا، اس لئے اُن کی وفات کی خبر سن کر غیر معمولی صدمہ ہوا۔ راقم نے جمعیۃ علما کے مرکزی دفتر مسجد عبد النبی کے ایک دوسرے مخلص کارکن مولانا کلیم الدین قاسمی سے اس خبر کی تصدیق و تفصیل معلوم کی، تو اُنھوں نے بتایا کہ نئی دہلی کے میکس اسپتال میں جہاں وہ ۲ر ستمبر (۱۳ر محرم) بدھ کی رات ۱۲ر بجے سے داخل تھے، آج تقریباً ۸ر بجے صبح اُنہوں نے آخری سانس لی، اور اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

دوسرے روز یعنی سوموار ۲۵ر محرم = ۱۴ر ستمبر کی صبح کو تقریبًا آٹھ بجے اسپتال سے اُن کی لاش دفتر جمعیۃ علماء: مسجد عبد النبی لائی گئی، جہاں غسل و تجہیز و تکفین کے بعد، تقریباً ساڑھے دس بجے اُن کی نمازِ جنازہ صدر جمعیۃ علما حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی، بعدہ دفتر جمعیۃ کے شمال میں قریب ہی میں واقع ''گور غریباں قبرستان'' میں جسے ''دلی گیٹ قبرستان'' بھی کہا جاتا ہے، سپرد خاک کیا گیا، نماز جنازہ و تدفین میں مرحوم کے والد محترم

مولانا عبدالحمید مدظلہ، گھر کے دیگر افراد، جو اُن کے وطن سے آ گئے تھے۔ نیز دفتر جمعیۃ کے سارے اَرکان وکارکنان اور دیگر خواص وعوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

راقم کو مفتی معز الدینؒ کے مذکورہ اسپتال میں زیرِ علاج رہنے کا اُن کی وفات سے صرف تین دن پہلے ہی علم ہوا، تو اس نے اُن سے فون سے اُن کی صحت میں پیش رفت معلوم کی اور عیادت کی سنت ادا کی۔ اُنھوں نے بہت نحیف آواز میں بتایا کہ مولانا! طبیعت اچھی نہیں ہے، دعا کی درخواست ہے اور فون رکھ دیا۔ راقم کو اُسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ اُن کی حالت اچھی نہیں ہے؛ لیکن دل میں یہ، یقین تھا کہ وہ اِن شاء اللہ شفایاب ہو کر واپس آ جائیں گے؛ لیکن اُن کی وفات کی خبر کے عام ہوتے ہی دل نے کہا کہ اُن کا وقتِ آخر آ چکا تھا اور اُنھیں اجلِ مُحتَّم سے کوئی بچا نہیں سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کا باسی بنائے اور پس ماندگان اور سارے وابستگان کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازے۔

دفتر جمعیۃ کے بعض احباب سے معلوم ہوا کہ اواخر اگست میں اُن کی شکر بہت بڑھ گئی تھی اور سانس لینے میں پریشانی ہونے لگی تھی، ڈاکٹروں کے مشورے سے اپنے کمرے ہی میں دوا وعلاج کا سلسلہ جاری رکھا؛ لیکن صحت کی بہتری کی طرف پیش رفت نہ ہو سکی تو داخلِ اسپتال ہوئے، وہاں جانچ کے دوران کورونا کی رپورٹ مُثْبَت آئی؛ اِس لئے اُنھیں کووڈ وارڈ میں منتقل کر دیا گیا، اِسی دوران دل کا دورہ بھی پڑا اور صورتِ حال مزید نازک ہو گئی۔ بالآخر اُن کے رب نے اپنے علم میں مقدر کردہ وقت پر اُنھیں اپنے پاس بلا لیا اور اُن کے سارے اہل خاندان ومحبین ومتعلقین کو اُن کی موت سے بے پناہ صدمہ ہوا۔ رہے نام اللہ کا۔

مفتی معز الدین عرصے سے شکر کے مریض تھے، مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بہت پرہیز کرتے تھے اور اس مرض میں نقصان دینے والی اشیا کو بالکل ہاتھ نہ لگاتے تھے، حتیٰ کہ چائے بھی سکرین اور شوگر فری پاؤڈر وغیرہ کے بغیر پھیکی ہی استعمال کرتے تھے، چلنے پھرنے کا بھی اہتمام کرتے تھے، خوراک بھی مختصر تھی، وہ خلقۃً بھی دبلے پتلے تھے۔ ۱۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۳؍ ستمبر

۲۰۱۵ء کو منیٰ کے میدان میں بھگدڑ کا جو واقعہ پیش آیا، جس کی وجہ، سے بہت سے حجاج کی موت واقع ہوگئی اور بہت سے بے ہوش ہوگئے، وہ اس کے چشم دید گوارہ تھے، اُنہوں نے بتایا کہ میں نے لوگوں کو بچانے اور بچنے کے لئے اتنا شور مچایا کہ عرصے تک میری آواز بیٹھی رہی۔ وہ خود بھی ریلے کی زد میں آ کرگر گئے تھے اور اپنے قافلے سے بچھڑ گئے تھے، اُنھیں بے ہوشی کی حالت میں حفاظتی عملہ عرفات اسپتال لے گیا، جہاں ایک ڈیڑھ دن بعد انھیں ہوش آیا اور ۱۲؍ذی الحجہ = ۲۵؍ستمبر کو اسپتال سے آمد کے بعد، اپنے ساتھ کے حجاج سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے راقم کو بتایا کہ مولانا محمد فاروق (خلیفہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی بانی و مہتمم مدرسہ محمودیہ ہاپوڑ روڈ میرٹھ) کو میرے سامنے ہی سیکورٹی عملہ دیگر لوگوں کے ساتھ، بے ہوشی کی حالت میں ایمبولینس میں ڈال کر لے گیا تھا۔ اُن کا اس موسم حج کے بعد بھی آج تک پتہ نہ چل سکا، ظاہر ہے کہ وہ جاں بہ حق تسلیم ہوگئے ہوں گے۔

اس حادثے کے بعد اُن کی ہندوستان واپسی ہوئی؛ لیکن وہ جس کم زوری و ناتوانی کے ساتھ واپس ہوے، وہ آخر تک قائم رہی۔ ان کی چستی پھرتی اور شادابی میں خاصا فرق محسوس کیا جاتا رہا؛ لیکن اپنی ذمے داریوں کی ادائیگی میں اُنہوں نے کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

مرحوم نے سنۂ ہجری کے اعتبار سے ۶۱؍سال اور سن عیسوی کے لحاظ سے صرف ۵۹ سال عمر پائی؛ کیوں کہ اُن کا سن پیدائش ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء ہے۔ وہ نسبتاً کم عمری ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے؛ لیکن اپنی پرخلوص محبت، ایثار آمیز خدمت، بے حساب وفاداری اور مُفوضہ ذمّے داریوں کو بہ حسن وخوبی و بروقت انجام دہی کے حوالے سے، اپنی خوب صورت اور ان مٹ یادوں کا گہرا نقش اپنے سارے جاننے والوں کے؛ دل و دماغ پر چھوڑ گئے۔

راقم کا دہلی کے اکثر اسفار میں اُنھی کی اپنائیت اور جذبۂ خدمت کی وجہ سے دفتر جمعیۃ میں اُنھی کے رہایشی کمرے سے ہم رشتہ کمرے میں رکنا ہوتا تھا۔ آمد سے قبل اُنھیں موبائل سے مطلع کردیتا۔ وہ سراپا انتظار رہتے؛ بل کہ اکثر دفعہ دیوبند سے دہلی، یا بیرون دہلی سے دہلی آمد کے

دوران ایک سے زائد بار معلوم کرتے رہتے کہ راقم کہاں تک پہنچا ہے۔ اگر چند منٹ پہلے اُنھیں خبر دیتا کہ ۵-۱۰ر منٹ میں پہنچ رہا ہوں، تو گیٹ سے داخل ہوتے وقت، اُنھیں اپنے کمرے کے برآمدے کے مدخل پر زینے کے پاس محوِ انتظار پاتا۔ کھانے کا وقت ہوتا تو کھانے کا ورنہ چائے وائے کا بہترین ہی نہیں؛ بل کہ ''معیاری'' انتظام کرتے اور اگر ناشتے کا وقت ہوتا اور جاڑے کے دن ہوتے تو وہ پرانی دہلی کی نہاری اور وہاں کے مختلف الاقسام نانوں میں سے بہت مزے دار نان کا انتظام پہلے سے کئے رہتے اور اپنے کمرے کے گیس چولھے پر نان اور نہاری دونوں کو گرم کر کے دسترخوان کی زینت اور مہمان کی دل جوئی کا سلیقہ مندانہ انتظام کرتے۔

شنبہ: ۲ر شعبان ۱۴۳۸ھ ۲۹ر اپریل ۲۰۱۷ء کو راقم کی اسکورٹ اسپتال نزد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں بائی پاس سرجری ہوئی، ۸ر شعبان = ۵ر مئی کو اِفاقے کے بعد قدرے بات چیت کی اجازت ملی اور شرائط کے ساتھ لوگوں سے ملنے کی بھی، تو راقم قریب ہی کے ''سوریا'' ہوٹل میں منتقل ہوگیا۔ راقم کے پسرِ اوسط عمارہ نور سلمہ کے پاس خبر خیریت کے لئے مفتی معز الدین کا روزانہ ہی فون آتا رہا۔ انھیں جیسے ہی معلوم ہوا کہ اب عیادت کی جاسکتی ہے، وہ دوسرے دن ''سوریا'' ہوٹل آئے اور مزاج پرسی کے لئے، راقم سے مل کر دیوبند جاتے ہوئے، دفتر جمعیۃ آنے کی بہ اصرار دعوت دی، چناں چہ ڈاکٹر سے رجوع ہونے کے بعد جمعرات: ۱۴ر شعبان = ۱۱ر مئی کو دفتر جمعیۃ ہوتے ہوئے دیوبند واپسی ہوئی۔ مولانا معز الدین اور اُن کے دوست مولانا کلیم الدین قاسمی ذمے دار دفتر جمعیۃ برائے ضیافتی امور نے، مریض کے لئے مُجاز طرح طرح کے پھلوں اور وھائٹ جیسمین چائے سے نہ صرف ضیافت کی؛ بل کہ ایسی محبت، اپنائیت اور تکریم کا معاملہ کیا کہ اُس کا نقش نہ صرف ہنوز میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں قائم ہے؛ بل کہ اِن شاء اللہ میری حیات تک باقی رہے گا۔

مفتی معز الدین صاحبؒ جمعیۃ کی سپرد کردہ ذمہ داریوں کے علاوہ، ذاتی طور پر دوسرے ایسے کام بھی کرتے تھے، جن سے مدارس اور علما وطلبہ کو علمی فائدہ ہوتا تھا، جن میں اُن کا نمایاں

کام کتابوں کی طباعت میں واسطے کا کام تھا۔ اس سے علما اور مدارس کے ذمے داروں کو جو طباعت واشاعت کے کام کی پیچیدگی سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں، بڑی سہولت ہوتی تھی اور ان کے مطلوبہ طباعتی کام من پسند طور پر اور بہ عجلت اور نسبتاً کم خرچ پر انجام پذیر ہوجاتے تھے۔ سالہا سال سے ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند کا عربی رسالہ اور راقم کے ادارے: ''اِدارہ علم وادب دیوبند'' کی کتابوں کی طباعت بھی اُنھی کے واسطے سے ہوا کرتی تھی، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو بےفکری رہتی تھی اور ہمیں اطمینان رہتا تھا کہ ہمارا کام ہمارے پسندیدہ معیار ہی پر ہوگا؛ چناں چہ اُن کے داغِ مفارقت دے جانے کے بعد، اب ہم اس سلسلے میں بہت فکرمند ہیں اور ہمیں کوئی آدمی اُن کی جگہ لینے والا نظر نہیں آتا۔

اُن کی اس خدمت کی وجہ سے بھی بہت سے مدارس، علما، اہلِ قلم اور پڑھے لکھے لوگوں کی بڑی تعداد اُن سے وابستہ رہتی تھی اور سبھوں کو اُن کی مہارتِ کار، تجربۂ زندگی، معاملے کی صفائی وکھرے پن، پریس والوں سے کام لینے کے ہنر، متعلقہ کاغذی پر دباؤ بنانے اور چنیدہ نوع کے کاغذ متعینہ وقت پر پریس میں پہنچوادینے کی اپنی بات کو، فی الفور منوالینے کے ان کے انداز پر مکمل اعتماد تھا۔ اُن سے جب کسی کتاب کی طباعت کی لاگت معلوم کی جاتی، وہ اپنے فون کے کلکولیٹر پر دو تین مرتبہ عاجلانہ لمس کے بعد، سکنڈوں میں وہ صرفے کی مقدار بتادیتے، جس میں کبھی کوئی فرق واقع نہ ہوتا۔

مفتی معزالدینؒ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں پنجم عربی میں داخل ہوئے اور ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے اور تقریباً ایک سال دارالعلوم میں معین مدرس کی حیثیت سے تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ وہ آیندہ سال بھی معاون مدرس رہ سکتے تھے؛ لیکن حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ (۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء — ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء) صدر جمعیۃ نے اُنھیں اُن کے والد مولانا عبدالحمید صاحب سے جمعیۃ کی خدمت کے لئے وقف کردینے کو کہا، جس پر اُنہوں نے بہ سروچشم لبیک کہا۔ اس طرح ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء میں مفتی معزالدین صاحب جمعیۃ

کے مرکزی دفتر مسجد عبدالنبی علاقہ آئی ٹی او آ گئے، جہاں دمِ واپسیں تک محوِ خدمت رہے۔

جمعیۃ علماء نے اُنھی دنوں اپنے اہم شعبے ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کے اِحیا اور امارت شرعیہ ہند کے نظام کو باقاعدہ استوار کرنے کی سوچی۔ اول الذکر ادارہ سیدی الاستاذ حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کے دورِ نظامت میں اُنھی کے ذریعے ۱۹۷۰ء معرض وجود آیا تھا؛ لیکن اُن کے بعد اُس کی فعالیت ختم ہوگئی تھی۔ اِن دونوں شعبوں کے لئے مفتی معز الدین صاحب کی شکل میں دفتر کو فعال، لائق، ذی استعداد، سمجھ دار اور منتظم آدمی مل گیا۔ اُنھوں نے دونوں اداروں کی وسیع تر ذمے داریوں کو بہ حسن وخوبی اِس طرح انجام دیا کہ اِدارے اور مفتی معز الدین کا تصور ایک ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں آتا۔

مفتی معز الدین کا ذہن معاملہ فہم اور انتظامی امور کے لئے بہت موزوں تھا؛ اِس لئے پروگرام سازی، منصوبہ بندی، اُصول وضوابط کی ترتیب وتشکیل میں، اُنھیں بڑی آسانی ہوتی تھی۔ ادارۃ المباحث الفقہیہ کے تحت عصر حاضر میں رونما ہونے والے مسائل پر اجتماعی غور وخوض کے لے چودہ پندرہ فقہی اجتماعات ہندوستان کے طول وعرض میں منعقد ہوے، جن میں فقہ، وفتاویٰ کے اَساتذۂ دارالعلوم دیوبند سمیت، ملک کے نام ور علما ومفتیانِ کرام نے شرکت کی اور طے کردہ مسائل پر متفقہ رائے قائم کی گئی۔ مفتی معز الدین نے فقہی اجتماعات سے پیش تر اور اُن کے انعقاد کے دوران اور اُن کے اختتام کے بعد جو مطلوبہ انتظامات اور کوششیں کیں، اُن سے اُن کی علمی وانصرامی صلاحیتیں بہ خوبی اجاگر ہوئیں اور اُن اجتماعات کی کامیابیوں کا ضامن بنیں۔

اسی طرح امارت شرعیہ ہند کے ماتحت اِداروں: محکمۂ شرعیہ، دارالافتا، بیت المال، رویتِ ہلال اور شعبۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو مفتی معز الدین نے عملی طور پر متحرک کیا اور متعلقہ سرگرمیوں سے ملت کو بڑا فائدہ ہوا۔ اُن کے برسرِ عمل ہونے سے پہلے اِس ادارے اور اس کے شعبوں کی فیضان بخشیوں سے لوگ بالعموم نا آشنا تھے۔

چوں کہ وہ اسکیم سازی اور انصرامی معاملات میں طبعی درک رکھتے تھے؛ اِس لئے صرف

متعلقہ شعبے کے علاوہ جمعیۃ کے عام معاملات وانتظامات وضروریات میں بھی اُن کا ذہن بہت کام کرتا تھا اور ذمے داران جمعیۃ تقریباً سارے معاملات ہی میں اُن کی رائے اور مشورے کے محتاج ہوتے تھے، اور طے شدہ پروگراموں کے نفاذ میں اُن کے لئے اُن کی تجویزوں اور سعی وعمل سے بے نیازی ممکن نہ ہوتی تھی، اِس طرح وہ تاحیات جمعیۃ کی ہمہ گیر ناگزیر ضرورت رہے۔ اُن کی وفات سے اس کو ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے۔ وہ اپنے بے شمار دوستوں اور متعلقین کے لئے بھی ہر مرض کی دوا تھے، ان کے بعد اُنھیں اکیلے پن اور بے سہارا ہونے کا اِحساس ستاتا رہے گا۔

مفتی معزالدین کا پسندیدہ مشغلہ اچھی سے اچھی کتابوں، رسائل ومجلّات کا مطالعہ اور اس کی ذخیرہ اندوزی تھی۔ نادرونایاب اور کم یاب کتابوں اور رسائل کے حصول کے وہ رسیا تھے؛ جہاں کوئی ایسی کتاب یا رسالہ اُنھیں مل جاتا، جس کو وہ سمجھتے کی علمی، ادبی یا فکری طور پر یہ، حوالے کا کام دے سکتا ہے، یا اس میں ایسی معلومات درج ہیں، جن کی تالیف وتحقیق میں ضرورت پڑسکتی ہے، یا فقہ، وتفسیر وحدیث وغیرہ کے سلسلے میں یہ، کتاب اہم سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر نہیں ملتی ہے؛ اس کو وہ کسی نہ کسی طرح حاصل کر لیتے۔ ان کے رہایشی کمرے میں ہر علم وفن کی چیدہ کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے کمرے میں دیواروں پر لکڑی کے خوب صورت مضبوط ریک بنوا کر ان میں کتابیں سجا رکھی تھیں اور گنجایش نہ ہونے کی وجہ سے کمرے کے فرش کا آدھا حصہ بھی اُنھی کتابوں کے ڈھیر سے بھرا ہوا تھا۔

دہلی میں پرگتی میدان میں لگنے والا کتاب میلہ ان کی بڑی دلچسپی کا سامان ہوتا تھا، اتفاق سے وہ دفتر جمعیۃ سے بہت قریب ہے؛ اس لئے میلے میں جانا ان کے لئے آسان ہوتا تھا۔ پاکستانی اسٹال اُردو کتابوں کے حوالے سے ان کے لئے زیادہ دلچسپی کی چیز ہوتا تھا۔ وہ ہر میلے سے کوئی نہ کوئی ایسی کتاب خرید لے آتے تھے، جو نہ صرف اُن کے لئے بل کہ راقم کے لئے مطلوب ہوتی تھی؛ چناں چہ یہ راقم ان سے بہت سی کتابیں اپنے لئے مانگ لے آتا تھا، پھر بعد میں وہ میرے مزاج، مذاق، ضرورت کے مطابق اکثر کتابوں کے دو دو نسخے میلے سے خرید لے

آنے کے عادی ہو گئے تھے، ایک اپنے لئے اور ایک میرے لئے۔

ایک مرتبہ اُنھوں نے بتایا کہ دریا گنج کی شاہ راہ پر اتوار کے روز فٹ پاتھ پر دونوں طرف پرانیں کتابیں اور رسالے فروخت ہوتے رہتے ہیں، اگر لوہے کے پاؤں ہوں تو ہر اتوار کو وہاں ضرور چکر لگانا چاہئے، کبھی کبھار انتہائی قیمتی کتاب یا رسالہ مل جاتا ہے۔ میں وقتاً فوقتاً وہاں جاتا ہوں، کوئی نہ کوئی کام کی چیز ہر مرتبہ مل جاتی ہے۔ انگریزی اور دیگر زبانوں کی چیزیں زیادہ ہوتی ہیں؛ لیکن عربی، اردو اور فارسی کی آؤٹ آف پرنٹ قیمتی کتابیں بھی اُنھی کے بیچ میں ہم دست ہو جاتی ہیں۔

اُنھوں نے بتایا کہ دارالعلوم دیو بند کے صدر گیٹ پر میزوں پر بہت سی بوسیدہ، قدیم الطباعت کتابیں بکتی رہتی ہیں، میں نے زمانۂ طالب علمی میں وہاں سے متعدد کتابیں نادر و نایاب حاصل کیں۔ ان کے کہنے سے راقم کو بھی دلچسپی ہوئی، تو اس نے بعض مذاق علمی کے حامل طلبہ کو مکلّف کیا کہ وہ ان میزوں کا عصر کے بعد ایک پھیرا لگا لیا کریں، چناں چہ ایک مرتبہ وہ طلبہ ''مدرسہ علوم شرعیہ'' باب جبریل مسجد نبوی کے بانی مولانا سید احمد مدنی فیض آبادیؒ (۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶-۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء) برادرِ حقیقی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء- ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء) پر، سعودی عرب کے قد آور اَدیب و اہل قلم صحافی و محقق اور مدرسہ علوم شرعیہ کے تعلیم یافتہ عبدالقدوس انصاری (۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء- ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء) بانی مجلۃ ''المنہل'' کی کتاب **"السيّد أحمد الفيض آبادي"** خرید لائے، جو بہت بوسیدہ اور قدرے اَوراقِ پریشاں کی شکل میں تھی۔ راقم نے اس کی تجلید کرالی اور احتیاطاً اس کی فوٹو اسٹیٹ بھی کرا کے محفوظ کر لیا، اس کتاب کے اکثر حصوں کو بالاقساط دارالعلوم کے عربی ترجمان ''الداعی'' میں شائع کیا اور اس کی روشنی میں **"مساهمة خريجي دار العلوم /ديوبند في نشر العلم في الحجاز"** کے عنوان سے مقالہ بھی لکھا جو راقم نے ریاض میں ہر سال منعقد ہونے والے ''الجنادریۃ'' ثقافتی میلے کے ایک بار کے علمی و ادبی پروگرام میں پیش کیا، اور جنوری

۲۰۰۶ء میں شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز (جو ۲۶/جنوری کی تقریب کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے ہندوستان آئے تھے) کی ہندوستان آمد کے موقع سے، سعودی عرب کے متعدد روزناموں میں ''العلاقات الثقافیۃ بین الہند والسعودیۃ'' کے گوشے میں نمایا طور پر شائع ہوا۔

اِسی طرح وہ طلبہ انھی میزوں سے ایک بار سعودی عرب کے مشہور ادبی مجلّے ''المجلۃ العربیۃ'' کے ایک ہی شمارے کے کئی نسخے خرید لائے۔ حسن اتفاق کہ اس میں سعودی عرب کے مرحوم ادیب و اہل قلم و سابق وزیر تعلیم و وزیر معارف و وزیر صحت عبدالعزیز بن عبداللہ الخویطر کے قلم سے، اس شمارے میں ''الداعی'' کا بہت گراں قدر تعارف چھپا ہوا تھا، راقم نے اس کو محفوظ کرنے کے لئے ''الداعی'' میں بھی شائع کیا۔

گویا مولانا معز الدین کی علم دوستی اور عشقِ کتاب کی وجہ سے راقم کو بھی بہت فائدہ ہوا اور متعدد مطلوبہ کتابیں راقم کے ذخیرۂ کتب کا حصہ بنیں اور مطالعہ و تحریر میں بہت مددگار اور مواد افزا ثابت ہوئیں۔

دارالعلوم میں مفتی معز الدین کی طالب علمی کے کئی سالہ دور میں، اُن کا راقم سے کوئی ربط ضبط نہیں رہا؛ لیکن اُن کی طالب علمانہ سرگرمیوں کی خبر اُن کے مُتعارف طلبہ کے ذریعے وقتاً فوقتاً ہوتی رہی، جن میں مدنی دارالمطالعہ (جو طلبۂ دارالعلوم کی بہت سی انجمنوں میں سے اہم ترین انجمن ہے) سے اُن کی دارالعلوم کے تعلیمی اوقات کے ماسوا اوقات میں ہمہ وقت کی دلچسپی کا چرچا خاصا عام رہا۔ کتابوں کی ترتیب نو اور اہم کتابوں کا اضافہ اُنھی کے دورِ نظامت میں ہوا۔

اُنہوں نے اس کے تقریری و تحریری شعبے ''بزم شیخ الاسلام'' کو بھی بہت متحرک کیا اور تقریری و تحریری پروگراموں کی باقاعدگی کی وجہ سے، اُن کے دورِ نظامت میں، طلبہ کو اس انجمن سے بے پناہ فائدہ ہوا، جس کی وجہ سے اساتذہ کی عنایات بھی پہلے سے زیادہ مبذول ہوئیں، جن کا سہرا بھی مفتی معز الدین ہی کے سر ہوتا رہا۔ ظاہر ہے کہ مدنی دارالمطالعہ کی سرگرمیوں سے ہی اُن کی انتظامی صلاحیت پر سان چڑھی اور اجتماعی کاموں کے لئے اُن کی مطلوبہ لیاقتیں پختہ

اور صیقل ہوئیں، جنھوں نے اُنھیں جمعیۃ کی امارت شرعیہ وادارۃ المباحث الفقہیۃ کے کاموں میں بہت مدد دی۔

دارالعلوم سے فارغ ہوتے ہی جمعیۃ کی اہم اور ہمہ وقت کی مشغولیت طلب ذمہ داریوں سے مربوط ہونے کی وجہ سے مولانا معز الدین کو تدریسی کام کا موقع نہ ملا، جس کی اُنھیں خواہش بھی رہی اور اس سلسلے میں اُن کے اساتذہ کا اُن کے لئے مشورہ بھی؛ کیوں کہ علمی استحضار اور پختگی کا واحد ذریعہ تدریس ہے؛ چناں چہ مٹیا محل نزد جامع مسجد دہلی کے قدیم مدرسہ ''مدرسۃ العلوم حسین بخش''، میں تین سال (از ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء تا ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۳ء) تک مختلف کتابیں پڑھائیں؛ لیکن جمعیۃ کی ہمہ گیر ذمے داریوں کے ساتھ، وہ تدریسی خدمت کے لئے مزید وقت نہ نکال سکے؛ اِس لئے اس سے کنارہ کش ہوجانا پڑا۔

مفتی معز الدین نے متعدد مرتبہ حج اور بار بار عمرے کی سعادت حاصل کی۔ زندگی کے آخری سالوں میں وہ ہر سال ہی رمضان مبارک اور اس سے پہلے اور بعد کے ایام حرمین شریفین میں گذارتے رہتے تھے، شروع کے دو عشرے حرم مکی میں اور آخری عشرہ مسجد نبوی میں معتکف رہتے تھے۔

ایک کتاب دوست کی رحلت

مولانا مجیب اللہ گونڈوی اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب ہمارے ضلع گونڈہ کے سب سے خوش نصیب عالم ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو چھ بیٹے دیئے، ماشاء اللہ سب کے سب حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ فاضل دارالعلوم دیوبند ہوئے اور سبھی کو اللہ رب العزت نے علم دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالیا۔

سب سے بڑے بیٹے مولانا معزالدین گونڈوی مرحوم تھے، جو میرے لئے میری اولاد کے درجے میں تھے اور مجھے بے حد عزیز تھے، جب میں ۱۹۷۹ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے مدرسہ جامع العلوم کانپور آ گیا تو اگلے سال وہ بھی جامع العلوم آ گئے اور وہاں تین سال عربی دوم، سوم، چہارم تک تعلیم حاصل کی۔ جن اساتذہ سے اُنہوں نے جامع العلوم میں پڑھا ہے، ان میں حضرت مولانا محمد نصیر صاحبؒ، حضرت مولانا مبین الحق صاحبؒ، مولانا انوار صاحبؒ، مولانا وکیل احمد صاحبؒ مرحومین اور سعید احمد دیوریاوی اور مولانا شکیل احمد کانپوری ہیں۔ جامع العلوم میں میرے ساتھ ہی ان کا کھانا پینا رہا۔ پھر ۱۹۸۳ء دارالعلوم آ گئے وہاں بھی وہ مجھ سے کافی مانوس اور مربوط رہے، دارالعلوم میں ان کا شمار ممتاز طلبہ میں رہا، وہ علم دوست تھے، کتابوں کے رسیا تھے، درسیات میں عبور تھا، اساتذہ سے تعلق بھی خوب تھا۔

دارالعلوم میں ''مدنی دارالمطالعہ'' سے جڑ کر جہاں ان کی تحریر وتقریر میں نکھار پیدا ہوا وہیں انھیں کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ ہوگیا کہ آخر عمر تک وہ کتابوں سے چمٹے رہے۔

کتابیں ہی ان کا اوڑھنا، بچھونا تھیں۔ واقعی وہ سچے معنی میں ایک بوریہ نشین عالم تھے۔ مسجد عبدالنبی میں ان کی رہائش کا کمرہ اس بات کا گواہ ہے، بندہ خدا نے کتابوں کو جگہ دی خود کو جگہ نہیں دی، پورا بستر بھی اپنے لئے مخصوص نہیں کیا؛ بلکہ بستر کا بھی ایک حصہ کتابوں سے اس طرح اٹا ہوتا کہ آرام سے کروٹ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ وہ بحرِ علم کے شناور تھے، جس کی کتابوں سے یاری تھی، اسے عمدہ کھانے اور لذیذ مشروبات سے زیادہ لذت کتابوں میں ملتی تھی، ان کا وہی ہر دم کا مشغلہ اور بیشتر گفتگو کا موضوع ان کی کتابیں ہی ان کے لئے مونس وغم خوار تھیں، جس میں ہمیشہ ان کا دیدہ ودل اٹکا رہتا تھا۔

جب جوہر شناس حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ کی نگاہ علم وکتاب کے اس دریکتا لعل وگہر پر پڑی تو انھوں نے امارت شرعیہ کی ادارت کے لئے ان کو منتخب کرلیا پھر کیا تھا۔ امارت شرعیہ کے نیم مردہ جسم میں اُنہوں نے اپنی محنت اور جفاکشی سے روح پھونک دی۔ بلاشبہ اس حسن انتخاب کے لئے حضرت فدائے ملت مرحوم داد کے مستحق ہیں۔

ان کے فطری تواضع نے ہزاروں علما کی نظر میں ان کو محبوب بنادیا تھا۔ فقہی مسائل پر ان کی گہری نظر تھی۔ بالخصوص فقہی سیمیناروں میں منظور شدہ تجاویز پر نہ صرف گہری نظر تھی بلکہ استحضار بھی تھا۔ فقہی سیمیناروں کے لئے جو مقالات آتے تھے، وہ ہزاروں صفحات پر صفحات مشتمل ہوتے تھے، ان سب کا مطالعہ کرنا اور ان کو ترتیب دینا کوئی آسان کام نہیں تھا مگر وہ دن رات ایک کرکے اس کام کو انجام دیتے تھے۔

صلہ رحمی کے باب میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ والدین بھائیوں اور دیگر قریب وبعید کے رشتہ داروں کا پورا خیال رکھتے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتے تھے۔ اللہ ان کے والد محترم اور اہل خانہ کو صبر کی توفیق دے اور مرحوم کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

صدمے کی خبر

مفتی شبیر احمد قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

بہت ہی گہرے صدمے کی خبر ہے کہ حضرت مولانا معز الدین احمد صاحب ناظم امارت شرعیہ جمعیۃ علماء ہند کا آج بتاریخ ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار کو وفات کا دردناک سانحہ پیش آیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے ایک موقر اور معتمد رکن تھے اور امارت شرعیہ کے ناظم اور ادارۃ المباحث الفقہیہ کے اہم ترین ذمہ دار تھے۔ مباحث فقہیہ کی طرف سے جتنے فقہی اجتماعات ہوئے ہیں وہ سب انھیں کے زیر نگیں عمل میں آئے۔ اور غالبًا ۱۴۰۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے ان کی فراغت ہوئی، اس کے بعد متصلاً دو سال تک دارالعلوم دیوبند میں معین المدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر اس کے بعد سے غالبًا ۱۴۰۹ھ سے امارت شرعیہ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم کی حیثیت سے لگ بھگ تینتیس یا چونتیس سال کا طویل عرصہ جمعیۃ علماء ہند کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ملک کے طول وعرض میں ان کی خاص پہچان ہے۔ وہ ایک زیرک اور صاحب الرائے شخصیت تھے، مباحث فقہیہ کے اجتماعات کی مجلسوں میں مقالہ نگار اور مضمون نگار علماء وفقہاء کے درمیان ان کی رائے خاص اہمیت کے ساتھ وزن رکھتی تھی، وہ ایک اہم ترین مرکزی اور قیمتی شخصیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ علمی دنیا میں بھی ایک قد آور شخصیت کے حامل تھے۔

ان کے یہاں کتب حدیث کتب فقہ کتب سیرت و کتب تاریخ کے بڑے بڑے ذخیرے موجود تھے، نیز مسلک کی کتابوں کے علاوہ دیگر مسلکوں کی اہم کتابوں کا ذخیرہ بھی ان کے پاس موجود تھا اور بہت سی دفعہ ایسا ہوا کہ احقر نے ان کی لائبریری میں ایسی ایسی کتابیں بھی دیکھیں جن کا اس سے پہلے نام بھی نہیں سنا تھا، جب کہ وہ ہمارے دیکھنے سے پہلے ان کتابوں کا مطالعہ بھی بالاستیعاب کر چکے ہوتے تھے۔ جیسے ان کے پاس نایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا اسی طرح وہ خود ایک علمی اعتبار سے وسیع ترین معلومات رکھنے والا شخص تھا، اسی وجہ سے بہت سے اہل علم کتابوں کے بارے میں ان سے خصوصی مشورہ لیا کرتے تھے۔

ہم تو ان کے سامنے ایک ادنیٰ طالب علم کے درجے میں تھے حتی کہ دارالعلوم دیوبند کے اہم اہم اساتذہ بھی علمی کتابوں کے بارے میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ وہ حق گوئی میں ایک بے باک شخصیت تھے اور اپنی رائے پر مضبوطی سے قائم رہنے والے شخص تھے۔ ہندوستان کی تاریخ اور جمعیۃ علماء ہند کی سلسلہ وار تاریخ سے متعلق ان سے زیادہ معلوماتی شخصیت جمعیۃ علماء ہند کو فی الحال دستیاب نہیں ہے۔ ان کے والد ایک خوش نصیب عالم دین ہیں اللہ ان کا سایہ خیر وصلاح کے ساتھ دراز فرمائے۔ اللہ نے ان کو غالباً چھ نرینہ اولاد عطا فرمائی تھیں:

(۱) مولانا معز الدین احمد (۲) مولانا مفتی وحید الدین (۳) مولانا مفتی قطب الدین (۴) مولانا مفتی اسعد الدین (۵) مولانا مفتی اسجد صاحب یہ سب کے سب حافظ بھی ہیں اور جید عالم اور مفتی بھی ہیں اور یہ سب ملک کے اہم اور معتبر مدارس میں بہت ہی قبولیت کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اور ایک چھٹا صاحبزادہ دارالعلوم دیوبند میں متوسطات پڑھنے کے زمانے میں کسی حادثہ میں شہید ہو گیا آج مولانا مرحوم نے زندگی کا ایک لمبا عرصہ نیک نامی کے ساتھ گزارنے کے بعد ہفتہ دس دن شدید بیماری کے شکار ہونے کے ساتھ ہم سب سے داغ فراق اختیار فرمالیا ہے۔ خاص طور پر احقر کے لئے بہت بڑا صدمہ اور حادثے کا وقت ہے کہ ایک اہم ترین مدبر اور صاحب علم دوست ہاتھ سے نکل گیا۔ ان کے پسماندگان میں

والدین اوران کی اہلیہ اوران کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ابوبکر جو ابھی کم عمر اور درجہ حفظ پڑھ رہا ہے۔

اللہ تعالی مولانا کی عمر بھر کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ذریعہ نجات بنائے، اور مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے اور اعلی علیین میں مقام عطا فرمائے۔احقر مولانا کے والدین، ان کی اہلیہ، بچوں، ان کے سارے بھائیوں، تمام دوست واحباب اور جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داران کی خدمت میں انھیں جملوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتا ہے۔

ایک مخلص رفیق کی رحلت

(بیاد: مولانا معز الدین احمد قاسمیؒ)

محمد سلمان منصور پوری

امارتِ شرعیہ ہند کے ناظم، اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے معتمد، ہمارے مخلص دوست اور قدم قدم پر کام آنے والے معاون ومشیر، جناب مولانا معز الدین احمد صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار صبح تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ۵۹؍سال کی عمر میں دہلی کے ''میکس اسپتال'' میں رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے روز صبح نو بجے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر میں علماء اور خواص کے مجمع نے حضرت امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہم کی اقتداء میں نماز جنازہ اَدا کی، اور اُس کے بعد دلی گیٹ کے عام قبرستان میں نم آنکھوں کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کردیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

مولانا موصوف منفرد صفات کے حامل عالم دین تھے، علمی استعداد خوب تھی، ذہانت اور معاملہ فہمی میں ممتاز تھے۔ خصوصاً دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند اور اُن سے وابستہ اکابر کی تاریخ اور سوانح حیات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اکابر دیوبند کے منہج ومشرب پر پوری طرح ثابت قدم تھے۔ مزاج میں یکسوئی غالب تھی، نام وری، شہرت اور لوگوں کے سامنے نمایاں ہونے کے جذبہ سے بالکل پاک تھے۔ عموماً ذمہ داری قبول کرنے سے گریزاں رہتے تھے؛ لیکن مجبوراً اگر

کوئی ذمہ داری سر پڑ جاتی تو حتی الامکان اُسے اَدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنے اَحباب کے ساتھ رواداری اور ہم دردی و خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے اور قریبی اعزاء کے ساتھ بے مثال صلہ رحمی کا معاملہ کرتے تھے۔ اگرچہ گھر سے دور ایک طرح سے مسافرانہ زندگی گذارتے، مگر اپنے والدین، اہل خانہ اور برادران وغیرہ کی ہر اعتبار سے خبر گیری کرتے تھے، بغیر لاگ لپیٹ کے صاف گوئی کے عادی تھے۔ کسی کی بے وزن بات سے ہرگز مرعوب نہ ہوتے؛ بلکہ مضبوط دلائل سے اصلاح کی کوشش کرتے تھے، اگر اُن سے کسی معاملے میں مشورہ لیا جاتا تو خوب غور وفکر کر کے دیانت داری کے ساتھ بہترین مشورہ دیا کرتے تھے، اور پھر اپنے مشورے پر اصرار نہ کرتے؛ بلکہ اگر مشورہ قبول نہ کیا جاتا تو کسی ناگواری کا اظہار نہ کرتے تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے اُس پر مضبوطی سے قائم رہتے، اور اُس پر کسی لعن وطعن کی پروانہ کرتے تھے۔ اُن کے حلقہ احباب میں اکثر وہی لوگ شامل تھے جو علم و کتاب کے مشغلے سے وابستہ ہوں، فضول مجالس اور بے فائدہ مشاغل سے دور رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ جمعیۃ علماء کی مختلف النوع سرگرمیوں میں بھی اُسی وقت حصہ لیتے تھے، جب ذمہ داران کی طرف سے اُنہیں باقاعدہ مکلّف کیا جاتا، اَز خود آگے بڑھنے کا مزاج نہ تھا، حساب و کتاب کا معاملہ بالکل صاف شفاف تھا، بارہا اِس کا تجربہ ہوا، ذاتی معاملہ ہو یا کسی اِدارے کا حساب ہو؛ پائی پائی کا حساب لکھ کر رکھتے تھے۔ وفات سے کچھ دن قبل ''امارتِ شرعیہ'' کا مکمل حساب ایک فائل میں تحریر کر کے رکھ دیا تھا؛ تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔

مدنی دار المطالعہ طلبہ دار العلوم دیوبند

موصوف سے ہمارا تعلق تقریباً ۳۸؍سال پر محیط ہے۔ ۱۴۰۲ھ میں ہم دار العلوم دیوبند میں درجہ چہارم عربی میں داخل ہوئے، جب کہ مولانا معز الدین احمد صاحبؒ نے درجہ پنجم میں داخلہ لیا، وہ ہم سے ایک سال آگے تھے؛ لیکن ''مدنی دار المطالعہ'' (جو پہلے صوبہ یوپی کے طلبہ کی انجمن تھی، پھر دار العلوم کی نشأۃ ثانیہ کے بعد اُس کو بلا امتیاز سبھی طلبہ کے لئے عام کر دیا گیا تھا،

اور اُس وقت اُس کے نگراں صاحبزادۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہ تھے، جو حسن اتفاق مولانا معز الدین صاحب کے ہم درس بھی ہیں) کے نظم وانتظام کی ذمہ داری سر پر آئی تو مولانا معز الدین احمد صاحبؒ نے اِس سلسلے میں بیش بہا اور بے لوث خدمات انجام دیں۔ اُس وقت دار المطالعہ میں کتابیں زیادہ مقدار میں نہ تھیں، اور جو تھیں بھی وہ مرتَّب نہ تھیں، عمارت میں نمی کی وجہ سے جلدیں بھی خراب ہورہی تھیں۔ مولانا معز الدین صاحبؒ نے باقاعدہ نیا رجسٹر چھپوایا، پھر سب کتابوں کو فن وار الگ کر کے رجسٹر میں اُن کا اندراج کیا، حسب ضرورت کتابوں کی جلد سازی کرائی، اور سالوں تک ہر روز باقاعدہ عصر سے مغرب تک دار المطالعہ کھول کر طلبہ کے لئے استفادہ کی راہ آسان کی، جس سے طلبہ میں مطالعہ کا ذوق عام ہوا۔

''مدنی دار المطالعہ'' کی طرف سے مختلف علمی وتاریخی موضوعات پر مضمون نگاری کے ''مسابقے'' ہوتے تھے، جس میں شائقین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور کامیاب ہونے والوں کو سالانہ اجلاس میں انعام سے نوازا جاتا تھا، اور یہ سالانہ پروگرام بھی بہت شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوتا تھا۔

ہم لوگوں نے ''مدنی دار المطالعہ'' کا ایک نیا شعبہ تقریری مشق کے لئے قائم کیا، جو ''بزم شیخ الاسلام'' کے نام سے موسوم تھا، جس کے حلقے دار الحدیث فوقانی میں ہر ہفتے جمعہ کی نماز کے بعد لگا کرتے تھے، اُن سب کی نگرانی اور تیاری زیادہ تر مولانا موصوف کے سپرد تھی۔

''مدنی دار المطالعہ'' کا ایک دیواری پرچہ ماہنامہ ''آزاد'' کے نام سے شائع ہوتا تھا، جو الحمد للہ کافی مقبول تھا، اور مضامین اور کتابت وغیرہ کے اعتبار سے ممتاز سمجھا جاتا تھا، اُس کی تیاری میں بھی مولانا موصوف بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ ایک مرتبہ اُس کا مطبوعہ ایڈیشن بھی شائع کرایا، جس میں دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ خمینی کی کتاب ''کشف الاسرار'' سے وہ اقتباسات بھی جمع کئے گئے تھے، جن میں اسلامی اُصولوں کے خلاف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدترین تبرابازی کی گئی ہے۔

الغرض اُس دور میں بھی مولانا معزالدین صاحبؒ کی پہچان ایک ذی استعداد، فعال، محنتی اور منصوبہ ساز طالب علم کی حیثیت سے ہوتی تھی۔ عربی اور اُردو تحریر بہت پختہ تھی، امتحانات میں اکثر اعلیٰ نمبرات سے پاس ہوتے تھے، جس کی بنا پر اَساتذۂ کرام کے منظورِ نظر بن گئے تھے۔

موصوف شعبان ۱۴۰۶ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے، اور شوال ۱۴۰۶ھ سے شعبان ۱۴۰۷ھ تک دارالعلوم میں معین مدرس رہے، اسی درمیان اکتوبر ۱۹۸۶ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں ''عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت'' کا انعقاد ہوا، حضرت والد محترم مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہم اس اجلاس کے کنوینر تھے، تو اجلاس کی تیاریوں میں موصوف نے حضرت والد صاحب کے معاون کے طور پر کام کیا، جس سے اکابر کے سامنے آپ کی صلاحیتیں مزید نکھر کر سامنے آئیں۔

اِس اجلاس کے موقع پر ہم لوگوں نے ''تحریک ختم نبوت'' اور ''ردِ قادیانیت'' سے متعلق ایک بڑا معلوماتی چارٹ شائع کیا تھا، جس کی تیاری اور قدیم کتابوں سے مواد فراہمی میں مولانا موصوف کا حصہ سب سے زیادہ تھا، یہ چارٹ بھی بہت مقبول ہوا، اور ملک و بیرونِ ملک میں اُس کی اِفادیت محسوس کی گئی، فالحمد للہ علی ذلک۔

امارتِ شرعیہ ہند سے وابستگی

۲ر نومبر ۱۹۸۶ء کو مدنی ہال (دفتر جمعیۃ علماء ہند) نئی دہلی میں ایک عظیم الشان نمائندہ اجتماع منعقد ہوا، جس میں ''امارتِ شرعیہ ہند'' کا قیام عمل میں آیا، اور محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ اَمیر الہند اَول اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نائب اَمیر الہند منتخب کئے گئے۔

اَب ضرورت تھی کہ مرکزی دفتر کو سرگرم رکھنے کے لئے کوئی ایسا شخص مقرر کیا جائے، جو علمی شغف رکھنے والا ہو اور مسائل سے واقف کار ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں سے ربط ضبط بھی رکھ

سکے، چناں چہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی نظر انتخاب مولانا معزالدین احمد صاحبؒ پر پڑی، موصوف حضرت والا کے حکم اور اَساتذۂ کرام کے مشورے سے شوال ۱۴۰۷ھ سے دہلی دفتر میں منتقل ہوگئے۔ شروع میں چند سال آپ نے ''مدرسہ حسین بخش'' دہلی میں ''جلالین شریف''، ''اُصول الشاشی'' اور ''نورالانوار'' وغیرہ کتابیں پڑھائیں؛ لیکن بعد میں ۱۹۹۳ء سے مصروفیت کے سبب یہ تدریسی سلسلہ باقی نہیں رہ سکا۔

''امارتِ شرعیہ ہند'' کے کاموں کو منظم اور مرتب کرنے میں موصوف کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ امارتِ شرعیہ کی ضرورت واَہمیت پر رسائل اور مضامین شائع کرائے، ملک کے طول وعرض کے دورے کئے، اور جابجا ''محاکم شرعیہ'' کے تربیتی کیمپ بحسن وخوبی منعقد کئے۔

جہاں جہاں بھی کام ہو رہا تھا، موصوف اُن سے ربط رکھتے اور رپورٹ منگواتے تھے، اور کبھی کبھار کوئی استفتاء آجاتا، تو مفتیان کے مشورے سے فتویٰ بھی تحریر کرتے تھے۔

موصوف کو حضرت امیر الہند اول حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کے دور امارت میں تقریباً ۴؍سال، اَمیر الہند ثانی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کے دور میں ۱۴؍سال، اَمیر الہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دور میں ۴؍سال اور اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کے دور میں ۱۰؍سال کام کرنے کا موقع ملا، اور سب کا مکمل اعتماد آپ کو حاصل رہا۔

رویت ہلال کا اہتمام

شروع ہی سے امارتِ شرعیہ ہند کی ''رویت ہلال کمیٹی'' کا ۱۲؍مہینے ہر ماہ ۲۹؍تاریخ کو مرکزی دفتر میں اجلاس منعقد کرکے چاند کا اعلان کیا جاتا ہے، مولانا موصوف اس اجلاس اور اعلان کا بڑا اہتمام رکھتے تھے۔ اگر دہلی میں موجود نہ ہوتے تو بھی کسی کو مکلّف کرکے جاتے، اور برابر فون پر رابطہ رکھتے تھے، اور شرعی اُصول وضوابط کے موافق پوری تحقیق کے بعد اعلان کرایا کرتے تھے۔ اور مسلسل کام کرتے کرتے اُن کو ایسا تجربہ ہوگیا تھا کہ اندازہ لگالیتے کہ اِس مرتبہ

چاند ۲۹ رکا ہوگا یا ۳۰ رکا، اور اکثر اُن کا اندازہ درست نکلتا تھا۔ اِس اہتمام کی بدولت چاند کے بارے میں ''امارتِ شرعیہ ہند'' کے اعلان کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور اِس کی وجہ سے کافی حد تک اپنے طبقے میں انتشار میں کمی آئی ہے، فالحمد للہ علٰی ذلک۔

اِدارۃ المباحث الفقہیہ

۱۹۹۰ء میں جب جمعیۃ علماء ہند کے علمی شعبے ''اِدارۃ المباحث الفقہیۃ'' کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، اور فقہی اِجتماعات کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا، تو حضرت فدائے ملتؒ نے مولانا موصوف کو اُس کی ذمہ داری سپرد کی۔ یہ ایک اہم کام تھا، جس کا پہلے سے کوئی تجربہ بھی نہ تھا؛ تاہم مولانا معز الدین احمد صاحبؒ نے اپنے اَحباب کے ساتھ مل کر بحسن وخوبی یہ ذمہ داری انجام دی۔

ہمیں یاد ہے کہ فروری ۱۹۹۱ء میں جب دیوبند میں ''غیر سودی رفاہی اِداروں اور سوسائٹیوں'' کے موضوع پر پہلا فقہی اجتماع منعقد ہوا، تو ہم لوگ تقریباً ایک ہفتہ پہلے اجتماع کی تیاری کے لئے دیوبند پہنچ گئے تھے، اور اُس وقت کمپیوٹر کا رواج عام نہ تھا، اِس لئے مقالہ جات کی تلخیص بھی ہاتھ سے لکھ کر کی گئی تھی، اور کئی دن رات کی مسلسل محنت کے بعد جب تلخیص تیار ہوئی، تو سبھی مدعووین کی خدمت میں اُسے پیش کرنے کے لئے فوٹو اسٹیٹ کاپیاں کرائی گئیں، اُس وقت دیوبند میں ''فوٹو اسٹیٹ مشین'' قلعے والی مسجد کے سامنے ایک غیر مسلم دوکان دار کے پاس تھی، مولانا موصوف خود اُس کی دوکان پر جاتے اور گھنٹوں بیٹھ کر اپنے سامنے مقالہ جات اور تلخیص وغیرہ کی کاپیاں کراتے تھے۔

اُن کی زندگی میں ''ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند'' کے زیر اہتمام ملک کے مختلف مقامات پر ۱۵ رفقہی اجتماعات پوری کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئے، اور سبھی میں مرکزی کردار مولانا موصوف نے اَدا کیا۔ موضوعات کا انتخاب، سوالات کی تیاری، اکابر اَساتذہ ومفتیانِ کرام سے استصواب، اور پھر مدعووین تک اُنہیں اِرسال کرنا، اور وقت کے اندر اندر مقالات منگوانا، اور پھر اُن کی تلخیص کرا کر اجتماع میں پیش کرنا اور اجتماع سے متعلق ابتداء سے انتہاء تک

تمام اُمور کی نگرانی کرنا؛ یہ سب اُمور مولانا موصوف جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مقرر کردہ فقہی کمیٹی (جس میں دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد اور جامعہ اسلامیہ جامع مسجد اَمروہہ کے مفتیانِ کرام اور اَساتذہ شامل ہیں) کے مشورے اور تعاون سے پوری توجہ سے انجام دیتے تھے۔ سولہویں فقہی اجتماع کی بھی تیاریاں مکمل تھیں، جسے ۱۸-۲۰/مارچ ۲۰۲۰ء کو دہلی میں منعقد ہونا تھا؛ لیکن لاک ڈاؤن کی وجہ سے اُسے ملتوی کردیا گیا، اَب اِن شاءاللہ تعالیٰ حالات درست ہونے کے بعد اُس کا انعقاد ہوگا؛ لیکن بہرحال مولانا موصوف کی کمی شدت سے محسوس کی جائے گی۔

جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی

مولانا موصوف کا پورا خانوادہ ذہنی طور پر جمعیۃ علماء ہند اور اُس کی فکر سے وابستہ تھا۔ یہی اثرات مولانا موصوف میں بھی منتقل ہوئے، چناں چہ آپ نے جمعیۃ دفتر میں رہتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کی کسی بھی خدمت سے گریز نہیں کیا، اور وقتاً فوقتاً موصوف کو جس کام کا مکلّف کیا گیا، اُس کو سرانجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آپ کو دفتر میں اولاً حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہم کے ساتھ کام کا موقع ملا، متعدد فقہی اجتماعات اور دیگر اہم پروگرام اُن کے دور میں منعقد ہوئے۔ اور بعد میں حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی مدظلہ کے دست و بازو بن کر آپ نے خدمات پیش کیں۔

''تحفظ سنت کانفرنس'' (منعقدہ: ۲۰۰۱ء بمقام: تال کٹورا اسٹیڈیم نئی دہلی) میں علمی مقالات کی طباعت و اِشاعت کی ذمہ داری مولانا ہی کے سپرد تھی۔ اسی طرح ''فدائے ملت سیمینار'' (منعقدہ: ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء بمقام: وگیان بھون نئی دہلی) کی تیاری میں بھی مولانا نے اَنتھک محنت کی، اسی موقع پر موصوف نے حضرت فدائے ملتؒ کے تمام خطبات جمع کر کے ''خطباتِ فدائے ملتؒ'' کے نام سے ایک ضخیم مجموعہ شائع کیا۔

اُس کے بعد جب مجلس عاملہ نے جمعیۃ کی ''صد سالہ تقریبات'' کے انعقاد کا فیصلہ کیا، تو موصوف ہی کے مشورے پر اکابر کے نام پر سیمینار کرانے کا فیصلہ لیا گیا، اور سیمینار کمیٹی کا کنوینر

مولانا کو بنایا گیا۔ چناں چہ مولانا کی ذاتی توجہ سے متعدد شخصیات پر عظیم الشان سیمینار منعقد ہوئے، اور اُن کے مقالے بھی بحمدہ تعالیٰ شائع ہوگئے، جو بڑی دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں؛ تاہم ابھی کئی سیمینار منصوبے میں شامل ہیں۔

اِسی طرح بڑے اجلاسوں کے موقع پر اکثر ''اسٹیج پاس'' تقسیم کرنے کی ذمہ داری مولانا معزالدین احمد صاحبؒ کو دی جاتی، جسے موصوف بلا کسی رو رعایت کے مقررہ ضابطہ اور اکابر کے حکم کے مطابق انجام دیتے تھے۔

موصوف کو نومبر ۲۰۱۶ء با قاعدہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا، اس کے بعد سے مجلس میں اکثر کارروائی آپ ہی لکھتے تھے، اور اہم موضوعات پر اپنی رائے مدلل انداز میں رکھا کرتے تھے، جس کی اَراکین قدر کرتے تھے۔

مطالعہ کتب کا ذوق

کتابوں سے مولانا موصوف کو عشق کے درجہ کا تعلق تھا، ضرورت کی جو کتاب نظر پڑ جاتی، اُسے حاصل کئے بغیر اُنہیں چین ہی نہ آتا تھا، دہلی آنے کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی ''محمودیہ لائبریری'' پوری چھان ماری؛ حتیٰ کہ ''الجمعیۃ'' کے جو پرانے فائل ہیں، اُن کا بھی بڑا حصہ مطالعہ کر ڈالا، اسی کا اثر تھا کہ اس وقت جمعیۃ کی تاریخ پر موصوف کی جتنی نظر تھی، شاید ہی کسی کی ہو۔

دفتر میں اُن کا کمرہ رہائش کم اور لائبریری کا منظر زیادہ پیش کرتا تھا، جس میں عربی اُردو فارسی کی ہر موضوع کی کتابیں اور نادر ونایاب رسائل کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ جس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور ردّ فرقِ باطلہ وغیرہ کے علاوہ سیر وسوانح؛ حتیٰ کہ مشہور شاعروں کی کلیات بڑی تعداد میں جمع ہیں۔ کتابیں رفتہ رفتہ اتنی زیادہ جمع ہوگئی تھیں کہ لیٹنے بیٹھنے کی جگہ تنگ پڑ گئی تھی۔ اِسی منظر کو دیکھ کر ایک مرتبہ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: **''معزالدین تو کتابوں کا قارون ہورہا ہے''**۔ ہمیں بھی اگر کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو یا تو مطبوعہ حاصل کر کے فراہم کرتے یا تلاش کر کے **PDF** کی صورت میں موبائل میں بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے۔

ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ سرسری مطالعے کے قائل نہ تھے، جو بھی مطالعہ کرتے پوری گیرائی سے کرتے، عموماً مسودوں پر نظر ڈالتے وقت ہم لوگوں سے غلطیاں رہ جاتیں؛ لیکن جب وہ نظر ڈالتے، تو کتابت اور تعبیر کی بہت سی غلطیوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ حسن اتفاق کہ کتابوں کا یہی اعلیٰ ذوق اُن کے لئے بہترین ذریعہ معاش بھی بن گیا، موصوف لوگوں کی فرمائش پر مناسب ریٹ پر کتابوں کی طباعت کراتے تھے۔ کاغذ کے تاجروں اور متعدد پریس والوں سے موصوف کے اچھے روابط تھے۔

ذاتی تعلق

فکری ہم آہنگی اور مسلسل ساتھ میں کام کرنے کی وجہ سے ہمارے پورے گھرانے کا تعلق موصوف سے اِس قدر زیادہ ہوگیا تھا کہ ہمارے بچے موصوف کو ''بڑے ابی'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اور ہمارے والدین محترمین مدظلہما بھی اُن کے اور اُن کے بچوں کے ساتھ اپنی اَولاد جیسا معاملہ کرتے تھے۔ دہلی میں موصوف کا کمرہ ہم لوگوں کے لئے گویا کہ گھر کے ایک حصے کی حیثیت رکھتا تھا، جہاں پہنچ کر کوئی اجنبیت محسوس نہ ہوتی تھی۔ موصوف کی دعوت پر نہ جانے کتنی بار اُن کے وطن مالوف ''دتلوپور'' (بلرام پور) جانا ہوا، اُن کی خواہش رہتی تھی کہ اُن کے خاندان کی کوئی تقریب ہم لوگوں کی نمائندگی کے بغیر منعقد نہ ہو۔ چناں چہ حضرت والد صاحب مدظلہ یا احقر یا برادرِ عزیز مفتی محمد عفان سلمہ میں سے کوئی نہ کوئی تقریب میں ضرور شریک ہوتا تھا۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ مولانا موصوف کی دعوت کو رد کردیا جائے؛ کیوں کہ اُن کی ناراضگی کا ڈر رہتا تھا۔ ابھی ''لاک ڈاؤن'' سے قبل ۱۴ر مارچ کو مولانا کے برادرِ اصغر جناب مولانا مفتی وحیدالدین صاحب زیدمجدہ مفتی واُستاذ حدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر گجرات کی صاحب زادی کا عقد تھا، تو موصوف کی خواہش پر اسی غرض سے ایک دن کا ترکیسر کا سفر ہوا، کیا پتہ تھا کہ اُن کے ساتھ یہی یادگار سفر آخری بن جائے گا۔

علمی تعاون

شوال المکرم ۱۴۱۰ھ میں ہم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد آ گئے، اور کچھ عرصے کے بعد ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کی ترتیب کی ذمہ داری بھی سر آ گئی، پھر اُس کے بعد مخدومِ محترم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدیؒ سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد کے حکم پر ''ندائے شاہی'' کے ''تاریخ شاہی نمبر'' کی اِشاعت کا پروگرام بنا، اُس کے لئے مواد اکٹھا کرنا ایک بڑا محنت طلب کام تھا، جو مدرسہ کے ریکارڈ میں معلومات تھیں، وہ تو یہیں سے مرتب کر لی گئیں؛ لیکن مدرسہ سے وابستہ شخصیات کے بارے میں بہت سے وقیع مضامین اور دستاویزات مولانا معز الدین صاحب کے ذریعہ حاصل ہوئیں، اور کئی اہم مضامین موصوف نے خود تحریر کئے۔ پھر اِس ضخیم نمبر کے بعض مضامین کی کمپیوٹر کتابت اور طباعت میں بھی غیر معمولی تعاون کیا، جس کو اَلفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے دہلی میں رہ کر کتنی راتیں اور کتنے ہی دن مولانا کے ساتھ گذارے اور لگ لپٹ کر اس تاریخی نمبر کو وقت پر شائع کیا۔

اِسی طرح جب ندائے شاہی کے ''نعت النبی نمبر'' کی اِشاعت کا مرحلہ آیا، تو موصوف نے نہ جانے کہاں کہاں سے مواد جمع کر کے پیش کیا، جہاں تک ہماری رسائی بھی مشکل تھی۔ پھر اُس کی طباعت واِشاعت میں بھی قدم قدم پر تعاون کیا۔ نیز ''حج وزیارت نمبر'' اور ''فدائے ملت نمبر'' کی تیاری اور طباعت میں بھی موصوف کا بڑا اہم حصہ رہا۔

نیز جب ندائے شاہی میں ''تحریک آزادی ہند کے متعلق'' احقر کا قسط وار مضمون شائع ہوا، تو اُس کی جب کتابی شکل میں اِشاعت کا مرحلہ آیا، تو احقر کی گذارش پر مولانا معز الدین احمد صاحب نے اس مضمون میں آمدہ شخصیات کا جامع تعارف ضمیمہ کے طور پر شامل کیا، جو بڑی قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔

علاوہ ازیں احقر کی دیگر تالیفات بالخصوص ''کتاب المسائل'' (۵؍جلدیں) اور ''کتاب النوازل'' (۱۹؍جلدیں) کی فرید بک ڈپو دہلی سے طباعت واِشاعت میں مولانا موصوف نے ذاتی دلچسپی لی اور بہت معیاری انداز میں ان کتابوں کو شائع کرایا۔ فجزاہم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

خلاصہ یہ کہ ہم لوگوں پر موصوف کے بے شمار احسانات ہیں، جن کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ضرور ملے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ اُن کی یہ محبت خالصۃً لوجہ اللہ تھی، جس میں دور دور تک دنیوی طمع کا دخل نہ تھا، بلاشبہ ایسی بے لوث مخلصانہ محبت کرنے والے لوگ دنیا میں بہت کم یاب ہیں۔ موصوف کی عنایتیں رہ رہ کر یاد آئیں گی، اور اُن کی کمی برابر محسوس کی جاتی رہے گی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حرمین شریفین حاضری سے شغف

مولانا موصوف کو ''حرمین شریفین'' کی حاضری سے بھی بڑا شغف تھا، کم وبیش بیس سال سے رمضان المبارک میں عمرہ اور آخری عشرے میں مسجد نبوی مدینہ منورہ میں اعتکاف کا معمول تھا، اور وہاں کا پورا وقت مسلسل عبادت وریاضت میں گذارا کرتے تھے۔ ابھی مارچ کے اواخر میں بھی بچوں کے ساتھ عمرہ کا پروگرام تھا، جو لاک ڈاؤن کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا۔

اِس دوران تین حج بھی کئے، پہلا حج ۱۹۹۶ء میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ کیا، حسن اتفاق کہ اُس قافلے میں ہم مع اہلیہ اور عزیزم مفتی محمد عفان سلمہ بھی شامل تھے۔ حرم کے قریب ہی ''محلّہ اجیاد'' میں حج کمیٹی کی ایک بلڈنگ میں ہم لوگوں کا قیام تھا، مولانا موصوف کا مسلسل یہ معمول رہا کہ ظہر سے قبل کھانا کھا کر حرم شریف چلے جاتے، اور پھر عشاء کے بعد واپس ہوتے تھے، حسب موقع بکثرت عمرہ کرنے کا بھی اہتمام تھا۔

دوسرا حج ۲۰۰۳ء میں اور تیسرا سفر حج ۲۰۱۵ء میں کیا، جس میں ۱۰رذی الحجہ کو منیٰ کے حادثے میں بھیڑ کے نرغے میں آکر بے ہوش ہو گئے تھے، تقریباً ۲۰رگھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد ہوش آیا تھا، ہم لوگ مکہ معظّمہ کے مختلف اسپتالوں میں موصوف کی تلاش میں چکر لگاتے رہے، اور بظاہر بالکل نا اُمیدی کی صورت ہو گئی تھی؛ تا آں کہ ۱۲رذی الحجہ کو میدانِ عرفات کے اسپتال سے آپ کو مکہ معظّمہ کی قیام گاہ پر پہنچایا گیا، اِس حادثے کا آپ کی طبعیت پر بہت منفی اثر پڑا، شوگر کا عارضہ پہلے سے تھا، چناں چہ ہندوستان واپسی کے بعد بھی سنبھلنے میں کافی وقت لگ گیا، اور اندرونی طور پر کمزوری برقرار رہی؛ البتہ موصوف حسب معمول مفوضہ اُمور انجام دیتے رہے۔

مرض الوفات

اگست ۲۰۲۰ء کے اواخر سے موصوف کو کچھ دن بخار آیا، اور پیٹ کی تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے غذا بالکل بند ہوگئی اور کمزوری بہت بڑھ گئی؛ تا آں کہ ۲ ؍ستمبر ۲۰۲۰ء کی شام کو اِس قدر کمزوری ہوئی کہ بغیر سہارے کے اُٹھنا بھی مشکل ہوگیا، آکسیجن دیکھا گیا تو اُس کا لیول تشویش ناک حد تک بہت کم تھا؛ جب کہ شوگر بڑھ کر ۶۰۰ ؍کے قریب ہوگئی تھی، اور بلڈ پریشر بھی ہائی تھا، فوری طور پر کمرے میں ہی آکسیجن دیا گیا؛ لیکن طبعیت میں زیادہ سدھار نہیں ہوا، اِس لئے مجبوراً رات ہی میں دہلی کے معروف ''میکس اسپتال ساکیت'' میں داخل کیا گیا، اگلے دن جمعرات کو طبعیت کافی بہتر رہی، اور حالت اُمید افزا معلوم ہونے لگی، اسپتال سے ٹیلی فون پر بات بھی کرتے رہے؛ لیکن جمعہ کے دن دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دل کا دورہ پڑا، جس سے حالت غیر ہوگئی، فوری طور پر بہتر سے بہتر علاج کیا گیا؛ لیکن کمزوری بڑھتی چلی گئی؛ بالآخر ''کووڈ وارڈ'' میں منتقل ہونے کے بعد ''وینٹی لیٹر'' پر رکھا گیا، اور بے ہوشی کی حالت طاری ہوگئی، اِسی حالت میں ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار صبح ساڑھے آٹھ بجے مالک حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

طبعیت کی خرابی سن کر موصوف کے والد محترم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب قاسمی مدظلہم اور دیگر اعزاء وطن دتلوپور (گونڈہ بلرام پور) یوپی سے روانہ ہوچکے تھے، اِس لئے اُن کا انتظار کرتے ہوئے اگلے دن ۱۴؍ستمبر کی صبح کو ''جمعیۃ یوتھ کلب'' کی ٹیم (جو وبائی مریضوں کی خدمت اور اَموات کی تجہیز وتکفین کے لئے تشکیل دی گئی ہے) کی نگرانی میں مولانا موصوف کی میت اسپتال سے جمعیۃ علماء ہند کے دفتر لائی گئی، پھر سنت کے مطابق غسل اور تجہیز وتکفین کرکے نماز جنازہ اَدا کی گئی۔ کافی لوگ جنازے میں شامل ہوئے، بعد اَزاں ''دلی گیٹ'' کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں، اُن کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اُن کی سیئات کو حسنات میں مبدل فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، اور بچوں کی غیب سے کفالت فرمائیں، اور اُمت کو اُن کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔ (مرتب) (ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۰ء)

اور دلی اجنبی ہوگئی......

(بھائی معزالدین رحمہ اللہ جوار رحمت میں)

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

۲۴ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۲۰۲۰ء بہ روز اتوار صبح تقریباً گیارہ بجے میکس اسپتال، دہلی کے ذرائع سے یہ افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ بھائی معزالدین رحمۃ اللہ علیہ دنیائے فانی کو داغِ مفارقت دے کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم اِدارۃ المباحث الفقہیہ اور امارتِ شرعیہ ہند کے ناظم وروحِ رواں، اکابر کے معتمد، صاف دل وصاف گو، جمعیۃ علماء ہند کا قیمتی اَثاثہ، جید عالم دین اور بہت سی خصوصیات کے حوالہ سے منفرد مزاج کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔

وہ ہمارے بڑے بھائی، فیملی ممبر اور گھر کے ایک فرد کی طرح تھے، ہم نے شروع سے اُن کو ایک وفا شعار مخلص بھائی سے بڑھ کر شفقت کرتے ہوئے، اور ایک سچے ہمدرد سے بڑھ کر معاملہ کرتے ہوئے پایا، سکھ اور دکھ کی ہر گھڑی میں بھائی معزالدین ہمارے آس پاس ہوا کرتے تھے، وہ ہر طرح کی راحت پہنچا کر خوش ہوتے تھے، اور دکھ کو بانٹ لیا کرتے تھے۔

سچ پوچھئے تو آج پہلی مرتبہ ہمیں دہلی میں اجنبیت اور اکیلے پن کا احساس ہو رہا ہے، ہم نے جب سے دہلی آنا شروع کیا، بھائی معزالدین کا کمرہ ہماری قیام گاہ اور وہی ہمارے میزبان ہوا کرتے تھے، دہلی میں جہاں بھی جانا ہوتا، DTC بسوں سے یا آٹو رکشا سے وہ ہمارے ساتھ

ہوتے، انہیں بس پتہ چل جائے کہ ہم دہلی آرہے ہیں، سراپا انتظار ہوجایا کرتے تھے، بار بار فون پر معلوم کرتے رہتے تھے کہ کہاں تک پہنچے؟ نہ جانے کتنی مرتبہ ایسا ہوا ہوگا کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو لینے اسٹیشن پہنچ گئے، اُن کا گھر اگرچہ یہاں نہیں تھا، پھر بھی پرتکلف کھانوں سے ضیافت کا اہتمام کرتے، جس کو وہ عام طور پر دسترخوان کریم وغیرہ سے منگایا کرتے تھے، رات میں رکنا ہوتا تو صبح کو پرانی دہلی کے مشہور پکوان ''نہاری'' کا ناشتہ کرواتے، جس ضرورت کے لئے آنا ہوتا اسے پورا کرنے میں بھرپور دلچسپی لیتے، اگر کبھی دلی ایسے موقع پر آنا ہوتا کہ وہ یہاں موجود نہ ہوتے تو برابر رابطہ رکھتے اور کوشش کرتے کہ ان کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہونے پائے، یہی وجہ تھی کہ دہلی آتے ہوئے کچھ سوچنا نہیں پڑتا تھا غرض کہ ہر مرض کی دوا بھائی معزالدین تھے۔

اللہ ان کو غریق رحمت کرے وہ ہمیں اپنے احسانات تلے دبا کر اور دہلی کو ہمارے لئے اجنبی بنا کر چھوڑ گئے، عمر نے وفا کی تو دہلی تو شاید آئندہ بھی آنا ہوگا؛ لیکن اب کوئی ان کی طرح انتظار کرنے والا اور دلی تعلق کا مظاہرہ کرنے والا شاید نہیں ملے گا، اِس بے لوث تعلق رکھنے والے شفیق بھائی کی غیر موجودگی کا احساس پتہ نہیں کب تک زخم بن کر ہرا رہے گا۔

۱۹۸۱ء میں جب ۱۸/سال کی عمر میں اُنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے درجۂ پنجم عربی میں داخلہ لیا، تو ہماری عمر بمشکل پانچ سال رہی ہوگی، حضرت اقدس والد صاحب دامت برکاتہم کے پاس ''مقامات حریری'' کا گھنٹہ تھا، بھائی معزالدین کے والد محترم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب دامت برکاتہم چوں کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے گرویدہ اور اُن کے خانوادہ سے والہانہ تعلق رکھنے والے ہیں، اِس لئے یہی جذبات بھائی معزالدین کی طرف منتقل ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت والد صاحب - اَدام اللہ ظلہ علینا - سے اُن کی اس درجہ قربت اور اتنی کثرت سے آنا جانا ہوگیا تھا کہ ہم نے شروع سے ہر موقع پر حضرت والد صاحب، بھائی صاحب اور گھر والوں کا اُن پر پورا اعتماد دیکھا، یہی وجہ تھی کہ بے تکلفی کے ساتھ ہر طرح کی بات اُن سے ہوجایا کرتی تھی، وہ بہت اچھے مشیر تھے، ہمیشہ ہمارے تابناک مستقبل کے لئے

کوشاں اور خواہاں رہا کرتے تھے۔ ہدایۃ النحو ہی سے اُنہوں نے عربی شروحات کا مطالعہ کرنے کی نہ صرف ترغیب دی اور تاکید کی؛ بلکہ ہر سال فن کی اہم کتابوں اور اُمہات الکتب کی عربی شروحات اپنی دلچسپی سے اُنہوں نے ملک یا بیرونِ ملک سے مہیا کرائیں اور مطالعہ کی عادت ڈلوائی۔ آج احساس ہوتا ہے کہ اگر ابتدائی سالوں میں وہ اِس جانب عملی طور پر متوجہ نہ کرتے تو ہم اپنی سہل انگاری کی وجہ سے شاید اُن کتابوں سے استفادہ نہ کر پاتے۔

تعلیمی سفر

بھائی معزالدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیوبند آنے سے پہلے عربی کے ابتدائی درجات: درجہ چہارم تک کی تعلیم مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور کان پور میں حاصل کی، اِس سے پہلے اترولہ اور ایٹیا تھوک کے مدارس میں کچھ عرصہ گذارا، پھر مشہور اُستاذ حفظ عاشق قرآن اور صاحبِ نسبت بزرگ حضرت حافظ محمد اقبال صاحب علیہ الرحمہ سے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حفظ قرآنِ پاک کی تکمیل کی۔

اِس کے بعد ڈیڑھ دو مہینے مدرسہ نور العلوم ہرہرپور پرتاپ گڈھ اور مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں بھی رہے؛ لیکن دونوں جگہ کا قیام مختصر رہا، پھر مستقل چار سال تک کانپور میں تعلیم حاصل کی۔

محنت بے کار نہیں جاتی

واقعہ ہے سچی لگن، جانفشانی اور قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی، بھائی معزالدین اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے، پھر بھی محض ۹-۱۰ سال کی چھوٹی سی عمر میں ہی بغرضِ تعلیم اُنہوں نے والدین اور گھر بار کو چھوڑا، اور اُن علمی دانش گاہوں کا رخ کیا جہاں قرآن وسنت کی اَساسی تعلیمات سے انسان واقف ہوکر اپنے ذہن ودماغ کو روشن ومنور کرتا ہے، اور صحیح مقصد زندگی کی کھوج لگانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ مرحوم خود کہا کرتے تھے: ''میں گھر سے پڑھنے کے لئے اتنی چھوٹی عمر میں نکل گیا تھا، جس عمر میں عام طور پر بچے والدین سے الگ نہیں

ہوتے اور والدین بھی اپنے جگر گوشوں کو الگ نہیں کرنا چاہتے''۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا، اُنہوں نے صرف اپنی دلچسپی اور شوق سے دشواریوں کے باوجود علمی سفر کو جاری رکھا، اور اپنے لئے میدان ہموار کیا، یہاں تک کہ اللہ پاک نے اُن کی قربانیوں کو قبول فرمایا، اور علمی حلقوں میں اُنہیں ایک معتبر مقام پر لا کھڑا کیا۔

علم پرور گھرانہ

بھائی معز الدین ایک علم پرور گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، اُن کے دادا جناب ضیاء اللہ صاحب مرحوم عالم دین تو نہیں تھے؛ لیکن علماء کے بڑے قدر رداں اور اُن سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔

آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبد الحمید صاحب دامت برکاتہم (اللہ پاک صحت و عافیت کے ساتھ اُن کو لمبی عمر عطا فرمائیں) بڑے اُولوالعزم، باہمت، دار العلوم دیوبند کے قدیم فیض یافتہ پرانے جمعیتی اور مرجع خاص و عام ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ایسے شیدائی ہیں کہ اُن کا کوئی بیان حضرت کے تذکرے سے خالی نہیں ہوتا، اور والہانہ تعلق ایسا کہ حضرت کا نام لیتے ہی آواز آج بھی بھرا جاتی ہے اور گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ آپ علاقہ کے بہت معتبر و مستند اور بافیض عالم دین ہیں، اور اس حوالے سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ باری تعالیٰ نے اُن کے جملہ چھ کے چھ صاحبزادگان کو حفظ قرآن اور علومِ نبوت حاصل کرنے اور اُس کی نشر و اِشاعت میں مشغول رہنے کے لئے قبول کیا ہے۔

مولانا عبد الحمید صاحب مدظلہ گاؤں دتلو پور میں قائم مدرسہ ''فیضان العلوم'' کے عرصہ دراز سے مہتمم ہیں، اور مثالی دیانت واَمانت کے ساتھ اُس کا نظام چلا رہے ہیں۔

بھائی معز الدین کے خاندان کی دوسری قابل ذکر شخصیت جن کا تذکرہ بارہا ہم نے اُن کی زبان سے سنا، وہ اُن کے نانا ماسٹر محمد یاسین صاحب علیہ الرحمہ ہیں، ماسٹر صاحب علاقہ کے بڑے زمین دار، اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ، دین دار اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والی شخصیت تھے، حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی آپ بیتی ''تحدیثِ نعمت'' میں اُن کا

تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اللہ کا اس گنہگار بندے پر محض احسان ہی احسان ہے کہ اسے تقریباً ۲۰ / بار حرمین شریفین میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، سب سے پہلے یہ سعادت ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں اپنے ایک مخلص دوست کی خواہش کی بدولت میسر آئی، جن کے اِصرار نے مجبور کیا کہ میں اِس مبارک سفر میں اُن کا شریک ہوجاؤں، یہ ضلع گونڈہ یوپی کے ماسٹر محمد یاسین صاحب تھے''۔ (تحدیث نعمت ص: ۱۰۴)

ماسٹر صاحب نے ۱۹۲۷ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے MA کیا تھا، پھر ایک زمانہ تک گونڈہ کے مشہور ''ٹامسن'' کالج میں لیکچرار رہے۔

دارالعلوم کا زمانہ

۱۹۸۱ء میں بھائی معز الدین اَزہر دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی پنجم میں داخل ہوئے، پھر اپنی لیاقت، علم دوستی، شوقِ مطالعہ، ذہانت، اَسباق میں پابندی، دیگر علمی سرگرمیوں میں اشتغال اور اِطاعت شعاری کے وصف کی بنا پر بہت جلد حضرات اَساتذۂ کرام کی نگاہوں میں بھی اُنہوں نے اپنا ایک مقام بنالیا، جو رفتہ رفتہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

مدنی دارالمطالعہ

دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی عظیم انجمن مدنی دارالمطالعہ خارجی اَوقات میں اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہی اُس کے ناظم تھے اور اُس کی جملہ نشاطات اور سرگرمیوں کے روحِ رواں، لائبریری میں موجود تقریباً تمام ہی کتب اُن کی نگاہوں سے گذر چکی تھیں، اور کمال یہ تھا کہ خداداد قوتِ حافظہ کے نتیجے میں پڑھی ہوئی باتیں اُن کو یاد رہتی تھیں، اَب تک بھی مختلف موضوعات کے سلسلے میں وہ مدنی دارالمطالعہ کی لائبریری کی جانب رجوع کرنے کی رہنمائی کیا کرتے تھے۔

''بزم شیخ الاسلام'' کے تحت ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ ہونے والے پروگراموں کی ترتیب

بنانا، شریک ہونے والے طلبہ کے لحاظ سے حلقہ سازی کرنا اور ہر حلقہ کا نگراں متعین کرنا؛ یہ سب اُنہی کا کام تھا، جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت عام طور آرام کا ہوتا ہے؛ لیکن ہر ہفتے عصر تک وہ اِنہی کاموں میں مشغول رہا کرتے تھے۔

مسجد قدیم فوقانی کے نیچے احاطہ باغ کے ایک کمرے میں اُن کا مستقل قیام رہا، یہ کمرہ بھی علمی واَدبی شوق رکھنے والوں کا مرکز بنا رہتا، آنے والے رفقاء جہاں بھائی معز الدین سے علمی مسائل پر گفتگو کرتے، وہیں اُن کی ضیافت ومہمان نوازی سے خوب لطف اندوز ہوتے، سردی کے زمانہ میں دیوبند کے مشہور سعیدیہ ہوٹل کا ''گاجر کا حلوہ'' مشرقی یوپی کا تحفہ: ''قوامی سوائی'' اور ''سیخ کباب'' عام طور پر زینت دسترخوان ہوتے۔

پسندیدہ مشغلہ

اپنے طبعی ذوقِ مطالعہ کی بنا پر قدیم ونادر کتب اور رسائل ومجلّات کی خریداری زمانۂ طالب علمی ہی سے اُن کا پسندیدہ مشغلہ تھا، دارالعلوم دیوبند کے صدر گیٹ کے سامنے اور دوسری جگہوں پر پرانے کتابچے فروخت کرنے والوں کے قدردانوں میں بھائی معز الدین کا نام نمایاں تھا، وہ چھوٹے چھوٹے رسالے جن کو ہم جیسا بے ذوق ردی سمجھ کر کوئی اہمیت ہی نہیں دے گا، وہ بڑے اہتمام سے اپنے لئے بھی خریدتے، اُن کا مطالعہ کرتے پھر محفوظ رکھتے۔ اور خاص بات یہ تھی کہ قریبی تعلق رکھنے والوں میں سے جس کے لئے جو کتاب وہ بہتر سمجھتے کہ یہ فلاں موضوع پر کام کرنے والے کے لئے مفید ہوگی؛ خرید کر اُسے دیتے، اور اُس کی اہمیت بتاتے، اِس طرح بلا مبالغہ پچاسوں کتابیں اُنہوں نے ہمیں بھی دیں، اور پھر موضوع کے اعتبار سے بعد میں اُن کو مجلد بھی کروایا، واقعۃً اُن جیسا بے لوث اور مخلصانہ تعلق رکھنے والا انسان آسانی سے میسر نہیں ہوتا۔

۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں اُنہوں نے دارالعلوم دیوبند سے امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، وہ اپنے قابل قدر رفقاء میں بڑے فہیم، صاحبِ علم اور سمجھ دار مانے جاتے تھے؛ لیکن طبعی سادگی کی بنا پر کبھی اُنہوں نے تفوق وبرتری اور اپنے کو نمایاں کرنے کے جذبہ کا اظہار نہیں

کیا، درس گاہ میں بھی وہ اکثر درمیانی صفوں میں بیٹھا کرتے تھے، خوش خط تھے، اور مختصر و مرتب لکھنے کے عادی تھے۔ بتایا کرتے تھے کہ میں امتحانات میں جوابات بھی بہت مختصر لکھتا تھا، کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ دوسری کاپی لینے کی ضرورت پیش آئے، مگر اِس کے باوجود نمبرات ہمیشہ اعلیٰ سے اعلیٰ آئے۔

دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس

زمانۂ طالب علمی کی محنت وجدوجہد، وقت کے صحیح استعمال اور اُس کی قدر دانی، حضراتِ اَکابر کی اِطاعت اور اُن کے اعتماد نے بھائی معزالدین کو اَز ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت معین مدرس اپنے تدریسی سلسلے کے آغاز کا موقع دیا؛ چنانچہ ۱۹۸۶ء کے وسط سے اُنہوں نے ایک سال تک فریضۂ تدریس انجام دیا، اِس دوران عربی کے ابتدائی درجات کی کتب زیرِ درس رہیں۔

جمعیۃ علماء ہند میں تقرر

وہ خالص تعلیمی تدریسی اور تحقیقی لائن کے آدمی تھے؛ لیکن اللہ کو اُن سے مختلف میدانوں میں کام لینا تھا، اِس لئے اِسی طرح کے اَسباب بنتے چلے گئے۔

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کو ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کے احیاء اور امارتِ شرعیہ ہند کے نظام کو مرتب کرنے کے لئے ایک ایسے قابل، باصلاحیت اور کام کے دھنی شخص کی تلاش تھی، جو اگر ایک طرف اپنی علمی لیاقت کی بنا پر اِن دونوں شعبوں کے خالص علمی اُمور کو انجام دے سکے، تو دوسری طرف اپنی انتظامی صلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے نئے قائم ہونے والے شعبوں کا نظام العمل، دستور اور مستقبل میں کام کو جاری رکھنے کے لئے رہنما خطوط مدون بھی کر سکے۔

اِس مہم کو سر کرنے کے لئے فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کی گوہر شناس نظر انتخاب بھائی معزالدین پر پڑی؛ چناں چہ مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ (والد بزرگوار مولانا معزالدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ: ''کانپور ریلوے اسٹیشن پر حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، فرمایا: ''اپنے بیٹے مولوی معزالدین کو ہمیں دے دو'' میں نے بلاتوقف عرض

کیا کہ حضرت آپ کی بات سر آنکھوں پر، میرا بیٹا آپ کے حوالے ہے، آپ جیسا مناسب سمجھیں فیصلہ فرمادیں''۔

فدائے ملت رحمۃ اللہ سے مولانا عبدالحمید صاحب اور اُن کے اہل خانہ کو جو تعلق خاطر تھا اُس کی بنیاد پر اِس کا امکان بھی نہیں تھا کہ حضرت کی بات قبول کرنے میں کوئی تأمل کیا جائے۔

چناں چہ دارالعلوم دیوبند میں ایک سال تک فریضۂ تدریس انجام دینے کے بعد بھائی معز الدین ۱۹۸۷ء میں جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر واقع ITO نئی دہلی چلے گئے۔

امارتِ شرعیہ ہند کا قیام

اِس سے پہلے ۲؍نومبر ۱۹۸۶ء کو جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ملک کے ہر صوبے سے تعلق رکھنے والے کئی ہزار مختلف الخیال اَربابِ حل وعقد شرعی نظام کے بقاء وتحفظ کے لئے امارتِ شرعیہ ہند کے قیام کا فیصلہ کر چکے تھے، اور اَمیر الہند کے منصب پر محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ؛ جب کہ نائب اَمیر الہند کے طور پر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔

قیام امارتِ شرعیہ ہند کے اگلے سال بھائی معز الدین کا تقرر ہوا، اَمیر الہند اول رحمہ اللہ کے ماتحت آپ نے کام شروع کیا، اور نظامِ امارت کو مرتب ومنضبط کرنے میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا، دستور سازی اور امارت کے اُصول وضوابط کو وضع کرنے میں حضراتِ اکابر کی رہنمائی میں آپ نے بڑی محنت کی، جو ذمے داری آپ کے سپرد کی گئی اخیر دم تک باحسن وجوہ اُس کو نبھاتے رہے۔

اَمیر الہند اول سے اَمیر الہند ثانی (فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ، تاریخ انتخاب: ۹؍مئی ۱۹۹۲ء) اَمیر الہند ثالث (مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ، تاریخ انتخاب: ۲۸؍فروری ۲۰۰۶ء) اور موجودہ امیر الہند رابع (حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند،

معاون مہتمم واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، تاریخ انتخاب: ۳۰ ردسمبر ۲۰۱۰ء) تک سب کے ساتھ اُنہوں نے کام کیا اورا ُمور مفوضہ کو آخری دم تک حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ امارتِ شرعیہ ہند مختلف شعبہ جات پر مشتمل ایک فعال ومتحرک اِدارہ ہے، جس کے اہم شعبوں میں محکمہ شرعیہ، بیت المال، دارالافتاء، رویتِ ہلال اور شعبہ اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔

محکمہ شرعیہ

یہ امارتِ شرعیہ ہند کا سب سے بنیادی شعبہ ہے، جس کے بغیر مسلمانوں کی اسلامی زندگی اور عائلی ومعاشرتی مسائل کا حل شرعی حیثیت سے ممکن نہیں، اِسی لئے امارتِ شرعیہ کے نظام میں سب سے زیادہ زور اِسی پر دیا گیا ہے کہ ہر ہر صوبہ اور ضلع میں محاکم شرعیہ کا نظام قائم کر کے قضاء کی شرعی ضرورت کو پورا کیا جائے؛ چناں چہ جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت ملک کے مختلف گوشوں میں ۱۳۱ر سے زائد شرعی پنچایتیں اور محاکم شرعیہ قائم اور مصروف عمل ہیں۔

محکمہ شرعیہ کے نظام کو مربوط، منظّم، مستحکم اور فعال بنانے نیز اَفراد سازی کے پیش نظر ملک کے مختلف شہروں میں وقتاً فوقتاً تربیتی کیمپ بھی منعقد کئے جاتے ہیں؛ تاکہ کام کرنے میں یکسانیت ہو۔

بیت المال:- امارتِ شرعیہ ہند کے اِس شعبہ سے حسبِ گنجائش وآمد مدارسِ عربیہ کے طلبہ کو تعلیمی وظائف، بیوگان ویتامی کو وظائف نیز مستحقین کو اِمداد شادی کے نام سے وظیفہ دیا جاتا ہے۔

رویتِ ہلال:- رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ سے باقاعدہ ہر ماہ کی ۲۹ر تاریخ کو بعد نمازِ مغرب رویتِ ہلال کمیٹی کا اجلاس ہوتا ہے، اور کمیٹی کے فیصلے کا اعلان پابندی سے اخبارات کو بھیجا جاتا ہے، امارتِ شرعیہ ہند کے اِس اعلان کو ملک کے طول وعرض میں بڑی اہمیت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

دارالافتاء:- اِس شعبہ سے فتاویٰ جاری کئے جاتے ہیں، اور شرعی مشکلات کو حل کیا جاتا ہے۔

شعبۂ اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر :- اِس شعبہ کے تحت وقت وحالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات پر اِصلاحی پمفلٹ تیار کرواکر ہزاروں کی تعداد میں طبع کروائے جاتے ہیں، پھر اُنہیں تقسیم کیا جاتا ہے۔

بھائی معزالدین تن تنہا امارتِ شرعیہ ہند کے تمام شعبوں سے متعلق اُمور کو خوش اُسلوبی کے ساتھ انجام دیتے، خاص طور پر ہر ماہ پابندی کے ساتھ رویتِ ہلال کمیٹی کی میٹنگ کرتے اور ملک کی معتبر رویتِ ہلال کمیٹیوں کے ذمے داران سے براہِ راست رابطہ کرتے، اُس کے بعد رویت یا عدمِ رویت کا فیصلہ کرتے۔

اُمور فلکیات، چاند کی پیدائش اور اُس کی رویت کے حوالے سے اُن کے پاس معلومات کا ذخیرہ تھا، اور مسلسل اِس کام کی نگرانی کے نتیجے میں اُن کا ایسا ذوق بن گیا تھا کہ عام طور پر صورتِ حال کا جائزہ لینے اور حساب لگانے کے بعد وہ پہلے ہی بتادیا کرتے تھے کہ ملک میں رویت ہوگی یا نہیں؟ مہینہ ۳۰؍ کا ہوگا یا ۲۹؍ کا؟ اور اکثر وبیشتر اُن کے رجحان کے مطابق ہی معاملات ظاہر ہوتے تھے، رمضان المبارک اور عیدین کے موقع پر لوگ پہلے ہی اُن سے رابطہ کرکے چاند کے سلسلہ میں معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ملک کی مقتدر کمیٹیوں کے ذمے داران اہم مواقع پر اُن سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے، اور اُن کے اطمینان کے بعد ہی کسی فیصلے پر اتفاق کیا کرتے تھے۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ

اَربابِ فقہ وافتاء کے اجتماعی غور وخوض کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل کے شرعی حل کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ۱۹۷۰ء میں ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کا قیام عمل میں آیا تھا، جس کے ذمے دار ومنتظم حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب علیہ الرحمہ تھے، حضرت کے زمانۂ حیات تک

یہ اِدارہ متحرک رہا اور مختلف موضوعات پر اَربابِ افتاء کی تحقیقی آراء سامنے آتی رہیں؛ لیکن آپ کے بعد اِس شعبے کے تحت کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوسکا؛ یہاں تک کہ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی تحریک پر ۱۹۹۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اِدارۃ المباحث الفقہیہ کے احیاء اور نشأۃِ ثانیہ کے سلسلے میں تجویز پاس کی، اِس نظام کو سنبھالنے کے لئے بھائی معز الدین ہر اعتبار سے بہت موزوں تھے؛ چناں چہ حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ نے اِدارے کے نظام کو فعال و مستحکم بنانے کے لئے اُنہیں مکلّف کیا، اُنہوں نے یہ ذمہ داری ایسی اوڑھی کہ ادارۃ المباحث الفقہیہ اور وہ یک جان دو قالب بن گئے۔ اُن کا تعارف اِدارے کے بغیر اور اِدارے کا تعارف اُن کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہوگیا، اُن کی نظامت کے دوران ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۲ء تک مختلف موضوعات پر ملک کے متعدد شہروں میں ۱۵ر کامیاب فقہی اجتماعات منعقد ہوئے، سولہویں فقہی اجتماع کی بھی تیاری پوری ہوچکی تھی، ۲۲ر مارچ ۲۰۲۰ء سے دہلی میں اس کا انعقاد طے تھا؛ لیکن کووڈ ۱۹ کی وجہ سے عالمی حالات میں غیر معمولی بدلاؤ کی وجہ سے اُسے منسوخ کرنا پڑا۔

مباحثِ فقہیہ کے کاموں سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ وہ کتنی جاں سوزی اور محنت بھرا کام ہے؛ لیکن بھائی معز الدین بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ کمیٹی کے مؤقر اَراکین کے تعاون سے جملہ اُمور کو انجام دے دیا کرتے تھے۔ سوال نامہ تیار کروانا، پھر دارالعلوم دیوبند کے کبار اَساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اُسے سنانا، کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو اُسے درست کرنا، حضراتِ اکابر کے اطمینان کے بعد سوال نامہ فائنل کرنا، اور پھر مقالہ نگار حضرات کی خدمت میں اِرسال کرنا؛ یہ سارے کام پہلے مرحلے میں انجام دئے جاتے تھے۔

مقالات کی وصول یابی کے ساتھ وہ ہر ایک مقالے کا گہرائی سے مطالعہ کرتے، پھر اپنے ذہن میں محنت کے ساتھ مفصل مقالہ لکھنے والے حضرات کے نام محفوظ کرلیتے، ملاقات پر اُن کو سراہتے، حوصلہ اَفزائی کرتے اور دوسروں کے سامنے خوش کن اَلفاظ میں اُن کا تذکرہ بھی کرتے،

اِس کے برخلاف جن لوگوں کی طرف سے بلا کسی عذر کے جوابات موصول نہیں ہوتے، یا وہ سرسری انداز میں جوابات لکھتے، اُن کے نام بھی ذہن میں محفوظ رکھتے، کوئی بے تکلف ہوتا تو محنت سے لکھنے کی تاکید بھی کرتے، اِس کے باوجود بھی اگر رویہ میں تبدیلی محسوس نہ کرتے، تو کمیٹی کے سامنے آئندہ ایسے حضرات کو دعوت نامہ نہ بھیجنے کی سفارش بھی کرتے۔

مختلف مقالات کا مطالعہ کر لینے کی وجہ سے زیرِ بحث موضوع کے مالہ وماعلیہ سے اچھی طرح واقف ہو جاتے، اور پھر مسئلہ مبحوث عنہ سے متعلق اَحوالِ زمانہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی ایک مضبوط رائے قائم کرتے، جس کو درست ثابت کرنے کے لئے اُن کے پاس نقلی وعقلی دلائل کے انبار ہوتے، جس پر وہ اپنی نجی مجلس میں اہلِ علم کے سامنے کھل کر بات کرتے اور پھر جب سیمینار کے اخیر میں تجاویز کمیٹی کی نشست ہوتی، تو اُس میں بھی بھائی معز الدین کا رول بہت اہم ہوتا۔

جس مقام پر سیمینار کا انعقاد طے ہوتا، وہاں کا متعدد مرتبہ سفر کرتے، آنے والے مہمانوں کے لئے بہتر سے بہتر راحت رسانی کی وہاں جو شکل ممکن ہو سکتی تھی؛ ذمے داران کو اُسے اختیار کرنے کا پابند بناتے، حتی الامکان کوشش کرتے کہ مہمانانِ کرام کو سفر اور قیام وطعام وغیرہ میں کسی طرح کی کوئی دشواری نہ ہو۔ ہر مقالہ نگار سے بذاتِ خود رابطہ کرتے اور سفر کی تفصیلات سے اُن کو آگاہ کرتے۔

سیمینار کی تاریخیں طے ہونے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر اَساتذۂ کرام کی خدمت میں حاضر ہوتے، سیمینار میں شرکت کی دعوت دیتے اور اُن کے حسبِ منشا سفر کی ترتیب بنا دیتے۔ حضرات اَساتذۂ کرام بھی بھائی معز الدین کا اتنا لحاظ کرتے کہ مصروفیت کے باوجود سیمینار میں شرکت کے لئے وقت نکالنے پر راضی ہو جاتے۔ حضرت مولانا ریاست علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تو غایت درجہ تواضع اور بھائی معز الدین سے حد درجہ تعلق کی بنا پر یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ:

''بھائی! یہ تو مفتیوں کا کام ہے، ہم تو معز الدین کے ڈر سے یہاں آجاتے ہیں''۔

فقہی سیمینار کے آغاز سے دو ایک روز قبل مقامِ اجتماع پر چلے جاتے، اور ہر طرح کی

تیاریاں مکمل کرواتے ؛ یہاں تک کہ اسٹیج سج جاتا، اجتماع گاہ آراستہ ہوجاتی، اور پروگرام شروع کردیا جاتا، اَول سے اخیر تک سب کچھ کرنے کے باوجود وہ یہاں بھی نمایاں نہ ہوتے ؛ بل کہ دوسروں کو آگے بڑھا کر اُن سے کام لیتے رہتے۔

مدرسہ حسین بخش میں تدریس

حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر بھائی معز الدین دہلی تو آ گئے تھے؛ لیکن اَساتذۂ کرام کی نصیحت اور خود اُن کی بھی خواہش یہ تھی کہ تدریس سے ناطہ کسی طرح بھی جڑا رہے، اِس لئے دہلی آنے کے ۳-۴ سال بعد ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء سے ''مدرسۃ العلوم مدرسہ حسین بخش''، مٹیا محل دہلی میں تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا، اور ۳ سال (۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۳ء) تک مسلسل بلاتنخواہ رضا کارانہ طور پر خدمات انجام دیں، اِس دوران ''تفسیر جلالین''، ''اُصول الشاشی''، ''الفوز الکبیر'' اور ''نور الانوار'' جیسی اہم کتابوں کے اَسباق آپ سے متعلق رہے؛ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکا، دفتری مصروفیات اور دوسرے کاموں کی وجہ سے سلسلۂ تدریس کو موقوف کرنا پڑا، اُس کے بعد تو آپ صرف اور صرف جمعیۃ علماء ہند کے ہوکر رہ گئے۔

مطالعہ کتب سے اشتغال

تدریسی سلسلہ اگرچہ موقوف ہوگیا؛ لیکن تقریباً تمام فنون سے متعلق نادر و غیر نادر کتابوں کا ذخیرہ کرنا اور اُن کے مطالعہ میں وقت صرف کرنا بھائی معز الدین کا اخیر تک پسندیدہ مشغلہ رہا، اُن کے چھوٹے سے کمرے میں ہر مرتبہ جاتے وقت اگر کسی نئی چیز کا اِضافہ محسوس ہوتا، تو وہ کتابیں تھیں، جوں جوں کتابیں بڑھتی گئیں، ویسے ہی کمرے کی دیواروں پر چاروں طرف لکڑی کی اَلماریاں بھی نصب ہوتی چلی گئیں، اور اخیر میں تو ہر طرف کتابوں کا چٹا ہی دکھائی دینے لگا تھا۔ اِس ذخیرہ میں علومِ شرعیہ، سیر و سوانح، تاریخ، اَدبیات، کلیاتِ شعراء اور متفرق موضوعات پر قیمتی کتابوں کے ساتھ مختلف مجلّات و رسائل کی فائلیں بھی موجود تھیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ

ہزاروں کتابوں پر مشتمل اِس کتب خانہ کی کوئی فہرست نہیں تھی، پھر بھی بھائی معز الدین کو یہ معلوم رہتا تھا کہ کون سی کتاب اُن کے پاس ہے؟ اور کون سی نہیں؟ اور اگر ہے تو وہ کس طرف رکھی ہے۔

ایک موقع پر حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ اُن کے کمرے پر تشریف لائے، کتابوں کی کثرت کو دیکھ کر مزاحاً اِرشاد فرمایا: ''**معز الدین تو کتابوں کا قارون ہو رہا ہے**''۔

تاریخ وسوانح اُن کا خاص موضوع تھا، بالخصوص دیوبند و جمعیۃ سے تعلق رکھنے والے حضرات اکابر کی زندگی پر اُن کی گہری نظر تھی۔ ''نقش حیات'' اور ''مکتوباتِ شیخ الاسلام'' کے مشمولات تو گویا اُن کو اَزبر تھے؛ بلکہ جن شخصیات کے تذکرے اُن کتابوں میں مذکور ہیں، اُن کے حالات وتعارف سے بھی وہ واقف تھے۔

حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کے استقلال وعزیمت، جرأت وہمت، فہم ودانش اور دور اندیشی کے وہ بہت قائل تھے، بالخصوص اکابر کے ورثہ کی حفاظت، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی فکر ومشن کو پروان چڑھانے اور اُن کے حلقۂ اِرادت واَثر کو وسیع تر کرنے کے سلسلہ میں اُن کی جدوجہد اور قربانیوں کے حوالے سے بڑے مداح تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ، حضرت شیخ الاسلامؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے اجلہ تلامذہ کا تعارف اور اکثر کے حالات زندگی کے سلسلے میں اُن کے پاس خاصی معلومات تھیں، اور اِس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے وہ بہترین رہنما تھے۔

جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ، اُس کے اجلاس ہائے عام، مجالس عاملہ میں پاس کردہ تجاویز کی تفصیلات اور جمعیۃ کے آئین ودستور کی دفعات کے استحضار اور شقوں کی تشریح کے سلسلہ میں وہ اپنا ایک الگ مقام رکھتے تھے، جس میں اُن کا کوئی سہیم ابھی دور تک دکھائی نہیں دیتا۔

ادبی اور شعری ذوق

یہ بات کم ہی لوگوں کے علم میں ہوگی کہ اُن کا شعری اور اَدبی ذوق بھی اُونچے معیار کا تھا،

مختلف شعراء کی کلیات کا اچھا ذخیرہ اُن کے کتب خانہ کی زینت تھا، فرصت کے اَوقات میں ''صوفی عبدالربؒ'' اور ''کلیم عاجزؒ'' وغیرہ کے اَشعار اکثر گنگناتے اُن کو سنا جاتا تھا، اَشعار اُن کو یاد بھی رہتے تھے، کوئی حمد ونعت یا منقبت دل کو لگتی تو وجد میں آ کر مجلس میں موجود لوگوں کو خفیف ترنم کے ساتھ سناتے بھی تھے۔

ہمارے نکاح کے موقع پر ''جذباتِ مسرت'' کے نام سے ایک منظوم کلام اُنہوں نے کہا بھی تھا، جس کا ایک شعر بطور نمونہ پیش ہے:

قلوب اِس جشنِ جانفزا میں وفورِ عشرت سے کامراں ہیں
خدائے قدوس کی ثنا میں عزیز و اَحباب تر زباں ہیں

موبائل کا صحیح استعمال

اِدھر چند سالوں سے اُن کے موبائل نے چلتے پھرتے دفتر اور کتب خانہ کی شکل اختیار کر لی تھی، ضروری کاغذات کے فوٹو، حساب وکتاب کا اندراج، رقومات کی منتقلی، پیغامات کی ترسیل سب کی سب موبائل کے ذریعہ ہی ہوا کرتی تھی۔ فقہی سیمینار سے متعلق تو تقریباً تمام چیزیں اُن کے موبائل میں دستیاب رہتیں؛ حتیٰ کہ اِی میل کے ذریعہ آنے والے تمام مقالات کو بھی الگ فائل بنا کر محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ اُن کا موبائل قیمتی کتابوں، نفع بخش پروگراموں اور مفید معلومات کا ایک ذخیرہ تھا۔ اہم ترین کتابیں PDF کی شکل میں اُن کے پاس محفوظ رہا کرتی تھیں، پرانی کتابوں کے ساتھ منظر عام پر آنے والی ہر نئی اور اہم کتاب کی PDF حاصل کر کے اُسے محفوظ کرنے کے وہ شوقین تھے، اُن کے اِس شوق سے دوسروں کو بھی بہت فائدہ ہوا، وہاٹس اَیپ کے مختلف علمی گروپس میں وہ شامل تھے، گروپ ممبران میں سے کوئی کسی خاص کتاب کا متلاشی ہوتا، تو بھائی معز الدین اپنے محفوظات کے ذریعہ اُس کی علمی پیاس بجھا دیا کرتے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ علمی اِفادہ کے سلسلے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے، جو طالب صادق اُن سے کسی موضوع پر رہنمائی چاہتا وہ آخر درجہ تک اُس کو مطمئن کرنے کی

کوشش میں لگ جاتے تھے۔

ملٹی میڈیا یا موبائل تو بہت سے لوگ استعمال کرتے ہیں؛ لیکن علمی کاموں میں سہولت پیدا کرنے کے لئے اُس کا صحیح استعمال بھائی معزالدین سے سیکھا جا سکتا تھا۔

حالاتِ زمانہ سے باخبر

ایسا نہیں تھا کہ وہ کتابوں کے مطالعہ یا علمی کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اپنی دنیا ہی میں مگن رہتے ہوں اور ملکی وعالمی حالات سے بے خبر ہوں، اُن کے پاس قومی اور بین الاقوامی طور پر پیش آنے والے ہر اہم معاملے سے متعلق خواہ وہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی، نئی سے نئی اَپڈیٹ رہا کرتی تھیں، وہ اسٹیج اور بیان وتقریر کے آدمی تو نہیں تھے؛ لیکن مجلس میں کسی موضوع پر اُن کی بے لاگ، مدلل اور عقل میں آنے والی گفتگو اچھے سے اچھے بولنے والوں کو خاموش یا اپنا قائل کرادیا کرتی تھی، کسی مجلس میں وہ کھلتے تھے تو دیر تک اپنے مطالعہ کی روشنی میں بات کرتے رہتے تھے، اُن کے تجزیے وتبصرے سٹیک اور بڑی گہرائی لئے ہوئے ہوتے تھے۔ مشورہ چاہنے والوں کے لئے وہ بہت اچھے مشیر بھی تھے، وہ حالات کو پڑھ لیا کرتے تھے اور اُس کے تناظر میں مستقبل کے اندیشوں اور خطرات کا بڑے وثوق واعتماد کے ساتھ ذکر کرتے تھے، اور عام طور پر نتیجہ اُن کی رائے کا ساتھ دیتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

کسی بھی معاملہ میں اُن کا اپنا ایک موقف اور ایک مستقل رائے ہوتی تھی، جس کو وہ دیانۃً صحیح سمجھتے تھے؛ لیکن کسی پر اُسے تھوپتے نہیں تھے؛ البتہ اُس کے اِثبات کے لئے اُن کے پاس مضبوط ومسکت دلائل ہوا کرتے تھے، کسی کے دباؤ یا احترام میں نہ وہ کوئی موقف اختیار کرتے تھے، اور نہ ہی اختیار کردہ موقف کو ترک کرتے تھے۔

مرعوبیت سے دوری اور خودداری

اَکابر واَساتذہ اور بڑوں کے پورے احترام کے ساتھ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ سب کی رائے سے متفق بھی ہوں، کسی کی رائے کے خلاف بھی اپنی رائے کے اظہار میں اُن کے لئے کوئی

چیز مانع نہیں تھی، وہ جو کہتے تھے ڈنکے کی چوٹ پر اور برملا کہتے تھے، کسی کو اچھا لگے یا برا، اُن کو اِس کی ذرہ برابر کبھی پرواہ نہیں رہی۔ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہو جانا اُن کے مزاج کے بالکل خلاف تھا؛ اِس لئے کہ کسی سے اُن کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں رہتا تھا، وہ اپنی دنیا خود آباد کرنے والے لوگوں میں سے تھے، اپنے سارے کام خود کرتے تھے، سفارش کرنا یا کروانا اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا۔ کہا کرتے تھے: ''خود اپنی لیاقت سے اپنا جو مقام بنا سکتے ہو بناؤ، کسی کے احسان مند ہو کر اُس کے سہارے مقام حاصل کیا تو کیا کیا؟''

اپنے قریبی لوگوں کی کوئی بات بھی اُن کو نامناسب لگتی فوراً نکیر کرتے اور صحیح بات کی جانب رہنمائی کیا کرتے۔

خودداری کا تو یہ عالم تھا کہ ۳۳-۳۴ سال دہلی میں گذار دئے، بڑے بڑے لوگوں سے شناسائی اور ہر طرح کے مواقع مہیا ہونے کے باوجود اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے کچھ کہا ہو سننے میں نہیں آیا۔ دفتر جمعیۃ کے ایک چھوٹے سے کمرے میں پوری زندگی بتا گئے، شہر میں مکان تو مکان ایک ذاتی کمرہ بھی اپنے لئے نہ بنایا، شروع شروع میں رمضان المبارک کے پہلے عشرے میں کئی سال تک دہلی میں ایک بڑے صاحب خیر جناب ڈاکٹر سید فاروق صاحب (ہمالیہ ڈرگس کمپنی) کے بنگلے پر قرآنِ پاک سنانے کا معمول رہا، بعد تراویح کچھ دیر تفسیر بھی کیا کرتے تھے، تراویح و بیان میں خاصے اَصحابِ ثروت اور زمین دار لوگ شریک ہوتے تھے؛ لیکن کبھی اِس اللہ کے بندے نے اپنی شانِ استغنائی، بے نیازی اور خودداری پر حرف نہ آنے دیا، اپنی مرضی سے جب تک چاہا اُن کے یہاں سنایا، اور جب فیصلہ کرلیا نہ سنانے کا، تو لاکھ کوشش کے باوجود تیار نہ ہوئے۔ حق بات کہنے میں کبھی اُن کو توقف نہ ہوا، کسی کو خوش کرنے کے لئے اپنے رویہ میں جھوٹی تبدیلی لانا اُن کی طبیعت اور مزاج سے قطعاً ہم آہنگ نہیں تھا، وہ جیسا سوچتے تھے ویسا ہی کہتے تھے۔ بعض مواقع پر اُن کی یہ صاف گوئی کسی کے لئے ناگواری کا باعث بھی بن جاتی تھی؛ لیکن اُن کو اِس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ڈاکٹر فاروق صاحب اخیر تک اُن کی بے نیازی اور

استغناء کی اِس شان سے بڑے متأثر رہے، کئی سالوں تک تو ایسا بھی رہا کہ ڈاکٹر صاحب زکوٰۃ کی بھاری رقومات بھائی معزالدین کے حوالے کردیا کرتے تھے، پھر وہ اپنی صواب دید سے مدارس میں اُس کو تقسیم کردیا کرتے تھے۔

دیانت واَمانت

دیانت داری اور معاملات کی صفائی تو اُن کا خاص وصف تھا، جس سے بھی اُن کا معاملہ تھا؛ آئینہ کی طرح صاف تھا۔ ذریعہ معاش کے طور پر بغیر کسی اشتہار کے مناسب داموں پر وہ کتابوں کی طباعت کرایا کرتے تھے، جس میں بڑی برکت تھی، اور چھپوانے والوں کے لئے بڑی سہولت۔ بس بھائی معزالدین کو طے شدہ معاملے کے مطابق کتابوں کا آرڈر دے دیا جاتا تھا، اور وقتِ مقررہ پر کتابیں پہنچ جایا کرتی تھیں، دلی کے چکر لگانے اور پریس والوں کے پاس آنے جانے سے سب کو فرصت مل جاتی تھی، یہ سارے کام وہ فون پر کرلیا کرتے تھے، کہیں ضرورت ہوتی، تو چلے بھی جایا کرتے تھے۔ اور واقعہ یہ تھا کہ اگر خود کوئی کتابیں چھپواتا، تو اُس کو مہنگی بھی پڑتیں اور محنت بھی خوب کرنی پڑتی؛ لیکن متعلقہ اَفراد سے اُن کے روابط ایسے ہوگئے تھے کہ مناسب داموں میں معیاری طباعت کرالینا اُن کے لئے بہت آسان ہوگیا تھا، پھر لوگوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ ایسا تھا کہ پریس والے ہوں یا بائنڈنگ والے، کاغذی ہوں یا طباعت کروانے والے؛ سب متفقہ طور پر اُن کے حسن معاملہ کے معترف دکھائی دیتے تھے، کسی کے پیسے وہ کبھی روکتے نہیں تھے، وعدہ کے پکے تھے، اور کہا کرتے تھے:

''جو پیسے دینے ہیں اِس میں تاخیر کرنے سے کیا فائدہ؟ وقت پر دئے جائیں؛ تاکہ ہم وقت پر اپنے کام کا مطالبہ بھی کرسکیں''۔

طباعت کے سلسلہ میں کاغذ کا لین دین شروع سے وہ پرانی دلی کے ایک غیر مسلم مہاجن سے کیا کرتے تھے، ہم بھی کئی مرتبہ اُن کے ساتھ اُس کی دوکان پر گئے ہیں۔ اُن کی وفات کے بعد جمعیۃ کے دفتر میں ہم نے اُس غیر مسلم بھائی اور اُس کے بیٹے کو آنسوؤں سے روتا ہوا دیکھا

ہے، جو رندھی ہوئی آواز میں یہ کہے چلا جا رہا تھا کہ:

''مولانا صاحب! ہم نے اپنی لائف میں ایسا کھرا، زبان کا پکا اور معاملات کا صاف ستھرا انسان نہیں دیکھا، ہمارا تو بہت لوس (نقصان) ہو گیا''۔

بھائی معزالدین کی دیانت داری اور احتیاط کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب اُنہیں اِس بات کا علم ہوا کہ جمعیۃ کے ملازمین کی تنخواہوں میں بوقتِ ضرورت زکوٰۃ کی مد میں آئی ہوئی رقم کو حیلۂ تملیک کے بعد استعمال کیا جاتا ہے، تو اُنہوں نے اپنا وظیفہ لینا موقوف کر دیا اور ذمے داران کی خدمت میں یہ شرط رکھی کہ اگر عطیات کی مد سے میرے مشاہرے کا نظم کیا جائے تو ٹھیک ہے میں لوں گا ورنہ نہیں۔ چناں چہ جنوری ۲۰۱۱ء سے اُن کا مشاہرہ موقوف رہا؛ تا آں کہ مجلس نے اُن کے حق میں یہ تجویز پاس کر دی کہ عطیات کی مد سے ہی اُن کے لئے مشاہرے کا نظم کیا جائے، اِس پر اُنہیں اطمینان ہوا اور مشاہرہ لینے پر رضامند ہوئے۔ پھر وقفہ وقفہ سے اَدائیگی کا عمل جاری ہو گیا، اُن کی وفات تک کل واجب الاداء رقم کے تقریباً نصف حصے کی اَدائیگی ہو چکی تھی، مابقیہ رقم ورثاء کے حوالے کر دی جائے گی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

حساب وکتاب کے معاملے میں کسی طرح کا کوئی جھول ان کی زندگی میں نہیں پایا جاتا تھا؛ چناں چہ امارتِ شرعیہ ہند سے متعلق جملہ حساب کو اپنی وفات سے پہلے تک وہ اتنی تفصیل کے ساتھ لکھ کر گئے ہیں کہ بعد میں اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں رہا۔

روپے پیسوں سے اُن کو کبھی کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی، ادھر پیسے آتے تھے اِدھر خرچ ہو جایا کرتے تھے، جذبہ سخاوت بھی خوب تھا، اپنے سوا سب پر خرچ کر کے خوش ہوتے تھے۔

صلہ رحمی

والدین، بھائی، بہن، اہل خانہ رشتہ دار اور متعلقین کے ساتھ اُن کا رویہ اور برتاؤ ایسا مثالی تھا کہ گھر کے ہر فرد کے دل میں (خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، بچہ ہو یا بوڑھا) وہ بستے تھے، وہ رہتے تو دلی میں تھے؛ لیکن فکر وخبر اُن کو دتلو پور، ناگپور، کانپور، ترکیسر، حیدر آباد، علی گڈھ، دیوبند،

مرادآباد اور اَمروہہ سب جگہ کی رہتی تھی۔ ضعیف العمر والدین کی تمام تر ضروریات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اُن کا رویہ بھائی بہنوں اور اُن کے بچوں کے ساتھ ایک شفیق باپ کا سا تھا، جو معاملہ اُن کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا تھا وہی معاملہ بھائی بہنوں کے بچوں کے ساتھ کیا کرتے تھے، گھر کے ہر معاملے میں اُن کی رائے حرفِ آخر ہوتی تھی، کسی بھی طرح کی کوئی چھوٹی بڑی تقریب ہوتی، تو بھائی معزالدین پوری ذمے داری کے ساتھ اُس میں شریک ہوتے اور خوش اُسلوبی کے ساتھ انجام تک پہنچانے میں پوری طرح معاون ہوتے، وہ دوسروں کی فکروں کو بانٹنے کا ہنر جانتے تھے، اور دوسروں کے کاموں کو اپنے ذمہ لے کر اُن کا بوجھ ہلکا کر کے خوش ہوتے تھے، اپنی ذات پر وہ بہت کم خرچ کرتے تھے، جب کہ دوسروں کی راحت رسانی کے لئے وہ ہر دم تیار رہا کرتے تھے، اور کمال کی بات یہ ہے کہ کسی کے پر بڑے سے بڑا احسان کرنے کے بعد وہ کبھی اُس کو اپنی زبان پر نہیں لاتے تھے، یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کس کے ساتھ اُنہوں نے کیا تعاون کیا ہے؟ اُن کی وفات ایک دو گھروں کے لئے نہیں؛ بلکہ دسیوں گھروں کے لئے آزمائش کی ایک گھڑی ہے۔

سادگی

سادگی اُن کے مزاج کا اہم عنصر تھا، تصنع، بناوٹ اور تکلفات سے پاک زندگی گذارنے کے وہ عادی تھے، طلبِ شہرت، رونمائی اور اپنے لئے کسی امتیازی مقام کے وہ کبھی خواہاں نہ رہے؛ حتیٰ کہ جن پروگراموں کے سروے سروا اور روحِ رواں وہی ہوا کرتے تھے، اُس میں بھی اپنی نمائش کا خیال اُن کے دل سے نہیں گذرتا تھا۔

خود تو سادہ تھے ہی اور پسند بھی ایسے ہی لوگوں کو کیا کرتے تھے، عام طور پر اَصحابِ ثروت اور تکلفانہ زندگی گذارنے والے حضرات سے وہ گریزاں رہتے تھے، ایسے لوگ کم ہی تھے جن سے اُن کا مزاج میل کھاتا تھا، اور جن سے گفتگو میں وہ کھلا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ تعلقات وروابط اُن کے بہت زیادہ وسیع نہیں تھے، اور تعلقات میں وسعت کے وہ قائل بھی نہیں تھے۔ کہا کرتے تھے:

''تعلقات بنانا آسان ہے؛ لیکن اُس کو نبھاتے رہنا مشکل ہے؛ اِس لئے انسان کے تعلقات اتنے ہی اور ایسے ہی لوگوں سے ہونے چاہئیں جن کو وہ نبھا سکے''۔

اِس اُصول پر خود اُن کی زندگی میں بھرپور عمل تھا، جس سے بھی تعلقات تھے، آخر دم تک اُس کو نبھاتے چلے گئے، اُن کا کمرہ سادہ اور چھوٹا ہونے کے باوجود بڑے بڑے لوگوں کا مسکن اور آماج گاہ بنا رہتا تھا، اکابر واَصاغر میں خاصی تعداد میں ایسے حضرات تھے، جن کے لئے دفتر جمعیۃ میں بھائی معز الدین کی شخصیت ایسی پرکشش تھی کہ سب سے پہلے اُنہی کے کمرے میں جانا ہوتا، وہ چائے، ناشتے یا کھانے سے حسب موقع ضیافت کرتے، ساتھ ہی اپنی علمی اور بیلاگ گفتگو یا حالاتِ حاضرہ پر تبصرے سے سب کو لطف اندوز کرتے۔

جمعیۃ علماء ہند کے لئے جدوجہد

اُن سے متعلق شعبے اگرچہ امارتِ شرعیہ اور مباحث فقہیہ تھے، جس میں اُن کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع تھا؛ لیکن جمعیۃ علماء ہند کی دیگر سرگرمیوں میں بھی پوری دلچسپی کے ساتھ وہ شریک رہا کرتے تھے، جمعیۃ کی مجالس عاملہ یا منتظمہ ہوں یا اجلاسہائے عام کی تیاریاں، جمعیۃ یوتھ کلب کی میٹنگیں ہوں یا کوئی اور پروگرام؛ بھائی معز الدین کی رائے اُس میں محترم اور باوزن مانی جاتی تھی، وہ ایک اچھے منصوبہ ساز بھی تھے، دماغ بھی اُن کا کمپیوٹر کی طرح کام کرتا تھا، کتنے لوگوں کے کھانے پر کتنا خرچ آئے گا؟ اور کتنی جگہ میں کتنے لوگ بیٹھ پائیں گے؟ یہ سارے حسابات منٹوں میں وہ لگا کر پیش کر دیا کرتے تھے، اُن کے مشورے مخلصانہ اور حقیقت پسندی پر مبنی ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ذمہ داران بالخصوص حضرت صدر محترم دامت برکاتہم اور حضرت ناظم عمومی حفظہ اللہ کا خاص اعتماد اُن کو حاصل تھا، حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہ العالی اکثر اُمور میں اُن سے مشورہ کیا کرتے تھے، اور اُن کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس وقیام پر سو سال مکمل ہونے کی مناسبت سے ''صد سالہ تقریبات'' منانے کا جو اعلان کیا گیا تھا، اس میں اکابر جمعیۃ کی حیات وخدمات پر سیمینار کے انعقاد کی تجویز بھائی معز الدین ہی کی طرف سے آئی تھی، جس کو بہت پذیرائی ملی اور جس پر عمل آوری کے نتیجے

میں متعدد مشاہیر پر سیمینار ہو چکے ہیں اور اُن سے متعلق دستاویزی حیثیت رکھنے والا مواد کتابی شکل میں شائع ہو کر منظرِ عام پر بھی آ گیا ہے، دیگر حضرات پر بھی سیمینار کی تیاری چل رہی ہے، حالات کے سازگار ہونے کے بعد اِن شاء اللہ اِن پروگراموں کا اِنعقاد ہوگا۔

سیمینار سے متعلق تمام منصوبوں کی روح اور خاکہ ساز شخصیت بھائی معز الدین ہی کی تھی، جو قدم قدم پر کنوینر حضرات کی رہنمائی کرتے تھے اور اُن کو ضروری معلومات مہیا کرانے کی کوشش کرتے تھے، باری تعالیٰ اِن تمام خدمات کو اُن کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔

زیارت حرمین شریفین

حرمِ مکی اور حرمِ مدنی کی حاضری کے سلسلہ میں وہ بہت مشتاق رہا کرتے تھے، اِدھر سالہا سال سے رمضان کا مبارک مہینہ حجاز مقدس میں گذارنے کا معمول تھا، آخری عشرے میں مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے قدیم حصے میں معتکف رہا کرتے تھے، مکہ مکرمہ میں بھی بیشتر وقت اُن کا حرم ہی میں گذرتا تھا، نماز ظہر کے لئے آتے تو پھر عشاء پڑھ کر ہی قیام گاہ واپس ہوا کرتے تھے۔ اِس دوران اکثر وقت حرمین میں اُن کا تلاوتِ کلامِ پاک میں گذرتا تھا، ڈیڑھ دو دن میں وہ بآسانی قرآنِ پاک مکمل کرلیا کرتے تھے۔

عشقِ نبوی میں ڈوب کر علامہ اقبالؒ کے درج ذیل فارسی نعتیہ اَشعار بھی اُن کی زبان پر رہتے تھے، جس میں یہ التجا کی گئی ہے کہ باری تعالیٰ مجھے میرے محبوب کے سامنے شرمندہ نہ کیجئے گا:

تو غنی اَز ہر دو عالم من فقیر ❖ روزِ محشر عذرہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم ناگزیر ❖ اَز نگاہِ مصطفیٰ پنہا بگیر

ترجمہ:- اے خداوند قدوس! تو تو دونوں جہاں سے بے نیاز ہے اور میں فقیر و محتاج ہوں، تیری بے نیازی کا تقاضا تو یہ ہے کہ حشر کے دن میرے عذر قبول فرما، اور اگر میرا حساب لینا ضروری ہے تو میرے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے پوشیدہ لینا؛ تاکہ میرے محبوب کے سامنے مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

بہت مختصر سا سامان لے کر وہ اِس مبارک سفر پر جاتے اور کھجور و زمزم کا تحفہ لے کر واپس ہوتے، ۵؍سال پہلے ۲۰۱۵ء میں سفرِ حج کے موقع پر ۱۰؍ذوالحجہ کو منیٰ میں پیش آنے والے بھگدڑ کے سانحہ کا شکار ہوکر وہ بھیڑ کی زد میں آکر گر گئے تھے، اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے تھے، حفاظتی عملہ اُن کو عرفات اسپتال لے گیا، جہاں تقریباً ۲۰؍گھنٹے کے بعد اُن کو ہوش آیا، اور پھر دو دن کے بعد (۱۲؍ذوالحجہ) کو اسپتال سے چھٹی ملی، تب جا کر ساتھیوں سے اُن کی ملاقات ہو پائی۔ اِس دوران حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی، حضرت مولانا مفتی وحید الدین صاحب اور دیگر اَحباب اُن کو تلاش کرتے کرتے تھک چکے تھے، اور اُن کی زندگی سے تقریباً مایوس ہوگئے تھے؛ لیکن اللہ کو زندہ رکھنا تھا اِس لئے بحفاظت قیام گاہ پہنچا دیا؛ البتہ اِس حادثہ کے بعد وہ بہت کمزور ہوگئے تھے، جس کا اثر اخیر تک محسوس کیا جاتا رہا۔

اِس سال بھی ۲۹؍مارچ ۲۰۲۰ء کو وہ عمرے کے سفر پر اپنے بچوں کے ساتھ جانے والے تھے، تمام تیاریاں مکمل تھیں؛ لیکن کووڈ-۱۹ کی وجہ سے عالمی حالات میں ایسا تغیر ہوا کہ سب پروازیں معطل ہوگئیں، نتیجۃً اُنہیں اپنا سفر بھی منسوخ کرنا پڑا۔ کیا معلوم تھا کہ اَب باری تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ ہمیش کے لئے اُن کو اپنے جوار میں بلانے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔

سفرِ آخرت

بھائی معز الدین شوگر کے تو پرانے مریض تھے، اِنسولین بھی لیا کرتے تھے، دن بدن کمزور بھی ہوتے چلے جارہے تھے، اَواخر اگست سے کمزوری میں اِضافہ اور ہلکے بخار کی شکایت شروع ہوئی، پھر پیٹ بھی خراب ہوگیا، جس کی وجہ سے کھانا پینا کم ہونے لگا، اور کمزوری بڑھتی چلی گئی، پھر شوگر بھی بڑھ کر ۶؍سو تک پہنچ گئی، اُس کے بعد سانس لینے میں بھی دقت ہونے لگی، تو ڈاکٹروں کے مشورے سے کمرے ہی پر آکسیجن لگا دیا گیا، جس سے وقتی طور پر کچھ اِفاقہ محسوس ہوا؛ لیکن پھر طبیعت اتنی متاثر ہوئی کہ اسپتال میں داخل کرکے علاج کرانا ضروری ہوگیا؛ چنانچہ ۲؍ستمبر ۲۰۲۰ء رات ۱۲؍بجے کے قریب دہلی کے مشہور اسپتال ''میکس'' (ساکیت) میں داخل کیا

گیا، اگلے روز طبیعت کی بحالی کی کچھ اطلاع ملی، اور یہ بھی پتہ چلا کہ جانچ میں کووڈ-۱۹ کی رپورٹ پوزیٹیو آئی ہے، اِس لئے اَب اُن کو کووڈ وارڈ میں شفٹ کردیا جائے گا۔ اِسی دوران ہارٹ اٹیک بھی ہوا، جس کی وجہ سے طبیعت مزید تشویش ناک ہوگئی۔ بہرحال ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' یہاں تک کہ ۲۴ر محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳ر ستمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار صبح تقریباً ساڑھے ۸ر بجے بھائی معز الدین نے آخری سانس لی، اور ۵۹ر برس کی عمر میں اپنی مثالی زندگی کے یادگار نقوش چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے والد محترم، بیٹی اور گھر کے کچھ اور لوگ چوں کہ وطن مالوف ''دتلوپور بلرام پور'' سے دہلی کے لئے روانہ ہوچکے تھے، اِس لئے اُن کا انتظار کرنا ضروری تھا؛ چناں چہ اگلے دن تقریباً ۸ر بجے اُن کا جسدِ خاکی اسپتال سے دفتر جمعیۃ لایا گیا، پھر وہیں سنت کے مطابق غسل دے کر تجہیز وتکفین ہوئی، اُس کے بعد اَمیر الہند حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ صدر جمعیۃ علماء ہند، معاون مہتمم واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں عوام وخواص پر مشتمل کئی سو افراد نے شرکت کی، اُس کے بعد دفتر جمعیۃ علماء کے عقب میں واقع اُسی ''دلی گیٹ قبرستان'' میں اُن کو سپردِ خاک کردیا گیا، جہاں سید الملت، مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب علیہ الرحمہ پہلے سے آسودہ خواب ہیں۔

کورونا کے اِس دور میں جب کہ میت کو اپنے قبضے میں لے کر سنت کے مطابق تجہیز وتکفین اور تدفین مشکل ہوگئی ہے، بھائی معز الدین کے لئے اللہ پاک نے رکاوٹوں کو دور کردیا، اور سب کام الحمدللہ بآسانی سنت کے مطابق انجام پذیر ہوئے۔

باری تعالیٰ اِسی طرح بعد کے مراحل کو بھی اُن کے لئے آسان فرمائیں، اپنے وطن سے دور غربت کی حالت میں دنیا سے چلے جانے کو اُن کے لئے عفو ودرگذر اور رفع درجات کا ذریعہ بنائیں، اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائیں، پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل نصیب فرمائیں اور بچوں کی بہتر سے بہتر کفالت کا نظم فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

مولانا معزالدین احمدؒ کے ساتھ بیتے دن

مولانا عبدالحمید نعمانی

موت وحیات، ہر جاندار وجود کے حصے ہیں، یہ سلسلہ تب سے اب تک اور اپنے آخر دور تک جاری رہے گا، لیکن کردار وشخصیت کے اعتبار سے موت وحیات دونوں کی حیثیت و نوعیت جدا جدا ہوتی ہے، اصل آدمی وہ ہوتا ہے، جو زندگی اور موت دونوں حالت میں ہماری یادوں کا حصہ بن جاتا ہے، ایسے ہی میں اشخاص مولانا معزالدین احمد کا شمار ہے، وہ اپنے دائرہ کار میں اپنے نام اور کام کے دیرپا اثرات ونقوش ثبت کر گئے ہیں، ۲۰۲۰ء کا سال ہم سب کے لئے ایک طرح سے بس (زہر) بن کر آیا اور ستمبر کا مہینہ ستمگر اور ۱۳؍تاریخ نے بارہ بجادیا وہ اپنے تلخ اثرات چھوڑ گیا ہے جن کی زد سے اب تک اہل ملک و دنیا باہر نہیں آسکے ہیں، جو وقت پر سواری کرتے تھے وہ سب اس کی آغوش میں سماجاتے ہیں، مولانا معزالدین احمد، وقت اور اس میں پیدا ہونے والے حالات ومسائل پر بہت معنی خیز اور جاندار تبصرے کرتے تھے، آج ان پر لکھتے ہوئے عجیب سی کسک اور کشمکش بپا ہے، اب تک ذہن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ اب ہمارے درمیان نہیں ہیں، جس کے جتنا قریب تھے وہ اسی قدر شدت واذیت کے ساتھ جدائی کو محسوس کر رہا ہے۔ ہمارے تو درسی ساتھی اور دارالعلوم دیوبند سے جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ ہند میں آنے اور دن رات کی رفاقت ومصاحبت کی وجہ سے خاص تھے۔ ہر معاملے میں مشورہ دینے اور لینے والے تھے۔ تقریباً روزانہ بات چیت اور مختلف مسائل ومعاملات پر خیالات

کا تبادلہ ہوتا تھا۔ بیماری سے چند دن پہلے تک مدارس، ملک وملت، مساجد اور ملک کے اقتصادی حالات پر بڑی تشویش کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کو اعداد وشمار کے ساتھ نتائج نکالنے پر بڑی مہارت تھی، علما کے حلقے میں تو ایسے بندے لاکھوں میں ایک دو ہوتے ہیں، اچھے خاصے کالج، یونی ورسٹی وغیرہ کے تعلیم یافتہ افراد بھی مرحوم کے حسابی مہارت پر دنگ رہ جاتے تھے۔ کوئی آدمی ادھرادھر کی باتیں کر کے ان کے سامنے چل نہیں سکتا تھا۔ یہ ہم آئے دن دیکھتے تھے۔

مولانا معزالدین احمد تقریباً ہمارے ہم عمر اور دارالعلوم دیوبند میں داخلے کا دور بھی ایک سال آگے پیچھے کا ہے، وہ پنجم میں داخل ہوئے تھے اور ہم ششم میں ساتھ ہوگئے تھے، کتابوں، رسالوں اور دیگر علمی وتاریخی تحریروں کو حاصل کرنے اور جمع کرنے میں ہم دونوں ہم ذوق وشوق تھے۔ دیوبند میں ہماری ملاقات بھی مولانا معزالدین احمد سے دلچسپ مڈبھیڑ سے ہوئی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر گیٹ کے سامنے، مکتبہ دارالعلوم دیوبند کی دیوار سے لگ کر ایک بڑے میاں پرانی کتابیں اور رسائل فروخت کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات کتابوں رسالوں کے ڈھیر میں بہت کام کی چیزیں مل جاتی تھیں۔ جلالین، ششم کا سال تھا، داخلے کے بعد درس کا پہلا ہفتہ تھا کہ ایک طالب علم کو دیکھا کہ کتابوں، رسالوں کے ڈھیر سے الٹ پلٹ کر ایک کتاب نکال کر بڑے میاں سے مول بھاؤ کر رہا ہے، قیمت طے ہونے کے بعد کھڑے کھڑے کتابوں، رسالوں پر پھر نظر ڈالنے لگا کہ تب تک ہم نے ماہنامہ تجلی کا ایک خاص نمبر اور ماہنامہ فاران کے چند شمارے چن کر نکالے اور اٹھا کر بڑے میاں سے پیسے پوچھے تو مذکورہ طالب علم نے کہا کہ یہ تو میں لینے والا تھا۔ دیکھ رہا تھا کہ آپ نے اٹھا لئے، ہم نے کہا کہ دیکھنے سے کوئی چیز کسی کی نہیں ہوجاتی ہے۔ جو جام اٹھالے پینا اسی کا ہوتا ہے، اس جواب سے ہمارا منہ دیکھنے لگے، یہ طالب علم کوئی اور نہیں مولانا معزالدین احمد تھے۔ نام پوچھا اور کہا کہ کس جماعت میں ہو، ہم نے کہا کہ جلالین ششم، فارسی خانہ-۲ میں رہائش ہے، بولے اچھا، اچھا، میں بھی ششم میں ہی ہوں اور یہیں بغل میں قدیم مسجد سے متصل احاطہ باغ میں کمرہ ہے، مجھے اپنے ساتھ کمرہ میں لے گئے،

سامان ضیافت، چائے بنانے کے ساتھ ساتھ مختلف طرح کی باتیں بھی ہوتی رہیں جن سے ذوق مطالعہ اور کتب و رسائل سے بے پناہ متعلق کا اظہار ہو رہا تھا۔ چائے پیتے پلاتے ہمارے ہاتھ سے رسالے لے کر دیکھتے بھی جاتے تھے۔ ہم نے کہا کہ رسالے رکھ لو، پڑھ کر دے دینا، یہ کہتے ہوئے ہم رخصت ہوگئے، رخصت کیا ہوئے تعلقات کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ تاحیات جاری رہا ہے۔ تعلقات کی تجدید، عموماً عصر کے وقت مدنی دارالمطالعہ میں ملاقات اور کتب و رسائل کے لین دین سے ہوتی رہتی تھی۔ کتب و رسائل کی خریداری کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری رہا۔ دونوں بسا اوقات جہاں جہاں معلوم ہوتا کہ پرانے کتب و رسائل مل سکتے ہیں، وہاں وہاں جاتے تھے اور کچھ نہ کچھ حاصل کر کے واپس آتے تھے۔ اس طرح ہم دونوں کے پاس پرانے کتب و رسائل کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اس چکر میں دیوبند سے دہلی تک، دیگر ضروریات پر کتب و رسائل کی خریداری غالب آ گئی تھی، اس کے فائدے، نقصانات دونوں ہیں، مشرق کی طرف دیکھتے تھے تو سورج طلوع ہوتا نظر آتا تھا اور مغرب کی طرف دیکھتے تھے تو سورج غروب ہو رہا ہوتا تھا، بارہا کہتے تھے اور ہم بھی ساتھ دیتے تھے کہ سوال ہیں کہ ہم جو کر رہے ہیں، اس کا فائدہ کہاں تک ہے، پھر کہتے تھے کہ یہ کوئی کم بڑا فائدہ نہیں ہے کہ کچھ دیکھ لیا کچھ جان لیا، لوگ نشے میں کتنا کچھ برباد کر دیتے ہیں، ہم بھی ایک طرح کے نشے کی زد میں ہیں، بار بار توبہ توڑ دیتے ہیں، جس طرح میکش مے دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ پاتا ہے۔ اس طرح ہم لوگ بھی ذوق کے کتب و رسائل دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ پاتے ہیں، اس سرشاری میں مرحوم بہت دور نکل گئے، اگر وہ لکھنے پر توجہ دیتے تو بہت کچھ کام کی باتیں ہمارے سامنے آتیں، پڑھنے لکھنے کا بڑا اچھا ذوق و ذہن پایا تھا، تھوڑا بہت جب بھی کچھ لکھتے تھے اس میں بڑی جان ہوتی تھی۔ انگلی رکھنے کی بہت کم گنجائش ہوتی تھی۔ اگر لکھنے پر ان کو متوجہ کیا جاتا اور تھوڑی بہت پوچھ ہوتی رہتی تو وہ بہت کچھ لکھ جاتے، وہ بہت خوددار تھے، مولانا معزالدین احمد اپنے موڈ اور من کے آدمی تھے۔ اگر پوچھا نہیں تو دوسری طرف دیکھتے زندگی گذار دیں گے۔ بھول سے بھی نظر والوں کی طرف نہیں دیکھیں گے۔

ہم نے اس موڈ اور من کا خیال نہ رکھ کر اپنا ہی نقصان کیا ہے، ہم نے بارہا کوشش کہ کہ وہ کبھی کبھار میڈیا کے سامنے کسی درپیش مسئلے پر اظہار خیال کریں یا پسندیدہ موضوع پر مہینہ، پندرہ دن میں کچھ لکھ دیا کریں تو آمادہ نہیں ہوئے، ان کی باتوں سے لگتا تھا کہ اگر صاحب معاملہ بذات خود ان با توقیر انداز میں کہتا تو وہ لکھنے لکھانے پر آمادہ ہو جاتے۔ موڈ ہونے پر جتنا کچھ لکھا اور ترتیب وجمع کا کام کیا ہے، وہ اہم اور قابل استفادہ ہے، مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری کی کتاب ''تحریک آزادی میں مسلم علماء اور عوام کا کردار'' میں مذکور شخصیات کا اجمالی سوانحی خاکہ تحریر کیا ہے، وہ بہت وقیع ومفید ہے، مرحوم نے جس قدر محنت سے کتب ورسائل، سے تلاش و جستجو سے شخصیات کے حالات وخدمات کو سامنے لانے کا کام کیا ہے اس نے بلاشبہ اصل کتاب کی افادیت ووقعت میں اضافہ کیا ہے۔

دیوبند میں فقہی اجتماع میں کتاب کے اجراء کے موقع پر حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ کے تبصرے سے اہل علم کی توجہ کتاب کی طرف مبذول ہوئی تھی گرچہ مولانا معزالدین احمد نے کتاب کے محدود صفحات کی تنگ دامنی کے پیش تعارف شخصیات میں اختصار سے کام لیا ہے؛ تاہم بہت سے مقامات پر چند جملے میں پورے پورے دور اور خدمات وکارنامے کو بیان کر دیا ہے اور ان کے تفصیلی مطالعے کے لئے ماخذ کی رہ نمائی ونشاندہی کر دی ہے خطبات حضرت فدائے ملتؒ کی ترتیب وجمع ایک اہم کام کیا ہے اس کے مقدمے میں راقم سطور نے مولانا معزالدین احمد کے ذہن ومزاج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مرحوم جو بھی تھوڑا بہت تحریری کام کرتے تھے۔ اس کے لئے از حد تلاش وتحقیق کرتے تھے۔ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اور مولانا نور عالم خلیل الامینی جیسے معروف اور عظیم محقق ومصنف بھی بسا اوقات مرحوم سے شخصیات کی تاریخ پیدائش، وفات اور کم معروف نام والی شخصیات کے متعلق معلومات کے لئے رجوع کرتے تھے، ان کے وسیع مطالعہ اور علمی استحضار سے بے شمار، اہل علم وقلم استفادہ کرتے رہتے تھے اور مرحوم بھی علمی تعاون کرنے کے معاملے میں فراخ دل اور خوش دل واقع ہوئے تھے،

انھیں حوالوں کی نشاندہی اور مطالعہ کرانے میں مزہ اور خوشی ہوتی تھی، انھیں کتابوں سے عشق تھا اور ان کے متعلق بتانے سے، انھیں برابر کتابوں سے باتیں اور سرگوشیاں کرنے میں آنند آتا تھا وہ کسی کے سامنے کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے تھے، لیکن تنہا ہوتے ہی مطالعہ اور ان پر نوٹس لکھنا شروع کردیتے تھے جب بھی کوئی پوچھتا یا بات چیت کے درمیان ذکر ہوتا تو کتابوں پر بہت ہی جچا تلا اور سمجھداری بھرا تبصرہ کرتے تھے، کبھی کبھار چھوٹے بڑے کے پوچھنے پر بے اعتنائی برتتے تھے؛ لیکن جب دیکھتے کہ سامنے والے کو دلچسپی ہے اور شوقیہ نہیں پوچھ رہا ہے تو پھر کھل کر باتیں اور تبصرے کرتے تھے مزید کتابوں کے نام بھی بتاتے اور مطالعے کی ضرورت واہمیت بھی اجاگر کرتے تھے، ان سے استفادے کے لئے گراور من موڈ کا خیال ضروری تھا، سب کے سامنے اور سب سے نہیں کھلتے تھے، مرحوم کو اس کا بڑا احساس تھا کہ اگر باذوق اور ضرورت والے کا تعاون نہیں کیا تو اس کو نقصان ہوجائے گا تو وہ جن کی طرح تلاش کر کے حاضر کردیتے تھے، ایسا آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا تھا، ہم تو سب سے زیادہ دن رات میں ساتھ بیٹھنے والے تھے۔ موبائل کی ایجاد کے بعد تو مختلف موضوعات سے دلچسپی اور ضرورت رکھنے والے اہل علم کے لئے مدد کی فراہمی کو فرائض میں شامل کرلیا تھا، دنیا بھر کے مختلف سائٹوں سے بے شمار کتابوں اور ضروری تحریروں کا بڑا ذخیرہ جمع کرلیا تھا اور مسلسل اس میں لگے رہتے تھے۔

بیماری سے چند دنوں پہلے ہم نے کہا کہ ملک کے مخصوص حالات میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو پھر سے پڑھنے، مطالعہ کرنے کی بہت ہی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔ ہم اپنے کالم میں ان کے تعلق سے کچھ باتیں لکھنا چاہتے ہیں، لیکن بہت سی کتابیں اور مواد ادھر ادھر منتشر ہے۔ مختلف لائبریوں میں ابھی جانا نہیں ہوسکتا ہے۔ کہا کہ ان شاء اللہ چند دنوں میں مواد مل جائے گا اور یہاں وہاں سے تلاش کر کے چند گھنٹوں کے اندر کئی اہم تحریریں بھیج دیں، دیوبند میں جلالین کے سال ہم نے کہا کہ مولانا افتخار بلخی صاحب کی انکار حدیث کے خلاف لکھی کتاب انکار حدیث کا منظر، پس منظر (دوجلدیں) کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، اس میں کئی اہم باتوں کا ذکر ہے۔ مولانا

امین احسن اصلاحی کی ایک تحریر دیکھنی ہے؛ لیکن مل نہیں رہی ہے۔ یہ سن کر کچھ دیر اوپر دیکھا، ہونٹ دباتے ہوئے کہا کہ ''مدنی دارالمطالعہ'' آنا وہاں دونوں چیزیں مل جائیں گی۔ مجھے یاد ہے کہ ''الاصلاح'' کے شمارے بھی اُس میں ہیں، اور مولانا افتخار بلخی کی کتاب بھی ہے۔ جب عصر کے بعد ''مدنی دارالمطالعہ'' پہنچے تو دونوں تحریریں سامنے نکال کر رکھے ہوئے تھے۔ مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد میں شرح جامی کے سال میں چھٹی کے بعد لال باغ آتے راستے میں ایک منکر حدیث ''ملک انصاری'' کی پینٹنگ کی دکان تھی۔ انصاری صاحب اس میں معروف منکر حدیث غلام احمد پرویز اور بدایوں کے معروف منکر حدیث میاں عبدالصمد بدایونی اور غلام جیلانی برق کی کتابیں، رسالے بھی رکھتے تھے۔ ہم بدایونی اور برق کی کچھ کتابیں لے آئے۔ بدایونی نے مولانا مودودی کی طرف سے رسالہ ''ترجمان القرآن'' کے منصب رسالت نمبر کا انکار حجیت حدیث کے نام سے جواب بھی لکھا ہے۔ اس جواب کا جواب ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ خارجی اوقات میں ان سب کو ہم نے پڑھا تھا۔

برق صاحب نے دو اسلام، دو قرآن لکھی تھی۔ دو اسلام کا جواب حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ نے اور دو قرآن کا جواب مولانا سرفراز خاں صفدرؒ نے تحریر کیا ہے۔ دیوبند آنے اور مولانا معزالدین احمد سے تعلقات اور جان پہچان ہونے کے بعد برق صاحب کا ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا کہ برق صاحب نے غالباً اپنے سابقہ موقف ونظریہ سے رجوع کر لیا ہے اور غالباً ان کی کتاب تاریخ حدیث مدنی المطالعہ میں ہے۔ کل دیکھتا ہوں جب دوسرے دن پہنچے تو مرحوم نے کتاب نکال کر سامنے رکھ رکھی تھی، مطلب یہ کہ اچھا مطالعہ کے ساتھ حافظہ اور استحضار بھی بہت اچھا تھا، اس کا تجربہ ومشاہدہ ان سے ہر ملنے جلنے والے کو تھا، ذہانت گہرائی اور انتقال ذہن میں سرعت بھی تھی۔ باتوں کی تہہ تک بڑی جلدی پہنچ جاتے تھے اور اپنی تحقیق کے خلاف کسی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بڑوں سے احترام کے ساتھ اختلاف کا اظہار بڑی صفائی اور وضاحت سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نے مولانا مرحوم

اور ہمیں ایک مسئلے پر تبادلہ خیال کے لئے بلایا۔ گفتگو کے دوران حضرت فدائے ملتؒ نے کہا کہ گاندھی جی کو مہاتما بنانے میں حضرت شیخ الہندؒ اور جمعیۃ علماء ہند کا بھی کردار ہے، ایسا کہا جاتا ہے۔ مولانا معز الدین احمدؒ نے فوراً کہا کہ حضرت جو کہا جاتا ہے، اُس کی کوئی مضبوط بنیاد اور مستند حوالہ نہیں ہے۔ حضرت فدائے ملتؒ نے کہا کہ ایسا سنتے آ رہے ہیں، مولانا محمد میاںؒ نے ایسا کہا تھا، مولانا معز الدین احمد نے جرأت کرتے ہوئے اَدب واحترام سے کہا کہ کوئی بات سننے سے مستند نہیں ہو جاتی ہے۔ گاندھی جی کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ زبانی بات بغیر مستند حوالے کے مان لی جائے، حضرت میاں صاحبؒ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی، گاندھی جی سے متعلق پورا لٹریچر اس کے ذکر سے خالی ہے، مہاتما کی بات دیگر ذرائع سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ حضرت فدائے ملتؒ نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ کیا اس سے متفق ہیں۔ ہم نے کہا کہ جی ہاں! ہماری دونوں کی اس پر بحث ہو چکی ہے۔ گاندھی جی جمعیۃ علماء ہند کے قیام سے پہلے ہی مہاتما ہو چکے تھے۔ یا تو گجرات کے گونڈال کے راجا کی نگرانی میں منعقد ایک استقبالیہ تقریب میں ایک بڑے پردھان پوجاری نے گاندھی جی کو مہاتما کا ٹائٹل دیا تھا، جیسا کہ معروف مصنف و محقق ہنس راج رہبر نے ''گاندھی بے نقاب'' میں لکھا ہے یا گرو رابندر ناتھ ٹھاکر نے شانتی نکیتن میں جانے پر ان کو یہ ٹائٹل دیا تھا اور یہی زیادہ معروف ہے اور تسلیم شدہ ہو گیا ہے۔ ۱۹۱۹ء سے پہلے پہلے گاندھی جی کے لئے مہاتما کا لقب لکھا ملتا ہے۔ خاص طور سے سروجنی نائیڈو کی زندگی کے تناظر میں، جب بھارت سے باہر تعلیم حاصل کرنے کے دور میں اس لئے اپنے حلقے میں مہاتما سے متعلق زبانی ذکر میں زیادہ دم نہیں ہے، اِس پر حضرت فدائے ملتؒ نے کہا کہ دیکھ لیجئے، اُسے دیکھنا چاہئے، ہنستے ہوئے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ آپ بھی معز الدین کے ساتھ ہو گئے، مفتی سلمان بھی ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں، آپ لوگ طے کر کے ایک ساتھ ہو جاتے ہیں، خیر میٹنگ ہونے والی ہے۔ صدیقی صاحب (مسعود حسن صدیقی) سے مل کر بات کر کے تفصیلات حاصل کر لیں وہ ملک کے فرقہ وارانہ فسادات کا اعداد و شمار جمع کر رہے ہیں۔ اس سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا معز الدین احمد اپنے علم ومطالعہ کے برعکس باتوں پر خاموش نہیں رہتے تھے۔ یہ ان کا ہمیشہ سے معمول رہا، بڑے بڑوں سے احترام کے ساتھ اپنی سمجھ اور دیانت داری کے مطابق اختلافات کرنے سے گریز اور خاموشی اختیار نہیں کرتے تھے، مجلس عاملہ اور امارت شرعیہ اور مباحث فقہیہ کی میٹنگوں میں بھی مرحوم اپنی رائے کا برملا اظہار کرتے تھے۔ ایک زمانے میں لائف انشورنس کے متعلق خاصا چرچا تھا۔

ایک میٹنگ میں ایک دو صاحب نے تھوڑی شدت اور منفی پہلو کا کچھ زیادہ ہی اظہار کیا اس پر حضرت فدائے ملتؒ نے مولانا معز الدین احمد سے پوچھا، تو اُنہوں نے کہا کہ دیگر کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں، اس کو دیکھنے کے بجائے ہمیں اپنے کام اور موقف پر توجہ دینا چاہیے، اس طرح کے اختلافات کی درجنوں مثالیں ہیں، اساتذہ اپنے بڑے، برابر کے افراد، علماء، مفتیوں سے بھی مضبوط دلائل اور معقول منطقی بنیادوں پر اظہار خیال کرتے تھے اور دلائل ایسے پیش کرتے تھے جن کو رد کرنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ اپنے اکابر سے بے پناہ عقیدت ومحبت کے باوجود علمی ونظریاتی معاملات میں معقول مشترک بنیادوں پر ہی باتیں کرنے کے حق میں تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلکی اختلاف صوفیاء وغیرہ کے معاملے میں شدت کے بجائے ہمیں اعتدال وتوازن سے کام لینا چاہئے، حضرات گنگوہیؒ وتھانویؒ سرآنکھوں پر، لیکن دیگر نقاط نظر والوں کے سامنے ہمیں مشترک بنیادوں پر بات کرنا ہی معقول و منطقی ہے۔ بریلوی مسلک والوں کے سامنے حضرات گنگوہیؒ وتھانویؒ کے بجائے قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ قدوری، ہدایہ، قاضی خاں، شامی مرقاۃ وغیرہ کے حوالے سے بات کرنی چاہیے، حضرت حاجی صاحبؒ تک بات ٹھیک ہے کہ ان کا احترام بریلوی مسلک والوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے متعلق ان کی کتابوں کے حوالے سے بات کرنی چاہیے، فتاوی محمودیہ کے حوالے سے نہیں، یہ ہمارے لئے ٹھیک ہے؛ لیکن مخاطب کے لحاظ سے مضبوط بات نہیں ہے۔ اہل حدیث کے سامنے ہدایہ، شامی کے حوالے سے بات کا زیادہ معنی ومطلب نہیں ہے۔ ان کے سامنے کتاب وسنت اور ان

کے تسلیم شدہ اہل علم رجال امام بخاری علامہ شوکانی ابن قیم، ابن تیمیہؒ وغیرہم کے حوالے سے بحث وتحریر ہونا چاہیے، اس پر اپنے حلقے کے کچھ دوست جب کہتے کہ آپ دیگر سے متاثر ہو گئے ہیں تو کہتے تھے کہ یہ اصل سوال کا جواب نہیں ہے۔ ہم اصولی بات کر رہے ہیں اور یہ مذکورہ باتوں کی معقولیت ومنطق ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ دین ومسلک میں تصلب ہونا چاہئے تشدد نہیں، مسائل پر غیر جانبداری سے کھلے ذہن کے ساتھ سوچنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ دوسروں کے دلائل کس حد تک صحت وقوت پر مبنی ہیں۔ مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی (استاذ حدیث وفقہ مدرسہ شاہی مرادآباد) مولانا مفتی محمد راشد اعظمی (استاذ دارالعلوم دیوبند) مولانا عبداللہ معروفی، مولانا لطیف الرحمٰن بہرائچی اور درجنوں اہل علم ہیں جن سے ہمارے سامنے بحث ومباحث ہوتا تھا۔ حضرات اساتذہ کرام دارالعلوم دیوبند دیگر مدارس کے اساتذہ سے مختلف مسائل پر برابر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ مباحث فقہیہ کی میٹنگوں میں اہل علم نے محسوس کیا ہے کہ مرحوم کا مطالعہ اور مسائل پر کتنی گہری نظر تھی۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ شوقیہ کتابیں خرید لیتے ہیں اور سجا کر رکھ دیتے ہیں، لیکن مولانا معز الدین احمد اور ہم جیسے لوگوں کے پاس محض شوقیہ کتابیں خریدنے کے لئے پیسے نہیں ہوتے ہیں، مولانا مرحوم کو کتابوں سے عشق کے ساتھ ان کو خرید کر ذخیرہ کرنے کا ایک جنون تھا اور ان کے مطالعے کا بھی نشہ تھا، ان کے چاروں طرف کتابوں کا انبار لگا ہوا ہوتا تھا وہ کتابوں میں جیتے اور رہتے تھے۔ ہر ضروری فن، قرآنیات، تفاسیر، حدیث وفقہ سیرت، تاریخ تذکرہ سوانح وغیرہ پر بڑا اچھا ذخیرہ ان کے پاس ہے (اللہ رب العزت اس سے استفادہ کرنے کی راہ آسان کردے) ان کو جمعیۃ علماء ہند، دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور نظریات، تاریخ اور تذکرہ وسوانح اور فقہ سے خصوصی دلچسپی تھی۔ جہاں جاتے اپنی دلچسپی کی کتابیں اور رسائل حاصل کر کے لاتے تھے اور ہمیں بہت شوق اور خوش ہو کر دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ چاہیے، ہاں کرنے پر یا تو اپنی کتابیں دے دیتے تھے اور اپنے لئے بعد میں لے آتے تھے یا ایک دو دن میں لا کر دیتے تھے۔

طباعت کا کام دیکھنے کی وجہ سے مسلسل پریس اور کتب خانوں میں آنا جانا ہوتا تھا۔ ہم جیسے درجنوں افراد کو ان سے بہت فائدہ اور سہولت ہوتی تھی۔ کم قیمت میں آسانی سے کتابیں، رسالے دستیاب ہوجاتے تھے۔ ان کے علمی ذوق اور علمی تعاون کے بے پناہ شوق اور للک سے بے شمار اہل علم کو فائدہ پہنچا ہے ان کے ہمارے درمیان میں نہ رہنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ ہم نے کیا کچھ کھودیا ہے، ایک بڑے منبع علم سے ہم دور ہو گئے ہیں، ان کے پاس درجنوں، سینکڑوں نہیں بلکہ مختلف فنون وعلوم کی ہزاروں کتابوں کی پی ڈی ایف فائل محفوظ تھی اور باذوق متعلقین کو بھیجتے رہتے تھے ہم دن رات میں روزانہ ایک دو گھنٹے بیٹھتے تھے اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ ہم سے بہت کھلے ہوئے تھے۔ سلام کے بعد بیٹھتے ہی بتانا شروع کر دیتے تھے کہ آج اتنی اتنی فلاں کتابیں اور رسائل ڈاؤن لوڈ کئے ہیں، آپ کو کون کون اور کیا کیا چاہئے، جو بھی کہتے کہ فوراً موبائل پر بھیجنا شروع کر دیتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند سے استعفیٰ کے بعد لکشمی نگر اور پھر ابوالفضل دہلی میں رہائش اختیار کرنے کے بعد تقریباً روزانہ فون یا وہاٹس ایپ پر بات چیت ہوتی تھی، زیادہ تر کتابوں اور علمی اور دیوبند و جمعیۃ کے اکابر کے فکر و عمل اور علمی افادات کا کوئی نہ کوئی حوالہ ضرور آتا تھا۔ ہم نے گرچہ جمعیۃ علماء ہند کے غیر مطبوعہ کاغذات اور فائلوں تک کا مطالعہ کیا تھا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے سامنے جمعیۃ علماء ہند کے موقف و پالیسی کو پیش کرنے کی ضرورت کے تحت اس کی ضرورت بھی تھی، لیکن جمعیۃ علماء ہند، اس کی تاریخ اور وابستہ شخصیات کے فکر و کردار اور خدمات و حالات سے واقفیت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ پرانے اخبارات رسائل میں مرقوم ایک ایک متعلقہ بات پر ان کی نظر تھی۔ اکابر دیوبند کے حالات زندگی اور خدمات پر بھی گہری اور وسیع نظر تھی ان کے متعلق مولانا معز الدین احمد سے زیادہ جاننے کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا ہے۔ وسیع و عمیق معلومات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ماضی، حال کے بڑے بڑے معروف مصنّفین اور اہل قلم پر مبنی بر صورب اور علمی تبصرے کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ مولانا محمد میاں اور مولانا اسیر ادروی وغیرہ

کی تحریروں وتحقیقات پر اپنی رائے دلائل اور بعد کی وسیع تحقیقات کے حوالے سے دیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ایوب قادری، امتیاز علی خاں عرشی، محمود شیرانی، مالک رام اور مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی وغیرہم کی تحقیقات کے بڑے قدرداں تھے۔ شعراء وادباء عبدالرب اور پروفیسر کلیم عاجز، حمید لکھنوی، جگر مرادآبادی کے اشعار بہت سناتے تھے اور پسند بھی کرتے تھے۔ پہلے کے شعراء میں میر تقی میر، غالب کو پڑھتے تھے، لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ اقبال کے معاملے میں ہمارے بالکل برعکس تھے۔ ان میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی، لیکن ملک وملت کے متعلق ان کے نظریہ کو جاننے سے دلچسپی تھی۔ محض بحث وگفتگو میں صحیح رائے دینے کے لئے، کہتے تھے کہ اقبال رومانیت اور خواب وخیال کی دنیا میں رہ رہ کر چلے جاتے ہیں، ہمیں ان کو بہت سمجھداری، دل ودماغ کو بیدار رکھ کر پڑھنا چاہیے۔ بے تیغ سپاہی سے اور ممولوں کو شاہین سے لڑانے کی بات کچھ عجیب سی ہے۔ یہ عملی ہے کیا؟ محمد علی جناح جیسے آدمی کے موقف کی حمایت اور ساتھ دے کر اقبال نے عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا ہے اُنہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ مسائل ہمیشہ اقلیتی خطے میں ہوتے ہیں۔ اکثریتی علاقے میں اپنے لئے پناہ تلاش کرنا، اقلیتی علاقوں میں آباد اقلیت کو مزید کمزور اور مسائل سے گھر جانے کی راہ ہموار کرنے کے ہم معنی ہے۔ ہمارے کئی بزرگوں کی طرف سے مسلم اکثریتی ممالک میں تشکیل شدہ معاشرے و نظام کو بھارت جیسے غیر مسلم اکثریت، جات پات والے، برہمن وادی ملک میں نمونہ بنانے کا کوئی زیادہ معنی ومطلب نہیں ہے۔ ایسی حالت میں کارِ دعوت ایک دوسرے کے قریب آ کر سمجھنے کا راستہ تنگ اور بسا اوقات مسدود ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا سندھیؒ کا حوالے بہت زیادہ دیتے تھے۔ مولانا سندھیؒ کے حوالے سے بار بار کہتے تھے کہ اقبال میں کچھ کچھ فرقہ پرستی کے ساتھ، تھوڑی علاقہ پرستی بھی تھی۔ اُنہوں نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کو ہندستان کی ہندو اکثریت کی تہذیب و روایت میں جذب ہونے کی راہ ہموار کررہے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی باتیں ان کے ذہن و

دل میں تھیں، جن کے سبب اقبال کے اشعار و نام کا ذکر بہت کم کرتے تھے۔ شعر و ادب کا فہم و ذوق اعلیٰ تھا اس کا اظہار چند افراد کے سامنے ہی کرتے تھے۔ افسانوں، ناولوں سے ذرا دور ہی رہتے تھے۔ بس راشد الخیری کا شامِ غم اور ڈپٹی نذیر احمد کی مراۃ العروس، توبۃ النصوح، ابن الوقت وغیرہ کو قدرے پسند کرتے تھے۔ حالی بھی پسندیدہ شعراء و مصنفین میں تھے، لیکن سر سید کی سوانح حیات جاوید کے بعض مقامات سے شدید اختلاف رکھتے تھے۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ، مولانا عبد السلام ندویؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ کو پڑھتے اور پسند کرتے تھے۔ خاص طور سے زبان و بیان کو۔ سب سے زیادہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا سادہ اسلوب تحریر پسند تھا۔ ڈاکٹر کلیم عاجز کی شاعری کے ساتھ نثر مزے مزے سے پڑھتے تھے۔ قتل کرو ہو کہ کرامت کرو، کا انداز اچھا لگتا تھا۔ احمد فراز، بیکل اتساہی، جوش ملیح آبادی، احسان دانش، کو بھی برابر مطالعہ میں رکھتے تھے۔ احسان دانش اور قدرت اللہ شہاب ممتاز مفتی کی تحریریں بھی پسند تھیں۔ ممتاز مفتی کی لبیک اور حکیم عاجز کی یہاں سے کعبہ، کعبہ سے مدینہ وغیرہ بے خود ہو کر پڑھتے تھے۔ حج و عمرہ کا ذکر آتے ہی ایک خاص کیفیت میں ڈوب جاتے تھے۔ مولانا معز الدین احمد کو دور والے خشک آدمی سمجھتے تھے؛ لیکن ایسا بالکل نہیں تھا۔ سب کے سامنے کھلتے نہیں تھے۔ کچھ خاص لوگ تھے جن کے سامنے کھلتے تھے۔

فقہی اجتماعات کے لئے تیار کئے جانے والے سوالات اور مباحث پر اظہار خیال اور تجاویز کی تیاری میں وہ خاص رنگ میں نظر آتے تھے۔ چیزوں کو بہت گہرائی اور تنقیدی نظر سے دیکھتے تھے اور بحث میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ سب کے مقالات کو بہت اہتمام و ترتیب سے رکھنے کے ساتھ خاص اہم باتوں کی نشاندہی اور نمایاں کر کے لانے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیتے تھے۔ اپنے تعلقات کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کو بڑا قابو تھا، فقہی مقالات تحریر کرانے، سوال نامے بنانے، دیو بند جا کر حضرات مفتیان کرام سے بات کرنے اور فقہی اجتماعات منعقد کرانے جیسے مشکل ترین کاموں کو جس طرح مولانا معز الدین

احمد بغیر کسی اضطراب کے انجام دیتے تھے۔ اس کا جواب نہیں ہے۔ ایسا فعال اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر عقابی نظر رکھنے والا کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ مہمان نوازی اور تعلقات کو بنائے رکھنے اور نبھانے کا للک تھا۔ مولانا قاری محمد عثمان منصوری پوری صدر جمعیۃ علماء ہند اور استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور ان کے گھر کے چھوٹے بڑے سے جس طور سے والہانہ تعلقات رکھتے تھے کہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، ہم جیسے ساتھیوں اور دیگر جان پہچان کے آنے جانے والوں کے لئے سراپا انتظار رہتے تھے۔ کورونا کے قہر میں بھی دوستوں اور تعلق والوں کے لئے بے قرار رہتے تھے بار بار کہتے پوچھتے تھے کہ خدا جانے کب مل بیٹھنے کا موقع ملے گا۔ حالات تھوڑے بہتر اور لوک ڈاؤن ختم ہوتے ہی آنے کے لئے اصرار بڑھ گیا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ کئی بار جانا ہوا، جانے کی اطلاع دیتے ہی فوراً شوکت کو کہا جاتا تھا کہ شوکت کہاں ہو۔ دیکھو نعمانی صاحب آ رہے ہیں یہ یہ چیزیں لیتے آنا، بیماری سے چند دنوں پہلے تک صبح ناشتے میں نہاری کھانے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ ہم گئے بھی، ناشتہ سے پہلے اور ناشتہ کے بعد بہت سی باتیں، ملک وملت، مدارس، مساجد، مرکز تبلیغ، ملک کے تہذیبی، اقتصادی حالات، فرقہ پرستی، شرکیہ اعمال سے اثر پذیری، بین مذاہب شادی وغیرہ سے متعلق کئی گھنٹے تک بات کرتے رہے، ملک کی اقتصادیات اور ان پر سرمایہ دار گھرانے کے بڑھتے تسلط پر تشویش کا اظہار کرتے رہے، کہنے لگے کہ محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں کے لئے مشکل حالات پیدا ہوں گے، ساری چیزیں ملٹی نیشنل کمپنیوں اور پرائیویٹ اداروں کے ہاتھوں میں چلی جائیں گی اور کورونا نے جو حالات پیدا کر دئے ہیں ان میں کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ کوئی بڑا احتجاج، آندولن بھی نہیں چلنے پائے گا اور جو تھوڑا بہت ہوگا۔ اس کو ختم اور دبانے کی کوشش ہوگی۔ یہ باتیں ستمبر کے شروع ہفتے میں کہہ رہے تھے، بعد کے حالات نے ان کے اندازے واندیشے کو صحیح ثابت کر دیا ان کے اندیشے واندازے عموماً صحیح ثابت ہوتے تھے۔ ایسا اس لئے بھی ہوتا تھا کہ وہ حالات کا بہت غیر جانب داری اور گہرائی سے جائزہ لیتے تھے۔ وہ اخبارات اور خبریں بہت توجہ سے پڑھتے اور سنتے تھے وہ موبائل

کا بہت بہتر اور کامیاب استعمال کرتے تھے۔ کوئی فالتو اور بکواس و واہیات چیزیں نہیں دیکھتے پڑھتے تھے۔ صرف کام کی باتوں، چیزوں پر توجہ ہوتی تھی۔ خرافات و واہیات سے طبعاً سخت نفرت تھی۔ اقتصادیات و معاشیات سے متعلق خبروں، مضامین اور تبصروں کو خصوصی توجہ سے پڑھتے تھے اور ان پر ایسی بصیرت و مہارت سے بات کرتے تھے کہ اچھے اچھے لوگ انگشت بہ دنداں رہ جاتے تھے۔ پریس والے، کاغذی بھی حیرت میں پڑ جاتے تھے کہ یہ کیسا مولوی ہے؟ کس طرح مسائل کا تجزیہ اور اعداد و شمار کے ساتھ اپنی رائے کو مدلل بنا کر پیش کر رہا ہے۔ آج ہمارے درمیان، خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا کا سماں ہے۔ ان کی جگہ کون لے گا پتا نہیں، قدرت کے کارنامے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ لیکن تلاش اور وہاں جا کر تیار مال کو لا کر صحیح جگہ سجانے کا سوال تو ہے۔

بات ہو رہی تھی مرحوم کی مہمان نوازی کی، بیچ بیچ میں بہت سی باتیں، یادیں سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ اُن کے قریب آنے جانے والے سبھی محسوس کرتے تھے کہ وہ مہمان نوازی اور کھلا پلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ دوست مہمان اور تعلق والے اپنی روزی لے کر آتے ہیں۔ اللہ رزاق ان کے آنے کی برکتوں میں ہمیں بھی شامل کر لیتا ہے، اس نے ایک کے مقدر کو دوسرے کے مقدر سے جوڑ دیا ہے، یہ اس کا نظام ہے، اس لئے مہمان نوازی کے لئے دل کھلا ہونا چاہئے۔ جس آدمی کا یہ تصور و خیال ہو، اس کے متعلق مہمان نوازی کے متعلق بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کسی بھی مؤقر مہمان کے آنے پر ہمیں ضرور یاد کرتے تھے۔ جمعیۃ دفتر کے چند افراد کو یاد کرتے تھے، اُن میں مولانا عبدالملک، مولانا نجیب اللہ، مولانا کلیم الدین راقم سطور دن رات اور صبح کے اوقات میں یاد کئے جاتے تھے۔ دفتر سے باہر رہنے والوں میں صبح کے اوقات میں یاد کئے جاتے تھے۔ دفتر سے باہر رہنے والوں میں محمد مبشر، عادل نصیر، عارف ہوتے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی کھانے پینے کی چیز آئے یا منگوائی جائے اور وہ تنہا کھائیں۔ مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری، مفتی محمد سلمان منصور پوری اور مفتی عفان منصور پوری سے خاص طرح

کا تعلق تھا۔ ان کے پورے گھرانے سے بھی، جیسے ہی ان میں سے کسی کے آنے کی اطلاع ہوتی تو سراپا انتظار بن جاتے تھے۔ ہمیں بھی اطلاع کرتے کہ وہ آرہے ہیں، ہم کچھ پہلے مرحوم کے کمرے میں پہنچ جاتے تھے۔ جب موبائل نہیں تھا تو کچھ کچھ دیر میں کہتے تھے کہ پتہ نہیں کہاں تک آئے، موبائل آنے کے بعد تو اُن کا کام آسان ہوگیا تھا۔ بے چینی میں کچھ کمی آ گئی تھی، جب تک دفتر پہنچ نہیں جاتے تھے؛ رہ رہ کر پوچھتے رہتے تھے کہ کہاں پر ہو، پھر بتاتے تھے کہ فلاں جگہ آ گئے ہیں، دفتر پہنچ جانے پر مہمان نوازی کے لئے جو ہوسکتا تھا وہ سب کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ بھی خاص طرح کا معاملہ اور تعلق تھا، درسی ساتھی اور طویل رفاقت کی وجہ سے غالباً ہم سب سے زیادہ تعلق اور بے تکلف تھے۔

جب لکشمی نگر اور خاص طور سے ابوالفضل میں رہنا سہنا شروع ہوا تو روزانہ فون اور وہاٹس ایپ پر لکھ کر خیر خیریت دریافت کرتے اور وقت ملتے ہی آنے کے لئے ضرور کہتے تھے اور جیسے ہی آنے کے متعلق اطلاع دیتے کچھ کچھ دیر میں فون آنا شروع ہوجاتا ہے۔ کب تک پہنچ رہے ہیں، ابھی کہاں ہیں، اور جب تک پہنچ نہیں جاتے تھے فون آنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ دوری اور جدائی کے بعد بہت زیادہ خیال اور اہتمام کرنے لگے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے فعال ملازم شوکت علی سے کہتے کہ شوکت، نعمانی صاحب آرہے ہیں۔ (اس طرح ہمارے متعلق کہتے تھے) دیکھ لینا یہاں سے یہ وہاں سے وہ لیتے آنا، لیکن جلدی کرنا، خیال سے، بھولنا نہیں، دہلی سے باہر، دارالعلوم دیوبند اور دیگر مقامات کے جان پہچان اور تعلق والوں کا بھی بہت خیال و لحاظ کرتے تھے۔ حضرات اساتذہ میں مولانا ریاست علی بجنوریؒ، مولانا عبدالحق اعظمیؒ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ، مولانا مجیب اللہ صاحب، مولانا نعمت اللہ اعظمی، مولانا نور عالم خلیل الامینی، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی، مولانا عبداللہ معروفی وغیرہم کی اطلاع سے بہت خوش ہوتے تھے اور سراپا انتظام بن جاتے تھے۔ مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی (مدرسہ شاہی مرادآباد) مولانا عبد المعید فتح پوری، مولانا متین الحق اسامہ کانپوری، مولانا ابوبکر پٹنی، مفتی شمس الدین بجلی بنگلور مولانا

عتیق بستوی لکھنؤ وغیرہم سے ایک طرح سے تعلق خاص تھا۔ مولانا مفتی اختر امام عادل، مولانا مفتی عثمان جون پوری، مفتی عبدالرشید کانپوری، مفتی اقبال کانپوری کا مختلف مواقع پر ذکر کرتے تھے۔ ایسے بہت سے لوگ تھے جن کو مختلف کاموں کے حوالے سے یاد کرتے رہتے تھے۔

مرحوم مولانا معز الدین احمد کو اللہ رب العزت نے بڑی خوبیوں اور خصوصیات سے نوازا تھا، ہر آدمی کو اپنے ذوق کے مطابق ان میں خوبیاں نظر آتی تھیں۔ وہ ذی علم، ذی رائے، مردم شناس بھی تھے۔ جس کا عملی اظہار، دارالعلوم دیوبند، امارت شرعیہ ہند، روایت ہلال کمیٹی کی ادارۂ مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء کی میٹنگوں میں ہوتا رہتا تھا، لیکن کل ملا کر وہ علمی آدمی تھے۔ کتابوں اور علمی مسائل پر بات، بحث دیگر باتوں اور مسائل پر حاوی رہتی تھی۔ جہاں وہ منصوبہ ساز، نکتہ داں، دقیقہ رس تھے وہیں جمعیۃ علماء ہند کے کارکنوں اور ملازمین اور اعلیٰ ذمے داروں کے درمیان کی کڑی بھی تھے۔ ان کا کمرہ ایک طرح کا وہائٹ ہاؤس بھی تھا اور دارالمطالعہ اور کتابوں کا گھر بھی، دفتر کی طرف سے اور دفتر سے باہر کے آنے والے جانے والوں کی نظر وہیں پڑتی تھی اور تعلق والے کے قدم اس کی طرف بے اختیار اٹھ جاتے تھے۔ ان کا کمرہ تبصرہ گاہ بھی تھا اور وقتی ٹھکانہ اور پناہ گاہ بھی اور ذائقہ خانہ اور مونس کدہ بھی خاص خاص بندے کے لئے فریج کا در کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ ان کی جدائی اور دوری سے ایک عجیب طرح کا احساس ذہن ودل پر متولی ہو گیا ہے۔ اگر کوئی ان کے زیر مطالعہ کتب کی نشان زدہ عبارتوں اشاروں اور نوٹس کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ لکھ دے تو ایک مفید علمی کام ہو جائے گا۔ کسی نہ کسی درجے میں مرحوم کی جانشین مولوی عبدالملک قرار پاسکتے ہیں، ان کی دسترس میں اچھی خاص چیزیں ہیں، مختلف موضوعات پر ان کے لکھے نوٹس اور حضرت شیخ الہندؒ، حضرت شیخ الاسلامؒ دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے اکابر کے سلسلے کی باتوں، واقعات، مسائل کی نشاندہی سے بہت سی چیزوں میں رہ نمائی مل سکتی ہے۔ ان کی کتابوں کے بہترین ذخیرے سے استفادہ کیا جانا چاہیے، وہ بار بار بھارت کے خاص ماحول میں حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت مفتی اعظمؒ اور مولانا سندھیؒ کے فکر و کردار سے استفادے کی بات

کرتے تھے۔ مسلم غیر مسلم معروف شخصیات، حضرت شیخ الاسلام، حضرت مدنیؒ، مولانا سندھیؒ، حضرت مفتی اعظمؒ، حضرت مجاہد ملتؒ، مولانا محمد میاں، گاندھی، نہرو، امبیڈکر، ساورکر اور اوپر والوں میں حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہی، سرسید، وویکانند، ٹیگور، راجارام موہن رائے وغیرہم بیسوں حضرات کا از سرنو، ملک کے موجودہ حالات ومسائل کے پیش نظر مطالعے کی بات کرتے تھے۔ ہمارے کام ہندوتو بھارت کے فکر وفلسفہ پر توجہ اور چند کتابوں کے شائع ہونے پر بہت خوش تھے۔ لکھنے کے دوران میں متعلقہ چیزیں جہاں بھی ملتی فوراً بھیج دیتے تھے۔ آر، ایس ایس کے بانی ڈاکٹر ہیڈ گیوار، حیات وتحریک کے متعلق بار بار پوچھتے تھے کہ کب تک شائع ہو رہی ہے۔ کتاب ان کی حیات میں ہی مکمل ہوگئی تھی لیکن کورونا سے پیدا شدہ حالات کی وجہ سے پریس سے آنے میں تاخیر سے ماہ دسمبر میں منظر عام پر آئی، وہ اس کتاب کی اشاعت سے بہت زیادہ خوش ہونے والوں میں ہوتے، ہندوتو اور راشٹر واد، ساورکر، فکر وحیات کی اشاعت پر اتنے خوش تھے کہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس طرح کے لوگ سماج بہت کم پائے جاتے ہیں، پڑوسی ملک پاکستان کے زلزلہ متاثرہ علاقے کے دورے کے موقع کی بہت سی باتیں ہیں، جن کا ذکر راقم سطور نے ''سرحد اور سرحد کے پار''، ''الجمعیۃ ویکلی'' میں قسط وار شائع سلسلہ سفر کی طویل تحریر میں کیا ہے۔

بنگلور اور بانڈی پورہ کشمیر کے فقہی اجتماعات کی یادیں بھی ہیں، جدھر بھی نگاہیں اٹھتی ہیں، یادوں، باتوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے، ان میں سے بہت سی باتوں کا ذکر وحوالہ راقم سطور کی غیر مطبوعہ کتابوں ''دلی سے دور تک'' گذرتے وقت، بیتے دن اور شاہین وسلیم کے نام میں ہیں، اللہ کرے تمام صفحات دستیاب ہو جائیں، مرتب ہو کر شائع ہو جائیں۔

مولانا معزالدین احمد میں بہت سی ایسی باتیں ہیں، جن سے ہمیں روشنی ورہنمائی بھی مل سکتی ہے۔ جو اُنہوں نے کیا اس سے بھی اور جو نہیں کیا اس سے بھی، جو نہیں کیا اگر وہ کرتے تو افادے واستفادے کا دائرہ مزید وسیع ہو جاتا، سانحہ ارتحال کے بعد ڈاکٹر وارث مظہری جیسے

بہت سے حضرات کو معلوم ہوا کہ مرحوم میں کیا کچھ تھا اور کیا کچھ تھے۔ جتنا تھے اور جو کچھ جانتے تھے وہ ضروری حد تک ذرائع ابلاغ سے سامنے آ تا تو استفادہ کرنے والوں کا دائرہ مزید وسیع ہو جاتا۔ ان کا جو کچھ ہمارے سامنے ہے، اس کے دائرے کو وسیع کرنے کی ذمے داری موجودہ اور آنے والی نسلوں اور افراد پر ہے۔ ان کے علمی ورثے کے گھر کے در کو وا کر دیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ افراد کو داخل ہونے کا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا معزالدین صاحب گونڈویؒ

مخلص اور معاون دوست اور ملت اِسلامیہ کا قیمتی اَثاثہ

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی اُستاذ حدیث و مفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

حضرت مولانا معزالدین صاحب قاسمی گونڈوی نوراللہ مرقدہٗ مؤرخہ ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار صبح تقریباً گیارہ بجے، بے شمار لوگوں کو سوگوار چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کا مختصر تذکرہ درج ذیل سطور میں کیا جارہا ہے۔

نام ونسب، وطن اور ولادت

آپ کا اسم گرامی معزالدین اور والدمحترم کا نام حضرت مولانا عبدالحمید صاحب قاسمی مدظلہ العالی اور دادا کا نام ضیاء اللہ مرحوم ہے۔ موضع دتلوپور ڈاکخانہ سرائے خاص، تھانہ سعداللہ نگر، تحصیل اترولہ، سابق ضلع گونڈہ اور موجودہ ضلع بلرامپور، صوبہ اترپردیش آپ کا وطن اصلی، جائے پیدائش اور جائے سکونت ہے۔ اسی موضع دتلوپور میں ۳؍مارچ ۱۹٦۳ء (آپ کے والد محترم کے بیان اور آدھار کارڈ کے مطابق) کو آپ کی پیدائش ہوئی۔

تذکرۂ والدِمحترم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہٗ

آپ کے والدمحترم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب قاسمی دامت برکاتہم (اللہ تعالیٰ

عرصہ دراز تک ان کا سایہ باقی رکھے، آمین) ماشاء اللہ حیات ہیں اور اپنی عمر کے اعتبار سے کافی صحت مند ہیں۔ فارغ التحصیل، عالم دین اور بافیض علمی شخصیت ہیں، مختلف مدارس میں حصولِ تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور تین سال دارالعلوم دیوبند میں قیام فرمایا پھر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے وصال کے بعد آپ کی طبیعت اُچاٹ ہوگئی اور جلالین شریف تک تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند سے چلے گئے۔ اس کے بعد مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا مقبول الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے سیوہارہ ضلع بجنور میں پڑھی اور حدیث کی کچھ کتابیں ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھیں۔ پھر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں مدرسہ نور العلوم بہرائچ سے فارغ ہوئے۔ درس نظامی سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اب طویل عرصہ سے اپنی ہی بستی کے مدرسہ فیضان العلوم دتلو پور میں انتہائی امانت و دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ فرائض اہتمام انجام دیتے ہیں۔ آپ کو رب ذوالجلال نے اصابت رائے، معاملہ فہمی، علمی ذوق، اکابرین سے محبت، علمائے کرام کا احترام جیسی صفاتِ حمیدہ کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ اکابرینِ دارالعلوم دیوبند اور اکابرینِ جمعیۃ سے آپ کا تعلق انتہائی والہانہ ہے۔ ہمیشہ آپ کی زبانِ مبارک اکابرین کے تذکرہ میں رطب اللسان رہتی ہے۔ آپ کی خوش نصیبی اور سعادت مندی اور مقبول عند اللہ ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ رب ذوالجلال نے آپ کے تمام صاحبزادگان کو حافظ قرآن، عالم فاضل اور دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل بنایا۔ سب سے بڑے صاحبزادے مرحوم مولانا معز الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہیں جن کا تذکرہ آئندہ سطور میں آئے گا۔

دوسرے صاحبزادے مولانا مفتی وحید الدین صاحب قاسمی مدظلہٗ ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۹۰ء میں شعبۂ افتاء دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر فتویٰ نویسی کی مشق کی اور دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد تقریباً چھ سال مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور ضلع سہارنپور میں تدریس و افتاء کے فرائض انجام دیئے اور

اب تقریباً ۲۵ سال سے صوبہ گجرات کی مشہور دینی درس گاہ مدرسہ فلاحِ دارین ترکیسر ضلع سورت میں تدریس وافتاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

تیسرے صاحبزادے مولانا مفتی قطب الدین صاحب قاسمی ہیں، موصوف دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حیدرآباد میں مدرسہ سراج العلوم کے اندر تدریسی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

فرزند چہارم مولانا قمرالدین قاسمی مرحوم ہیں، مرحوم ۱۹۹۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تکمیل ادب میں زیرِ تعلیم تھے، دورانِ طالب علمی کسی ضرورت سے علی گڑھ گئے ہوئے تھے اور وہیں ایک حادثہ میں شہید ہوگئے۔ جنازہ علی گڑھ سے وطن لایا گیا اور وطن ہی میں تدفین عمل میں آئی۔

فرزند پنجم مولانا مفتی اسعدالدین صاحب قاسمی ہیں، موصوف دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث اور افتاء سے فراغت کے بعد جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاج مئو کانپور میں تدریس وافتاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ نظامت تعلیم کی ذمہ داری بھی آپ کو تفویض کی گئی ہے۔

فرزند ششم مولانا اسجدالدین قاسمی ہیں۔ موصوف دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حیدرآباد صوبہ تلنگانہ کے کسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

سبھی صاحبزادگان اپنے والدین کے مطیع اور فرمانبردار، تقویٰ شعار اور صلاح کی صفت سے متصف ہیں، اپنے اکابرین واساتذہ کرام کی نگاہ میں ہمیشہ قابلِ اعتماد رہے ہیں۔ ان کے والدین نے سبھی کی قابلِ رشک اور لائق تقلید تربیت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو ایسی اولاد نصیب فرمائے۔ مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہٗ کی صرف ایک ہی دختر ہے، داماد بھی ماشاء اللہ عالم دین، قاری قرآن، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ دارالعلوم ناگپور میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں بلکہ اس وقت مذکورہ مدرسہ کے صدرالمدرسین ہیں۔ آپ کی سبھی

اولاد ماشاءاللہ شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ علمی و روحانی فیض رسانی کا سلسلہ موصوف کی آئندہ نسلوں میں جاری وساری فرمائے۔ آمین

تعلیم و تربیت

صاحبِ تذکرہ بھائی معزالدینؒ کی تعلیم کی ابتداء اپنے وطن دتلوپور سے ہوئی، کچھ عرصہ اترولہ اور اپٹا تھوک میں بھی قیام رہا۔ اس کے بعد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں داخل ہوکر حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی۔ آپ کے تحفیظ القرآن کے استاذ مشہور صاحبِ نسبت بزرگ حافظ محمد اقبال صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہیں۔ ابتدائی عربی تعلیم کے لئے مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مدرسہ نورالعلوم ہرہرپور پرتاپ گڑھ میں مختصر قیام رہا۔ اس کے بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخلہ لے کر چار سال قیام فرمایا اور فارسی وعربی کے ابتدائی چار سالہ نصاب کی تکمیل فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

شوال ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں سال پنجم عربی میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور اپنی محنت و جفاکشی، لیاقت واستعداد، ذہانت وفطانت اور اسباق میں پابندی، تعلیمی سرگرمیوں میں انہماک، اطاعت شعاری اور دیگر متعدد اوصاف کی وجہ سے اپنے اساتذۂ کرام کی نگاہوں میں محبوبیت کا مقام بنا لیا تھا جو رفتہ رفتہ مضاعف ہوتا چلا گیا۔ شوال ۱۴۰۵ھ تا شعبان ۱۴۰۶ھ مطابق ۸۶-۱۹۸۵ء آپ کا دورۂ حدیث شریف کا سال ہے، گویا شعبان ۱۴۰۶ھ دورۂ حدیث شریف کی کتابیں پڑھ کر آپ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل قرار دئے گئے۔ اپنی محنت واعلیٰ استعداد کی وجہ سے ہمیشہ ہی اعلیٰ نمبرات سے تمام امتحانات میں کامیاب ہوتے رہے۔ دورۂ حدیث شریف کے سالانہ امتحان میں آپ دوسری پوزیشن سے کامیاب قرار دئے گئے۔ جو طلبہ دارالعلوم دیوبند کے لئے بلاشبہ ایک امتیازی تمغہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند قیام کے دوران آپ کا محبوب مشغلہ مطالعہ و کتب بینی، نادر و نایاب کتب کی خریداری اور اپنے

احباب کو اس کی جانب توجہ دلانا، مدنی دارالمطالعہ کی مکمل نگرانی، عصر کے بعد دارالمطالعہ کی لائبریری کھولنا اور طلبہ سے ہر ہفتہ کتابیں واپس کرنا اور نئی مطلوبہ کتاب ان کے نام پر درج کر کے دینا اور تمام کتابوں کا سلیقہ سے رکھ رکھاؤ، ہفتہ میں جمعہ کے دن مدنی دارالمطالعہ سے وابستہ طلبہ کے تقریری پروگراموں کو مرتب کرنا اور ان کی مکمل دلچسپی سے نگرانی کرنا، سالانہ خصوصی اجتماعات کا اہتمام کرنا اور ان اجتماعات میں احاطہ دارالعلوم سے باہر کی کسی مشہور علمی و عرفانی شخصیت کو مدعو کر کے ان کے بیانات سے طلبہ دارالعلوم دیوبند کو استفادہ کا موقع فراہم کرنا وغیرہ شامل ہے۔

اَساتذۂ دارالعلوم

موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جن نابغہ روزگار و عبقری شخصیات سے اکتسابِ فیض کیا ان میں دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہٗ، دونوں حضرات سے موصوف نے علی الترتیب بخاری شریف جلد اوّل و جلد ثانی پڑھی۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ سے ترمذی شریف جلد اول اور طحاوی شریف پڑھی۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہٗ سے مشکوٰۃ شریف جلد ثانی اور ترمذی شریف جلد ثانی پڑھی۔ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمیؒ سے مسلم شریف جلد اول، مؤطا امام محمد اور شمائل ترمذی کا آخری حصہ پڑھا۔ حضرت مولانا قمرالدین گورکھپوری مدظلہٗ سے مسلم شریف جلد ثانی اور بیضاوی شریف پڑھی۔ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ سے ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف جلد اول پڑھی اور حضرت مولانا محمد حسین صاحب عرف ملا بہاریؒ سے ابوداؤد شریف کی دونوں جلدیں اور مؤطا امام مالکؒ پڑھیں۔ حضرت مولانا زبیر احمد صاحب دیوبندی سے نسائی شریف اور شرح عقائد نسفی اور حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدارسی مدظلہٗ سے شمائل ترمذی کا ابتدائی حصہ پڑھا۔ سالِ ہفتم میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کی علالت کی وجہ سے مشکوٰۃ شریف جلد ثانی کا کچھ حصہ حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند سے

پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے ترمذی شریف جلد ثانی کا آخری سبق اور ہدایہ ثالث پڑھی۔ دیگر اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہٗ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی مدظلہٗ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلیؒ، حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی، حضرت مولانا لقمان الحق صاحب بجنوریؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے سبھی اساتذۂ کرام آپ کی اعلیٰ استعداد، ذہانت وفطانت اور حصول علم میں محنت وجفاکشی، مطالعہ کتب بینی اور اسباق کی پابندی کی وجہ سے بے حد محبت کرتے تھے اور سبھی کی عظمت واحترام آپ کے قلب میں تھی مگر سب سے زیادہ تعلق آپ کو حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہٗ سے تھا اور تادم حیات وہ تعلق قائم وبرقرار رہا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے گھر کے ایک فرد کی طرح آپ کی وابستگی زندگی کی آخری سانس تک باقی رہی۔ حضرت قاری صاحب کے دونوں فرزندان مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری اور مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری آپ کو اپنا بڑا بھائی تصور کرتے تھے اور مرحوم بھی دونوں کے ساتھ بڑے بھائی ہی کا کردار ادا کرتے تھے۔ بلاشبہ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے لئے مرحوم کی وفات ایک بڑا حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مدظلہ اوران کے خانوادہ کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

دارالعلوم دیوبند میں معین المدرسی

دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد اربابِ دارالعلوم نے شوال ۱۴۰۶ھ میں آپ کو معین المدرس کے لئے منتخب کرلیا جو ان کا استحقاق تھا کیونکہ اس دور میں دورۂ حدیث شریف میں اول ودوم پوزیشن لانے والے طلبہ کو ہی یہ سعادت حاصل ہوتی تھی اوران کو اپنے مادر علمی میں دوسال کے لئے معین المدرسی کا موقع دیا جاتا تھا، چنانچہ رب العالمین نے آپ کو یہ سعادت عطا فرمائی اور آپ کو اپنے مادر علمی میں تدریسی خدمات کا موقع میسر آیا مگر یہ معین المدرسی کا سلسلہ ایک سال سے زیادہ نہ چل سکا جس کی وجوہات آئندہ سطور میں بیان کی جائے گی۔

عالمی اجلاس ختم نبوت کا دارالعلوم میں انعقاد اور آپ کا تعاون

جس سال آپ معین المدرس کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کی انجام دہی میں مصروف تھے، اس سال مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے مرزائیت اور قادیانیت کے سدباب اور اس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے دارالعلوم دیوبند میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور حضرت الاستاذ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند واستاذ دارالعلوم دیوبند کو اس اجلاس کا کنوینر بنایا گیا اور حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے اس اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے شب وروز محنت فرمائی تو حضرت الاستاذ کے معاون کے طور پر آپ نے اپنی خدمات پیش فرمائیں، اجلاس سے قبل اجلاس کی تیاری کے سلسلے میں تمام انتظامات اور دوران اجلاس کے انتظامات اور اجلاس کے بعد دفتر تحفظ ختم نبوت کی دیکھ ریکھ کے سلسلے میں آپ نے حضرت الاستاذ کو بھرپور تعاون پیش کیا اور دفتر کو مکمل نظم ونسق کے ساتھ چلایا۔

جس سال موصوف معین المدرس تھے، اس سال احقر راقم السطور دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ افتاء میں داخل تھا۔ موصوف سے تعارف اگرچہ دورۂ حدیث شریف کے سال ہی مدنی دارالمطالعہ سے الحاق کی وجہ سے ہوگیا، مشکوٰۃ شریف کے سال کوئی خاص تعارف نہیں تھا کیونکہ اس وقت احقر جدید طالب علم تھا اور ترتیب بھی علیحدہ تھی، بندہ ہفتم ثالثہ میں پڑھتا تھا اور موصوف ہفتم اولیٰ کے طالب علم تھے۔ اس سال صرف نام اور شکل کی حد تک ہی تعارف تھا لیکن افتاء کے سال موصوف سے اچھی طرح تعارف ہوگیا اور اس کی وجہ عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند بنا۔ موصوف حضرت الاستاذ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کے عالمی اجلاس کے نظم ونسق میں خصوصی معاون تھے اور حضرت الاستاذ مدظلہ نے ہمارے بعض رفقاء دارالافتاء کو بھی کسی نہ کسی طریقہ سے عالمی اجلاس کے دفتر میں کام سے لگا رکھا تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں دفتر عالمی اجلاس میں دیر تک ساتھ رہنے اور کام کرنے کا موقع ملتا

تھا؛ نیز اس سال عالمی اجلاس میں طلبہ دارالعلوم دیوبند کو ایک نشست میں تقریر اور مقالات پیش کرنے کی شکل میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا اور بندہ نے اس اجلاس میں مقالہ نگار کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اس بناء پر موصوف سے مزید تعلق قائم ہو گیا تو تادم حیات باقی رہا۔

دفتر امارتِ شرعیہ ہند میں تقرر

موصوف معین المدرسی کا ایک ہی سال مکمل کر پائے تھے کہ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء ہند کی تحریک وتجویز اور اپنے والد محترم مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ کے حکم پر آپ کا تقرر دفتر امارتِ شرعیہ کے منتظم کی حیثیت سے عمل میں آ گیا اور شوال ۱۴۰۷ھ میں آپ دفتر جمعیۃ علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی تشریف لے آئے اور تادم حیات دفتر ہی میں رہ کر مختلف عہدوں پر رہ کر کام کیا۔ اولاً عارضی طور سے ناظم امارتِ شرعیہ ہند کے طور پر کام کیا پھر ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۲ھ مستقل ناظم امارتِ شرعیہ ہند آپ کو تجویز کیا گیا، آپ کا قیام دفتر امارتِ شرعیہ ہند میں تقریباً ۳۵ سال کے طویل عرصہ کو محیط ہے۔ اس طویل عرصہ میں آپ تنہا دفتر امارتِ شرعیہ ہند کے ذمہ دار تھے۔ محرر، ناظم، عام کارکن سب خدمات آپ ہی کے سپرد تھیں۔ اور امارتِ شرعیہ ہند کے جملہ دفتری امور آپ ہی انجام دیتے تھے۔ آپ نے علی الترتیب چار امراء کا زمانہ پایا۔ ابوالمآثر محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت الاستاذ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم استاذ حدیث وصدر جمعیۃ علماء ہند چاروں امیر شریعت الحمدللہ آپ کے نظم ونسق سے مطمئن اور خوش رہے اور سبھی کا آپ کو اعتماد و اعتبار حاصل رہا جو آپ کے کامیاب منتظم ہونے کی بین دلیل ہے۔ آپ نے ذمہ داران کی ہدایت پر ملک کے متعدد بڑے بڑے شہروں میں محکمہ شرعیہ کے تربیتی کیمپ منعقد کرائے اور ابتدائی زمانہ میں حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ اور اس کے بعد ملک کے مشاہر علماء کو مدعو کر کے نوجوان علماء وفضلاء کو محکمہ شرعیہ کے طریقۂ کار کو

سمجھنے اور اس کو شرعی خطوط پر چلانے کا طریقہ سیکھنے کے لئے مواقع فراہم کئے اور ملک بھر میں محاکم شرعیہ کا پھیلا ہوا جال آج امارتِ شرعیہ ہند کے نظام کے تحت چل رہا ہے۔ آپ ملک بھر کے تمام محاکم شرعیہ کی کارکردگی پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور اُن کی سالانہ رپورٹیں حاصل کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ محکمہ شرعیہ کا ضابطہ عمل اور دستور مرتب کر کے شائع فرمایا۔

مرکزی رویت ہلال کمیٹی

امارتِ شرعیہ ہند کے نظام کے تحت مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی ذمہ داری بھی ذمہ داران اور اربابِ حل وعقد نے آپ کو تفویض فرمائی تھی۔ آپ پوری ذمہ داری کے ساتھ ہر مہینہ کی ۲۹/تاریخ کو رویتِ ہلال کمیٹی کی میٹنگ کا اہتمام کرتے تھے، اس سے ایک روز پہلے اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعے ملک کے مسلمانوں سے چاند دیکھنے کی اپیل جاری کرتے تھے اور پھر ۲۹/تاریخ کی شام کو پورے ملک کے رویت ہلاک کمیٹیوں کے ذمہ داران سے رابطہ قائم کر کے شہادت حاصل کرتے۔ اس کے بعد مکمل شرح صدر ہونے پر رویت یا عدم رویت کا فیصلہ کرتے تھے۔ ملک کے عوام وخواص کو مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کا انتظار رہتا تھا اور آپ کی جانب سے جاری کردہ فیصلہ کے بعد عموماً اختلاف رائے ختم ہو جاتا تھا۔ اگر کسی وجہ سے آپ عمرہ یا حج کے سفر پر ہوتے تھے تو کسی ذمہ دار شخص کو اپنا قائم بنا کر جاتے تھے۔ بعض دفعہ یہ سعادت راقم السطور کو بھی حاصل ہوئی کہ موصوف اپنے قائم مقام کے طور پر رویت ہلال کمیٹی میں شرکت کا حکم فرماتے تھے اور احقر ہاپوڑ یا امروہہ سے پہنچ کر شرکت کی سعادت حاصل کرتا تھا۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ کی ذمہ داری

جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۶۳ء میں سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زیر نگرانی جدید فقہی مسائل پر غور وخوض اور تحقیق وتفتیش کے لئے ادارۃ المباحث الفقہیہ کے نام سے مستقل شعبہ قائم کیا تھا۔ حضرت مرحوم ومغفور کی حیات میں رویت ہلال اور بعض دیگر مسائل پر مفتیانِ کرام اور فقہاء عظام کے درمیان اجتماعی غور وخوض بھی ہوا پھر حضرت سید

الملّت کے انتقال کے بعد مذکورہ شعبہ کی کارکردگی تقریباً معدوم تھی۔ اس کے بعد ۱۹۹۰ء میں جمعیۃ علماء ہند نے اس شعبہ کو دوبارہ احیاء کرنے کا فیصلہ فرمایا اور موصوف مولانا معزالدین صاحب گونڈویؒ کو اس کا ذمہ دار اور ناظم بنایا۔ موصوف کی سرگرمی اور ارباب جمعیۃ علماء ہند کی دلچسپی کی وجہ سے اس شعبہ نے حیرت انگیز فعالیت اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ فرمایا اور اب تک پندرہ فقہی اجتماعات ادارۃ المباحث الفقہیہ کے زیر اہتمام ملک کے مختلف حصوں میں منعقد ہو چکے ہیں جس میں ملک بھر سے اربابِ فقہ وفتاویٰ اور مرکزی دارالافتاء کے ذمہ داران جدید پیش آمدہ مسائل پر غور وخوض کر کے اجتماعی فیصلہ کرتے ہیں، اجتماعات کے انعقاد سے پہلے ایک سوالنامہ مرتب کر کے تمام فقہاء اور مفتیانِ کرام کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے اور پھر جوابات حاصل کر کے ان کی تلخیص تیار کرائی جاتی ہے۔ اس کے بعد فقہائے کرام ومفتیانِ عظام کے نام دعوت نامہ مقررہ تاریخ پر حاضری کے لئے جاری کیا جاتا تھا پھر مقررہ تاریخ پر تمام حضرات جمع ہوتے تھے اور مسائل پر بحث وتمحیص ہوتی تھی۔ عموماً تین دن تک فقہی اجتماعات کی کارروائی چلتی تھی۔

ان تمام تین روزہ قیام میں تمام مہمانوں کی ضیافت ومیزبانی حسب حیثیت جمعیۃ علماء یا میزبان داعی کی طرف سے ہوتی تھی اور تمام مہمانوں کی رہائش اور سہولت کا بھرپور نظم رہتا تھا۔ ان تمام امور میں مولانا معزالدین صاحبؒ کی ذات تنہا فعال نظر آتی تھی اور مکمل ادارہ آپ ہی کی زیرنگرانی کام کرتا تھا گویا ایک عظیم ادارہ جو ایک ذمہ دار عملہ کا متقاضی تھا اس کو صرف ایک فرد انجام دیتا تھا۔ کسی صاحبِ قلم نے بالکل صحیح اور برمحل لکھا ہے کہ موصوف اس دور کے جمعیۃ علماء ہند مولانا سید محمد میاں تھے اور عجیب حسن اتفاق کہ موصوف کی آخری آرام گاہ بھی دہلی کا وہی قبرستان بنا جہاں سید الملّت مولانا سید محمد میاں دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ آرام فرما ہیں یعنی جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر سے متصل دلّی گیٹ کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

جمعیۃ علماء ہند سے متعلق آپ کی سرگرمیاں

اس کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کا موجودہ دور میں آپ دماغ تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ

اوراس کی تمام کارروائیوں پر آپ کی نگاہ تھی، انہوں نے جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ اوراس کی تمام سرگرمیوں کو بار بار باریک بینی کے ساتھ پڑھا تھا اور جمعیۃ علماء ہند سے متعلق ان کی گفتگو سند ہوتی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے منعقد ہونے والے تمام پروگراموں اوراجلاس عام میں ان کا اہم کردار ہوتا تھا اوران کا ایک دماغ تمام ہی گوشوں کا احاطہ کرتا تھا۔صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند کی ابتدائی بنیادی مرکزی شخصیات پر سیمیناروں کا انعقاد موصوف کی فکر صالح کا نتیجہ تھا جس کو جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی قائدین اوراراکین عاملہ نے منظوری دی او ربعض اہم شخصیات مثلاً ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بہاری نوراللہ مرقدہٗ، سید الملّت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری صاحب فرنگی محلیؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث اعظمیؒ کی شخصیت پر سیمیناروں کا انعقاد بھی ہو چکا ہے، جب کہ بعض مرکزی شخصیات پر سیمیناروں کا انعقاد باقی ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی قائدین امیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم ،صدر جمعیۃ علماء ہنداور قائد ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کو موصوف کی ذات پر بھر پور اعتماد تھا بلکہ جمعیۃ علماء ہند کی پوری قیادت اوراراکین مجلس عاملہ آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا دماغ اور جمعیۃ علماء ہند کے لئے انتہائی مفید اورضروری سمجھتے تھے۔آج موصوف جوارِ رحمتِ الٰہی میں پہنچ گئے اور جمعیۃ علماء ہند عرصہ دراز تک موصوف کی خدمات کو یاد کرے گی اور موصوف کا بدل تلاش کرنا انتہائی دشوار اور مشکل ہوگا۔اللہ تعالیٰ امارتِ شرعیہ ہند اور جمعیۃ علماء ہند دونوں کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

مذکورہ تمام اوصاف وکمالات کے ساتھ آپ عصر حاضر کے علماء وفقہاء اوراصحاب قلم کے لئے بھی مرجع شخصیت تھے۔ بے شمار لوگوں کی رہنمائی کرنا موصوف کا روزمرہ کا مشغلہ تھا۔ آپ کی قیام گاہ کا کمرہ صرف قیام گاہ ہی نہیں تھا بلکہ انتہائی مفید اور قیمتی کتابوں کا بحرِ ذخّار تھا۔ ہر موضوع سے متعلق انتہائی اہم کتابیں آپ نے اپنے ذاتی کتب خانہ میں جمع کر رکھی تھیں جو

بوقت ضرورت اہلِ علم کے کام آتی تھیں۔ علمی کاموں میں مصروف اپنے رفقائے درس اور معاصرین کی بھرپور رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ان کو کام کے لئے موضوع کا انتخاب کرتے تھے پھر مآخذ کی جانب رہنمائی کرتے تھے پھر کوئی ساتھی کام کرکے لاتا تھا تو اس کی طباعت واشاعت میں بھی بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان بھر کے اکابرین اور علمائے کرام اپنی تصنیفات وتالیفات کی طباعت کے لئے آپ سے رابطہ کرتے تھے اور ان کی خدمت اور ضرورت کی تکمیل کو آپ اپنا ملّی فریضہ تصور کرتے تھے۔ انتہائی سستے داموں پر عمدہ طباعت کرکے ان کی کتابوں کو ان کی خدمت میں روانہ فرماتے تھے۔ آج ملک بھر کے اصحابِ قلم اور اربابِ تصنیف علمائے کرام آپ کی رحلت پر ماتم کناں اور سوگوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف ومرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین

علالت اور وفات

آپ کافی عرص سے شوگر جیسے مہلک مرض میں گرفتار تھے، کافی حد تک علاج اور پرہیز بھی کرتے تھے۔ صحت کافی گر چکی تھی۔ اس کے باوجود تمام ذمہ داریاں اور کارہائے مفوضہ پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ لاک ڈاؤن میں بار بار فون پر گفتگو ہوتی تھی، ماہ رمضان المبارک میں کئی بار تفصیل سے گفتگو ہوئی، میرے بے تکلف دوست اور ساتھی تھے۔ اس لئے لمبی باتیں کرتے تھے، ضروری امور میں مشورہ بھی دیتے تھے اور مشورہ کرتے بھی تھے۔ ماہ رمضان المبارک کے بعد بھی کئی مرتبہ گفتگو ہوئی۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر وطن جانے سے پہلے بھی کافی دیر تک گفتگو ہوئی اور اپنے اکلوتے معصوم فرزند کی تعلیم کی طرف سے انتہائی فکرمند تھے اور اس کی تعلیمی عدم دلچسپی کا بھی بار بار تذکرہ کیا۔ آخری مرتبہ ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ کو ماہ محرم الحرام کے چاند کی رویت کے بارے میں ہوئی اور ہر مرتبہ گفتگو سے ضعف ونقاہت کا احساس جھلکتا تھا۔ ملاقات پر کہتے بھی تھے کہ اب زندگی زیادہ نہیں معلوم ہورہی ہے۔ شاید اب وقت آخر قریب ہے۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا۔ ایک ہفتہ قبل آپ کی شوگر میں خطرناک حد تک اضافہ

ہوا۔ پرائیویٹ میکس ہسپتال دہلی میں داخل کرایا گیا اور دس روز کی علالت کے بعد ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ بروز اتوار مطابق ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء تقریباً گیارہ بجے صبح آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

نمازِ جنازہ اور تدفین

کسی خاص وجہ سے جنازہ ۲۵؍محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۴؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر صبح آٹھ بجے ہسپتال سے لایا گیا پھر غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد مسجد عبدالنبی دفتر جمعیۃ علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی کے احاطہ میں امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نمازِ جنازہ میں دفتر کے کارکنان مرحوم کے والد محترم اور برادران کے علاوہ دہلی اور مغربی یوپی کے جماعتی احباب نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ نمازِ جنازہ کے بعد مسجد عبدالنبی سے متصل دلّی گیٹ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ وبائی امراض کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو نماز جنازہ میں شرکت سے روک دیا گیا تھا ورنہ کثیر تعداد میں عوام وخواص نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے متمنی تھے۔

پسماندگان

مرحوم کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، ایک دختر، ایک فرزند ابوبکر کے علاوہ والدین محترمین، برادرانِ گرامی قدر، ہمشیرہ اوران تمام حضرات کی اولا دنرینہ وغیر نرینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

جید عالم دین، پیکرِ اخلاص ووفا

مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی اُستاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

۲۲رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳رستمبر ۲۰۲۰ء بروز یکشنبہ راقم الحروف کے لئے ایک اندوہناک دن تھا، جس کی صبح ہوتے ہی ہم اپنے ایک انتہائی کارآمد اور پیکر اخلاص ووفا دوست حضرت مولانا معزالدین احمد صاحب ناظمِ امارت شرعیہ وناظم ادارہ مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء ہند سے محروم ہوگئے، اور وہ ہمیں داغ مفارقت دیتے ہوئے ہمیشہ ہمیش کے لئے رحمتِ خداوندی کے آغوش میں چلے گئے، ان کی وفات کا سانحہ نہ صرف ایک گھر خاندان کا سانحہ ہے؛ بل کہ قومی وملی سانحہ ہے، خاص طور سے جماعت دیوبند وجمعیۃ علماء ہند کے پورے حلقۂ اثر میں مولانا مرحوم کا خلاء شدت سے محسوس کیا جارہا ہے، اور کیا جاتا رہے گا، **إنا للّٰه وإنا إليه راجعون، رحمه اللّٰه رحمةً واسعةً، إن للّٰه ما أعطى، وله ما أخذ، وكل شيء عنده بمقدار وأجل مسمى۔**

ناچیز راقم الحروف پر اللہ پاک کے عظیم احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس ہیچ مداں کو برادرم مولانا معزالدین احمد رحمہ اللہ جیسا مخلص رفیق درس اور صدق واخلاص کا پیکر دوست عطا فرمایا، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں پانچ سال کی رفاقت رہی، شوال ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں ہم دونوں کا داخلہ درجہ پنجم عربی میں ہوا، شعبان ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی، ہم نے تکمیل افتاء میں داخلہ لیا اور وہ دوم پوزیشن سے کامیاب ہوئے تھے اس لئے مادرِ علمی میں معین مدرس مقرر کر لئے گئے۔

زمانۂ طالب علمی میں ہم تو صرف درس گاہ اور درسی کتابوں کے مطالعہ وتکرار تک محدود رہے، تقریر وتحریر یا غیر درسی مطالعہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی، مگر بھائی معز الدین کو تاریخ اسلام، تاریخ ہند سے دلچسپی کے ساتھ اکابرین دارالعلوم خصوصاً اکابرین خانوادۂ مدنی سے شیفتگی ومحبت حد درجہ تھی جو ان کے والد گرامی قدر حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ کی بے مثال تربیت کی وجہ سے ان کے رگ وریشے میں سمائی ہوئی تھی، خاص طور سے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ سے ایسا والہانہ تعلق کہ گویا ان کے گھر کے ایک فرد ہوں، بھائی معز الدینؒ کو ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ خادم قوم وملت بھی بننا تھا، اس لئے فطری ذہانت، جانکاہ محنت، وقت کی حفاظت، خاموش سرگرمیوں اور اکابر کی توجہ وشفقت کے نتیجے میں وہ دارالعلوم کی دہلیز سے جب نکلے تو ایک ''مفکرِ ملت'' بن کر نکلے۔

مدنی دارالمطالعہ اور اس کی جملہ سرگرمیاں جیسے ان کا اوڑھنا بچھونا تھیں، طلبہ سے تعلقات بس اتنا ہی رکھتے کہ ''الضرورات تقدر بقدر الضرورة'' کا کلیہ اس پر منطبق ہو سکے، تعلق اگر تھا تو وہ صرف برادرم جناب مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری سے جو ہم لوگوں سے ایک درجہ جونیئر تھے، چنانچہ ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے ان کی تعلیم وتربیت کے نگراں کے طور پر سایہ کی طرح مسلط رہتے تھے، اس میں شبہ نہیں کہ مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ جیسی بافیض علمی وروحانی شخصیت کی تشکیل میں جہاں ان کی خاندانی ونسبی شرافت، خداداد ذہانت وصلاحیت اور والد گرامی قدر کی تربیت وسخت گیری کا دخل ہے وہیں بھائی معز الدین احمد جیسے مخلص وبے لوث مربی، اور ''الحب في الله'' کی عملی تصویر کا کردار بھی کچھ کم نہیں ہے۔

مدنی دارالمطالعہ کے پروگراموں، اس کے دیواری ماہناموں ہفت روزوں اور روزناموں میں ان کے مضامین سے میں بہت محظوظ ہوتا تھا، بارہا میں نے اپنے دوستوں کی مجالس میں اس حقیقت کا برملا اظہار کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جوانی ہی میں تجربہ کار بوڑھوں کی عقل سے نواز دیا ہے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے عقیدت ومحبت ان کے رگ وریشے میں سمائی ہوئی تھی، ان سے بیعت وارادت کا بھی تعلق تھا، ان کے افکار ونظریات کے نہ صرف حامی بل کہ سرگرم وکیل تھے، اور چشم وابرو پر اپنا سب کچھ قربان کردینے کا حوصلہ رکھتے تھے، فنائیت کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ صلاحیت وصالحیت کے باوصف دار العلوم میں امتیازی نمبرات سے کامیابی، پھر معین مدرس کی حیثیت سے دار العلوم میں تدریسی خدمت کا تجربہ رکھنے کی وجہ سے ملک کے بڑے اور مرکزی مدارس میں تدریس وانتظام کی نمایاں جگہ لے سکتے تھے، بل کہ خود مادرِ علمی اپنے آغوش میں بخوشی قبول کرسکتی تھی، مگر نہیں؛ حضرت رحمہ اللہ نے ان کے والد گرامی سے فرمایا کہ اپنے بیٹے معز الدین احمد کو مجھے دے دیں، امارت شرعیہ میں اس سے کام لینا ہے، پھر کیا تھا دونوں باپ بیٹوں نے سر تسلیم خم کردیا، اور بھائی معز الدین نے خلوص ووفا کا پیکر مجسم بن کر امارت شرعیہ ہند کے ایک تنگ کونے میں پوری زندگی گذار دی، اور اس شان بے نیازی کے ساتھ کہ فقیری میں شاہی کیا ہوتی ہے؟ اس کی تازہ اور زندہ مثال بن گئے، وفا داری اور بڑوں کی اطاعت شعاری کیا ہوتی ہے؟ کوئی بھائی معز الدین رحمہ اللہ کی زندگی سے سیکھے کہ حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کو زبان دے کر ایسا نبھایا کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر جمعیت دفتر میں پڑ گئے، پھر آپ کا جنازہ ہی جمعیت کی چہار دیواری سے نکلا۔

نئے مسائل کی تحقیق وتنقیح کے لئے جمعیۃ علمائے ہند نے ایک شعبہ ''ادراۃ المباحث الفقہیہ'' کے نام سے ۱۹۷۰ء میں قائم کیا تھا، جس کے ذمہ دار اور نگران سید الملۃ حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ جیسی عبقری، جزرس اور وسیع وعمیق علم کی حامل شخصیت تھی، اس ادارہ کے ذریعہ ''رؤیتِ ہلال'' اور ''حق تصنیف کی بیع'' وغیرہ متعدد نئے مسائل کی تحقیق وتنقیح عمل میں آئی تھی، بعد میں اس ادارہ کی سرگرمیاں سرد پڑ گئی تھیں؛ چناں چہ ۱۹۹۰ء میں حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے اس کی نشأۃ ثانیہ عمل میں آئی، جس کے لئے ایک نئے ''محمد میاں'' کی ضرورت تھی، یہ سعادت ہمارے رفیق درس حضرت مولانا معز الدین

احمد گونڈویؒ کے نصیب میں لکھی تھی، چنانچہ حضرت فدائے ملتؒ کی نظر میں بجا طور پر اس حساس ونازک ذمہ داری کو انجام دینے والا ان کے علاوہ کوئی نہ تھا، یہ ذمہ داری انھیں سونپی گئی جسے اُنہوں نے انتہائی خوش اسلوبی سے نہ صرف نبھایا، بلکہ اپنی خداداد صلاحیت، محنت، اور مختلف مزاج وسطح کے حضرات علماء ومفتیان کی حق شناسی وحق سپاسی کے ذریعہ اکابر واصاغر سب کے دلوں میں وہ مقام حاصل کرلیا کہ آج سبھی ان کی کمی کو شدت سے محسوس کررہے ہیں، پندرہ فقہی اجتماعات کے انعقاد کا انتظام فرمایا، سولہویں فقہی اجتماع کی تاریخ انعقاد ۱۸ تا ۲۰/ مارچ ۲۰۲۰ء طے تھی، تمام تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں کہ ملک میں مکمل لاک ڈاؤن کی وجہ سے اجتماع ملتوی ہوگیا اوراس دوران خود بھائی معزالدین بھی اپنی حیات مستعار کے دن پورے کرکے منزل مقصود کو روانہ ہوگئے۔

جید عالم دین

پیشِ نظر تحریر کا عنوان ہم نے دو اجزاء سے مرکب کیا ہے، (۱) جید عالم دین (۲) پیکر اخلاص ووفاء۔ جہاں تک جید عالم دین ہونے کی بات ہے تو علمی صلاحیت وقابلیت، امتیازی نمبرات سے کامیابی اور دارالعلوم میں معین مدرسی کا ذکر تو آ ہی چکا، مزید اس سلسلہ میں درج ذیل امور پیش خدمت ہیں:

الف:- مولانا مرحوم زمانۂ طالب علمی ہی سے مطالعہ کے عادی اور کتابوں کے رسیا تھے، صدر گیٹ پر مکتبہ دارالعلوم کے پاس پرانی کتابوں، رسائل ومجلّات کی ایک بک اسٹال لگی رہتی تھی، بھائی معزالدینؒ معمول کے مطابق روزانہ ایک بار اس بک اسٹال کا جائزہ لیتے، کوئی اہم کتاب، یا رسالہ نظر آتا تو پہلی فرصت میں حاصل کرلیتے، بعض دفعہ ہم لوگ کسی کتاب کو غیر اہم سمجھ کر قابل التفات نہ سمجھتے اور بھائی معزالدین لپک کر اسے لے لیتے، تب ہمیں اس کی اہمیت کا احساس ہوتا، کتابیں خریدنے، خرید کر پڑھنے، اور پڑھ کر محفوظ رکھنے کا مزاج ان کی طبیعت ثانیہ تھی، جو آخر تک رہی بل کہ اللہ نے جس قدر وسعت دی اسی قدر اس ذوق میں

اضافہ ہوتا رہا، جب کہ عام طور پر اہل علم کا ذوق یہ بن گیا ہے کہ مفت میں کتاب مل جائے تو ٹھیک ورنہ اس کے لئے اپنی گاڑھی کمائی خرچ کرنا خردمندی کے منافی سمجھا جاتا ہے، اس طرح نادر ونایاب کتب ورسائل، اور مراجع ومصادر کا ایک معتدبہ ذخیرہ ان کے پاس جمع ہوگیا تھا، جو لائبریریوں میں بھی مشکل سے دستیاب ہوگا۔

ب:- زمانۂ طالب علمی میں آپ مدنی دار المطالعہ کے ناظم رہے، ایک ایک کتاب ان کی نظر میں تھی، بل کہ چھوٹے سے چھوٹا رسالہ اور اس کے مشمولات از بر تھے، کسی موضوع پر تبادلہ خیال ہوتا اور ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی تو مدنی دار المطالعہ میں موجود کسی کتاب کی جانب رہنمائی بے تکلف کر دیا کرتے، سنہ ۲۰۰۷ء میں جمعیۃ علماء ہند اور دار العلوم دیوبند کی جانب سے دہشت گردی مخالف مہم کے دوران متحدہ قومیت، اور مسلم غیر مسلم معاہدہ واشتراکِ عمل کے متعلق علمی مواد کی راقم حروف کو ضرورت تھی، بھائی معز الدین سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا تو ذہن ودماغ کی گرہیں کھلیں، کچھ اشکالات درپیش تھے، ان کے متعلق حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے کچھ کتابچوں اور خطبوں کے علاوہ خاص طور سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے خطبۂ صدارت برائے آٹھویں اجلاس عام جمعیۃ علماء ہند منعقدہ پشاور ۱۹۲۷ء کا نام لے کر کہا کہ اس خطبے کے مضامین سے تمہارے یہ سارے اشکالات حل ہوجائیں گے؛ چنانچہ بندہ نے ان کے بتائے ہوئے رسالوں کا مطالعہ کیا، خاص طور سے علامہ کشمیریؒ کا مذکورہ خطبہ کہ اس سے تو دل ودماغ روشن ہوگئے، اور پھر ان رسائل کی روشنی میں بندہ نے ایک مختصر رسالہ ''اسلام میں عہد کی پاسداری اور ہندوستانی مسلمان'' ترتیب دیا، جو دار العلوم دیوبند کی جانب سے مجوزہ ''دہشت گردی مخالف کانفرنس'' منعقدہ ۲۵؍فروری ۲۰۰۸ء کے موقع پر دار العلوم کی طرف سے شائع ہوا، اور متعلقہ موضوع پر تشفی بخش ہونے کی وجہ سے پسند کیا گیا۔

ج:- مولانا مرحوم ادارہ مباحث فقہیہ کے ناظم تھے، یہ ایک خالص علمی ادارہ ہے، موضوعات کے انتخاب، اور سوالناموں کی ترتیب سے لے کر تجاویز کمیٹی کے ذریعہ متعلقہ مسائل

پر حتمی اور آخری تجویز مرتب کرنے تک جملہ مراحل میں مولانا نہ صرف شریک رہتے، بلکہ حساس اور الجھتے ہوئے مراحل میں ان کی تیر بہ ہدف اور نتیجہ خیز گفتگو سنگ میل کا کام دیتی، اور مختلف ومتضاد آراء کے درمیان سے کوئی معتدل رائے سامنے آجاتی جس پر ارکان کمیٹی کا اتفاق ہو جاتا، مثلاً آٹھویں فقہی اجتماع کے موقع پر تجاویز کمیٹی میں یہ بحث طول پکڑتی گئی کہ اسلام میں تصویر سازی ناجائز وحرام ہے، اس لئے دینی مقاصد کے لئے ٹیلی ویژن پر کسی عالم کا آنا جائز ہے یا ناجائز، خاص طور سے دشمنانِ اسلام کی جانب سے ٹی وی کے توسط سے کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے کی خاطر کسی عالم دین کے ٹی وی پر آنے کی کہاں تک گنجائش ہے؟ اس سلسلے میں مجھے یاد ہے بھائی معزالدینؒ نے **"الضرورات تبیح المحظورات"** کے تحت آنے والی متعدد مسلّمہ جزئیات اور موجودہ دور میں واقعی ضرورت کے تحقق کے تعلق سے جو گفتگو کی ہے تو سب کی آوازیں پست ہوگئیں، اس کے بعد یہ تجویز لکھی گئی جس پر ایک صاحب کے علاوہ جملہ شرکاء کا اتفاق رہا:

> "تجویز نمبر۲: اسلام میں بلا ضرورت تصویر کھنچوانا ناجائز ہے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ٹیلی ویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ پر اعدائے اسلام یا شرپسند فرقہ پرست طاقتوں کی طرف سے کوئی ایسی چیز سامنے آئے جس سے اسلامی عقائد اور احکام واقدار پر زد پڑتی ہو اور اس کا مناسب جواب نہ دینے سے اسلام کی شبیہ بگڑنے یا مسلمانوں کے حقوق کے ناقابلِ تلافی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے دفاع کے لئے ٹیلی ویزن کے کسی پروگرام پر آنے کی ضرورتاً گنجائش ہے"۔

د:- مولانا معزالدینؒ کی تصانیف، یا مضامین ومقالات کوئی زیادہ نہیں ہیں، تاہم جو کچھ ہیں وہ انتہائی ٹھوس اور مستند مواد پر مشتمل ہیں، ہمارے پیش نظر اس وقت ان کا مرتب کردہ مجموعہ "خطباتِ فدائے ملت" ہے، جو اُنہوں نے مختلف مقامات سے حاصل کر کے جمع کئے تھے، یہ کل ۳۴ خطبات ہیں، ان خطبات کی فہرست دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کا ذہن کس قدر مرتب اور اخاذ تھا؟ ہر خطبہ کے مشمولات کا تجزیہ فہرست میں اس طرح کر دیا ہے کہ ایک نظر

میں مجموعے کے مضامین پر نظر پڑ جاتی ہے، اس کے علاوہ ابتدائیہ میں مولانا مرحوم نے حضرت فدائے ملتؒ کی جو خصوصیات تحریر فرمائی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم کو حضرتؒ کے افکار ونظریات پر کس قدر عبور حاصل تھا؟ بلکہ صوفیہ کی اصطلاح میں یوں لگتا ہے کہ انھیں حضرت فدائے ملتؒ سے نسبت اتحادی حاصل تھی، پھر ''حیاتِ فدائے ملت: ایک نظر میں'' کو آٹھ صفحات میں اس جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ دریا بکوزہ کی مثل اس پر صادق آتی ہے۔

پیکرِ اخلاص ووفا

جہاں تک اخلاص کا تعلق ہے تو یہ چیز اگرچہ باطن اور قلب سے تعلق رکھتی ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ مخلصین سے کچھ ایسے اعمال صادر ہوجاتے ہیں جو ان کے باطنی خلوص کا پتہ دیتے ہیں، جنھیں ہم وفا سے تعبیر کرسکتے ہیں، وفاء اخلاص کا مظہر ہوتا ہے، بھائی معز الدین بجا طور پر اخلاص ووفا کے پیکر تھے، ان کی زندگی میں اس کے مظاہر بکثرت نظر آتے تھے، مثال کے طور پر:

الف:- بھائی معز الدینؒ کی زندگی تقویٰ واحتیاط اور غیرت وخودداری سے عبارت تھی، وہ سچ مچ اس شعر کے مصداق تھے:

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

تقویٰ اور احتیاط کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہوگی کہ مدارس اور دینی ورفاہی اداروں میں مدِ زکوٰۃ کی رقوم آتی ہیں، اور بوقت ضرورت ملازمین کی تنخواہیں اسی مد سے حیلۂ تملیک کا استعمال کرکے ادا کی جاتی ہیں، حضرت تھانویؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہیں لکھا ہے کہ حیلۂ تملیک سے میرے نزدیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اگرچہ اکثر علماء ومفتیانِ کرام اس کو کافی سمجھتے ہیں، بھائی معز الدینؒ نے ذمہ داران سے صاف کہہ دیا کہ اگر میری تنخواہ خالص عطیات کی مد سے دی جاسکتی ہو تو میں لوں گا، ورنہ جس طرح کا معمول ہے اس طرح سے میں تنخواہ نہیں لوں گا، چنانچہ سالوں تک اُنھوں نے تنخواہ نہیں لی، بعد میں مجلس نے خاص ان کے لئے یہ طے کیا کہ ان کی

تنخواہ کا انتظام عطایا کی مد سے ادا کرنے کا انتظام کیا جائے، چنانچہ وفات تک ان کی پوری تنخواہ انھیں نہیں مل سکی تھی، بعد میں سنا ہے ورثہ کے حوالے کی گئی۔

ب:- مخلصین کی ایک پہچان یہ ہوتی ہے کہ بے غرض ہو کر مفوضہ امور کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں، جن لوگوں سے تعاون لینا ہوتا ہے فرق مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں ہی آگے اور نمایاں کئے رہتے ہیں، اور خود پس پردہ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، فقہی اجتماعات ہوں یا جمعیۃ کے دیگر پروگرام، سب میں بھائی معز الدینؒ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نظر نہیں آتے تھے، ان کی حیثیت بلا شبہ اس شمع جیسی تھی جو خود کو پگھلا کر فنا کر لیتی ہے مگر گردوپیش کو روشن ونمایاں کر دیتی ہے، اللہ ان کی قبر کو خوب خوب منور کرے، کتنوں کو مقرر بنا دیا؟ کتنوں کو قلم پکڑنا سکھا گئے؟ کئی ایک ان کی رہنمائی میں ریسرچ اسکالر بنے اور تحقیقی کام کر کے اونچی اونچی ڈگریوں سے سرفراز ہوئے؟ اور خود گوشۂ گمنامی میں زندگی بتا گئے۔

ج:- جب انسان کے پیشِ نظر رضاء الٰہی ہوتی ہے تو وہ بندوں کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کرتا، اللہ اور بندوں سے جو اس نے عہد کیا ہے ہر حال میں اس کی پاس داری کرتا ہے، چاہے کوئی اچھا سمجھے یا برا مانے، وہ **"لا یخافون فی اللّٰہ لومۃ لائم"** پر عمل پیرا ہوتا ہے، مولانا معز الدین احمدؒ کچھ اسی طرح کے انسان تھے، اپنے ذاتی تعلقات، یا کسی بڑے کے دباؤ میں آ کر اصولوں سے سمجھوتہ کرنا تو وہ جانتے ہی نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ فقہی اجتماعات میں اگر کوئی مندوب بلا عذر و بلا اجازت رفیق سفر لاتا، تو بہت صفائی سے نکیر کرتے، اور بمشکل تمام قیام وطعام کی اجازت دیتے اور بس، اسی طرح جمعیۃ کے بڑے بڑے اجلاسوں میں طے شدہ پالیسی کے مطابق اسٹیج پاس جاری کرنے کا جوکھم بھرا کام، جمعیت کے کسی بھی کارکن کو اپنے سر لینے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، بھائی معز الدین ہی اس کو انجام دیتے تھے، اس سلسلہ میں انھیں بد خلقی، وبے وفائی کے طعنے بھی سننے اور سہنے پڑتے تھے، مگر طے شدہ پالیسی اور جماعتی مصلحت کے خلاف ہرگز کوئی عمل نہ کرتے اور نہ ہی کسی دوسرے کی جانب سے برداشت کرتے۔

د:- مولانا مرحوم کی زندگی "الدین النصیحة" سے عبارت تھی، چنانچہ اللہ، اس کے رسول، عامة المسلمین اور مقتدایانِ امت کے حق میں خیرخواہی ان کا شعار رہا، کسی بھی خیر تک ان کی رسائی ہوتی تو وہ چاہتے کہ دوسرے لوگ بھی اس سے مستفید ہوں، مثال کے طور پر اپنی معاشی ضرورت کی تکمیل کے لئے اُنہوں نے کتابوں کی طباعت کا کام شروع کرلیا تھا؛ کیوں کہ جمعیۃ یا امارت شرعیہ سے ان کی تنخواہ برائے نام تھی، دہلی میں تاجرانِ کتب، پریس والوں، کاغذیوں اور بک بائنڈرس سے ان کے اچھے روابط تھے، معاملات کے انتہائی صاف، شرعی اُصولوں کے پابند تھے، اس لئے ہر ایک کے دل میں اعتماد و دیانت کے حوالے سے گھر کر گئے تھے، جن لوگوں سے کتاب چھپوانے کا آرڈر لیتے، ذہنی طور پر حساب لگا کر ان سے یہ معاملہ کرتے کہ اگر آپ ایک ہزار نسخے لیں گے تو فی نسخہ اتنے (مثلاً ۱۸۰ روپئے) کے حساب سے پیسے دینے ہوں گے اور اگر پانچ سو چاہیں گے تو فی نسخہ اتنے (مثلاً ۲۰۰ روپئے) کے حساب سے دینے ہوں گے، کاغذ کا وزن و معیار وغیرہ سب کچھ بتا دیتے، مولانا کا بتایا ہوا حساب اتنا مناسب ہوتا کہ آدمی اپنے طور پر معلومات کرتا، بالآخر مختلف ناشرین کا چکر کاٹ کر اس نتیجہ پر پہنچتا کہ مولانا معزالدینؒ نے جو بتایا ہے اسی میں کفایت اور عافیت ہے۔

اس کاروبار میں اللہ نے انھیں خوب برکت عطا فرمائی، کیوں کہ اس کاروبار کو انہوں نے عبادت بھی بنالیا تھا، طباعت کا تجربہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ کسی کتاب کی طباعت میں جتنے نسخے درکار ہوتے ہیں کاغذ ان کے حساب سے کچھ فاضل لینے پڑتے ہیں، کیوں کہ کچھ کاغذ ردی یا پروف میں نکل جاتے ہیں، مولانا مرحوم جو بھی کتاب چھپواتے گاہک کی مطلوبہ تعداد پوری کرنے کے بعد بچے ہوئے مطبوعہ فرموں سے جتنے نسخے بن سکتے اتنے نسخے بنوا کر اپنے پاس رکھ لیتے؛ بلکہ کتاب اگر زیادہ اچھی اور کارآمد ہوتی تو چھپوانے والے سے کچھ نسخے لاگت کے حساب سے قیمتاً بھی اپنے پاس رکھوا لیتے، اور اپنے متعلق اہل علم کو ہدیۃً پیش کیا کرتے تھے، یا لاگت ہی کے حساب سے سستے داموں پر قیمتاً دے دیا کرتے تھے، اس طرح نہ جانے کتنی کتابیں اُنہوں

نے حضرات علماء تک مفت یا ارزاں قیمت پر فراہم کیں اور وہ بھائی معز الدینؒ کے حق میں صدقہ جاریہ بنیں، ہم بھی ان خوش نصیبوں میں ہیں جنھوں نے بھائی معز الدینؒ سے اس طرح کا نفع اٹھانے میں دریغ نہیں کیا، کتابوں کا تبادلہ ہمارے درمیان ہوتا رہتا تھا، ''الحزب الاعظم'' اور ''دلائل الخیرات'' کے تو نہ جانے کتنے نسخے وہاں سے اٹھائے، کسی قدرداں نے مانگے تو دے دیئے، پھر جا کر ''امیر صاحب'' (بھائی معز الدین) کے کمرے سے اٹھالائے۔

ہ:- حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ مجھے اخلاص پر مبنی تنقید بری نہیں لگتی؛ بلکہ میں ایسے تنقید کرنے والوں کو اپنا محسن سمجھتا ہوں، اور ان کے حق میں خوب دعائیں کرتا ہوں۔ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ بھی اخلاص کے ساتھ کی جانی تنقیدات کو بخوشی قبول فرماتے تھے، اور یہ صفت ان کے چشم و چراغ، خلف الرشید بھائی محمود اسعد مدنی مدظلہ میں بھی نمایاں ہے۔ مولانا معز الدین احمدؒ چوں کہ اخلاص ووفاء کے پیکر تھے، اور مخلص مداہن نہیں ہوتا ''المستشار مؤتمن'' کے مطابق جو بات صحیح سمجھتے اس کا مشورہ دیتے اور جو بات غلط سمجھتے اس کا برملا اظہار کر دیتے تھے، مشورہ کی بعض مجالس، یا نجی مجالس میں بھائی معز الدین اور حضرت مولانا محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا، بعض آراء میں بھائی معز الدین نے بھائی محمود سے اختلاف کیا، ایک کا اخلاص اور دوسرے کی وسعت ظرفی تھی کہ رائے میں یا تو تبدیلی ہو جاتی یا سکوت اختیار کیا جاتا؛ چوں کہ اس تنقید یا اختلاف کی بناء اخلاص وللّٰہیت پر ہوتی تھی، اور ''الدین النصیحة'' کی چاشنی میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھی، اس لئے مخاطب کو لب ولہجہ کی تلخی بخوشی گوارا ہوتی۔

کچھ یادیں

یادیں تو بہت ہیں انھیں قید تحریر میں لانے کا نہ تو راقم الحروف کو ہنر ہے اور نہ ہی وقت اور کاغذ کی تنگی اس کی اجازت دیتی ہے، دو تین باتیں پیش خدمت ہیں:

(۱) شروع میں تو مرحوم کے احباب اور بے تکلف دوستوں کا دائرہ بہت تنگ تھا، مگر جو

بھی تھے ان سے انتہائی مخلصانہ تعلق رکھتے تھے، بعد میں یہ دائرہ کچھ وسیع ہو گیا تھا، جہاں تک ہماری بات ہے تو بقول عزیزم مفتی محمد عفان زید مجدہٗ ''اب دلی اجنبی ہوگئی''، مرحوم میں کچھ ایسی اپنائیت تھی کہ دہلی ہوکر جب بھی کہیں جانا یا آنا ہوتا بے کھٹک چھوٹے زینے کو ہوکر ان کے کمرے میں پہنچ جاتے، یہاں پہنچ کر قلب ودماغ کو اتنا سکون ملتا جیسے کتنی کشادہ اور پرفضا باغ وبہار میں آ گئے ہوں، کمرہ کیا تھا ایک تنگ حجرہ جس میں ہر چہار جانب چھت تک مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا تہ بر تہ انبار لگا ہوتا، بیچ میں صرف دو آدمیوں کے لیٹنے کی جگہ ہوتی تھی، ایک طرف وہ خود کتابوں کے بیچ لیٹتے تھے اور دوسری طرف ان کا اکلوتا بیٹا ابوبکر لیٹا کرتا تھا، ہم میں سے کوئی پہنچ گیا تو جب تک مجلس جمی رہتی بے چارے ابوبکر کو اتنی دیر کمرے کے باہر ادھر ادھر پھرنا پڑتا، ہر مرتبہ کی حاضری میں کوئی نہ کوئی نئی کتاب نظر آجاتی، جس کی طرف بے اختیار ہاتھ بڑھتے، بات وہیں سے شروع ہوتی پھر بات میں بات نکلتی جاتی، اور ہم کہیں سے کہیں پہنچ جاتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ مولانا مرحوم، مولانا عبدالحمید نعمانی، راقم الحروف اور دو ایک احباب اس طرح جم کر بیٹھ گئے کہ پوری رات گپ شپ کی نذر ہوگئی، مگر اس گپ شپ میں بھی بہت کچھ کام کے موتی ہاتھ آجاتے تھے۔

وفات کے کئی مہینے بعد مؤرخہ ۵/فروری ۲۰۲۱ء کو ادارہ مباحث فقہیہ کی میٹنگ میں شرکت کی غرض سے جمعیۃ دفتر حاضری ہوئی، سیدھے مرحوم کے کمرے کے پاس پہنچے، دل کو ایک دھچکا سا لگا، ایک ایسی بے بسی وتنہائی کا احساس ہوا جس کو الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، تصور وخیال میں شاعر کا یہ شعر گردش کرنے لگا:

إذا زرت أرضًا بعد طول غيابيا

فقدت صديقي والبلاد كما هيا

(۲) مرحوم کو حج وعمرہ کی نسبت پر زیارت حرمین شریفین سے خاص دلچسپی تھی، آخری دس بارہ سالوں میں تو بلا ناغہ ہر سال حج یا عمرہ کا کوئی نہ کوئی سفر کرلیا کرتے تھے، ایک حج اور ایک

رمضان شریف کے عمرہ میں وہاں ان کے ساتھ کچھ اوقات گزارنے کا اتفاق ہوا، دیار مقدس کے ایک ایک لمحے کی قدر کرتے تھے، اور زیادہ سے زیادہ اوقات کو طواف وعبادت، درود ودعا میں بسر کرتے تھے، سنہ ۲۰۱۵ء کے حج میں دسویں ذی الحجہ کو منی میں بھگدڑ کا دلدوز سانحہ پیش آیا جس میں ہزاروں حجاج شہید ہوئے، بھائی معزالدین بھی اس حادثہ کی زد میں آ گئے تھے، بے ہوش ہوکر گر گئے تھے، حفاظتی عملہ نے انھیں عرفات کے اسپتال میں داخل کرایا جہاں ۲۰ گھنٹے بعد انھیں ہوش آیا اور ۱۲ ذی الحجہ کو انھیں ہندوستانی سفارت خانے کے عملہ نے قیام گاہ کے قریب تک پہنچایا، جہاں سے بہ مشکل چل کر وہ اپنی قیام گاہ پہنچے، اس دوران ان کی زندگی اور بخیریت واپسی کی خوب دعائیں کی گئیں، والدین، اعزاء واقارب اور دوست احباب سبھی پریشان رہے، ہمارے خیمہ میں بھی اجتماعی وانفرادی دعاء کا اہتمام کیا گیا، ۱۲؍ذی الحجہ کو بندہ نے ان کو فون ملایا تو جواب میں ان ہی کی آواز سن کر خوشی کی انتہا نہ رہی، دوسرے دن حرم شریف میں باب فہد کی چھت پر ملاقات ہوئی، گلے مل کر دونوں خوب روئے، اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ عشاء کے بعد حضرت مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہٗ نے اپنی قیام گاہ پر بھائی معزالدینؒ کی بازیابی کی خوشی میں ایک دعوت کا انتظام کیا تھا، اس سے فراغت کے بعد قیام گاہ واپس ہوئے۔ زندگی کے کچھ سال باقی تھے، الحمد للہ صحت یاب تو ہو گئے، مگر اس حادثہ کی وجہ سے اندر سے کمزور ہو گئے تھے، انابت الی اللہ کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی، کئی بار تنہائی میں اُنہوں نے ایسی باتیں کیں جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ زندگی سے مایوس ہو چلے ہیں۔

(۳) عموماً جب تنہائی میں ہوتے تو راقم الحروف سے فون پر دیر تک باتیں کرتے، ملکی، عالمی اور دارالعلوم وجمعیۃ کے احوال وکوائف پر تبادلہ خیال کرتے، مرض وفات میں اسپتال داخل ہونے سے دس روز قبل مجھ سے فون پر کہا کہ میں دیوبند آنا چاہتا تھا مگر طبیعت ساتھ نہیں دے رہی ہے اس لئے ہمت نہیں ہوتی، تم ہی آ جاؤ، میں نے کہا ٹھیک ہے، تین دن کے بعد مجھے دہلی ایک ضرورت سے آنا ہی ہے ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا، یوں تو جب بھی دہلی جانا ہوتا بھائی

معز الدین سراپا انتظار رہتے، معمول کے مطابق اس دن بھی ان کی خواہش تھی کہ دوپہر کا کھانا ساتھ کھائیں، مگر رزق دوسری جگہ کا مقدر تھا اس لئے کھانے سے فارغ ہو کر ظہر کے بعد دفتر پہنچنا ہوا، مولانا نے چائے وغیرہ سے ضیافت کی تھوڑی دیر آرام کے لئے ہم لیٹ گئے اور بھائی معز الدین عصر تک ہمارے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے، کسے معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، بالآخر ایک ہفتہ بعد ۲؍ستمبر کو شوگر کا شدید حملہ ہوا، بے ہوش ہو کر گر گئے، میکس ہسپتال میں داخل کرائے گئے، اگلے دن صبح کو طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا، فون پر ہم سے بات بھی ہوئی، مگر پھر مرض بڑھتا گیا بالآخر ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء کو اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، رحمہ اللّٰہ رحمةً واسعةً، وأسكنه فسيح جناته۔

مولانا معزالدین احمد صاحب گونڈویؒ

جرأت وحق گوئی اور استغنا وخودداری کا پیکرِ جمیل

وفات: ۱۳ر ستمبر ۲۰۲۰ء، ۲۴ر محرم ۱۴۴۲ھ اتوار

مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا دنیا میں کوئی منکر نہیں، وہ لوگ جو وجودِ باری اور توحید باری کے منکر ہیں ان کے یہاں بھی موت ایک مسلّمہ حقیقت ہے، یہ گھاٹی ہر ایک کو عبور کرنی ہے، اس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں۔ اسی سے تمام تر قوت وطاقت، صلاحیت ولیاقت، صولت وشوکت اور حکومت وسطوت کے باوجود انسان کی عاجزی وبےبسی کا اظہار ہوتا ہے اور خالقِ کائنات جل جلالہٗ کی کامل خودمختاری، قوتِ قاہرہ اور طاقت مطلقہ کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کی زندگی کا ایک وقت مقرر کردیا ہے، اور جب یہ وقت پورا ہوجاتا ہے تو پوری کائنات مل کر بھی اس میں کچھ کمی بیشی نہیں کرسکتی ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ﴾ یا ﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ اسی خدائی اصول کے تحت اللہ کے سب سے برگزیدہ بندے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے جانا پڑا تو دوسروں کے بارے میں کیا کہنا۔

ادھر چند ماہ کے اندر بہت سے باکمال ومایہ ناز افراد، برگزیدہ وبلند پایہ علماء ورہنمایانِ ملت داغ مفارقت دے گئے، جن کی آج کے پُرآشوب دور میں ملت اسلامیہ ہند کو سخت ضرورت

تھی، ان کا حادثۂ وفات مسلمانانِ ہند کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے۔ انھیں مسافرینِ آخرت میں میرے مشفق وکرم فرما، ہمدرد وغمگسار مولانا معزالدین احمد صاحب گونڈوی علیہ الرحمہ بھی ہیں، جن کے سانحۂ ارتحال نے ان کے ہزاروں متعلقین ومتعارفین کو رنج وغم کی ناقابلِ بیان کیفیت سے دوچار کردیا، ایسا متحرک وفعال انسان اس طرح چلتے پھرتے آناً فاناً ہمارا ساتھ چھوڑ جائے گا، کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔ روزانہ ہزارہا ہزار افراد دنیا سے چلے جاتے ہیں، اس میں سے زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے کا غم گھر خاندان تک ہی محدود رہتا ہے، اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی موت پورے علاقہ کو سوگوار اور غمگین کردیتی ہے، ایک محدود تعداد ایسی بھی ہوتی ہے جن کی وفات اور جدائی ایک عالم کو رنجیدہ کردیتی ہے اور ان کا غم بہت دور تک اور بہت دیر تک محسوس کیا جاتا ہے، اور بہتوں کو خون کے آنسو رلاتا ہے، مولانا مرحوم کی ذات بھی انھیں لوگوں میں سے تھی۔ دل سے دعا ہے کہ، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں، اعلیٰ علیین میں جگہ دیں، اور وہ اس حال میں رب کریم کی بارگاہ میں پہنچیں کہ وہ کریم ذات کریم ان سے راضی ہو اور یہ اس سے خوش ہوں۔

تعارف وشناسائی

ایک عام سا تعارف وشناسائی تو مولانا سے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی سے ہی تھا، مولانا کے بھائی مولوی قمرالدین ہم لوگوں کے درسی ساتھی تھے، ہم لوگوں کی فراغت شعبان ۱۴۱۹ھ (دسمبر ۱۹۹۸ء) میں ہوئی، مولوی قمرالدین (اللہ ان کی مغفرت فرمائیں) فراغت کے چند ماہ بعد مئی ۱۹۹۹ء میں علی گڑھ میں ایک ٹرین حادثہ میں شہید ہوگئے۔ اس نسبت سے بھی مولانا سے ایک قرب تھا، اس وقت جب دہلی آنا ہوتا تو قیام دفتر جمعیۃ میں مولانا نوشاد احمد صاحب اعظمیؒ کے یہاں ہوتا، یہاں کے قیام کے دوران مولانا سے ملاقات ہوتی اور سلام ومصافحہ ہوجاتا، چونکہ مولانا کا ایک خاص مزاج تھا کہ وہ جلد کسی سے بے تکلف نہیں ہوتے تھے، اس لئے اس وقت استفادے کی کوئی بات یاد نہیں ہے۔ دیوبند سے فراغت کے بعد میں اپنے

استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے حکم پر مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور اعظم گڈھ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگا۔ ایک سال کے بعد وہاں سے ایک ماہانہ رسالہ نکلنا طے پایا، اس کی ترتیب وادارت کی ذمہ داری حضرت الاستاذ نے مجھے سونپی۔ مولانا معزالدین صاحب اس رسالہ کے پہلے شمارے سے خریدار تھے، اوراس کی مکمل بارہ سالہ فائل ان کے پاس موجود ہے۔ ۲۰۰۳ء میں رسالہ کا قاضی اطہر مبارک پوری نمبر شائع ہوا، جس کو مولانا نے بہت پسند کیا، یہیں سے مولانا سے قربت بڑھتی گئی اور تعلق گہرا ہوتا ہو گیا۔

ذوقِ مشترک

مولانا ایک صاحبِ علم، صاحبِ ذوق اور صاحبِ مطالعہ انسان تھے، علم دوستی، علماءنوازی اور اہل علم کی قدر دانی مولانا کا خصوصی وصف تھا۔ جس شخص کے اندر شوقِ علم اور ذوقِ مطالعہ کو دیکھتے اس کی قدر کرتے، حوصلہ افزائی کرتے اور بوقت ضرورت رہنمائی کرتے۔

ہمارے رفیق درس مولانا عبدالملک قاسمی رسول پوری جو تقریباً بیس سال تک مولانا مرحوم کے انتہائی قریب رہے، لکھتے ہیں:

> ''علم دوستی امیر صاحب کا امتیازی وصف تھا، علم کی بو انھیں جس میں بھی نظر آتی تھی، اس کی تکریم کرتے تھے خواہ وہ متعارف ہو یا غیر متعارف، یہی حال علمی جستجو کا تھا کہ جہاں اور جس میں نظر آئی، اس کے لئے آنکھیں بچھا دیں۔ علمی تعاون وہ ہر کسی کا کیا کرتے تھے، خواہ اس سے مزاجی ہم آہنگی ہو یا نہ ہو۔ حالانکہ ان کا مزاج قدرے گرم بھی تھا، لیکن علم کے فروغ میں وہ بہت سی خلاف مزاج چیزوں کے لئے بھی مزاج کو راضی کر لیا کرتے تھے۔ یہی بات تھی جس کی وجہ سے امیر صاحب کے احباب میں ایسے بہت سے نوجوان نظر آتے ہیں جو نہ تو ان کے معاصر ہیں اور نہ ہی ہم عمر! بڑوں کی مجلس کے ممبر وہ محض اپنے علم کی وجہ سے بنے ہوئے ہیں۔ امیر صاحب ان خوردوں کو محض ان کی علمی لیاقت کی بنا پر عزیز رکھا کرتے تھے۔ علم کی قدر، اہل علم کی حوصلہ افزائی اور رہروانِ علم و دانش کے راستوں کی ہمواری، امیر صاحب کی دیگر ستودہ صفات کے ساتھ زندگی کا لازمی جز تھی۔ کتاب النوازل کے مرتب مفتی محمد ابراہیم غازی آبادی، دارالعلوم دیوبند کے مفتی مصعب علی گڑھی اور مفتی اسداللہ آسامی،

اعظم گڈھ کے ہمارے رفیق درس مولانا ضیاء الحق خیرآبادی عرف ''حاجی بابو'' سب کا شمار اسی قبیل کی ابھرتی نسل میں ہوتا ہے۔ ان کی ترقی میں امیر صاحب کے علمی مشوروں اور دانشورانہ رہنمائی کا کافی دخل رہا ہے''۔

کتابوں کی تلاش وجستجو اور مطالعہ کا کچھ ذوق مجھے بھی ہے، اس کو مولانا نے محسوس کیا اور اسی قدرِ مشترک نے ہمیں بے حد قریب کر دیا، جیسا کہ میں نے لکھا کہ ماہنامہ ضیاء الاسلام کے قاضی اطہر مبارکپوری نمبر کی اشاعت کے بعد مولانا سے تعلق بہت بڑھ گیا، نئی شائع ہونے والی کتابوں سے مولانا بہت باخبر رہتے تھے اور پہلی فرصت میں اسے حاصل کرتے تھے۔ مولانا کے کتب خانہ میں قرآن وحدیث، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ کے ساتھ ادب وشاعری، تاریخ وسوانح بالخصوص خاندان ولی اللہی وعلماءِ دیوبند سے متعلق کتابوں کا گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ پندرہ سال پہلے مجھے ایک مرتبہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کے تفصیلی حالات کی ضرورت تھی، باوجود تلاش کے ان کی کسی سوانح تک رسائی نہ ہوسکی، دہلی کے ایک سفر میں مولانا سے اس کا ذکر کیا تو اُنہوں نے اپنے ذخیرۂ کتب سے کافی محنت سے قاضی صاحب کی ایک ضخیم سوانح نکال کر دی ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' از ڈاکٹر محمود الحسن عارف، یہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے شائع کی تھی۔ کافی محنت سے اس لئے کہ ان کا کمرہ زیادہ سے زیادہ ۹×۷ فٹ رہا ہوگا، بلا مبالغہ ان کے سونے اور دو تین لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ کو چھوڑ کر زمین سے لے کر چھت تک ایک انچ جگہ نہیں تھی جس میں کتاب نہ ہو، کتابیں بھی کچھ اس انداز سے رکھی ہوئی تھیں کہ ان کے علاوہ کسی سے بآسانی نہ نکل سکیں، کچھ کتابیں تو عام طرز پر رکھی ہوئی تھیں کہ جب چاہیں نکال لیں، جس الماری یا ریک کے خانے قدرے کشادہ تھے اس میں سامنے کھڑی کتابیں رکھتے تھے، اس کے بعد پَٹ ایک پر ایک رکھ دیتے تھے، چھت تک اُنہوں نے ریک بنوار کھے تھے، جس میں ایک انچ جگہ بھی باقی نہ تھی، بعض بعض کتابیں ساٹھ ساٹھ جلدوں میں تھیں جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کے جملہ رسائل وکتب وردقادیانیت پر کتابیں۔

مولانا کے ذوق کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ناظم امارتِ شرعیہ ہونے کی وجہ سے فقہ وفتاویٰ

ان کا موضوع تھا لیکن ان کے کتب خانہ میں ہر علم وفن کی کتابیں موجود تھیں، میں نے ایک روز دیکھا کہ دورِ مغلیہ کا ایک مبسوط تذکرہ وتاریخ ''مآثر الامراء'' ان کے پاس موجود ہے، یہ نواب صمصام الدولہ شاہنواز خاں کا مرتب کردہ ہے، جس پر مشہور مورخ میر غلام علی آزاد بلگرامی اور مصنف کے صاحبزادے میر عبدالحیٔ خاں کے اضافات ہیں، یہ مغل حکمراں اکبر سے لے کر محمد شاہ کے دور تک یعنی ڈیڑھ سو سال کے ان مشاہیر امراء کا تذکرہ ہے جو اس دوران گزرے ہیں۔ یہ تذکرہ عام طور پر اب دستیاب نہیں ہے، نہ جانے کہاں سے مولانا نے اس کو حاصل کیا تھا۔ مجھے مولانا سید محمد میاں سیمینار کے دوران ''علماءِ حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' کے اس ایڈیشن کی ضرورت تھی جس کو ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری علیہ الرحمہ نے ایڈٹ کیا ہے اور اس پر بڑا قیمتی استدراک بھی لکھا ہے، مولانا سے ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے کتب خانہ میں یہ نسخہ موجود ہے، جسے میں نے ہفتوں اپنے پاس رکھ کر استفادہ کیا، یہ عام کتابی سائز کے ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، اور پاکستان سے چھپی ہے، اس ایڈیشن کو یہاں بھی ''علماءِ ہند کے شاندار ماضی'' کے ساتھ شائع کردینا چاہیے۔ ایک مرتبہ میں نے انٹرنیشنل بک فیئر سے ایک کتاب خریدی، جس کا نام ''دی پاکستان کرانیکل'' تھا، اس میں ۱۹۴۷ء سے لے کر کتاب کی اشاعت تک (غالباً ۲۰۱۰ء) پاکستان کے اکثر مشہور اخبارات کی خبروں کو مع تصاویر اکٹھا کیا گیا ہے، یہ ایک تاریخی دستاویز ہے، اس میں بہت سی اہم خبریں اور نادر تصاویر موجود ہیں، اور تاریخی کام کرنے والوں کے لئے بہت اہم چیز ہے، قیمت اس کی ڈھائی ہزار تھی اور صفحات بھی اے فور سائز پر تقریباً قیمت ہی جتنے تھے، مولانا نے اس کو دیکھا کہا کہ مجھے دے دو، میں نے کہا کہ اس کا صرف ایک ہی نسخہ تھا اس لئے میں ایثار نہیں کرسکتا تھا، جب تک میرا قیام تھا مولانا اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ میں نے ایک بار اطلاع دی کہ پاکستان میں ادارہ قرطاس کراچی نے ''وفیاتِ معارف'' شائع کی ہے، جس میں ۱۹۱۶ء سے ۲۰۱۲ء تک کے تمام وفیاتی مضامین کو جمع کردیا گیا ہے، مولانا نے کہا کہ ایک نسخہ میرے لئے محفوظ کرلیں، جب دہلی آنا ہو تو لیتے آئیں، اس کی قیمت ۱۶۰۰

روپئے تھی، مولانا کے یہاں کتابوں کی قیمت سے کوئی بحث نہیں تھی، اگر کتاب اپنے ذوق کی ہے تو پھر چاہے جو بھی قیمت ہو۔

مولانا کی طرف سے تاکید رہتی تھی کہ تمہارے علاقہ یعنی دیار پورب میں کوئی بھی نئی کتاب شائع ہو تو ایک نسخہ ان کے لئے رکھ لوں، آخری کتاب جو میں نے ان کو پیش کی وہ وجیہ الدین اشرف کی فارسی تالیف ''بحرِ زخار'' کی جلد اول کا اردو ترجمہ تھا، یہ ترجمہ ہمارے علاقہ کے ایک بریلوی عالم ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے کیا تھا، اور یہ گھوسی سے شائع ہوا ہے، اس کے بعد اس کی دوسری اور تیسری جلد بھی آ گئی تو اسے بھی لے لیا کہ مارچ میں منعقد ہونے والے فقہی سیمینار میں لے کر جاؤں گا لیکن وہ کورونا کی وجہ سے ملتوی ہو گیا اور کتاب میرے پاس ہی رہ گئی۔ آخری کتاب جس کے بارے میں مولانا نے کہا تھا وہ مولانا ابن الحسن عباسی کے رسالہ ''النخیل'' کراچی کا مطالعہ نمبر تھا، جو ان کی علالت کے دوران پریس میں تھا اور ان کے انتقال کے دو ہفتے کے بعد منظر عام پر آیا۔

ذوقِ تحریر

دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں اور جمعیۃ کے ابتدائی زمانہ میں مولانا کو مضمون نگاری سے بھی شغف تھا، مدنی دارالمطالعہ سے نکلنے والے جداری پرچہ میں پابندی سے لکھنے کا معمول تھا، اس کے علاوہ تحفظ ختم نبوت کے اجلاس میں بھی ان کی کئی تحریری کاوشیں منظر عام پر آئیں، فقہی اجتماعات کی بہت سی تجاویز ان کے قلم سے ہیں، لیکن یہ سب میری دسترس سے باہر ہیں، کاش کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور ان کی تحریری کاوشوں کو یکجا کر کے ان پر آنے والے مجموعہ مضامین کا حصہ بنا دے، مولانا عبد الملک اور مفتی عفان صاحبان سے گذارش ہے کہ اس جانب توجہ فرمائیں، اس لئے کہ ہم دور افتادگان کی پہنچ سے ان کی چیزیں باہر ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ نہ جانے کیا ہو گیا کہ رفتہ رفتہ مولانا نے قلم سے اس قدر کنارہ کشی اختیار کر لی کہ لاکھ کہنے سننے کے باوجود لکھنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، میں نے اپنے سیمینار میں ان کے مناسب ایک عنوان

''مولانا سید محمد میاں اور ادارۂ مباحث فقہیہ'' دیا کہ اس پر آپ کو لکھنا ہے، میں مسلسل تقاضا کرتا رہا، صاف انکار بھی نہیں کرتے تھے؛ لیکن لکھا بھی نہیں، حالانکہ وہ لکھتے تو اس موضوع پر ایک بہترین اور تاریخی چیز ہوتی۔ اس سلسلہ میں ایک بار مولانا عبدالحمید نعمانی نے ان سے بات کی تو اُن کو یہ جواب دیا: ''ہم نے کہا کہ لکھتے کیوں نہیں ہو، اتنا کچھ اندر دبا چھپا کر بیٹھے ہو، کہتے کہ لکھوانا کون چاہتا ہے، قلم کی توقیر کہاں ہے،؟ تھوڑی عزت بھی گنوا دیں کیا''۔

اب اس اجمال کی شرح تو مولانا نعمانی ہی کر سکتے ہیں۔ بہر حال میرے پاس ان کے دو مضامین اور مفتی سلمان صاحب کی کتاب ''تحریک آزادی میں مسلم علماء وعوام کا کردار'' میں ذکر کردہ شخصیات کا تعارف ہے، جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے، جو ایک بہترین، مختصر، تحقیقی و مستند چیز ہے، شخصیات سے متعلق اجمالاً اچھی طرح آگاہی ہو جاتی ہے۔ اس کی تمہید میں مولانا لکھتے ہیں:

> ''عزیز محترم مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری ادام اللہ اقبالہ کی شدید خواہش واصرار پر کتاب میں مذکور شخصیات کے تعارف کے لئے اجمالی سوانحی خاکہ کتابوں اور رسائل سے تلاش کر کے مرتب کر دیا گیا، اور تفصیلی حالات وخدمات سے واقفیت کے لئے مآخذ کی رہنمائی کر دی گئی ہے۔ ان سوانحی خاکوں میں ترتیب وہی قائم کی گئی ہے جو کتاب میں ہے۔ بعض شخصیات کے حالات تک کوشش کے باوجود رسائی نہ ہو سکی۔ مولائے کریم اکابر واَسلاف کے سلسلہ میں یہ حقیر کوشش قبول فرمائے۔ آمین''
>
> معز الدین احمد
>
> ۱۶/رجب ۱۴۲۱ھ

جو دو مضامین ہیں وہ بھی مفتی سلمان صاحب کے کہنے پر لکھے گئے، اور ندائے شاہی کے ''تاریخ شاہی نمبر'' (نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء) میں شائع ہوئے، ایک مولانا سید محمد میاںؒ صاحب پر، دوسرا مولانا سید عبدالعلی صاحب میرٹھیؒ پر، نمونہ تحریر ملاحظہ ہو، مولانا سید محمد میاں والے مضمون کی تمہید میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۱۹۰۲-۱۹۷۵) کی ذات ستودہ صفات مختلف النوع صفات کی حامل تھی، آپ کی زندگی ہمہ رنگ اور ہمہ صفت زندگی کا ایک مرقع تھی،

آپ کے تبحر علمی پر نظر ڈالئے تو ایک بحر بیکراں نظر آتے ہیں، اور جہد و جہاد کے میدان میں دیکھئے تو ''آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی'' کا پیکر۔ ایک طرف آپ مسند تدریس پر فائز المرام نظر آتے ہیں تو دوسری طرف میدانِ تصنیف و تالیف کے کامیاب شہسوار، آپ کی راتیں بارگاہِ خداوندی میں الحاح وزاری، مناجات وسرگوشی، تہجد اور اوراد و وظائف اور عبادت وریاضت میں بسر ہوتی ہیں، تو دن اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبودی اور ملک وملت کی خیرخواہی میں ہمہ تن مصروف پایا جاتا ہے۔ یعنی صحیح معنوں میں آپ کی ذات ''باللیل رہبان وبالنہار فرسان'' کی مصداق ہے۔'' (ماہنامہ ندائے شاہی، تاریخ شاہی نمبر، نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۳۸۳ تا ۴۰۲)

اس اقتباس سے تحریر کی شگفتگی اور روانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کتابوں کی طباعت اور صفائی معاملات

مولانا معزالدین صاحب کو کتابوں سے جو دلچسپی اور مطالعہ کا جو ذوق تھا، باری تعالیٰ نے ان کے معاش اور رزق کا انتظام بھی اسی راہ سے کر دیا، دہلی کے قیام کے بعد اُنہوں نے کتابوں کی طباعت واشاعت کا سلسلہ شروع کیا، سعی ومحنت، امانت ودیانت اور ایفائے عہد مولانا کا خاص امتیازی وصف تھا، اور جہاں یہ تینوں اوصاف حسنہ جمع ہو جائیں وہاں ناکامی کا کوئی سوال نہیں۔ مولانا کا یہ کام خوب پھلا پھولا، وہ بہت معمولی نفع رکھ کر طباعت کا کام کراتے تھے، ان اوصاف کی وجہ سے لوگ بکثرت ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آج سے پندرہ سال قبل جب میں نے استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی تحریروں کی ترتیب واشاعت کا سلسلہ شروع کیا تو اس کے لئے ایک اشاعتی ادارہ ''مکتبہ ضیاء الکتب'' کے نام سے قائم کیا، الحمدللہ اس سے ادارہ سے حضرت الاستاذؒ کی چھوٹی بڑی ۳۵ر سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ابتداء میں نے تجارتی اداروں کی معرفت کتابیں چھپوائیں؛ لیکن اس میں پیش آنے والی دشواریاں میرے قابو سے باہر تھیں، تو میں نے مولانا سے اپنی صورتِ حال بتائی کہ ہمہ وقتی تدریس کے ساتھ یہ کتابوں کا کام بہت مشکل معلوم ہو رہا ہے اور گذارش کی کہ آپ میرا تعاون فرمائیں،

میں آپ کے ذریعہ اپنی کتابوں کو چھپوانا چاہتا ہوں، مولانا نے میری گذارش قبول کی اور طباعت کی ذمہ داری لے لی، اب مولانا سے ایک دوسری جہت سے سابقہ پڑا، فی زمانہ معاملات میں بدمعاملگی اور بدعہدی کو جوفروغ حاصل ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

مولانا سے تقریباً پندرہ سال مسلسل یہ کاروباری تعلق رہا، واقعی ان کی امانت ودیانت، ایفاے عہد اور صدق گفتاری بے مثال تھی، ہر کام بالکل آئینہ کی طرح صاف شفاف، اس عرصہ میں کبھی معمولی شکایت کی نوبت نہ آئی، صفائی معاملہ کا حال یہ تھا کہ انتقال سے کچھ پہلے تین سو روپئے میرے اکاؤنٹ میں بھیجے، میں نے پوچھا کہ یہ کیسی رقم ہے؟ کہنے لگے آپ کے حساب میں اتنے روپئے نکل رہے تھے، میں نے کہا کہ ابھی آئندہ بھی معاملات چلتے رہیں گے، اتنی جلدی کیا ہے؟ شاید ان کو احساس ہو چکا تھا کہ اب حساب وکتاب کا وقت ختم ہونے والا ہے۔

مجھ پر مولانا کی شفقت ومحبت روز افزوں تھی، اُنہوں نے کتابوں کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری لے کر مجھے اس سے بالکل یکسو کر دیا کہ اطمینان سے درس وتدریس میں مشغول رہو، چنانچہ طباعت کے علاوہ دوسرے کتب خانوں سے کوئی معاملہ ہوتا تو مولانا اس کو بھی ڈیل کر لیتے، سالہا سال سے یہ معاملہ جاری تھا، اس لئے اس کام سے دہلی جانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی، مولانا کی توجہ کا یہ حال تھا کہ جب استاذی مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد ان کی ایک درجن کے قریب کتابیں ختم ہوگئیں تو ان کی اشاعت میں مجھے خاصی دشواری ہورہی تھی، مولاناؒ کی حیات میں کوئی مسئلہ نہ تھا، ان سے قرض لے کر کتابیں چھپوالیتا تھا بعد میں حسب سہولت ادائیگی ہوتی رہتی تھی، مولانا معزالدین صاحب سے اس پریشانی کا ذکر کیا، اُنہوں نے کہا کہ میں اس کا انتظام کرتا ہوں، آپ سب کے دوسو نسخے لے لیں، اور ادائیگی حسب سہولت جب چاہیں کریں، اس طرح اُنہوں نے چودہ پندرہ کتابیں شائع کرادیں جس سے مجھے کافی سہولت ہوگئی، وہ مجھے ہر معاملہ میں ہر ممکن سہولت فراہم کرتے تھے، باری تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ہر طرح کی سہولت اور عافیت کا معاملہ جیسا کہ وہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے تھے۔

مولانا سید محمد میاں سیمینار کی ذمہ داری

میں مطالعہ وتدریس اور کسی قدر لکھنے کا ذوق رکھتا تھا، لیکن سیمینار یا کسی بڑے پروگرام میں شرکت اور اس سے دلچسپی بالکل نہ تھی۔ ایک روز مولانا کا فون آیا کہ جمعیۃ علماء ہند اپنی صدی تقریبات کی مناسبت سے جمعیۃ کے بانیین واکابرین پر سیمینار منعقد کررہی ہے، میں چاہتا ہوں آپ مولانا سید محمد میاں پر ہونے والے سیمینار کی ذمہ داری قبول کرلیں، باقاعدہ خط آپ کے پاس بھیجا جارہا ہے، میں نے کہا کہ سیمینار کی ذمہ داری تو بڑی بات ہے میں نے تو اب تک کسی سیمینار میں مقالہ بھی نہیں پڑھا ہے، کہنے لگے کہ جب کسی کام کی ذمہ داری سر پر آئے گی تو اس کے کرنے کا سلیقہ بھی آجائے گا، میں ہر موقع پر ہر قسم کے تعاون کے لئے موجود رہوں گا، آپ انکار نہ کیجئے گا، میں نے کچھ شرائط کے ساتھ ذمہ داری قبول کرلی، اب یہ ان کی خوبی، دلچسپی یا کرامت جو بھی کہئے کہ اُنہوں نے مجھ جیسے اس کوچہ سے ناواقف شخص سے ایک کامیاب سیمینار کروالیا۔

مولانا نے سیمینار کے سلسلہ میں جو کچھ کہا تھا ان تمام چیزوں کو پورا کیا، مجھے اپنے کام کے دوران کبھی ذمہ داروں سے عدم تعاون کی شکایت نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیمینار کی کامیابی مولانا کے تعاون اور ذاتی دلچسپیوں کی وجہ سے ہی ممکن ہوسکی، چند ماہ میں اس کے مقالات بھی ۱۱۸۴ر صفحات میں بہترین طباعت کے ساتھ منظر عام پر آ گئے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جزائے خیر عطا فرمائیں ان کی وجہ سے اس طرح کے کاموں کا سلیقہ آیا، بہت سے تجربات ہوئے، اہم شخصیات سے استفادہ کے مواقع اور بہت کچھ پڑھنے کا موقع ملا۔

شانِ استغنا وخودداری:

میرے استاذ محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی لکھتے ہیں:

''علماء واصحاب مدارس وخوانق کا اصحاب ثروت کی ثروت اور امراء وحکام کی دولت اور ان کے مادّی وسائل پر للچائی نگاہیں ڈالنا، دنیا وآخرت کا عظیم ترین خسارہ ہے، علماء، انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء کی وراثت یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوموں سے برملا فرمادیا: ﴿لا

أسالكم عليه أجراً إن أجرى إلا على الله﴾ میں تم سے اپنے دین اور تبلیغ دین پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اللہ پر ہے۔ اللہ کے علاوہ اُنہوں نے کسی سے کوئی نفع نہیں چاہا۔ تو کیا وہ محروم ہو گئے؟ یہی وراثت اگر علماء بھی مضبوطی سے تھام لیں، تو کیا وہ محروم رہ جائیں۔ کلا دنیا والوں کے پاس دنیا کے علاوہ کیا ملے گا۔ پھر دنیا حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس جانا، اپنے دین وایمان اور غیرت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا ہے''۔ (حدیث درد دل، ص: ۳۲۶)

لالچ وحرص ایک ایسا رذیلہ فعل ہے جس سے کم ہی لوگ بچے ہوئے ہیں، اس کے ارتکاب کے بعد انسان کے اندر سے اظہار حق گوئی وجرأت وبے باکی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، مداہنت اور تملق وچاپلوسی اس کی طبیعت بن جاتی ہے، اقبال نے سچ کہا ہے

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

مولانا معز الدین صاحب کے اندر میں نے حرص ولالچ سے دوری اور استغنا وخودداری کی ایک عجیب شان دیکھی، دہلی میں ان کی جو حیثیت اور مقام تھا اگر وہ چاہتے تو زمین، مکان، جائداد بہت کچھ بنا لیتے، لیکن ۳۵ سال رہنے کے بعد ایک شاندار کتب خانہ کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہ تھا، کتب خانہ بھی اپنے فطری ذوق کی وجہ سے تھا، ایک سے ایک صاحب ثروت لوگوں سے واسطہ پڑا لیکن مولانا نے کبھی ان کے مال ومنال کی طرف ایک نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالی، کسی کے مال کے لئے اس پر ڈورے ڈالنا اور اشارے کنائے میں اپنی احتیاج ظاہر کرنا تو دور کی بات ہے مولانا نے کبھی کسی کا معمولی احسان لینا بھی گوارا نہیں ہے، ان کی پوری زندگی اس شعر کا مصداق تھی:

تمام عمر اس احتیاط میں گزری
یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

وہ ایک عرصہ تک اودیات کی دنیا کی ایک معروف شخصیت ڈاکٹر فاروق صاحب (مالک ہمالیہ کمپنی) کے یہاں تراویح میں قرآن سناتے تھے، جہاں اصحابِ ثروت کی ایک بڑی تعداد

ان کی اقتداء میں تراویح پڑھتی، ان سے مالی فائدہ تو دور کی بات ہے مولانا خود اپنے طور پر سواری کا نظم کر کے وہاں جاتے آتے تھے۔ ان کے مزاج کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ مجھے دہلی سے دیوبند جانا تھا، میں نے مولانا سے کہا صبح نظام الدین سے جو بس دیوبند جاتی ہے اسی سے جانے کا پروگرام ہے، مولانا نے کہا بہتر ہے۔ شام کو ایک صاحب کہنے لگے کہ مدراس سے کچھ لوگ آئے ہیں، صبح وہ لوگ اپنی گاڑی سے دیوبند جائیں گے، آپ بھی اسی سے چلے جائیں، میں نے مولانا سے اس بات کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ آپ اپنے پروگرام کے اعتبار سے جائیں، وہ خود سے کہتے تو سوچا جاسکتا تھا، بلاوجہ کسی کا احسان لینا یا اس پر بار بننا اچھی بات نہیں ہے، یہ ان کا مزاج تھا، پوری زندگی اسی پر عمل رہا۔

مولانا آزاد نے کہیں لکھا ہے ''جو بے غرض ہوتا ہے وہ بے پناہ ہوجاتا ہے'' مولانا اس کی ایک مثال تھے، کبھی کسی سے کوئی غرض نہیں رکھی، اس لئے پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ سے انھیں بے پناہ عقیدت تھی؛ لیکن ان سے بھی اپنی رائے کا کھل کر اظہار کرتے تھے، اگر ان کو اختلاف ہوتا تو ادب اور سلیقہ سے اس کو ظاہر کرتے، اس طرح وہ اپنی رائے کے اظہار میں کسی بڑے سے بڑے آدمی سے بھی نہیں دبتے تھے، اور جو بات ان کے دل میں رہتی تھی اس کا برملا اظہار کرتے تھے، اور اکثر ان کی رائے درست اور بہت نپی تلی رہتی تھی۔ ان کے انتہائی قریبی دوست مولانا عبد الحمید نعمانی لکھتے ہیں:

> ''ایک دن ایک صاحب آئے اور دورانِ گفتگو کہا کہ کفارِ ہند نے جینا حرام کر دیا ہے، ان کی تباہی کے لئے بد دعا کرنی چاہئے، قنوتِ نازلہ پڑھنی چاہئے، فلاں فلاں بزرگ نے ایسا ویسا لکھا ہے، وہ سوچ رہے تھے کہ مولانا معزالدین احمد جوش سے تائید کریں گے؛ لیکن اُنہوں نے سوال کر دیا کہ آپ نے بد دعا سے پہلے کفارِ ہند کے لئے ہدایت کی دعا کتنی بار کی ہے، یہ خلق خدا سے تعلق اور محبت کی بات نہیں ہے، اِس سے پہلے ہماری بد دعا کا کیا اثر ہوگا؟ آپ نے دوسری بات نہیں کہی جو اصل تھی یعنی اُن کے لئے دعا کرنا۔ حضرت مدنیؒ نے

مولانا یوسف سے فرمایا تھا کہ آپ لوگ رات کی تنہائی میں اُن کے لئے ہدایت اور خیر کی دعا بھی کریں، پھر ہمیں مخاطب ہوکر کہا کہ کیوں نعمانی صاحب (یہی ہم سے تخاطب کا انداز تھا) میں ابھی آپ کو حوالہ دیتا، کتاب کہیں پیچھے دب گئی ہے، ہم نے کہا کہ سوانح مولانا یوسف میں ایسا ہے، وہ رہی کتاب، فوراً کھڑے ہوکر کتاب نکالی اور پڑھ کر سنائی، مرحوم کو یہ تک یاد رہتا تھا کہ عبارت دائیں بائیں کس طرف ہے، متن یا حاشیے میں ہے، بے باک بھی بہت تھے، کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور نہ دبتے تھے، کہا کہ بددعا کی طرف بڑی جلدی ذہن چلا جاتا ہے، ہم سب کی سوچ منفی ہے، ردِعمل کا فوری شکار ہوجاتا ہے، پہلا اصل کام دعا اور دعوت کا تو کیا نہیں، اور بددعا کرنے کے لئے چل پڑے۔ کفار امتِ دعوت ہیں، سیرت کے جلسے میں بلایا؟ اُن کو قرآنِ کریم یا سیرت کی کوئی کتاب دی؟ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ''اسلام کیا ہے؟'' ہی دے دیتے، آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے سب کریں اور ہم کسی کے لئے کچھ نہ کریں، صرف بددعا کریں۔ آدی واسیوں اور دلتوں پر مظالم کے خلاف ہم نے کیا کیا ہے؟ چھتیس گڈھ گئے، ان کے جنگل، زمین پر قبضہ ہورہا ہے، نہ جانے کتنے دنوں میں وہ پیدل چل کر دلی پہنچے ہیں، ہم میں کتنے لوگ ہیں جو وہاں اُن کے دکھ اور تکلیف جاننے کے لئے گئے ہوں''۔

حسنِ ضیافت

ایک حدیث کا ٹکڑا ہے: ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ'' (یعنی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے) مولانا پورے طور پر اس پر عامل تھے، مہمانوں کا اکرام، ان کی ضیافت، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، مولانا کے رگ و پے میں داخل تھا، مہمان بھی اکا دکا نہیں، کم دن ایسے ہوتے تھے جس میں ان کے یہاں مہمان نہ ہوں۔ بقول ہمارے رفیق درس مولانا عبدالملک ''مہینہ میں چائے والے کا جو حساب ہوتا تھا وہ پانچ ہزار سے چھ ہزار تک پہنچ جاتا تھا'' اس سے مہمانوں کی کثرت کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مہمان بھی مختلف حیثیت کے ہوتے تھے، دیوبند، ندوہ، مدرسہ شاہی، گجرات، بھوپال اور ملک کے مختلف خطہ اور علاقہ کے لوگ ان کے یہاں آتے تھے، اس وقت دہلی کے مشہور کھانے اور پکوان دسترخوان کی زینت بنتے تھے، مجھے تو دہلی کے پائے، نہاری اور

مغز پسند تھے، میں جب پہنچتا تو مولانا اس کے کھلانے کا پورا اہتمام کرتے تھے، مجھے ان کے قریبی دوست مولانا عبدالحمید نعمانی سے ان کی علمی و قلمی کاوشوں کی وجہ سے ایک گونہ لگاؤ اور تعلق تھا، تو اس وقت وہ مولانا نعمانی کو فون کر کے بلاتے تھے، جمعیۃ سے نکلنے کے بعد مولانا نعمانی سے اکثر ملاقاتیں مولانا معزالدین صاحب کے دسترخوان پر ہی ہوئی ہیں، اس موقع پر مولانا عبدالملک کو بھی حاضری دسترخوان کا حکم ہوتا۔ میرا قیام مولانا کے بغل والے کمرے میں ہوتا تھا، مجھے صبح چائے کی ہلکی سی طلب رہتی ہے، اور دہلی کے چائے خانے وہاں زندگی کی طرح کئی گھنٹے لیٹ رہتے ہیں، اکثر مولانا صبح کو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلاتے۔ گذشتہ سال اگست میں مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب قاسمی (پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کولالمپور ملیشیا) کے ہمراہ دیوبند جانا تھا، ٹکٹ کیفیات اکسپریس سے تھا، دہلی اسٹیشن سے سیدھے دیوبند کا ارادہ تھا، مولانا کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بغیر ناشتہ کے آپ لوگ چلے جائیں، اسٹیشن سے جمعیۃ دفتر آئی ٹی او آیئے، اور ناشتہ کر کے جایئے، ہم لوگ دہلی پہنچے، مولانا محمد شکیب صاحب کی گاڑی اسٹیشن پر موجود تھی، وہاں سے مولانا کے پاس پہنچے، وہی پائے، نہاری اور مغز والا ناشتہ کیا گیا، اور وہاں سے دیوبند روانہ ہوئے۔ مولانا ابواللیث صاحب اب تک مولانا کی اس ضیافت کو یاد کرتے ہیں۔ یہ مولانا کے دسترخوان پر آخری حاضری تھی، اس کے بعد ستمبر میں مولانا احمد سعید دہلوی سیمینار کے موقع پر حاضری تو ہوئی، لیکن ایک تو پروگرام کی بھیڑ بھاڑ اور دوسرے قیام بھی کم ہوا۔ اس لئے اس کی نوبت نہ آسکی۔

تدین وتقویٰ

مولانا کی صفائی معاملات وحسن معاشرت کا ذکر گزر چکا ہے، یہ بات بغیر خوف خدا اور دل کے تقویٰ کے ممکن نہیں۔ مولانا کی زندگی کے جو گوشے میری نگاہ میں آئے سب میں مَیں نے ان کی دین داری اور تقویٰ کا مشاہدہ کیا۔ وہ ہمیشہ تنظیم کا پیسہ خرچ کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے اور اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ جماعت اور تنظیم کا مال کہیں بھی بے جا صرف نہ

ہو۔ امارتِ شرعیہ کے ناظم تھے، اس کے تمام امور کے وہ پورے طور پر ذمہ دار تھے، لیکن احتیاط کا یہ حال تھا کہ فقہی سیمینار میں شرکاء میں تقسیم ہونے والے سامان بچ جاتے تو اسے جوں کا توں واپس کر دیتے۔ ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ اپنے کسی جاننے والے یا غیر شریک کو اسے دیدیں۔ گذشتہ سال مارچ ۲۰۱۹ء میں فقہی سیمینار کے موقع پر ''تذکرہ سید الملت'' رسم اجرا کا پروگرام بھی تھا، مولانا کا فون آیا کہ اس میں شرکت ضروری ہے، دہلی آجاؤ، سیمینار کے آغاز سے پہلے ایک خصوصی نشست رسم اجرا کے لئے منعقد ہوئی، جس میں اس کتاب کے اجرا کی رسم عمل میں آئی۔ اس کے بعد سیمینار شروع ہوا۔ میں کبھی کسی فقہی سیمینار میں شریک نہیں ہوا تھا، اس لئے اس کی اکثر نشستوں میں شریک ہوا، تمام شرکاء سیمینار کو کتابوں کا ایک بنڈل اور ایک شاندار قسم کا ٹرالی بیگ ملا، جو مجھے اس وقت نہیں ملا تھا، میں بعض نشستوں میں موجود بھی نہیں تھا، سیمینار کے معاً بعد میں دیوبند کے اساتذہ کے ساتھ ان کی گاڑی سے دیوبند چلا گیا، ایک روز بعد میری دہلی واپسی ہوئی اسی دن شام کو اعظم گڈھ واپسی تھی، میرے ذہن سے بیگ کا خیال نکل گیا کہ مولانا سے پوچھوں کہ مجھے کیوں نہیں ملا، عین واپسی کے وقت ایک صاحب بیگ اور کتابوں کا بنڈل لے کر آئے اور ناموں کی ایک فہرست پیش کی کہ اس پر دستخط کر دیں، اس پر میرے نام کے آگے لکھا تھا کہ ''بحکم خصوصی ناظم عمومی'' چلتے چلتے مولانا سے پوچھا کہ اس کا ماجرا کیا ہے؟ اور یہ تین دن بعد کیوں دیا جا رہا ہے، کہنے لگے یہ صرف شرکاء سیمینار کے لئے تھا، اور آپ کو رسم اجرا کے لئے مدعو کیا گیا تھا، اس لئے ضابطہ کے اعتبار سے آپ اس کے مستحق نہ تھے، آپ کے دیوبند جانے کے بعد مولانا محمود صاحب نے آپ کے بارے میں پوچھا کہ ہیں یا چلے گئے، تو میں نے بتایا کہ دیوبند گئے ہیں، یہاں آکر واپس جائیں گے، تو اُنہوں نے کہا کہ جو کچھ شرکاء سیمینار کو دیا گیا ہے وہ ان کو بھی دیا جائے، یہ ان کے حکم کی تعمیل ہے۔ میں مولانا کی اس اصول پسندی اور کمالِ دیانت پر قدرے متعجب ہوا کہ اگر وہ چاہتے تو پہلے بھی بحیثیت ایک ذمہ دار دے سکتے تھے؛ لیکن تمام تر ربط وتعلق کے باوجود اُنہوں نے رابطہ پر ضابطہ کو ترجیح دی۔ میں دیکھتا تھا کہ پروگرام کے وقت

مہمانوں کے لئے جو کھانا بنتا تھا، اس میں شرکت سے اپنے بیٹے ابوبکر سلّمۂ کو روک دیتے تھے اور اس کے لئے باہر سے کھانے کے لئے کچھ منگوا دیتے تھے، اس حد تک احتیاط تھی ان کے اندر۔

بلاضرورت تصویر کشی ناجائز ہے، دارالافتاء کا فتویٰ یہی ہے، گو مسلمانوں کی عملی زندگی سے اس فتوے کا تعلق بس برائے نام سارہ گیا ہے، اپنے استاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے بعد مولانا کو دیکھا کہ وہ سختی کے ساتھ اس پر عمل پیرا تھے، فقہی سیمینار میں کبھی کسی کیمرہ مین کو آنے کی اجازت نہ دی، ان کا ایک وہاٹس ایپ گروپ ''محبانِ حبیب'' کے نام تھا، بلکہ اب بھی ہے۔ اس میں کسی بھی تصویر یا ویڈیو کی قطعاً اجازت نہ تھی، اگر غلطی سے کبھی کسی نے بھیج دی تو فوراً ڈیلیٹ کراتے، آج کے اس دور میں جب کہ لوگوں کو تصویر کشی کا ہوکا سا ہو گیا ہے، یہ عمل قدرے تعجب خیز محسوس ہوگا۔ اس طرح کی چیزوں میں ان کو کسی ملامت کی بالکل پرواہ نہ ہوتی تھی۔

حرمین شریفین سے لگاؤ اور حب نبوی

اخیر کی زندگی میں مولانا کا تقریباً معمول سا بن گیا تھا کہ رمضان المبارک عموماً حرمین شریفین میں گزارتے تھے اور وہاں ان کی تلاوت کی مقدار میں بہت اضافہ ہو جاتا تھا، اپنا بیشتر وقت حرم میں گزارتے تھے، اخیر عشرہ حرم نبویؐ میں گزارتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ان دل معمور رہتا تھا، جس کا اظہار کبھی نعتیہ اشعار کے گنگنانے یا ان کے فیس بک اسٹیٹس کو دیکھنے سے ہوتا تھا، جہاں نہایت اعلیٰ درجہ کے عربی، فارسی اور اردو کے نعتیہ اشعار ہوتے تھے، یہ وہی محبت تھی جو ان اشعار کے پردے میں کسی قدر ظاہر ہو جاتی تھی، ہر شب جمعہ یا جمعہ کو واٹس اپ اور فیس بک پر بطور تذکیر کے ضرور کوئی نہ کوئی درود لکھتے تھے، اور یہ کہ آج کے دن درود شریف کی کثرت کریں۔

مولانا کا اخیر دور حیات

گذشتہ دو تین سالوں سے میں دیکھ رہا تھا کہ وہ ہر چیز سے بیزار بیزار سے لگ رہے ہیں، یہ بات ان کے آخری حج سے لوٹنے کے بعد روز افزوں ہوتی گئی، لیکن میرے تئیں ان کی توجہ اور شفقت بڑھتی ہی گئی، ہفتہ میں ایک دو بار ان کا فون آ ہی جاتا تھا، یا کبھی تاخیر ہوتی تو میں خود

فون کر لیتا تھا، کتابوں سے متعلق، کچھ علمی امور پر تبادلہ خیال ہو جاتا تھا۔ ستمبر ۲۰۱۹ء میں مولانا احمد سعید دہلوی و مولانا عبد الباری فرنگی محلی سیمینار میں ان سے آخری ملاقات ہوئی۔ مارچ ۲۰۲۰ء کے شروع میں مولانا کا فون آیا کہ دو ہفتے کے بعد فقہی سیمینار ہے، اس میں سیمینار کے مجموعہ مقالات ''تذکرہ مولانا احمد سعید دہلوی و مولانا عبد الباری فرنگی محلی'' کا رسم اجرا ہونا ہے، دہلی آجاؤ۔ ٹکٹ بنوالیا، جانے سے ایک روز پہلے فون آیا کہ کورونا کی وجہ سے سیمینار کی اجازت منسوخ ہوگئی ہے، اس لئے ٹکٹ کینسل کرادو، اس طرح ملاقات کا یہ موقع جاتا رہا۔ اخیر زمانہ میں وہ چاہتے تھے کہ حضرت شیخ الہند پر ایک بہترین مجموعہ مقالات تیار ہو جائے، مجھے اُنہوں نے مکلّف کیا کہ حضرت شیخ الہند پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اسے اکٹھا کرو، اور اس میں سے انتخاب کر کے اسے مرتب کرو، کچھ کام شروع بھی ہو گیا تھا، لیکن اسی دوران ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری کی مرتب کردہ ایک کتاب حضرت شیخ الہند پر ملی جو پاکستان سے شائع ہوئی ہے، ٹھیک انہی خصوصیات کی حامل جو مولانا چاہ رہے تھے اور حیرت کی بات یہ تھی باوجود کتابوں کے بارے میں وسیع الاطلاع ہونے کے ان کو اس کتاب کی خبر نہ تھی، کہا کہ اس کی فہرست وغیرہ کی پی ڈی ایف بنا کر بھیجو، اسے بھیج دیا، کہنے لگے کہ وقت نکال کر پوری کتاب کی پی ڈی ایف بنادو، میں نے کہا کہ ساڑھے چھ سو صفحات کی پی ڈی ایف میں وقت لگے گا، میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ پی ڈی ایف بناؤں اسی دوران مولانا کا وصال ہو گیا اور یہ کام رہ گیا۔ اسی طرح ایک اور کام پر مولانا خود محنت کر رہے تھے، وہ تھا جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام کے خطبۂ صدارت اور خطبہ استقبالیہ کو جمع کرنا، اس سلسلہ میں اُنہوں تقریباً تمام چیزیں اکٹھا کر لی تھیں۔ ان کو ۱۹۲۱ء میں لاہور میں ہوئے دوسرے اجلاس کا خطبہ استقبالیہ جو مولانا عبد القادر قصوری نے دیا تھا، نہ مل سکا، اسی طرح ۱۹۴۰ء کے جونپور کے اجلاس کا خطبہ استقبالیہ جو خواجہ عبد المجید بیرسٹر کے قلم سے تھا، نہ مل سکا۔ مولانا برابر ان دونوں کے حصول کے لئے کوشاں رہے، خدا کرے ارباب جمعیۃ کسی کو متعین کر کے مولانا کے اس پروگرام کی تکمیل کرادیں۔

رمضان میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے کہیں آنا جانا ممکن نہ تھا، اس لئے مدرسہ کے لئے مالیات کی فراہمی ایک مشکل امر بن گئی، مولانا مدرسہ کے احوال بھی دریافت فرماتے، موجودہ صورتحال کے پیش نظر رمضان میں اچھی خاصی رقم اپنے متعلقین سے مدرسہ کے لئے دلوائی۔ اس دوران کئی بار مجھ سے بھی پوچھا کہ تمہیں کسی قسم کی کوئی مالی دشواری تو نہیں ہے، میں نے کہا کہ نہیں، کہنے لگے اگر ایسی کوئی صورت پیش آئے تو فوراً ایک میسیج کر دینا، اس حد تک ان کو خیال رہتا تھا، یہ باتیں یاد آتی ہیں تو آنکھیں نم ہوجاتی ہیں کہ ایسی خبر گیری اب کون کرے گا۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور یوماً فیوماً ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ ادھر بقر عید کے آس پاس کئی بار گفتگو کے دوران فرمایا کہ اب میری زندگی کا وقت پورا ہورہا ہے، میں زیادہ دن زندہ نہیں رہوں گا، اس طرح کی گفتگو اُنہوں نے کئی بار کی تو میں نے کہا کہ آپ کو یہ وہم کیوں ہوگیا ہے، تو اس کا کوئی جواب نہ دیتے، یہی کہتے کہ بس ایسا محسوس ہورہا ہے، اپنے بیٹے ابوبکر سلّمہٗ کی تعلیم طرف سے حسب منشا دلچسپی نہ لینے کی وجہ سے بہت فکرمندی کا اظہار کرتے تھے اور اس کے لئے ہر گفتگو میں دعا کے لئے کہتے، باری تعالیٰ فرزند موصوف کو بہترین حافظ اور عالم باعمل بنائیں۔ مولانا سے آخری گفتگو ہاسپٹل میں داخل ہونے سے ایک روز پہلے ستمبر کی پہلی تاریخ کو ہوئی، کہنے لگے کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کمزوری بہت ہے، میرے لئے دعا کرنا، اس روز بہت مختصر گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد تین یا چار ستمبر کو میکس ہاسپٹل میں ایڈمیٹ ہونے کی اطلاع ملی، ہر روز صحت کے تعلق سے مایوس کن اطلاعات ملتی رہیں، انتقال سے ایک روز پہلے قدرے بہتری کی اطلاع ملی، اسی روز خواب دیکھا کہ دہلی گیا ہوں، مولانا کے بغل والے کمرے میں جس میں ٹھہرتا تھا، موجود ہوں، مولانا تشریف لائے، بالکل ٹھیک ٹھاک اور صحت مند تھے، خیریت اور احوال دریافت کئے، میں نے کہا کہ آپ تو ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہیں، کب ہاسپٹل سے آئے ہیں؟ کہنے لگے میں ابھی وہی ہوں، آپ کی آمد کی خبر سن کر عارضی طور پر آ گیا ہوں، ابھی واپس چلا جاؤں گا، اس کے بعد آنکھ کھل گئی، اس کی جو تعبیر ذہن میں آئی اس سے دل بیٹھ

گیا، آخر ۱۳ ر ستمبر کو مفتی عفان صاحب نے خبر دی کہ مولانا اس دنیا میں نہیں رہے۔ دل پر جو گزرنی تھی گزر گئی، اللہ کا جو فیصلہ تھا وہ ہو کر رہا، مولانا مرحوم کی مغفرت و بلندیٔ درجات کے لئے دعائیں کیں اور اب تک کئے جا رہا ہوں، اب ان کے ساتھ خیر خواہی کی یہی ایک چیز ہماری دسترس میں ہے وہ ان شاء اللہ تادم اخیر کرتے رہیں گے۔

اختتامیہ

آج ۱۶ ر اکتوبر کو مولانا کے انتقال کے ایک ماہ بعد دہلی پہنچا، مولانا کے کمرے پر حاضر ہوا، سب کچھ موجود بس وہی نہیں ملے جن کے لئے حاضری ہوتی تھی، ان کی کتابوں کی فہرست سازی ہو رہی تھی، سب کچھ بکھرا بکھرا سا تھا، وہی صورت تھی جو کارواں کے گزرنے کے بعد خیموں کی ہوتی ہے، عجب اداسی کی کیفیت:

ان کے جاتے ہی یہ کیا ہوگئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

چاروں طرف ان کو ڈھونڈ کر نگاہیں واپس آ گئیں، اب وہ اس مکان کے مکین ہو گئے جہاں سے واپسی نہیں ہوتی، مولانا عبد الملک صاحب کی رہنمائی میں ان کی آخری آرام گاہ پر بھی پہنچا جسے عالم آخرت کی پہلی منزل کہا جاتا ہے، دیر تک قرآنی آیات وادعیہ ماثورہ پڑھتا رہا، تصورات کی دنیا نے نہ جانے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، ایسا لگا کہ مولانا کہہ رہے ہوں کہ مولوی ضیاء الحق! بہت دنوں کے بعد آئے، اتنی تاخیر نہ کیا کرو۔ اسی طرح خیالات میں غرق مولانا کی یادوں کو دل میں لئے ہوئے یہاں سے واپسی ہوئی۔ اقبال کا یہ شعر جو اُنہوں نے اپنی ماں کے انتقال پر کہا تھا ورد زباں تھا:

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❍❖❍

حضرت مولانا معز الدین صاحبؒ

ملت اِسلامیہ ہند کا ایک قیمتی اَثاثہ

مولانا محمد شاہد اختر کھرسواں، ضلع سرائے کیلا، جھارکھنڈ

چہرہ کھلی کتاب ہے عنوان جو بھی دو
جس رُخ سے بھی پڑھوگے، انھیں جان جاؤ گے

کورونا وبا کی وجہ سے پوری دُنیا شکنجہ میں ہے اور بے شمار علماء، محدثین، مصنّفین، مفسرین اور دانشورانِ قوم وملت اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے، ان ہی لوگوں میں ایک فعال و متحرک اور جمعیۃ علماء ہند اور ملک و قوم کی مفید ترین شخصیت حضرت مولانا معز الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی جوارِ رحمت میں جگہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مختصر سی زندگی میں کافی کام کر گئے، آپ ایک محقق و مدقق عالمِ دین تھے، مطالعہ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، کتب بینی آپ کا شیوہ تھا، علمی میدان میں کسی کی بھی رہنمائی کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا، جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ اور اس کی تمام کارروائیوں پر آپ کی نگاہ ہوتی تھی، جمعیۃ علماء ہند کی ایک ایک چیز کو انتہائی باریکی سے دیکھتے تھے، تاریخ جمعیۃ علماء، تذکرۂ اکابر جمعیۃ علماء اور حالاتِ اکابر دار العلوم دیوبند سے متعلق آپ کی گفتگو سند مانی جاتی تھی، جو بات بھی کہتے ڈنکے کی چوٹ پر کہتے تھے، حق بات کہنے کے عادی تھے، اس معاملے میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، جمعیۃ علماء ہند کے تمام اجلاس میں شریک رہتے اور ہر بات کا باریک بینی سے جائزہ

لیتے، اصول کے پابند تھے، اس معاملے میں کوئی رورعایت نہیں، اکابر جمعیۃ کو آپ پر مکمل اعتماد و بھروسہ تھا؛ گویا کہ آپ ایک بیدار مغز عالمِ دین اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہر مسئلہ و معاملہ میں اکابر جمعیۃ کی آپ سے گفت وشنید ہوتی اور آپ کی رائے کا بڑا دخل ہوتا تھا، صد سالہ تقریبات کی مناسبت سے اکابر جمعیۃ کے بنیادی و مرکزی اشخاص کی خدمات کو سامنے لانا دراصل آپ ہی کی نیک تمنا اور سعی کا نتیجہ ہے، آپ کی توجہات اور فکر کا نتیجہ ہے کہ بعض علماء کے اَحوال اور خدمات مرتب ہو چکے اور بعض باقی ہیں جو آئندہ اِن شاءاللہ مرتب ہوں گے یا زندگی بھر لوگ آپ کو دعائیں دیں گے۔ اللہ حضرت والا کی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

آپ کتابوں کے صرف شوقین ہی نہیں تھے؛ بلکہ مطالعہ کے عادی تھے، حضرت مولانا کا کمرہ ایک کمرہ نہیں؛ بلکہ ایک قیمتی، نایاب و نادر لائبریری تھا، بے شمار عمدہ اور قیمتی کتابوں کا مرکز تھا، ہر فنون کی کتابیں موجود تھیں، باذوق علمی و تحقیقی کام کرنے والے افراد کے لئے آپ کی شخصیت، رہنمائی کے لئے کافی تھی، آپ کی آرام گاہ، کتابوں کی وجہ سے چھوٹی پڑ گئی تھی، علمی کاموں میں کسی کی رہنمائی کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، مکمل مالہٗ و ماعلیہا و مافیہا کے ساتھ رہنمائی فرماتے، مشورہ دیتے اور علمی کاموں پر حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ بعض دفعہ ناچیز نے حضرت مولانا سے کتابوں کے واسطے اور کسی تحقیقی کام کی غرض سے رابطہ کیا، علیک سلیک کے بعد اسی طرح فرماتے تھے کہ ''فرمایئے کیا حکم ہے؟'' جس چیز کی ضرورت ہوتی، فوراً کہتے: ''میرے پاس ہے، کسی وقت تمہارا کام کر دوں گا'' اور مکمل رہنمائی فرماتے اور کبھی ایسی کتاب کا تذکرہ کر دیتا جو حضرت مولانا کے پاس نہ ہوتی تو فوراً کہتے کہ ''بھیجو'' اور اس کے لئے بیتاب ہو جاتے۔

ان کی حیات میں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم خشک مزاج ہیں (واللہ اعلم) میں تو حضرت کے قریب نہ رہا، لیکن اتنا معلوم ہے کہ علمی کاموں کے لئے اگر کسی نے آپ سے تعاون کی درخواست کی تو پھر آپ تعاون کے لئے پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ

علماء ہند کے کسی خاص گوشہ کے حوالہ سے احقر نے حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر سے رابطہ کیا تو اُنھوں نے ماہنامہ ''مشرب'' دیوبند کے ''مجاہد ملت نمبر'' کی طرف رہنمائی فرمائی، میں تلاش کرتا رہا، نہیں ملی، بالآخر حضرت مولانا معز الدین احمد صاحبؒ سے رابطہ کیا تو حضرت نے فرمایا: ''جی میرے پاس ہے اور وہ گھر پر ہے، میں ہفتہ دس روز میں گھر کو جاؤں گا تو لیتا آؤں گا۔'' حضرت جب گھر تشریف لے گئے تو لیتے آئے اور حضرت مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ اُستاذِ حدیث وصدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے ہاتھوں امروہہ بھیج دی تھی، ناچیز نے خوب استفادہ کیا تھا۔ اللہ حضرتؒ کو جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

کتاب بھیجنے کے بعد فون پر کہا کہ ''حفاظت سے رکھنا! میں نے زمانۂ طالب علمی میں اس طرح کے بہت سارے شمارے خریدے تھے اور جلد بنوائی تھی۔'' یہ حضرت مولانا کا مزاج تھا کہ چھوٹوں کے ساتھ بھی علمی کاموں میں خیر خواہی کا معاملہ فرماتے تھے۔ مختلف اور پرانے اخبارات ورسائل کا آپ کے پاس ذخیرہ تھا، جو ہر وقت کسی کے بھی کام آتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ کئی اہم کاموں اور معاملوں میں حضرتؒ نے احقر کو مفید مشوروں سے نوازا اور رہنمائی فرمائی، جو ان شاء اللہ کام آئے گی۔

آپ گفتگو کے دوران پوری بات سماعت فرماتے پھر اپنی رائے سے نوازتے تھے، علمی وتحقیقی کاموں میں تو حضرت آدھا پون گھنٹہ فون پر گفتگو فرما لیتے تے اور پھر اسی دوران کتنی گرہیں کھلتیں اور اُن کا حل بھی سامنے آجاتا، یہ ناچیز کا تجربہ ہے۔ بارہا واسطہ پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم ایک مزاج شناس تھے، کام لینے کا سلیقہ، عمیق گمراہی، وسعتِ نظر، غور وفکر، دور اندیشی اور زمانہ شناسی جیسی صفات سے متصف تھے، نیز احوال وکوائف سے باخبر وآشنا، جمعیۃ علماء ہند پر گہری نگاہ رکھنے والے، حالات کے مطابق کام کرنے والے، نام ونمود سے غافل، سیدھی سادی زندگی گذارنے کے عادی، نیک صالح مشیر، بے جا گفتگو سے اجتناب رکھنے والے، ملک وملت کے ایک بیدار مغز سپاہی اور لیڈر، معاملات کے صاف اور امت مسلمہ

ہندیہ کا قیمتی ونمایاں اثاثہ تھے۔

’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ سے وابستگی

۱۴۰۲ھ میں حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دارالعلوم دیوبند کی محبوب انجمن ’’بزم شیخ الاسلام مدنی دارالمطالعہ‘‘ سے جڑ گئے۔ ’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ کی خاطر آپ ہمہ وقت تیار رہتے تھے، جس کے لئے آپ نے بے لوث اور تاریخی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ زمانۂ طالب علمی ہی سے انتہائی نیک طبیعت، خیر خواہ، فعال اور متحرک تھے، چنانچہ ہفتہ واری پروگرام میں فائل تیار کرنا، طلبہ کی فہرست بنانا، حلقے لگوانا اور طلبہ کی نگرانی کرنا، ماہنامہ ’’آزاد‘‘ کی تیاری میں خصوصی دلچسپی لینا، عصر کے بعد لائبریری کھولنا، طلبہ کو کتابیں نکال کر دینا، اندراج کرنا، ہفتہ کے شروع میں کتاب واپس لینا، صحیح رہنمائی کرنا اور مواد فراہم کرنا، یہ سارے فرائض آپ انجام دیا کرتے تھے۔ ’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ ایک تاریخی دارالمطالعہ ہے، جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں؛ چنانچہ حضرت مولانا کے زمانہ میں کتابیں غیر مرتب تھیں اور خراب ہو رہی تھیں، حضرت مولانا نے باقاعدہ نیا رجسٹر بنوایا، بعدہٗ کتابوں کو فن وار لگا کر رجسٹر میں باقاعدہ اندراج کیا اور بہت ساری کتابوں کی جلد سازی اور مرمت بھی کرائی۔ اس وقت ’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ میں جو ترتیب ہے، وہ حضرت مولانا مرحوم کی مرہونِ منت ہے؛ لیکن اس وقت ازسرنو ترتیب کی ضرورت ہے۔

بحیثیت معین المدرس آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر

شعبان ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں آپ اُم المدارس دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ اربابِ دارالعلوم دیوبند نے آپ کی عمدہ قابلیت ولیاقت اور بہترین صلاحیت کی بنیاد پر ۱۴۰۶ھ ماہِ شوال میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت معین المدرس مقرر کیا۔ عموماً دارالعلوم دیوبند میں معین مدرسی کا دورانیہ دو سال کا ہوتا تھا؛ لیکن حضرت مولانا ایک ہی سال معین مدرس

رہے اور بحمدہٖ تعالیٰ اس طرح آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت کا موقع بھی ملا۔

حضرت فدائے ملتؒ کی دُور اندیشی

جس سال مولانا دارالعلوم دیوبند میں معین مدرسی کا فریضہ انجام دے رہے تھے، اسی سال کے اخیر میں اُم المدارس دارالعلوم دیوبند میں ''عالمی اجلاسِ تحفظِ ختم نبوت'' منعقد ہوا، جس کے کنوینر حضرت الاستاذ مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ، معاون مہتمم واُستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند تھے، اجلاس کی تیاریوں میں حضرت مولانا نے حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ بطورِ معاون کام کیا، جس سے اَساتذہ واکابر کے سامنے آپ کی عمدہ صلاحیت وقابلیت کا جوہر کھل کر سامنے آیا؛ چنانچہ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہٗ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند نے آپ کا تقرر دفترِ امارتِ شرعیہ ہند میں کیا، اس وقت سے زندگی کے آخری حصہ تک آپ نے جمعیۃ علماء ہند میں خدمات انجام دیں۔ دفترِ امارتِ شرعیہ ہند کے آپ تنہا ذمہ دار تھے۔ سارا کام خود ہی کرتے تھے، وہ ایک بہترین منتظم بھی تھے؛ چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں بے انتہا کوششیں کیں، ملک کے بعض بڑے شہروں میں تربیتی کیمپ لگوا کر ملک کے علماء وفضلاء کو اس کی ہدایت اور طریقۂ کار سے واقف کرانے میں آپ نے جاں گسل محنت کی، پورے ملک میں امارتِ شرعیہ کا پھیلا ہوا جال، امارتِ شرعیہ ہند کے نظام کا پابند ہے اور ہمارے یہاں صوبہ جھارکھنڈ کی راجدھانی رانچی میں بھی اس کا نظام قائم ہے، **فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک۔**

تمام محاکمِ شرعیہ پر آپ کی گہری نگاہ تھی، رپورٹس منگوا کر دیکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، انتہائی محنتی وجفاکش انسان تھے، سارا کام خود ہی کرتے تھے۔ امارتِ شرعیہ ہند کے نظام کے تحت ایک شعبہ ''رویتِ ہلال کمیٹی'' ہے جس کی ذمہ داری بھی اربابِ جمعیۃ نے آپ کے سپرد کی تھی۔ اس معاملے میں آپ کو مکمل عبور تھا، چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے، میٹنگ کا اہتمام کرتے، چاند دیکھنے کی اپیل کرتے، ملک بھر کی رویتِ ہلال کمیٹیوں سے رابطہ کرتے اور مکمل اطمینان وشرح

صدر ہونے پر ہی رویت وعدم رویت کا فیصلہ سناتے۔ آپ گھر پر بھی ہوتے تو ۲۹ ر تاریخ سے پہلے جمعیۃ دفتر تشریف لے آتے اور مکمل اہتمام فرماتے تھے۔ اتنی مہارت تھی کہ بعض دفعہ تو حالات اور موسم دیکھ کر ہی رویت اور عدم رویت کا اندازہ لگا لیتے تھے۔

مدرسہ حسین بخش دہلی سے وابستگی

حضرت مولانا تو حضرت فدائے ملتؒ کے حکم پر دہلی تشریف لے آئے، لیکن وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی حد تک درس وتدریس سے جڑے رہیں، چنانچہ دہلی کے ابتدائی زمانۂ قیام میں آپ تقریباً تین سال یعنی ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۳ء تک بغیر کسی تنخواہ کے تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اس دوران ''تفسیر جلالین''، ''اُصول الشاشی''، ''الفوز الکبیر'' اور ''نور الانوار'' جیسی اہم کتابوں کے دروس آپ سے متعلق رہے؛ لیکن دفتری مصروفیات کی وجہ سے یہ سلسلہ آپ کو منقطع کرنا پڑا اور اس کے بعد سے آخر تک جمعیۃ علماء ہند کے امور میں مصروف رہے۔

حضرت مولانا اور اِدارۃ المباحث الفقہیہ

مجاہدِ ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ کی وفات کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے مورخِ ملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ کی نگرانی میں حالات کے پیش نظر جدید فقہی مسائل کے حل اور تحقیق کے لئے باضابطہ ایک شعبہ ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا محمد میاںؒ کی زندگی میں بعض اہم مسائل پر غور وخوص کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا محمد میاںؒ کی زندگی میں بعض اہم مسائل پر غور وخوض بھی ہوا اور رسائل مرتب ہوئے، لیکن حضرت سید الملت مولانا محمد میاںؒ کی وفات کے بعد اس کی اشاعت ماند پڑ گئی تھی؛ چنانچہ اس شعبہ کی نشأۃِ ثانیہ ۱۹۹۰ء میں ہوئی۔ اور حضرت مولانا معز الدین صاحبؒ کو ہی اس کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، اس میدان میں بھی آپ نے اپنے جوہر دِکھائے اور فقہ پر تو آپ کو مکمل عبور تھا، تقریباً پندرہ فقہی اجتماعات ادارۃ المباحث الفقہیہ کے زیر اہتمام

ہوئے، ملک کے مختلف جگہوں سے نمایاں مفتیانِ کرام، اربابِ فقہ وفتاویٰ شریک ہوتے۔ ناچیز نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں فقہی اجتماع کو قریب سے دیکھا ہے۔ بعض اجتماعات کے خاکے اور رپورٹس دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کتنی محنت کرنی پڑتی ہے اور اس طرح کے فرائض حضرت مولانا ہی انجام دیتے تھے۔ جدید پیش آمدہ مسائل پر سوال نامہ مرتب کرکے مفتیانِ کرام کی خدمت میں ارسال کرنا اور وقت پر جوابات حاصل کرکے اس کی تلخیص کا اہتمام اور تلخیص میں بھی مآخذ ومراجع کا اہتمام، پھر ذمہ داران سے تاریخ طے کرکے مفتیانِ کرام کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجنے کا اہتمام، یہ سب کچھ خود ہی کرتے، عام طور پر فقہی اجتماع کی کارروائی دو یا تین روز تک چلتی اور مسائل پر بحث وتمحیص کے بعد مختلف آراء سامنے آنے کے بعد ملک کے بعض مشہور ومعروف علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی، جس میں حضرت مولانا خود شریک رہتے اور باہمی مشورہ سے اس کی رپورٹ تیار کی جاتی اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے دیوبند اور اس کے اطراف کا بھی سفر کرتے اور اساتذہ واکابر سے ملاقات کرکے تبادلۂ خیال فرماتے، جو کہ ایک انتہائی محنت طلب کام ہے، اسی طرح مہمانوں کی آمد کی اطلاع، خبرگیری، مہمانوں کی میزبانی وضیافت، رہائش کا معقول انتظام، یہ سارے کام آپ کی نگرانی میں ہوا کرتے تھے اور آپ ایک مثالی منتظم کی حیثیت سے فعال ومتحرک نظر آتے تھے۔

خانوادۂ مدنی سے آپ کا تعلق

حضرت مولانا کے پورے خاندان کو خانوادۂ مدنی سے عقیدت اور محبت ہے، آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا عبدالحمید صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ کو بھی خانوادۂ مدنی سے گہرا تعلق ہے، زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت مولانا کو حضرت قاری عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ سے گہری محبت وعقیدت تھی، اور آپ حضرت قاری صاحب کے گھر کے ایک فرد کی طرح تھے۔ حضرت مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری امت برکاتہم العالیہ سے دوستانہ

تعلق تھا، طویل زمانہ تک ایک دوسرے کے قریب رہے، حضرت الاستاذ مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی سے انتہائی شفقت ومحبت رکھتے تھے؛ جیسا کہ حضرت مفتی صاحب کے مضمون سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب آپ کو ایک بڑے بھائی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی سے مکمل طور پر واقف تھے، حضرت مدنی کے سلسلے میں کچھ معلوم کرتے ہی فوراً جواب دیتے اور مآخذ ومراجع کی طرف رہنمائی فرماتے اور صفحات تک بھی زبانی یاد تھے۔ بسا اَوقات فرماتے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ نمبر پر یہ جملہ نقل کیا گیا ہے، ذہانت کی داد دینی ہوگی، قوتِ حافظہ مضبوط تھا۔ حضرت مولانا کی وفات سے قبل احقر نے ایک علمی کام شروع کیا۔ وہ یہ کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وہ تلامذہ، جن کی فن حدیث پر خدمات ہیں، خواہ وہ کسی بھی اعتبار سے ہو، اُن کے حالات جمع کرنا، تو حضرت اقدس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری اُستاذِ حدیث ومفتی قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے تصدیق وتائید کی غرض سے گفتگو کی، تو حضرت نے فوراً دعاؤں سے نوازا اور حضرت مولانا معزالدین صاحبؒ سے گفتگو اور مشورہ کرنے کا حکم فرمایا اور کہنے لگے کہ اس سلسلے میں بہت مفید ثابت ہوں گے، بعدہٗ میں نے حضرت مولانا سے حضرت مدنی کے چند تلامذہ سے متعلق مواد کی فراہمی کے لئے درخواست کی تو حضرت نے فوراً جواب دیا اور فون بھی کیا، پھر فرمانے لگے: ''کچھ شروع کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' پھر تو اس سلسلے میں مستقل رہنمائی کرتے رہے، بہت خوش تھے اور دن میں دو تین دفعہ معلوم کرتے کہ کام ہو رہا ہے؟ ناچیز سے یہ بھی کہا کہ ''جمعیۃ دفتر اور لائبریری میں کچھ دن رہ کر کام کرو، بہت مدد ملے گی، میری لائبریری سے بھی استفادہ کرنا۔'' اور اس سلسلے میں حضرت سے برابر مشورہ لیتا تھا، بہت ہی زیادہ مفید ومعاون ثابت ہوئے اور مجھے مدد ملی، برابر رہنمائی فرماتے تھے کہ ''ایسا کرلو، اس انداز سے کرلو تو بہتر رہے گا۔'' حضرت مدنیؒ کے خلفاء اور تلامذہ سے متعلق بہت معلومات

تھیں؛ چنانچہ حضرت مدنیؒ کے کسی تلمیذ کے بارے میں یہ کہتا کہ ان کی حدیث کی خدمات میں تو فوراً ہاں یا نہیں میں جواب دیتے تھے۔ اکابر کے حالات ان کو از بر تھے۔

وفات، تدفین اور پسماندگان

حضرت مولانا مرحوم کافی دنوں سے شوگر کے عارضہ میں مبتلا تھے، لاک ڈاؤن میں خواہ رمضان ہو یا رمضان کے بعد بھی مستقل گفتگو ہوتی رہی۔ وفات سے دس روز قبل گفتگو ہوئی تھی، آپ نے پرسکون انداز میں گفتگو کیا، لیکن پھر دو چار روز کے بعد کسی ضرورت سے رابطہ کرنا چاہا تو رابطہ نہ ہوسکا۔ مجھے آپ کی بیماری کا خدشہ لاحق ہوا تو ناچیز نے حضرت الاستاذ مفتی ریاست علی رامپوری دامت برکاتہم العالیہ اُستاذِ حدیث ومفتی مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کی طبیعت خراب ہے؛ چنانچہ وفات سے ایک ہفتہ قبل شوگر میں خطرناک قسم کا اضافہ ہوا، جس کی وجہ سے آپ کو پرائیویٹ میکس ہسپتال دہلی میں داخل کیا گیا اور دس روز کی علالت کے بعد آپ ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳؍اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار تقریباً گیارہ بجے صبح اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۲۵؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۴؍اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز پیر صبح آٹھ بجے ہسپتال سے آپ کو لایا گیا۔ غسل اور تجہیز وتکفین کے بعد امیر الہند حضرت الاستاذ مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ صدر جمعیۃ علماء ہند واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی اقتدا میں مسجد عبد النبی دفتر جمعیۃ علماء ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی کے اِحاطہ میں نمازِ جنازہ اَدا کی گئی اور تدفین مسجد عبد النبی سے متصل دہلی گیٹ قبرستان میں ہوئی اور اسی قبرستان میں مؤرخِ ملت وسید ملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند بھی مدفون ہیں۔ آپ کی بیماری کے دوران احقر حضرت مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری، حضرت مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری، حضرت مفتی ریاست علی صاحب رام پوری اور حضرت مفتی اشرف عباس صاحب مدظلہم سے برابر رابطہ میں رہا، اُمید کی کرن جاگی تو تھی، لیکن خدا کو یہی منظور تھا۔

پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، والدین، ایک بہن، ایک فرزند اور برادرانِ موجود ہیں۔ یقیناً حضرت مولانا کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا اور جمعیۃ علماء ہند کا بہت بڑا نقصان ہوا۔ اللہ تعالیٰ جمعیۃ علماء ہند کو حضرت مولانا مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے۔ اللہ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین۔

حضرت تو خلدِ بریں کی نیند سو گئے یہ کہتے کہتے:

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

اور حضرت کے جیسی شخصیت کہاں ملے گی:

مت سہل جانو! پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

خانوادۂ مولانا معز الدینؒ: ایک تعارف

مولانا محمد قاسم سعیدی دتلوپور

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

یقیناً آج ہجوم ہے قدردانوں کا، ہجوم ہے محبین و متوسلین کا، ہجوم ہے اعزا و اقربا کا، ہر ایک لکھنا چاہتا ہے، ہر کوئی پڑھنا چاہتا ہے حضرت مولانا کی حیاتِ مبارکہ کو، آپ کی علمی، عملی، تعلیمی، تدریسی، فقہی اور جماعتی خدمات کو، ہر کوئی جاننا چاہتا ہے آپ کے علمی خانوادے کو۔

ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے

مشرقی اتر پردیش کے مشہور اضلاع میں سے ایک ضلع گونڈہ بھی ہے، اسی ضلع سے تقسیم ہوکر بننے والا ضلع بلرام پور ہے، جس میں ایک ایسا گاؤں ہے جو علم و فضل، زہد و تقویٰ، دین داری و دیانت داری کے لحاظ سے دور دور تک مشہور و معروف ہے، اس گاؤں کا نام ہے دتلوپور، یہ علاقہ دارالحکومت لکھنؤ سے تقریباً ۱۸۵ر کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، یہی گاؤں حضرت مولانا مرحوم کا آبائی وطن ہے ٣ر مارچ ١٩٦٣ء کو آپ کی یہیں ولادت ہوئی اور یہیں پر بچپن بھی گزرا۔

دتلوپور کی مٹی کو اللہ رب العالمین نے اس قدر زرخیز بنایا ہے کہ یہاں سے بڑے بڑے خدامِ دین وملت کا جنم ہوا، یہاں کے لوگ علم دین کے اس قدر شیدائی اور حریص ہیں کہ تقریباً ہر

گھر میں کوئی نہ کوئی حافظ قرآن ضرور ملے گا، زہد وتقویٰ کے لحاظ سے یہ علاقہ سرفہرست ہے، بچوں سے لے کر بڑے تک زیادہ تر اِسلامی پہناوے میں ہی نظر آتے ہیں، پڑوسی ضلع سدھارتھ نگر میں یہاں تک بات مشہور ہے کہ دتلو پور میں اگر کوئی خاتون نمازِ فجر قضا کردے تو اہلِ خانہ اس کے ہاتھ کا کھانا بھی نہیں کھاتے، علاقے کی یہ تمام خصوصیات دراصل گاؤں کی دینی تربیت گاہ مدرسہ فیضان العلوم کے فیضان سے ہیں۔

مدرسہ فیضان العلوم

۱۹۵۹ء میں قائم ہونے والا یہ مدرسہ فیضان العلوم روزِ اول ہی سے اپنے مخلص خداموں کے واسطے شرک وبدعت کی آندھیوں میں علوم ومعارف کا چراغ روشن کئے ہوئے ہے، قوم کے نونہالوں کو علوم ومعرفت کے ساتھ ساتھ اَعمالِ صالحہ واَخلاقِ عالیہ کی تربیتِ بے مثال دینے میں تاحال مصروفِ عمل ہے، اب تک اِس دینی اِدارے کی چہار دیواری میں ہزار ہا ہزار افراد کے دلوں میں ایمان ویقین اور قرآن وسنت کے چراغ روشن ہوچکے ہیں، ادارے کے بے شمار فضلا ملک اور بیرون ملک میں خدماتِ شریعت محمدیہ میں مصروف ہیں۔ (فالحمد للہ علی ذلک)

مولانا مرحوم کے دادا

مولانا معزالدین صاحب رحمہ اللہ کے دادا مرحوم ضیا اللہ صاحب انتہائی متواضع، منکسر المزاج اور بے حد خلیق انسان تھے، آپ عالم تو نہ تھے، مگر زہد وتقویٰ آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، علم اور اہلِ علم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنے تین بیٹوں کو علم دین کے لئے وقف کردیا۔

مولانا مرحوم کے والد محترم

مولانا معزالدین گونڈویؒ کے والد بزرگوار مولانا عبدالحمید صاحب ایک باوقار، مشہور اور انتہائی پرہیزگار عالم دین ہیں، آپ دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین فضلا میں سے ایک ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں آپ نے دتلو پور کے ایک دینی گھرانے میں آنکھیں کھولی، ابتدائی تعلیم کا آغاز

گاؤں کے ہی ایک مکتب میں کیا، آپ کے پہلے استاذ مولانا یعقوب صاحبؒ تھے، جنھوں نے آپ پر نظرِ عنایت فرمائی اور آپ کو اچھی تعلیم اور اچھی تربیت سے مزین فرمایا، پرائمری اور ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۵۲ء میں مشرقی اتر پردیش کے مشہور دینی درسگاہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے شعبہ عربی فارسی میں داخلہ لے لیا، یہاں پر آپ اپنے مشفق و مربی استاذ مولانا افضال الحق صاحب جوہرؒ کے سایہ عاطفت میں تین سال تک زانوے تلمذ تہہ کرتے رہے، اس کے بعد اپنے استاذ گرامی قدر کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ نے ۱۹۵۵ء میں ملک کے مشہور و معروف ادارہ جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لے لیا، یہاں پر آپ نے محض ایک سال تعلیم حاصل کر کے ۱۹۵۶ء میں ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اس وقت دارالعلوم میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد حسین بہاری، مولانا محمد معراج اور مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ جیسے عظیم المرتبت اور فقید المثال جبال علم اساتذۂ کرام مسند درس پر جلوہ افروز تھے، تحصیل علم کے بھرپور جذبے کے ساتھ شبانہ روز محنتوں کا سلسلہ جاری رہا، بعد مغرب حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے بابرکت درس میں برابر شریک ہوتے رہے۔ ۵؍ستمبر ۱۹۵۷ء کے حادثہ جانکاہ یعنی حضرت شیخ الاسلام کے انتقالِ پر ملال نے ہر ایک کو مغموم و محزون کر دیا تھا، مولانا معز الدینؒ کے والد محترم کو حضرت شیخ الاسلامؒ سے بڑی قربت و عقیدت حاصل تھی، اس لئے اس حادثہ صاعقہ نے آپ کے دل و دماغ کو اس قدر جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ دارالعلوم کی مغموم فضاں سے طبیعت برگشتہ ہوگئی نتیجتاً آپ وہاں سے سیوہارہ ضلع بجنور چلے گئے، جہاں آپ نے بزرگ اُستاذ مولانا مقبول احمدؒ سے مشکوٰۃ شریف و دیگر کتب حدیث کی تعلیم حاصل کی، سیوہارہ میں دو سال رہنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے لئے رختِ سفر باندھ لیا، ان دنوں جامعہ مسعودیہ کی شہرت و ترقی انتہائی عروج پر تھی، بڑے بڑے جید الاستعداد اور باصلاحیت علما و فضلا اور ماہرین فن اساتذہ کی خدمات اسے حاصل تھیں، دو سال تک جامعہ مسعودیہ کی آغوشِ تربیت میں جید الاستعداد اساتذہ

اور آسمانِ علم وادب کے آفتاب و ماہتاب علمائے کرام کے زیر سایہ عاطفت اپنی علمی تشنگی بجھا کر اور اپنے ذوقِ علم وادب کو تسکین بخش کر دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء ہی میں آپ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے، آپ کی شادی دتلوپور کے بڑے زمین دار و دین دار شخصیت ماسٹر محمد یاسین صاحب کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ گاؤں دتلوپور اور قرب وجوار کے مدارس میں آٹھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، بعدہٗ آپ تجارت سے منسلک ہوئے اور ساتھ ہی مدرسہ عربیہ فیضان العلوم دتلوپور کی ذمہ داری بحیثیت مہتمم آپ کے سپرد ہوئی، تقریباً پانچ دہائیوں سے جو تاحال جاری ہے، رضائے خداوندی کی خاطر اپنی انتھک محنتوں اور شبانہ روز کاوشوں کے ذریعہ اس دینی ادارے کو پروان چڑھا رہے ہیں، جس کے نتائج ہر کسی کے سامنے عیاں ہیں، آپ جمعیۃ علما کے قدیم ترین بےلوث خادم اور وفادار ہیں، آپ جمعیۃ علما کی متعدد تحریکات اور اجلاس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے چکے ہیں، اپنی انھیں قربانیوں کے نتیجے میں آپ مقبولیت، مرجعیت، مرکزیت اور شہرت کے اس بام عروج تک پہنچ گئے، جہاں تک پہنچنا ہر کسی کے بس میں نہیں۔ رب العالمین والد محترم کا سایہ ہم سب پر تادیر قائم رکھے آمین۔

مولانا مرحوم کے برادرانِ کرام

مولانا معزالدین گونڈویؒ کے بھائیوں کی کل تعداد پانچ ہے: (۱) مفتی وحیدالدین (۲) مولانا قطب الدین (۳) مولانا قمرالدین (۴) مفتی اسعدالدین (۵) مولانا محمد اسجد۔

مولانا مرحوم کے تمام بھائیوں پر اللہ کا بڑا فضل وکرم رہا کہ اس نے ہر ایک کو نہ صرف راہِ علم وعمل کا راہی بنایا؛ بلکہ ان برادران کو ممتاز علما دین اور چراغ مصطفوی کے لائق وفائق علم برداروں کی صفوں میں جگہ عنایت فرمائی۔

مفتی وحیدالدین:- مولانا معزالدینؒ کے برادر عزیز مفتی وحیدالدین قاسمی ایک جید عالم دین، نکتہ رس محدث، باصلاحیت استاذ، منفرد خطیب اور گوناگوں خوبیوں کے مالک

ہیں، تقویٰ ودیانت داری، رافت ورحمت، ذکاوت وذہانت، اصابتِ رائے ومعاملہ فہمی اور حسنِ اخلاق وتواضع آپ کی نمایاں خصوصیات ہیں، یقیناً آپ دورِ حاضر کے نمونہ اسلاف ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت اپریل ۱۹۶۵ء کو دتلو پور میں ہوئی، پرائمری کی تعلیم مدرسہ فیضان العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں حفظ قرآن کریم کے لئے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں داخل ہوئے، تکمیل حفظ کے بعد یہیں پر دو سال تک شعبہ عربی میں زیر تعلیم رہے، بعدہ شہر کانپور کے مشہور ادارہ جامع العلوم پٹکا پور کا رخت سفر باندھا، اسکے بعد جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ تشریف لے گئے اور پھر یہاں سے آپ کا داخلہ ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا۔ ۱۹۸۹ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد شعبہ تکمیل افتا میں داخل ہوئے، میدانِ عمل میں قدم رکھتے ہی آپ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائپور میں مسند درس پر فائز ہوگئے، چھ سال تک تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد آپ کا تقرر ''دارالعلوم فلاح دارین'' ترکیسر گجرات میں ہوگیا، وہاں پر آپ کو شعبہ افتا اور دورۂ حدیث شریف کی معرکۃ الآرا کتابیں پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی، یہ عظیم ترین تدریسی خدمات تاحال جاری ہیں، الحمدللہ۔

مولانا قطب الدین:- مولانا معزالدینؒ کے دوسرے بھائی مولانا قطب الدین احمد کی تاریخ ولادت یکم جون ۱۹۶۷ء ہے، ہوش سنبھالنے کے بعد آپ نے پرائمری کی تعلیم مدرسہ فیضان العلوم میں حاصل کی اور یہیں پر حفظ قرآن کریم مکمل کیا، اس کے بعد حصول علم کی خاطر گھر بار چھوڑ کر مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں زیر تعلیم ہوگئے، یہاں پر آپ نے شعبہ عربی میں درجہ دوم تک کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد جامع العلوم پٹکا پور میں داخلہ لیا اور عربی چہارم تک یہیں پر زانوئے تلمذ تہہ کرتے رہے، بعدۂ آپ کا داخلہ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا، ۱۹۹۲ء میں آپ نے سندِ فضیلت حاصل کی، اعلیٰ ترین نمبرات کی بنا پر آپ کا داخلہ شعبہ تکمیل افتا میں ہوا، مگر اسی سال والد محترم کی طبیعت علیل ہوگئی، جس کی وجہ سے آپ کو اپنا تعلیمی سفر منقطع کرنا پڑا، پورے ایک سال تک والد معظم کی تیمارداری اور خدمت کرنے کے بعد بحکم حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم

آپ نے میدانِ عمل میں قدم رکھا، "دارالعلوم رحمانیہ" حیدرآباد میں آپ کا تقرر ہوا، یہاں پر آپ کو درجہ اول تا ششم عربی کی تقریباً تمام کتابیں پڑھانے کا شرف حاصل ہوا، تیرہ سالوں تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری دامت برکاتہم کے مشورے سے حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب کے ادارے "مدرسہ سراج العلوم" حشمت پیٹ سکندرآباد میں مسند درس پر فائز ہوگئے، جہاں پر تاحال خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا قطب الدین ایک باصلاحیت اور ذی علم شخصیت کے مالک ہیں، تدریسی ملکہ کے ساتھ ساتھ آپ میدان خطابت کے بہترین شہسوار ہیں، آپ کے خطیبانہ اوصاف ومحاسن میں امتیازی اور تخصیصی پہلو کا غلبہ ہوتا ہے، جو بلاشبہ ایک عظیم نعمت خداوندی ہے۔ ۱۹۹۲ء میں آپ رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے، آپ کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، بڑے صاحبزادے بدرالدین سلّمہٗ حافظ قرآن ہیں جب کہ دوسرے صدرالدین سلّمہٗ شعبۂ حفظ میں زیر تعلیم ہیں۔

مولانا قمرالدین:- مولانا قمرالدین نوراللہ مرقدہٗ کی ولادت نومبر ۱۹۷۵ء کو ڈتلو پور میں ہوئی تھی، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ فیضان العلوم ڈتلو پور میں حاصل کی اور یہیں پر حفظ قرآن کریم کا آغاز بھی کیا، تکمیل حفظ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں کی، پھر ایک سال جامع العلوم پڑکا پور کے شعبہ فارسی میں زیر تعلیم رہے، یہیں سے آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا۔ ۱۹۹۸ء میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے سندفراغت حاصل کی، بعد فراغت تکمیلِ ادب میں داخلہ لیا، لیکن عمر نے وفا نہیں کی۔ ۲۹؍مئی ۱۹۹۹ء کو علی گڈھ اسٹیشن پر ایک ریل حادثے میں شہید ہوگئے، اس حادثے سے اہل خانہ پر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، جواں سال بیٹے کی جدائی سے آپ کی والدہ معظّمہ کو طویل مدتی صدمہ لاحق ہوگیا، جس کے اثرات تاحال مرتب ہیں، مولائے کریم بھائی قمرالدین کو اپنی رضا ورضوان عنایت فرمائے اور آپ کو درجہ شہادت پر فائز فرماکر شہداء اسلام کی صفوں میں جگہ عنایت فرمائے، انتقال سے محض دو ماہ قبل عیدالاضحیٰ کے موقع پر آپ کی شادی بھی ہوگئی تھی۔

مفتی اسعد الدین:- مولانا مرحوم کے بھائی مفتی اسعدالدین کی ولادت ۵؍جون ۱۹۷۹ء کو دتلو پور میں ہوئی، پرائمری کی تعلیم گاؤں کے ہی مدرسہ فیضان العلوم میں حاصل کی اور یہیں پر حفظ قرآن کریم کا آغاز کیا، بعدہٗ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں داخلہ لیا، یہاں پر ایک سال گزارنے کے بعد بڑے بھائی مفتی وحیدالدین کے ساتھ رائپور ضلع سہارنپور میں داخلہ لے لیا، یہیں پر آپ نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی، رائپور میں عربی اول کی تعلیم کے بعد آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا، پوری لگن وجستجو کے ساتھ تعلیم کا سفر طے پانے لگا، خداداد قوت حافظہ اور فطری ذہانت وفطانت کی بدولت جلد ہی آپ کا شمار ممتاز ترین طالب علموں میں ہونے لگا، یہی وجہ ہے کہ ۲۰۰۱ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی تو تکمیل افتا میں داخلہ ہوگیا، اور پھر اس کے بعد دو سال کے لئے بحیثیت معین المدرس آپ کا انتخاب ہوا، ۲۰۰۴ء کے اواخر میں شہر کانپور کے مشہور ادارہ جامعہ محمودیہ جاجمؤ میں آپ کا تقرر درجات عربی وافتا میں ہوا، اس اہم ترین ذمہ داری ملنے کے بعد آپ نے نہایت محنت ولگن اور فعالیت کے ساتھ کام کرنا شروع کیا اور قلیل مدت میں آپ نہ صرف شہر کانپور کے چنندہ مفتیان میں شمار کئے جانے لگے؛ بلکہ جامعہ محمودیہ کے ناظم تعلیمات کے عہدے پر بھی فائز کردئے گئے۔ ۱۳؍فروری ۲۰۰۳ء کو آپ کی شادی ہوئی، آپ کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، الحمد للہ دونوں بیٹے احمد ومحمد سلمہما حافظ قرآن ہیں۔

مولانا محمد اسجد الدین:- مولانا مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی مولانا اسجدالدین کی تاریخ پیدائش ۳؍اپریل ۱۹۸۱ء ہے، ابتدائی تعلیم اور آغازِ حفظ قرآن گاؤں کے دینی ادارہ مدرسہ عربیہ فیضان العلوم میں ہوا، ۱۹۹۳ء میں رائپور ضلع سہارنپور کے مشہور ادارہ مدرسہ عربیہ فیض ہدایت میں داخلہ لے کر حفظ قرآنِ کریم کی تکمیل کی، ۱۹۹۶ء میں دارلعلوم دیوبند میں آپ کا داخلہ ہوا اور ۲۰۰۳ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل ہوئی، ۲۰۰۵ء میں آپ نے میدان عمل میں قدم رکھا، دارالعلوم رحمانیہ حیدرآباد میں بحیثیت معلم مسند درس پر فائز ہوئے، پانچ سال یہاں خدمات انجام دینے کے بعد آپ کا تقرر مدرسہ سراج العلوم حشمت پیٹ سکندرآباد

میں ہوا، جہاں تا حال دین متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ ایک لائق و فائق معلم کے ساتھ ساتھ بہترین خطیب بھی ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں آپ رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے، آپ کی تین اولاد ہیں، جن میں سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔

مولانا مرحوم کی اکلوتی بہن

مولانا معز الدینؒ کی ایک اکلوتی اور لاڈلی بہن بھی ہیں، جن سے وہ مثالی پیار و محبت کرتے تھے، اپنی بہن کے ہر سکھ دکھ میں ایک باپ کی طرح وہ کھڑے نظر آتے تھے، ہمشیرہ کے بچوں پر وہ بے حد شفقت و محبت کا اظہار فرماتے تھے، بالخصوص اپنے مرحوم بھانجے محمود کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، محمود کی ہر خوشی کو پورا کرنا وہ اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

ہمشیرہ کی شادی ۱۹۹۲ء میں عید الاضحیٰ کے موقع پر پڑوس کے گاؤں جکھولی میں ہوئی، ہمشیرہ کے شوہر قاری مسعود صاحب ایک باکمال و باجمال اور باصلاحیت عالم دین ہیں، آپ نے مدرسہ عربیہ فیضان العلوم سے تحصیل علم کا آغاز کیا اور جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ، جامع العلوم پٹکاپور میں زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، فی الحال آپ مدرسہ دارالعلوم مومن پورہ ناگپور میں پندرہ سال سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ جمعیۃ علماء ناگپور کے ذمہ دار بھی ہیں، آپ کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، جن میں سے بڑے بیٹے الحمدللہ حافظ قرآن ہیں۔

مولانا مرحوم کی سسرال

مولانا معز الدینؒ کی شادی سعد اللہ نگر کے ایک علمی گھرانے میں علاقے کے مشہور و معروف طبیب مرحوم ڈاکٹر محمد سعید رحمہ اللہ کی اکلوتی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ڈاکٹر صاحب عالم تو نہ تھے، مگر دیندار اور پرہیزگار انسان تھے، علما اور حفاظ کے بڑے قدر دان تھے، علاقے کے مختلف مدارس و مکاتب سے آپ کا گہرا اور ذمہ دارانہ تعلق تھا، گاں کے مکتب مدرسہ قاسم العلوم کروہاں کی نظامت آپ کے کندھوں پر تھی، مرحوم ڈاکٹر صاحب اور مولانا عبدالحمید

صاحب ادام اللہ اقبالہ کو ایک دوسرے سے بڑی قربت ومحبت تھی۔

آپ کے چار بیٹے ہیں، پہلے نمبر کے محمد اسعد جو کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارغین میں سے ہیں، فی الحال ادویات کے کاروبار سے متعلق ہیں۔ دوسرے نمبر کے ڈاکٹر محمد سعد ہیں، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طبیہ کالج میں پروفیسر ہیں۔ تیسرے بیٹے محمد خالد ہیں، یہ بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارغ شدہ ہیں، فی الحال دہلی میں ملٹی نیشنل کمپنی میں اسسٹنٹ وائس پریسیڈینٹ (معاون نائب صدر) کے عہدے پر فائز ہیں۔ چوتھے نمبر پر محمد قاسم ہے، جو الحمد للہ حافظ و عالم ہے، فی الحال سدھارتھ نگر میں تدریسی وتبلیغی خدمات پر مامور ہے۔

مولانا مرحوم کی اولاد

دعائے ابراہیمی ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اولاد اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک عظیم نعمت ورحمت ہوتی ہے، ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے، مگر اولاد عطا کرنے کی طاقت صرف خالق السماوات والارض کو حاصل ہے، وہ جسے چاہتا ہے بیٹا عطا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹی عطا کرتا ہے، کسی کو بیٹا بیٹی دونوں عطا کرتا ہے، کسی کو دونوں سے محروم رکھتا ہے اور کسی کو تاخیر سے نوازتا ہے۔ ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾

حضرت مولانا معزالدینؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے پندرہ سال کے عرصہ دراز کے بعد اولاد کی نعمت سے نوازا، ۱۲/جون ۲۰۰۳ء کو آپ کے گھر میں بیٹی رقیہ خاتون سلمہا کی ولادت ہوئی، جو الحمد للہ اب سولہ سال کی ہو چکی ہیں، رقیہ خاتون سلمہا کی ولادت کے تین سال بعد ابوبکر سلّمہٗ کی پیدائش ہوئی جو اب بفضل خداوندی تیرہ سال کے ہو چکے ہیں، اور دادا محترم کے ادارہ فیضان العلوم کے شعبہ حفظ میں زیر تعلیم ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ دونوں بچوں کو سعادت دارین عطا فرمائے۔

حرفِ آخر

واقعہ یہ ہے کہ عظیم شخصیات جو زندگی میں اعلیٰ کارنامے سرانجام دیتی ہیں، ان کا خاندان

بھی عظیم ہوتا ہے اور ان سے حقیقی نسبت رکھنے والی ہر چیز عظیم ہوتی ہے، حضرت مولانا کی باوقار شخصیت آپ کے تمام محبین ومتوسلین اور بالخصوص جماعتی احباب کے حق میں ایک ادارہ، انجمن اور جماعت تھی، کام آپ نہیں کرتے تھے بلکہ ایک ادارہ کرتا تھا، خدمات آپ نہیں انجام دیتے تھے بلکہ ایک انجمن اور جماعت انجام دیتی تھی، جس کا نام مبارک تھا ''معز الدین احمد''۔ **اللھم اغفر له وارحمه واسنه فسیح جنات واجعل قبره روض من ریاض الجنة.**

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہرِ مبین نہیں
ترِی جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزِیں نہیں ہے
مگر ترِی مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

کئی دماغوں کا ایک انساں، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اُجڑ گئی ہے، زباں کا زورِ بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا؟ کارواں گیا ہے
مگر ترِی مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل، خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم، خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پہ خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر ترِی مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

مولانا معزالدین قاسمیؒ اور دارالعلوم دیوبند

مولانا محمداللہ خلیلی قاسمی شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند وہ عظیم چمنستان ہے جہاں ہر سال بلبلان علم اور پروانگان فکر و دانش کی ایک کھیپ آتی ہے اور دارالعلوم میں خیمہ زن ہوکر قال اللہ وقال الرسول کے ملکوتی زمزموں کا حصہ بن جاتی ہے۔ اپنا وقت مقررہ گزار کر اور اپنی میٹھی بولیاں بول کر یہ بلبلیں اڑ کر چلی جاتی ہیں۔ یہ طائران خوش نوا کہیں اپنا نشیمن بناتی ہیں یا کسی نشیمن میں اپنی تگ ودَو، جدوجہد، خوش خلقی وراستبازی اور صلاحیت وصالحیت کی بنیاد پر اپنا آشیانہ بنالیتی ہیں۔ ان میں بعض ایسے سعادت منداور خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جو اپنی خوش نوائی اور شیریں مزاجی کی وجہ سے وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں کہ ہر ایک قلب ونگاہ کا مرکز بن جاتے ہیں اور ہر کبیر وصغیر میں دل میں ان کا نقش قائم ہوجاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند ایسا مرکز ہے جہاں ایسی خوش نصیب اور سعید روحیں جمع ہوتی ہیں جو اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوکر خلق خدا میں اس نعمت کی تقسیم کے لئے نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند گذشتہ ڈیڑھ صدیوں سے برصغیر کی ایسی مردم ساز فیکٹری ہے جہاں علمی ومذہبی لیڈرشپ پیدا ہوتی ہے۔ ان ہی خوش نصیب شخصیات میں ہمارے ممدوح حضرت مولانا معزالدین قاسمی گونڈوی کا شمار ہے جو اس مادر علمی میں تربیت پاکر علم وعمل کے افق پر آفتاب وماہتاب بن کر ابھرے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور تعلیم

مولانا معزالدین صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں درجہ پنجم عربی میں داخلہ لیا۔ یہ شوال

۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۲ء کی بات ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب دارالعلوم ایک نہایت پرآشوب دور سے گذر کر دوبارہ کھلا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں اجلاس صد سالہ کے بعد اہتمام اور مجلس شوری کے درمیان اختلاف کی ایسی ناگفتہ بہ صورت حال پیدا ہوگئی تھی کہ اس کی وجہ سے دارالعلوم کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ قصہ المختصر دارالعلوم مسلسل کئی ماہ تک قال اللہ وقال الرسول کے زمزموں سے محروم رہا، خدا خدا کر کے دارالعلوم کھلا اور نئے داخلے ہوئے تو داخل ہونے والے ان خوش نصیبوں میں ایک نام معزالدین گونڈوی کا بھی تھا۔

آپ کی ولدیت، سکونت اور تاریخ پیدائش ریکارڈ میں اس طرح درج ہے: معزالدین احمد ابن عبدالحمید، ساکن دتلو پور ضلع گونڈہ یوپی۔ ریکارڈ کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش: ۳/مارچ ۱۹۶۳ء مطابق ۶/اکتوبر ۱۳۸۲ھ درج ہے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب قاسمی مدظلہ، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل ہیں۔ اُنہوں نے چار سال دارالعلوم رہ کر تعلیم حاصل کی اور ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب مرادآبادی اور حضرت محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے اَساطین علم شامل ہیں۔

مولانا معزالدین صاحب نے جلد ہی اپنی ذہانت و فطانت، محنت و جدوجہد اور تعلیمی شغف کے باعث اپنے ساتھیوں میں نمایاں مقام بنالیا۔ پہلے ہی سال (درجۂ پنجم عربی) کے سالانہ امتحان منعقدہ شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق مئی ۱۹۸۳ء میں اُنہوں نے بہترین نمبرات حاصل کئے۔ بعد کے امتحانات میں بھی وہ اعلی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔ ذیل میں امتحان سالانہ کے نمبرات کی تفصیل درج ذیل ہے:

درجۂ پنجم عربی کے امتحان سالانہ منعقدہ شعبان ۱۴۰۳ھ میں حاصل کردہ نمبرات اور اَساتذہ کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب/ موضوع	استاذ	نمبرات
۱	ہدایہ اول وثانی:	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی	۴۶
۲	نورالانوار:	حضرت مولانا لقمان الحق صاحب بجنوریؒ	۴۸
۳	مقامات حریری:	حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری	۴۵
۴	البلاغۃ الواضحۃ:	حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری	۴۵
۵	عقیدۃ الطحاوی:	حضرت مولانا لقمان الحق صاحب بجنوریؒ	۴۸
۶	ملاحسن:	حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری	۴۴
۷	علم مدنیت:	حضرت مولانا عزیز احمد بی اے صاحب فیض آبادیؒ	۴۰
۸	تاریخ جغرافیہ:	حضرت مولانا عزیز احمد بی اے صاحب فیض آبادیؒ	۴۰

درجۂ ششم عربی کے امتحان سالانہ منعقدہ شعبان ۱۴۰۴ھ میں حاصل کردہ نمبرات اور اَساتذہ کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب/ موضوع	استاذ	نمبرات
۱	جلالین شریف:	حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی حضرت مولانا حامد میاں صاحب امرہویؒ	۴۵
۲	حسامی:	حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری	۵۰
۳	میبذی:	حضرت مولانا زبیر احمد صاحب دیوبندیؒ	۵۰
۴	الفوز الکبیر:	حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی	۴۴
۵	دیوان متنبیّ:	حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی	۴۸
۶	سائنس:	حضرت مولانا عزیز احمد بی اے صاحب فیض آبادیؒ	۴۵
۷	حفظان صحت:	حضرت مولانا عزیز احمد بی اے صاحب فیض آبادیؒ	۴۵

درجۂ ہفتم عربی کے امتحان سالانہ منعقدہ شعبان ۱۴۰۵ھ میں حاصل کردہ نمبرات اور اَساتذہ کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب/موضوع	استاذ	نمبرات
۱	مشکوٰۃ المصابیح:	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی	۴۶
۲	ہدایہ اخیرین:	حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی	۴۷
۳	بیضاوی شریف:	حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوری	۵۰
۴	شرح عقائد:	حضرت مولانا زبیر احمد صاحب دیوبندیؒ	۵۰
۵	نخبۃ الفکر:	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ	۴۵
۶	سراجی:	حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی	۴۸
۷	اختبار:		۴۷

دورۂ حدیث میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی

مولانا موصوف نے ۰۵-۱۴۰۶ھ دورۂ حدیث میں داخل رہے، اس سال دورۂ حدیث میں کل ۵۸۲ (پانچ سو بیاسی) طلبہ شریک تھے۔ دورۂ حدیث شریف کے امتحان سالانہ منعقدہ شعبان ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں دوم پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ بلاشبہ ان کے لئے یہ ایک بہت بڑا اعزاز اور تمغۂ امتیاز تھا۔ آپ دارالعلوم کے ممتاز ترین طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ اپنی اعلیٰ استعداد و صلاحیت، ذہانت و فطانت، اسباق کی پابندی، اساتذہ کے احترام، مطالعہ و کتب بینی اور علمی سرگرمیوں سے لگاؤ کی وجہ سے ان کا طلبہ کے درمیان ایک اہم مقام تھا۔

دورۂ حدیث شریف کے امتحان سالانہ منعقدہ شعبان ۱۴۰۶ھ مطابق اپریل ۱۹۸۶ء میں حاصل کردہ نمبرات اور حضرات اساتذۂ کرام کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب	استاذ	نمبرات
۱	بخاری شریف:	حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب (شیخ ثانی) اعظمی	۴۵

۲	مسلم شریف:	حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوری	۵۰
۳	ترمذی شریف:	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ صدر المدرسین	۵۰
۴	ابوداؤد شریف:	حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی	۴۹
۵	نسائی شریف:	حضرت مولانا زبیر احمد صاحب دیوبندی	۴۲
۶	ابن ماجہ شریف:	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، ناظم تعلیمات	۴۵
۷	موطا امام مالک:	حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری	۴۹
۸	موطا امام مالک:	حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی	۵۰
۹	طحاوی شریف:	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	۵۰
۱۰	شمائل ترمذی:	حضرت مولانا عبد الخالق صاحب مدارسی	۴۸

رفقائے درس اور احباب

دار العلوم میں آپ کے رفقائے درس میں متعدد ایسے نام ہیں جو اس وقت ہندوستان کے طول وعرض میں شہرت رکھتے ہیں؛ ان میں سے کچھ حضرات کے اسمائے گرامی درج کئے جا رہے ہیں: حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی، حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی استاذ دار العلوم دیوبند، معروف مفکر وصاحب قلم مولانا عبد الحمید صاحب نعمانی، مولانا قاری شفیق احمد صاحب بلند شہری استاذ تجوید دار العلوم دیوبند،، مولانا مفتی ریاست علی صاحب رامپوری استاذ جامع مسجد امروہہ، ڈاکٹر مولانا مشتاق تجاروی استاذ شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مولانا انیس احمد آزاد بلگرامی دہلی، مولانا لطیف الرحمٰن بہرائچی مقیم مکہ مکرمہ، مولانا مظاہر حسین رام پوری استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد، مولانا اشتیاق احمد صاحب بہرائچی، مولانا عبد الجلیل صاحب رسول پوری، مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن لکھیم پوری معالج دار الشفاء دار العلوم دیوبند وغیرہ۔

دار العلوم میں طالب علمی کے زمانے میں دیگر درجات میں تعلیم حاصل کرنے والے کچھ دیگر احباب بھی تھے، جن کے ساتھ تعلیمی و علمی سرگرمیوں میں شریک رہتے تھے، ان میں سب قابل ذکر نام حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری کا ہے۔

دار العلوم دیوبند میں بطور معین مدرس

دار العلوم دیوبند میں معین المدرسی ایک اہم اعزاز ہے؛ کیوں کہ اس کے لئے ان فضلاء کا انتخاب ہوتا ہے جو اعلی علمی صلاحیت، ذوق تدریس اور اخلاق و عمل میں اپنے ساتھیوں کے درمیان ممتاز ہوں۔ دار العلوم دیوبند میں یہ معمول رہا ہے کہ جماعت کے ممتاز فضلاء کو معین مدرسی کے لئے منتخب کیا جاتا رہا ہے اور ان سے ابتدائی عربی درجات کی کتابیں پڑھوائی جاتی ہیں۔ شوال ۱۴۰۶ھ مطابق جولائی ۱۹۸۶ء میں یہ قرعۂ فال ہمارے ممدوح مکرم مولانا معز الدین احمد گونڈوی کے نام نکلا جو اپنی صلاحیت و صالحیت اور ذہانت و ذکاوت کی بنیاد پر خود کو اس منصب کا اہل ثابت کر چکے تھے۔

دار العلوم میں اس وقت آپ کے ساتھ مولانا سیف اللہ سہرساوی بھی معین المدرس بنائے گئے تھے، جب کہ دو معین المدرسین پہلے سے موجود تھے: مولانا خورشید انور اور مولانا شبیر احمد صاحب۔ اول الذکر حضرت مولانا خورشید انور گیاوی اس وقت دار العلوم دیوبند کے ناظم مجلس تعلیمی (ناظم تعلیمات) اور درجۂ علیا کے استاذ ہیں۔

۱۴۰۶-۷ھ کے تعلیمی سال کے نقشۂ اسباق میں اساتذۂ دار العلوم کی فہرست میں ایک نام مولانا معز الدین صاحب کا بھی ہے جن کو تدریس کے لئے درج ذیل کتابیں تفویض کی گئیں:

سال اول عربی: میزان الصرف، پنج گنج
سال دوم عربی: ہدایۃ النحو، النحو الواضح، تیسیر المنطق
سال سوم عربی: نور الایضاح، قدوری

مولانا مرحوم نے نہایت محنت اور کامیابی اس تدریسی ذمہ داری کو ادا کیا۔ جن طلبہ کو

آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا وہ شہادت دیتے ہیں کہ مولانا موصوف ایک محنتی اور مقبول استاذ تھے۔ وقت کے بہت پابند تھے اور طلبہ کو بھی پابند بناتے۔ محنت سے کتابوں کو حل کرتے اور عبارات کو زبانی یاد کراتے۔ ان کو تدریسی خوبیوں کے ساتھ تربیت کا بھی بہترین سلیقہ تھا، طلبہ کی مزاج شناسی کا ہنر جانتے تھے، نفسیاتی اعتبار سے تعلیم وتربیت کے عادی تھے۔ مولانا قاری اسجد الحسینی صاحب، نگراں تحفیظ القرآن دارالعلوم دیوبند، مولانا بشیر احمد صاحب پرتاب گڑھی، مولانا عبدالرشید صاحب پرتاب گڑھی وغیرہ آپ کی معین مدرسی کے زمانے کے شاگرد ہیں۔

غرضے کہ مولانا کے اندر ایک مقبول اور بافیض مدرس بننے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں، لیکن قضاوقدر کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ ابھی معین المدرسی کا پہلا سال ہی مکمل ہوا تھا کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی جوہر شناس نگاہوں نے انھیں جمعیۃ علمائے ہند کے لئے منتخب کرلیا۔

مدنی دارالمطالعہ کی ترتیبِ نو اور ترقی میں مولانا کا کردار

دارالعلوم دیوبند ایک بے مثال تعلیمی ادارہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے نظیر علمی وثقافتی مرکز بھی ہے۔ یہاں کی سرگرمیاں صرف دائرۂ تعلیم ہی میں محدود نہیں، بلکہ یہاں کے مشاغل میں آفاقیت وتنوع اور مجموعی مزاج میں وسعت وکشادگی ہے۔ یہاں رہ کر ایک طالب علم صرف دریائے علم کے آبدار موتیوں سے دامنِ مراد بھرنے پر اکتفا نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ یہاں زندگی کا مفہوم سیکھتا ہے اور معاشرہ میں رہنے کا ہنر بھی، یہاں اسے اخلاق وادب کی تعلیم بھی ملتی ہے اور علمی وفکری غذا بھی۔ یہاں طالب علم کی صلاحیتیں اس طرح پروان چڑھتی ہیں جیسے کوئی پودا موافق موسم میں نشو ونما پاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں داخل طلبہ کی نصابی سرگرمیوں کے علاوہ تقریر وتحریر اور مطالعہ کا اہم پلیٹ فارم طلبہ کی انجمنیں ہوتی ہیں۔ طلبہ کی مختلف صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں دارالعلوم میں قائم یہ انجمنیں اہم کردار کرتی ہیں۔ انجمنوں کے اس ماحول سے طلبہ کے اندر گوناگوں علمی وانتظامی، تقریری وتحریری اور سماجی وسیاسی صلاحیتیں پیدا ہوتی

ہیں۔ انہی نوخیز ونوعمر طلبہ میں انشاء پرداز بھی ہوتے ہیں، فصیح اللسان مقرر بھی، دنداں شکن مناظر بھی اور شاعر ومنتظم بھی۔ انجمنوں کی مختلف سرگرمیوں سے ان کے جوہر کھلتے ہیں اور ان کے اندر ملک وملت کی خدمت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی انھیں انجمنوں میں نمایاں ترین انجمن ''مدنی دارالمطالعہ'' بھی ہے جو ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں قائم ہوئی۔ مولانا مرحوم کو نہ صرف اس انجمن سے وابستہ ہوکر استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے بلکہ اُنہوں نے اس انجمن کی زلف برہم کو سنوارنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پہلے یہ انجمن صوبہ یوپی کے طلبہ کے لئے مخصوص تھی، ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم کی نشأۃِ ثانیہ کے بعد اس کو تمام طلبہ کے لئے عام کردیا گیا۔ دارالمطالعہ کی لائبریری غیر منظّم حالت میں تھی، دارالمطالعہ کی عمارت میں نمی کی وجہ سے کتابوں کی جلدیں خراب ہورہی تھیں؛ جس کی وجہ سے استفادہ میں رکاوٹ تھی اور طلبہ کا رجوع بھی بہت کم تھا۔ چناں چہ مولانا معز الدین احمد صاحب نے لائبریری کی ترتیب نو کا بیڑا اٹھایا۔ اس وقت مدنی دارالمطالعہ کی نگراں حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب مدظلہ تھے جو مولانا معز الدین صاحب کے ہم درس تھے۔ چناں چہ مولانا مرحوم نے باقاعدہ نیا رجسٹر طبع کرایا، پھر سب کتابوں کو فن وار الگ کرکے رجسٹر میں ان کا اندراج کیا۔ اُنہوں نے حسب ضرورت کتابوں کی جلدسازی بھی کروائی اور اس طرح لائبریری کو پوری طرح سے مرتب اور منظّم کردیا۔ مولانا کی ان کوششوں سے طلبہ کا رجوع بڑھ گیا۔ دوسری طرف مولانا مرحوم نے نہایت پابندی کے ساتھ برسوں تک عصر سے لے کر مغرب تک مدنی دارالمطالعہ کھول کر بیٹھتے رہے تاکہ باذوق طلبہ اس لائبریری سے استفادہ کریں اور اپنی تقریری و تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے اس پلیٹ فارم کا استعمال کریں۔ مدنی دارالمطالعہ کی طرف سے مختلف علمی وتاریخی موضوعات پر مضمون نگاری کے مسابقے بھی منعقد ہوتے تھے جس میں طلبہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور اس میں کامیاب ہونے والوں کو سالانہ اجلاس میں انعامات دیے جاتے تھے۔ مدنی دارالمطالعہ کا سالانہ اجلاس بہت تزک واحتشام کے ساتھ منعقد

کیا جاتا تھا جس کا نظم و انتظام مولانا معزالدین صاحب پوری تندہی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔

مولانا معزالدین صاحب نے اپنے مدنی دارالمطالعہ کے احباب کے ساتھ مل کر انجمن کا تقریری مشق کے لئے ایک نیا شعبہ قائم کیا جو ''بزم شیخ الاسلام'' کے نام سے موسوم کیا گیا، جس کے تحت حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی سے منسوب حلقے بنائے گئے۔ ان حلقوں سے مربوط ہوکر طلبہ ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ درس گاہوں میں تقریری مشق کرتے تھے۔ بزم شیخ الاسلام کی نگرانی اور ہفتہ واری تقریری حلقہ جات کی تیاری میں مولانا مرحوم کا حصہ سب سے زیادہ ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح مدنی دارالمطالعہ کے تحریری سرگرمیوں کو بھی اُنہوں نے پروان چڑھایا اور اس کے ترجمان دیواری رسالہ ماہنامہ ''آزاد'' کی تیاری میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے ماہنامہ آزاد کا مطبوعہ ایڈیشن بھی نکالا۔

مولانا مرحوم اور ان کے رفقاء کی ان بے لوث کوششوں کے سبب مدنی دارالمطالعہ طلبۂ دارالعلوم کی سب سے بڑی انجمن بن گئی اور اس کی طرف طلبہ کا رجوع بڑھ گیا۔ اس وقت سے مدنی دارالمطالعہ طلبۂ دارالعلوم کی تقریری و تحریری صلاحتیوں کو نکھارنے اور سنوارنے کا سب سے بڑا پلیٹ فارم بنا ہوا ہے۔ یقیناً اس بارآور درخت کی نشو ونما اور تعمیر ترقی میں جنھوں نے اپنا خون جگر دیا وہ اللہ کے دربار میں اس کے لئے اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ ہمیں بجا طور پر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے اُمید ہے کہ مدنی دارالمطالعہ کی خدمات کی شکل میں مولانا مرحوم نے جو صدقۂ جاریہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے اس کا انھیں بہترین اجر ملے گا۔

اَساتذہ سے تعلق ومحبت

مولانا مرحوم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اُن کا اپنے تمام اَساتذہ سے بڑا والہانہ اور مخلصانہ تعلق تھا۔ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری کے ساتھ مولانا کا تعلق انتہائی خصوصی تھا۔ وہ حضرت قاری صاحب کے گھر کے ایک فرد جیسے تھے اور تاعمر حضرت نے ان کے ساتھ ایک بیٹے کا معاملہ کیا۔ دوسری طرف مولانا معزالدین صاحب نے بھی اطاعت

وفرماں برداری، جاں نثاری ووفا شعاری اور خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اسی طرح دیگر اساتذۂ دارالعلوم کو آپ کے ساتھ خصوصی تعلق اور آپ پر کامل اعتماد تھا، جن میں حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمیؒ اور حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان اکابرین کے ساتھ حسن ادب کے ساتھ ان کی بے تکلفی قابل صد رشک تھی۔ دہلی جانے کے بعد بھی اساتذہ کے ساتھ ان کا تعلق حتی کہ ان کے معاملات ان سے متعلق رہے۔ وہ ان اکابر کا کام نہایت سلیقے، خوش اسلوبی اور کمال امانت ودیانت کے ساتھ ادا کرتے اور ان بزرگوں کی دعائیں لیتے۔

جمعیۃ علمائے ہند کے پروگراموں اور خاص طور پر ادارۃ المباحث الفقہیہ کے سیمیناروں کے انعقاد میں اکابر کے ساتھ ان کے تعلق کا بھی اثر تھا کہ اکابر مولانا معز الدین صاحب کی دعوت کا خاص خیال رکھتے تھے اور ان کے اصرار کے سامنے سپر ڈال دیتے تھے اور بالآخر ان کے مسلسل 'تعاقب' کی بدولت شریک اجلاس بھی ہوتے تھے۔ حضرات اکابر کے ساتھ ان کے اسی خصوصی تعلق کی بات تھی کہ مولانا موصوف کے انتقال کو ان بزرگوں نے بہت محسوس کیا اور گویا کہ ان کا قریبی عزیز اور فرزند اُن سے چھن گیا۔

تحریکی ذہن، تعمیری سوچ

مولانا معز الدین صاحب ذہانت و فطانت، اعلی استعداد وصلاحیت کے ساتھ متحرک مزاج، محنتی اور دھن کے پکے شخص تھے۔ ان کی فکر نہایت سنجیدہ اور سوچ بہت مثبت اور تعمیری تھی۔ بہترین انتظامی وانصرامی صلاحیت کے مالک تھے۔ ہر کام کو خوب سلیقے کے ساتھ کرنے اور انجام تک پہنچانے میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ خود بھی کام کرتے اور احباب سے بھی حسب صلاحیت کام لینے کا ہنر جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اساتذہ ان پر مکمل اعتماد کر کے کام ان کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ مفوضہ کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے میں اپنی پوری قوت جھونک دیتے تھے۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء کے اخیر میں دارالعلوم دیوبند نے ملک میں قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کے تعاقب و تدارک کے لئے ''عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت'' منعقد کیا جس کے کنوینر حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی تھے، جن سے مولانا معز الدین صاحب کا نہایت قریبی تعلق تھا۔ چنان چہ اس اجلاس کے نظم و انتظام میں اپنی طبعی افتاد کے مطابق مولانا معز الدین صاحب کا حضرت قاری صاحب کے ساتھ شریک ہونا اور اس کی سرگرمیوں میں ان کا بیش از بیش ہاتھ بٹانا ایک فطری معاملہ تھا۔ چناں چہ مولانا معز الدین صاحب نے عالمی اجلاس کے نظم و نسق میں حضرت قاری صاحب کو اپنا خصوصی تعاون پیش کیا۔ اجلاس سے قبل کی تیاریوں، اجلاس کے درمیان کا نظم و انتظام اور اجلاس کے بعد دفتر تحفظ ختم نبوت کی دیکھ ریکھ کے سلسلے میں حضرت قاری صاحب کو مکمل تعاون پیش کیا اور دفتر کے نظم و نسق کو خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

بالآخر، مولانا مرحوم کی انھیں خوبیوں اور گوناگوں صفات کی وجہ سے حضرات اکابر کی نظر انتخاب ان پر پڑی اور وہ جمعیۃ علمائے ہند کی خدمت کے لئے قبول کر لئے گئے۔ جمعیۃ علماء ہند میں اُنہوں نے اعلی انتظامی و علمی خدمات انجام دیں۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ کے بعد ادارۃ المباحث الفقہیہ کی از نشأۃ ثانیہ اور اس کی ترقی مولانا مرحوم کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ جمعیۃ علمائے ہند اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ، ان کی شخصیات، رجال کار اور فضلاء و علماء پر ان کی نظر بڑی وسیع اور ان کا مطالعہ بڑا گہرا تھا۔ نسبتاً ایک مختصر سی زندگی گزار کر وہ بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن اپنے علم و فکر، کردار و عمل، ذہانت و صلاحیت، پاکیزگی و طہارت، محنت و جد و جہد، جرأت و خودداری، محبت و جاں نثاری اور خدمت و وفا شعاری سے ایسے ارباب محبت و وفا میں اپنا نام رقم کر گئے کہ زبان و قلم سے بے ساختہ یہ شعر نکلتا ہے:

به آں گروه که از ساغر وفا مست اند
سلام ما برسانید ہر کجا ہست اند

مآخذومراجع:

ذاتی معلومات کے علاوہ مضمون کی تیاری میں جن مضامین ومواد سے مدد لی گئی وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) تعلیمی کوائف،فراہم کردہ دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند

(۲) نقشہ اسباق مدرسین و درجات بابت شوال ۱۴۰۲ھ تا شعبان ۱۴۰۳ھ، دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند

(۳) نقشۂ اسباق مدرسین و درجات بابت شوال۱۴۰۳ھ تا شعبان ۱۴۰۴ھ، دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند

(۴) نقشہ اسباق مدرسین و درجات بابت شوال ۱۴۰۴ھ تا شعبان ۱۴۰۵ھ، دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند

(۵) نقشہ اسباق مدرسین و درجات بابت شوال ۱۴۰۵ھ تا شعبان ۱۴۰۶ھ، دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند

(۶) نقشہ اسباق مدرسین و درجات بابت شوال ۱۴۰۶ھ تا شعبان ۱۴۰۷ھ، دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند

(۷) ایک مخلص رفیق کی رحلت، مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری

(۸) حضرت مولانا معزالدین احمد صاحب گونڈوی نوراللہ مرقدہٗ: مخلص اور معاون دوست اور ملت اسلامیہ کا قیمتی اثاثہ، مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری

(۹) اسلاف کے پاکیزہ خوابوں کی حسین تعبیر ہے تو، مولانا قاری محمد اسجد الحسینی

(۱۰) آہ میرے استاذ محترم، عبدالرشید قاسمی اوگئی پور سگرا سندر پور ضلع پرتاپ گڑھ

امارتِ شرعیہ ہند اور مولانا معز الدین احمدؒ

مولانا عظیم اللہ صدیقی جمعیۃ علماء ہند

مولانا معز الدین احمد ۱۹۶۲ء میں دتلو پور ضلع گونڈہ (جواب بلرام پور ضلع میں واقع ہے) کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، والد کا نام مولانا عبدالحمید ہے۔ مولانا معز الدین مرحوم ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اس سے قبل ابتدائی تعلیم دارالعلوم فرقانیہ گونڈہ اور جامع العلوم پٹکاپور کانپور میں حاصل کی، وہ حافظ قرآن بھی ہیں۔ فراغت کے بعد ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس رہے، اسی سال دیوبند میں ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' دارالعلوم دیوبند کا تاسیسی اجلاس منعقد ہوا، تو اُنہوں نے اس کے انعقاد میں اپنے حصے کا اہم کردار ادا کیا، اُسی سال دیوبند کی مدنی مسجد میں حضرت فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کا نکاح پڑھایا۔

امارتِ شرعیہ ہند کی ذمہ داری

۱۹۸۷ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت پر جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر سے وابستہ ہوئے، ان کو امارت شرعیہ ہند کی ذمہ داری سونپی گئی، اس کے ساتھ اُنہوں نے مدرسہ حسین بخش نزد جامع مسجد دہلی میں فقہ وحدیث کا درس دینے کی بھی ذمہ داری نبھائی؛ لیکن یہ سلسلہ طویل عرصے تک نہیں چلا۔ ۳ر اگست ۱۹۹۲ء کو امارت شرعیہ ہند کے اجلاسِ شوریٰ زیر صدارت اَمیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ میں ان کو امارتِ شرعیہ ہند کا ناظم نامزد کیا گیا۔ وہ تادم واپسیں ۲۸ رسال تک اس عہدہ پر رہے، اس کے

علاوہ مولانا مرحوم نے ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کی بھی ذمہ داری نبھائی، جس کے زیرِ انتظام گذشتہ تیس سالوں میں کئی اہم اور معرکۃ الآ راء مسائل پر اجتماعات منعقد ہو چکے ہیں۔

امارتِ شرعیہ ہند کی تاریخ

ہندستان میں قیام امارت اور نظام شرعی کی ضرورت واہمیت اسی وقت محسوس ہونے لگی تھی، جب مسلمانوں کے خورشید اقبال میں گہن آنا شروع ہوا اور مسلم حکومت کا چراغ ٹمٹمانے لگا؛ چنانچہ اس وقت کے جماعت علماء کے سربراہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے قیام امارت اور انتخاب اَمیر کا فتویٰ دیا تھا؛ چناں چہ اپنے یوم تاسیس کے ہی جمعیۃ علماء ہند نے اس شرعی ضرورت اور ادائے فرض کا شدت کے ساتھ احساس کیا اور اس کی تکمیل کے لئے برابر کوشاں رہی؛ جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''ہندستان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے سامنے اول یوم سے جو سب سے اہم اور ضروری کام پیش نظر ہے وہ اسلامی تنظیم اور نظام شرعی کا قیام ہے، جمعیۃ علماء اس اہم فریضہ کی طرف سے غافل نہیں رہی اور اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرتی رہی ہے، شیخ الہندؒ کی علالت کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ۱۹۲۰ء میں امارت فی الہند کا مسئلہ عملی شکل اختیار نہ کرسکا''۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے ۱/۲۹)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کی وجہ سے یہ مسئلہ جب معرض التوا میں پڑ گیا اور حضرت شیخ الہندؒ کی شدید خواہش کے باوجود امیر الہند کا انتخاب نہ ہوسکا، تو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے صوبائی پیمانے پر نظام امارت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور صوبہ بہار میں اس کی داغ بیل ڈالنے کی مہم شروع کردی؛ چنانچہ جمعیۃ علماء صوبہ بہار کے اجلاس عام مؤرخہ ۲-۳ رمئی ۱۹۲۱ء بمقام دربھنگہ میں صوبائی امارت کے قیام کی تجویز منظور کی گئی جس کے مطابق ۲۵-۲۶ رجون ۱۹۲۱ء کو پٹنہ میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی صدارت میں انتخابِ اَمیر کا اجلاس ہوا، جس میں باتفاق شرکاء اجلاس حضرت مولانا بدرالدین نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا، اُس کے بعد یکے بعد دیگرے چار امراء کا انتخاب جمعیۃ علماء صوبہ بہار کی نگرانی میں ہی ہوتا رہا؛ تاہم قومی سطح پر امارت شرعیہ کے قیام اور امیر الہند کا انتخاب لگاتار موضوع بحث رہا اور جمعیۃ

علماء کے سبھی اجلاسوں میں اس کے قیام پر توجہ دلائی جاتی رہی، مگر تقدیر الٰہی سے ایسا ہوا کہ جب بھی انتخاب امیر کی کوشش کی گئی، درمیان میں عوارض وعوائق حائل ہو گئے اور تمام تر سعی بلیغ اور جد وجہد کے باوجود اس فریضہ کی تکمیل نہ ہوسکی، اس درمیان ملک کے سیاسی اُفق سے آزادی کا سورج طلوع ہوا اور ملک کے ارباب اقتدار اور فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کے عائلی اور شرعی مسائل پر نقب لگانے شروع کر دیئے تو ان مشکل حالات میں ۲؍نومبر ۱۹۸۶ء کو ملک کے چودہ صوبوں کے کئی ہزار مختلف الخیال ارباب حل وعقد نے شرعی نظام کے بقاء وتحفظ کے لئے امارت شرعیہ ہند کے قیام کا فیصلہ کیا اور اِس طرح حضرات اکابر واسلاف رحمہ اللہ کا حسین خواب صورت گر تعبیر ہوا اور نصب امیر کا فریضہ انجام پایا اور امیر الہند کے منصب پر محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ کا انتخاب عمل میں آیا اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کو نائب امیر الہند منتخب کیا گیا۔

۵؍دسمبر کو ۱۹۸۶ء کو امارت شرعیہ ہند کی مجلس شوری کا پہلا اجلاس نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی صدارت میں نئی دہلی میں منعقد ہوا، جس میں امارت کے دستور کی ترتیب پر فیصلہ ہوا، ساتھ ہی حضرت مفتی منظور احمد صاحب کانپوریؒ کو ایک ماہ کے لئے عارضی طور پر ناظم مقرر کیا گیا اور مولانا صدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ عارضی طور سے نائب ناظم مقرر ہوئے، پٹنہ کے حضرت مولانا شاہ عون قادری صاحب مرحوم، صدر محکمہ شرعیہ مقرر ہوئے، مولانا حماد اعظمی صاحب کو دفتری نظم کے لئے بطور معاون مقرر کیا گیا، اس موقع پر مجلس عاملہ تشکیل دی گئی جس کے ارکان حضرت مولانا شاہ عون قادری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مظاہری کانپوریؒ، حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب، حضرت مولانا مفتی عبد العزیزؒ منتخب کئے گئے۔

تاہم امارت شرعیہ ہند میں ایک ایسے ذمہ دار شخص کی ضرورت تھی جو مرکزی دفتر میں بیٹھ کر اُس کے پروگراموں کو منظّم کر سکے۔ اسی کے تحت حضرت فدائے ملتؒ کی دعوت پر دار العلوم دیوبند کے فاضل نوجواں مولانا معز الدین احمد مرحوم کو دفتر جمعیۃ علماء ہند مدعو کیا گیا اور اُنھیں

امارتِ شرعیہ ہند کی ذمہ داریوں کے لئے مقرر کیا گیا۔

مولانا معزالدین احمد دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضلوں میں سے تھے اور ہمیشہ اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، نیز ان کو جمعیۃ علماء ہند اور ان کے اکابر سے یک گونہ تعلق بھی تھا، اس لئے امارت شرعیہ ہند کے کام کاج میں وہ جلد ہی رچ بس گئے اور اپنی مفوضہ ذمہ داریوں میں پورے دل کے ساتھ وابستہ ہوئے؛ چناں چہ اس کے بعد مختلف صوبوں میں امارت شرعیہ صوبہ کا قیام عمل میں آیا اور امیر شریعت صوبہ نامزد کئے گئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) یوپی:- ۲؍جنوری ۱۹۸۷ء کو کان پور میں تقریباً پانچ سو علماء کی موجودگی میں اَمیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا معین الدین صاحب گونڈویؒ کو اَمیر شریعت اتر پردیش نامزد فرمایا، حضرت مولانا معین الدین صاحبؒ کے استعفیٰ کے بعد ۲۷؍اکتوبر ۱۹۹۷ء میرٹھ فیض عام انٹر کالج میں اَمیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے صوبہ کے اربابِ حل وعقد سے مشورہ کے بعد حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب کو اَمیر شریعت اُتر پردیش مقرر کیا۔

(۲) بنگال:- ۳؍جنوری ۱۹۸۷ء کلکتہ کے ایک عظیم اجلاس میں امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ نے حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء بنگال کو امیر شریعت مغربی بنگال نامزد فرمایا۔ حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد حضرت مولانا عبد الوہاب صاحبؒ جورہاٹ کو امیر شریعت نامزد کیا گیا۔ حضرت مولانا عبد الوہاب صاحبؒ کا بھی وصال ہو گیا، اس کے بعد کسی کو امیر شریعت صوبہ مقرر نہیں کیا گیا۔

(۳) آسام وملحقہ صوبے:- ۲۰؍جنوری ۱۹۹۰ء کو میرا باڑی آسام کے ایک عظیم الشان اجلاس میں نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب بانسکنڈی خلیفہ شیخ الاسلامؒ کو امیر شریعت آسام وملحقہ صوبے اور حضرت مولانا مفتی خیر الاسلام کو نائب امیر ہونے کا اعلان فرمایا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے وصال کے بعد مولانا مفتی خیر الاسلام صاحب امیر شریعت مقرر کئے گئے۔ ان کی بھی ایک سال قبل وصال ہو چکا ہے۔

(۴) اُڑیسہ:- ۴؍جنوری ۱۹۸۷ء کو سونگڑہ اُڑیسہ میں ایک عظیم اجلاس میں امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء اُڑیسہ کو امیر شریعت اُڑیسہ مقرر فرما کر اعلان کیا۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کے سانحہ وفات کے بعد صوبہ کے ارباب حل وعقد کی سفارش پر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے مولانا سید سراج الساجدین صاحبؒ کو امیر شریعت اُڑیسہ نامزد فرمایا۔ مولانا سراج الساجدین صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت امیر الہند رابع نے صوبہ کے ارباب حل وعقد کے مشورہ سے حضرت مولانا محمد جابر قاسمی کو امیر شریعت صوبہ نامزد فرمایا۔ ان کا بھی گذشتہ چھ سال قبل انتقال ہو چکا ہے۔

(۵) مہاراشٹر:- ۱۲؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو عروس البلاد بمبئی میں ایک عظیم اجتماع میں امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت مولانا عبد الستار اعظمیؒ کو اَمیر شریعت مہاراشٹر اور مولانا اسرار احمدؒ کو نائب امیر نامزد فرمایا۔ حضرت مولانا عبد الستار صاحب اعظمیؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا شوکت علی صاحب امام جامع مسجد بمبئی کو امیر شریعت مہاراشٹر مقرر کیا گیا۔ وہ بھی اس دار فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔

(۶) گجرات:- ۲۸؍فروری ۱۹۸۷ء کو احمد آباد میں ارباب حل وعقد کے ایک اجتماع نے حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ کو امیر شریعت گجرات بنانے کی سفارش کی۔ ۲؍مارچ ۱۹۸۷ء کو امیر الہند حضرت محدث اعظمیؒ نے اس کو منظور فرما کر مفتی صاحب موصوف کو امیر شریعت صوبہ نامزد فرمایا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد ۱۹؍اپریل ۲۰۰۲ء کو صوبہ کے مؤقر علماء کی سفارش پر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ کو امیر شریعت گجرات نامزد فرمایا۔ مفتی احمد بیماتؒ کے وصال کے بعد گجرات میں امیر شریعت کی نامزدگی عمل میں نہیں آئی۔

(۷) ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش:- ۱۱؍جنوری ۱۹۸۸ء کو نوح ضلع گوڑگاواں کے ایک عظیم اجلاس میں نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے حضرت مولانا نیاز محمد

صاحبؒ کو امیر شریعت ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش اور مولانا محمد صدیق صاحب کو نائب امیر ہونے کا اعلان فرمایا۔ حضرت مولانا نیاز محمد صاحب کے وصال کے بعد ۱۷؍نومبر ۱۹۹۵ء کو مالب میں ایک عظیم امارت کانفرنس میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ کو امیر شریعت نامزد فرمایا۔ اور مولانا محمد الیاس پپلی مزرعہ اور مولانا محمد یوسف اوتھا کو نائب امیر مقرر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ کے وصال کے بعد امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۶؍صفر ۱۴۲۹ھ کو صوبہ کے چند علماء کی سفارش پر مولانا محمد اسحٰق شیخ الحدیث دارالعلوم میوات کو امیر شریعت صوبہ ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش و چنڈی گڑھ نامزد فرمایا۔ مولانا مرحوم بھی اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔

(۸) مدھیہ پردیش:- ۱۱؍اپریل ۱۹۸۷ء کو بھوپال کے ایک اجتماع میں نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب کو اَمیر شریعت مدھیہ پردیش مقرر فرما کر اس کا اعلان فرمایا۔

(۹) تامل ناڈ:- ۷؍اپریل ۱۹۸۸ء کو علماء و عمائدین تاملناڈ کی سفارش پر مولانا مفتی عبدالوہاب صاحب مفتی مدرسہ باقیات الصالحات ویلور کو امیر الہند حضرت محدث اعظمیؒ نے امیر شریعت تامل ناڈ و نامزد فرمایا۔ حضرت مفتی موصوف کے سانحہ ارتحال کے بعد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو امیر شریعت تامل ناڈ نامزد کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، امیر شریعت تاملناڈ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ارکان امارت شرعیہ تاملناڈ و دیگر ارباب حل وعقد کی مشاورتی میٹنگ (منعقدہ ۲۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۸؍فروری ۲۰۱۹ء بمقام جامع مسجد پرسواکم مدراس) کی رائے وسفارش کے مطابق جناب مولانا سعید احمد پرنامبٹ کو امیر شریعت تامل ناڈ اور جناب مفتی ابوالحسن محمد یعقوب قاسمی مدراس اور جناب مولانا عبدالرحیم پلے پٹی کو نائب امیر مقرر کیا گیا۔

فی الحال مندرجہ ذیل امراء صوبہ موجود ہیں:

(۱) مولانا عبدالعلیم فاروقی امیر شریعت اتر پردیش۔

(۲) مفتی عبدالرزاق صاحب امیر شریعت مدھیہ پردیش

(۳) مولانا سعید احمد پرنامبٹ امیر شریعت تامل ناڈ

مولانا معز الدین صاحب مرحوم کے دور کے چار امراء

مولانا معز الدین صاحب مرحوم نے اپنے دور میں کل چار امراء دیکھے ہیں اور سبھی چارو ں امراء اپنے علم وفضل اور تقوی کے اعتبار سے مقام اعلی رکھتے ہیں، یہ بہت ہی خصوصیت کی بات ہے کہ یہ چاروں اکابر علم وفقہ، تصوف اور تدبر کی تمام صفات عالیہ ورغالیہ پر فائز ہیں اور ان سبھوں نے مولانا معز الدین احمد مرحوم کی لیاقت وصلاحیت پر اعتماد کیا اور ان کو امارت کی نظامت پر برقرار رکھا۔ ان چاروں اکابر اور ان کی مدت بالترتیب حسب ذیل ہے۔

○ **اَمیر الہند اَول:-** ۲۸ر صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۹۸۶ء کو "امارت شرعیہ ہند" کا قیام عمل میں آیا، اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہٗ کو امیر الہند اور حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو نائب اَمیر الہند منتخب کیا گیا۔ ۱۱ر رمضان ۱۴۱۳ھ-۱۶ر مارچ ۱۹۹۲ء کو حضرت امیر الہند اولؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔

○ **اَمیر الہند ثانی:-** ۹ر مئی ۱۹۹۲ء کو انتخاب عمل میں آیا۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نورہ اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند امیر الہند ثانی منتخب ہوئے۔ ۷ر محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو امیر الہند ثانی کا حادثہ وفات پیش آیا۔

○ **اَمیر الہند ثالث:-** ۲۸ر فروری ۲۰۰۶ء کو انتخاب عمل میں آیا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند اَمیر الہند ثالث منتخب کئے گئے۔

○ **اَمیر الہند رابع:-** ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند واُستاذ حدیث دار العلوم دیوبند امیر الہند رابع منتخب ہوئے، جن کا سایہ تا حال ہمارے سروں پر قائم ہے۔

محاکم شرعیہ

امارت شرعیہ ہند کا سب سے اہم اور بنیادی شعبہ ''محکمہ شرعیہ'' ہے جس کے بغیر مسلمانوں کی اسلامی زندگی اور عائلی و معاشرتی مسائل کا حل شرعی حیثیت سے ممکن نہیں، اس لئے امارت شرعیہ ہند نے اپنے نظام میں سب سے زیادہ اہمیت اور ترجیح اسی شعبہ کو دی اور فیصلہ کیا کہ ہر ضلع اور صوبہ میں محکمہ شرعیہ کا نظام قائم کر کے قضاء کی شرعی ضرورت کو پورا کیا جائے۔ اس فیصلہ کے بموجب جگہ جگہ محکمہ شرعیہ کا قیام عمل میں آیا اور جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت قائم شرعی پنچایتوں کو ''محکمہ شرعیہ'' سے منسوب کیا گیا۔ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے دور میں محاکم شرعیہ کے نظام اور اس سے متعلق اُصول وضوابط طے ہوئے، اُن کے زمانہ امارت میں بنارس، مرادآباد، گوہاٹی، رانچی، مدراس، حیدرآباد، کانپور اور بھوپال اور ادگیر وغیرہ میں اس سے متعلق تربیتی کیمپ منعقد ہوئے۔ اِسی طرح ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۶ء کو باضابطہ عمل محکمہ شرعیہ مرتب کرا کے مجلس شوریٰ سے منظور کرا کر شائع کرایا، حضرت اَمیر الہند رابع دامت برکاتہم کے دور میں بھی اس ضابطہ عمل کو دوبارہ شائع کرایا گیا، اسی طرح ''الحیلۃ الناجزۃ''، تحقیق وتصحیح کے بعد شائع کی گئی، فرد احکام، فارم عارضی دعویٰ فائل مقدمہ کے نمونے شائع کر کے محاکم شرعیہ کو دئے گئے۔

گذشتہ قریب کے چند سالوں میں بالخصوص ۹-۱۰/جون ۲۰۱۳ء کو حیدرآباد میں ۱۶/جون ۲۰۱۳ء کو ہاسن کرناٹک میں ۲۰-۲۱/نومبر ۲۰۱۴ء کو پورے ملک کے ذمہ داران محاکم شرعیہ کا دہلی میں ۲۱-۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ء کو دارالعلوم رحیمیہ باندی پورہ کشمیر میں اور ۱۲-۱۳/اگست کو محمود ہال دیوبند میں تربیتی ومشاورتی اجتماعات منعقد ہوئے۔ اوران تمام تحریکات میں مولانا معزالدین احمد مرحوم پیش پیش رہے؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر مارگ پر واقع امارت شرعیہ ہند کے دفتر کے وہ اکلوتے ناظم اور اکلوتے خادم تھے، پوسٹ آفس سے لے کر پروگرام کے نظم ونسق تک ساری ذمہ داری ان کے اوپر تھی۔ یہ ان کے حسن تدبیر کی بات تھی کہ اس کام میں سے چند خود اور چند دوسرے احباب سے کرا لیتے تھے۔ شروعاتی دور میں مفتی عمیر قاسمی اوران جیسے چند احباب اس دفتر سے وابستہ تھے؛ لیکن پچھلے بیس سالوں سے وہ تنہا اس بارگراں کو اپنے کندھوں پر ڈھور ہے تھے۔

محاکم شرعیہ چلانے میں ہورہی دشواری کا ایک تحریر کے ذریعہ جواب

سال ۲۰۱۹ء میں مولانا معزالدین صاحب مرحوم کے پاس محکمہ شرعیہ مئو کے جناب مفتی سعیدالحق صاحب کا ایک خط آیا کہ ان کے یہاں فسخ نکاح کی وجہ سے کئی طرح کی قانونی پریشانیوں کا سامنا ہے، مولانا مرحوم نے اس کے جواب میں جو بات ان کو لکھی، وہ اپنے آپ میں بہت ہی قیمتی اور دور موجود کے قضاہ کے لئے مشعل راہ ہے، اس لئے اسے یہاں شامل اشاعت کیا جارہا ہے:

محترم المقام جناب مفتی سعیدالحق صاحب زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ گرامی نامہ مورخہ ۲؍جنوری ۲۰۲۰ء موصول ہوکر کاشف احوال ہوا۔ محکمہ شرعیہ مئو کے ذریعہ آنجناب کی خدمات قابل تحسین ہیں۔

محکمہ شرعیہ کا قیام ایک شرعی ذمہ داری ہے، اس کے ذریعہ شرعی فیصلے کرکے اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہوتے ہیں، محکمہ شرعیہ کے ذریعہ ضابطہ کے مطابق کیا ہوا فسخ نکاح کا فیصلہ بھی شرعا نافذ العمل ہوتا ہے، البتہ قانونا نافذ نہیں ہوتا ہے، قانونی نفاذ کے لئے ہی جمعیۃ علماء ہند نے حکومت سے قاضی بل پاس کرانے کی متعدد بار جدوجہد کی جو کامیاب نہ ہوسکی۔

محکمہ شرعیہ میں دائر فسخ نکاح کے معاملہ میں اگر قانونی دشواری پیش آنے کا خطرہ ہو تو تحکیم (یعنی فریقین سے فیصلہ تسلیم کرنے کی تحریر لے کر) کے ذریعہ فسخ نکاح کا فیصلہ صادر کیا جائے اور فریقین نہ آئیں نہ تو مدعا علیہ کو مشورہ دیا جائے کہ اولاً مروجہ عدالت میں مقدمہ دائر کرکے اپنا نکاح فسخ کرالو جو قانوناً فسخ ہوجائے گا، شرعاً نہیں، پھر اپنے محکمہ شرعیہ میں معاملہ کو دائر کرکے ضابطہ عمل کے مطابق فسخ نکاح کا فیصلہ کیا جائے جو شرعاً نافذ ہوجائے گا، اس طرح محکمہ شرعیہ قانونی زد سے بچ جائے گا، اس میں طول عمل ہے لیکن محکمہ شرعیہ کو قانونی زد سے حفاظت ہوجائے گی اور شرعی ذمہ داری کی ادائیگی کے فریضہ کی انجام دہی آسان ہوگی۔ والسلام

معزالدین احمد ۱۷؍دسمبر ۲۰۱۹ء

مولانا معزالدین احمد بحیثیت سکریٹری رویت ہلال کمیٹی

امارت شرعیہ ہند کا یہ شعبہ آج تک مسلسل سرگرم عمل ہے، ہر ماہ پابندی کے ساتھ رویت

ہلال کمیٹی کی میٹنگ ہوتی ہے، ملک کے بیشتر مقامات سے رابطہ کرکے فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس فیصلے کا اعلان اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ سے کیا جاتا ہے۔ راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مولانا کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا، جس میں میٹنگ کی روائیداد لکھتے تھے۔ ملک کے سبھی علاقوں سے وہ رابطہ کرتے اور پھر ایک حتمی نتیجے پر پہنچتے۔ وہ اپنے فیصلے پر پورا اعتماد رکھنے کے بعد ہی اعلان کرتے اور اعلان کرنے میں جلد بازی نہیں کرتے۔ جو فیصلہ ہوتا اس کو ثابت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، کئی بار ایسا ہوا کہ دہلی کی دوسری کمیٹیوں نے جلدی میں اعلان کردیا اور بعد میں ان کا اعلان ہوا تو اس سے مختلف ہوا تو دوسری کمیٹیاں، ان سے ناراض ہوجاتیں، لیکن مولانا اپنی رائے پر قائم رہتے اور کسی کے دباؤ میں نہیں آتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعد کوئی شرعی شہادت موصول ہوتی تو اپنے فیصلے کو بدل بھی دیتے تھے، چنانچہ اسی طرح کا ایک واقعہ ۳؍دسمبر ۲۰۱۶ء کو پیش آیا جو ربیع الاول کے چاند سے متعلق تھا، مولانا نے پہلے عدم رویت کا اعلان کردیا تھا، لیکن شرعی شہادت موصول ہوئی تو اُنہوں نے اگلے دن صبح ہنگامی میٹنگ طلب کرکے فیصلہ بدل دیا، اُنہوں نے اس موقع پر اعلان کیا کہ چاند کی رویت کے سلسلے میں ملک کے مختلف حصوں سے آرہی اطلاعات وتصدیقات کی روشنی میں غور وخوض کیا گیا، گجرات کے متعدد مقامات چھاپی، جام نگر، واکانیر، راج کوٹ، لونی شریف وغیرہ میں ایک بڑی تعداد نے ۲۹؍صفر المظفر بروز بدھ ربیع الاول کا چاند دیکھا، جن کی خبر وشہادت پر گجرات کی بیشتر کمیٹیوں نے رویت کا اعلان کردیا، جن کی وہاں کے متعدد معتبر حضرات سے تصدیق کی گئی، نیز حیدرآباد، گلبرگہ شریف، اجمیر شریف، جے پور، لکھنؤ کی کمیٹیوں نے بھی ۲۹ کی رویت کی اعلان کیا ہے۔ ان متعدد خبروں اور کمیٹیوں کے فیصلوں کی مصدقہ اطلاعات کے بعد رویت ہلال کمیٹی امارت شرعیہ ہند نے فیصلہ کیا کہ ۲۹؍کی رویت شرعاً ثابت ہوگئی ہے، اس لئے ۳؍دسمبر بروز ہفتہ کو ربیع الاول کی ۳؍تاریخ ہے اور ۱۲؍دسمبر کو ۱۲؍ربیع الاول ہوگی۔

اسی طرح غالباً ۲۰۰۸ء میں عیدالفطر کے موقع پر اُنہوں نے عدم رویت کا اعلان کردیا، عشاء کے وقت یہ خبر آئی کہ آگرہ میں کسی شخص نے چاند دیکھا ہے، اس سلسلے میں لوگوں کا ایک

بڑا طبقہ دہلی واطراف سے آیا اور دفتر جمعیۃ علماء ہند میں اس امر پر مصر ہوا کہ چاند کا اعلان کر دیا جائے؛ لیکن مولانا نے اپنے دلائل کی قوت اور بالغ فہمی سے ان سب کو قائل کرایا کہ عید الفطر کے چاند کے لئے فردِ واحد کی رویت قابل قبول نہیں ہے۔

رویت کے سلسلے میں خبر مستفیض کا قضیہ

رویت کے سلسلے میں ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کا ساتواں فقہی اجتماع منعقدہ ۲۵-۲۶/ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں اتفاق رائے سے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کے مرتب کردہ رویت ہلال کمیٹی کے شرعی قواعد وضوابط کو تائید وتوثیق کی گئی، اس میں یہ طے ہوا کہ رویت ہلال کا فیصلہ مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک پر ہو سکے گا:

(۱) رویت عام (۲) شہادت (۳) استفاضہ (خبر مشہور جس کے ابتدائی خبر دینے والے معلوم ہوں) (۴) ریڈیو، ٹیلی فون یا خطوط (مع الشرط) لیکن احناف کا بھی ایک طبقہ ہے جو استفاضہ کو رویت کے ثبوت کے لئے کافی نہیں مانتا، دہلی میں رویت ہلال کمیٹی زیر صدارت حضرت ثمر میاں دہلویؒ کو استفاضہ سے اتفاق نہیں رہتا تھا اور اس پر موضوع پر امارت شرعیہ ہند کی رویت ہلال کمیٹی پر تنقید کرتے تھے، بارہا اُنہوں نے اخباروں میں تنقید بھی کی، اس کے جواب میں ایک بار مولانا معز الدین صاحب اور مولانا عبد الحمید نعمانی صاحب نے ان کے اخباری بیان پر نقد کرتے ہوئے فقہ حنفی کی معروف کتاب رد المحتار اور توضیح کا حوالہ دیا اور اپنی بات کو پورے اعتماد کے ساتھ پیش کیا۔ اس کے بعد ان کی طرف سے اس طرح کی تنقید ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری صاحب کے منصب امارت پر فائض ہونے کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں مختلف اصلاحی عنوانات پر پمفلٹ تیار کرانے کی ہدایت دی گئی، مولانا مرحوم نے اس پر عمل کرتے ہوئے ۱۶/ پمفلٹ تیار

کرائے، جو کئی ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر تقسیم ہوئے۔

امارت شرعیہ ہند کا موجودہ نظام

۲۷ر ستمبر ۲۰۱۶ء کو دہلی امارت شرعیہ ہند کی مجلس شوری کا اجلاس منعقد ہوا تھا، اس موقع پر مولانا مرحوم نے سکریٹری رپورٹ پیش کی تھی، اس کے ابتدائیہ میں ہی اُنہوں نے اس ادارہ کے اضمحلال کا تذکرہ کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی ادارہ یا تنظیم فرد واحد یا چند افراد کی ذاتی دلچسپی سے نہیں چل سکتی؛ بلکہ اس کے لئے پوری ملت کو متحرک ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، جمعیۃ علماء ہند نے اپنے سارے اجلاسہائے عام میں امارت شرعیہ ہند کے استحکام سے متعلق تجاویز پیش کی ہیں؛ لیکن ملت کی عدم دل چسپی کی بنیاد پر یہ ادارہ مضمحل ہوتا جارہا ہے۔

مولانا معزالدین احمد کی خدمات پر کلام آخر

۱۴ر ستمبر ۲۰۲۰ء کو اپنے وصال تک مولانا مرحوم امارت شرعیہ ہند کے کاموں: اس کے بیت المال، رویت ہلال کمیٹی اور محاکم شرعیہ کے نظم و نسق میں مصروف رہے، حالاں کہ حال کے چند سالوں میں ان سب کاموں میں کافی اضمحلال آچکا تھا۔ شروع کے دس گیارہ سالوں میں امارتِ شرعیہ اور محاکم شرعیہ نے جس تیزی کے ساتھ ملک کے وسیع وعریض دائرے میں اپنا دامن پھیلایا تھا، اس میں مولانا معزالدین احمد صاحب کا بڑا کردار تھا، اُنہوں نے بڑی محنت ولگن کے ساتھ اپنے امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی قیادت میں ملک کے گوشے گوشے میں محاکم شرعیہ قائم کئے، امارت کے نظام، ضابطے اور دینی وتربیتی کیمپس وغیرہ چہار سو منعقد ہوئے اور اپنی زندگی کے دس سالوں میں یہ ایسا تناور درخت بن گیا کہ عائلی مسائل میں وہ خلق کثیر کے رجوع کا مرکز بن گیا۔

مدرسہ حسین بخش دہلی میں تدریسی خدمات

مولانا محمد اشرف علی قاسمی خادم الحدیث والافتاء مدرسہ حسین بخش دہلی

مدرسہ حسین بخش کا تعارف

مدرسۃ العلوم حسین بخش حویلی بختاور خان بازار مٹیا محل نزد جامع مسجد دہلی-۶ میں واقع ہے، یہ دہلی کا قدیم ترین ادارہ ہے، مشہور تاجر شیخ حسین بخش نے مشہور واعظ جید عالم حضرت شاہ اسحاق کے شاگرد حضرت مولانا نوازش علی کے وعظ و ارشاد کے لئے اسے ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں قائم کیا، مدرسہ حسین بخش کا اصلی نام ''دار الہدیٰ والوعظ'' ہے جو مدرسہ کے صدر دروازہ کی پیشانی پر سنگ مرمر کے کتبہ پر کندہ ہے، یہی مادہ تاریخ ہے، بعد میں مدرسۃ العلوم نام رکھا گیا، اسی کے نام پر سر سید احمد نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا نام مدرسۃ العلوم رکھا تھا۔

حضرت علامہ قاسم نانوتویؒ کے شاگرد مدرسہ حسین بخش میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف وسلوک میں تعلق رکھنے والے حضرت مولانا کرامت اللہ دہلوی پانچ سال تک مسند تدریس پر فائز رہے۔

حضرت علامہ نانوتوی کے دوسرے شاگرد رشید اور اساطین امت (حضرت علامہ اشرف علی تھانویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت شبیر عثمانیؒ، حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ وغیرہ) کے اُستاذ جلیل علامہ عبد العلی میرٹھیؒ دار العلوم دیوبند سے مدرسہ حسین بخش تشریف لائے اور یہاں منصب صدارت کو زینت بخشی، جس پر دار العلوم نے روئیداد صفحہ نمبر ۲؍ پر لکھا کہ:

''ہمارے لئے بڑی محرومی کی بات ہے کہ مولانا عبد العلی میرٹھی دار العلوم چھوڑ کر دہلی تشریف لے گئے''۔

ان کے بعد مدرسہ کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین کون ہوئے، مدرسہ کا پرانا ریکارڈ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں، تاہم اتنا معلوم ہوا کہ مولانا عبد العزیز، علامہ نور الحسن دیوبندی، مولانا قاری عبد الشکور، مفتی فضل الرحمٰن امروہوی وغیرہ صدر مدرس رہے ہیں۔

مدرسہ کے متولیان ومنتظمین میں ماضی قریب کے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب، قاضی سجاد حسین صاحب، مولانا سید محمد میاں صاحب وغیرہ رہے ہیں۔ مدرسہ کے فارغین میں نامور شخصیات میں سر سید احمد خان، خواجہ الطاف حسین حالی، حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی وغیرہ رہے ہیں۔

قیام کے شروع سے ہی درسِ نظامی کے مطابق دورہ حدیث شریف تک تعلیم ہوتی رہی ہے، اب الحمد للہ شعبہ افتاء بھی قائم ہے، اور آج یہ ادارہ الحمد للہ حاجی میاں فیاض الدین صاحب صدر منتظمہ کمیٹی کے زیر انتظام وانصرام ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مولانا معز الدینؒ کا مدرسہ حسین بخش میں تقرر

حضرت مولانا شمیم احمد قاسمی شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسہ حسین بخش کی ملاقات حضرت مولانا معز الدین صاحب قاسمی سے ہوئی تو ایک ہی نظر میں وہ ان کی صلاحیت کو تاڑ گئے، اور بلا تنخواہ اعزازی ورضا کارانہ طور پر مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں ان کا تقرر فرمالیا، نئے مدرس کو شروع میں ابتدائی کتابیں دی جاتی ہیں، مگر ان کی صلاحیت واستعداد اور ذوقِ مطالعہ کو دیکھتے ہوئے درسِ نظامی کی اہم کتابیں تفسیر ''جلالین شریف نصف ثانی، الفوز الکبیر، اور اُصول الشاشی'' کے اسباق آپ سے متعلق کر دیے، دفتر مدرسہ کے رجسٹر کے مطابق آپ ۱۱-۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۱ء سے لے کر ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء

تک ''جلالین شریف'' اور ''الفوز الکبیر'' کا درس دیتے رہے۔ ۱۴۱۱ھ میں حسنِ کارکردگی کی وجہ سے ''اُصول الشاشی'' کے بجائے اُصول فقہ کی اہم کتاب ''نور الانوار'' آپ سے متعلق کی گئی، ''نور الانوار'' کو دو سال ۱۴۱۲ھ اور ۱۴۱۳ھ تک آپ نے پڑھایا؛ لیکن جمعیۃ علماء ہند کی مختلف اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں درس وتدریس کا سلسلہ موقوف کرنا پڑا، یقیناً یہ بڑی محرومی کی بات رہی کہ ایک لائق وفائق، ذی استعداد فاضل، نہایت خلیق، سنجیدہ، بے تکلف اور سادہ مزاج رکھنے والے جید عالم مدرسہ کو الوداع کہہ گئے۔

طریقۂ تدریس

آپ نے تین سالوں میں الحمد للہ مفوضہ امور کو بحسن خوبی انجام دیا، آپ بڑی عرق ریزی سے مطالعہ فرما کر تشریف لاتے اور طلبہ کے سامنے ایسا درس دیتے کہ ہر طالب علم مطمئن ہو جاتا، اسلوب درس سلیس اور دل نشیں ہوتا، طریقۂ تفہیم وتعلیم ایسا ہوتا کہ ہر طالب سبق کو نہایت سہل پاتا۔

آپ کی درس گاہ کے برابر میں مسند درس پر جلوہ افروز ہونے والے آپ کے رفیق محترم محمد ادریس صدر المدرسین مدرسہ وخلیفہ فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مولانا معز الدین صاحبؒ درس میں کتاب کے مالۂ وعلیہ سے تعلق سیر حاصل بحث فرماتے اور اپنے مطالعہ کا نچوڑ طلبہ کے سامنے رکھتے، جس سے معلوم ہوتا کہ واقعی آپ مطالعہ کی گہرائی وگیرائی کے حامل شخص ہیں اور طلبہ آپ سے بہت مطمئن ہوتے، خصوصاً جلالین شریف میں جب نکت بتلاتے اور تفسیری فوائد پر بحث فرماتے تو آپ کی دقت علم اور کثرت مطالعہ کا اندازہ ہوتا، درس دیتے وقت آپ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوتے، جس سے آپ سے علم کی پختگی کا پتہ چلتا، آپ بہت خاموش اور سنجیدہ طبیعت تھے، کسی سے کوئی تعلق نہیں تھا، بس آپ کے لئے مطالعۂ کتب ہی سب کچھ تھا، جب تشریف لاتے تو سلام دعا کرتے، اور اپنے مسند درس پر جلوہ افروز ہو جاتے، کبھی کسی سے فضول گفتگو نہ کرتے، کبھی کبھار صدر المدرسین وشیخ الحدیث حضرت

مولانا شمیم احمد صاحب کے پاس تشریف لے جاتے اور ان سے ضروری گفتگو فرماتے اور اپنے متعلقہ اسباق کو مکمل کر کے خاموشی کے ساتھ دفتر جمعیۃ علماء ہند کے لئے روانہ ہو جاتے۔

دفتر مدرسہ کے رجسٹر کے مطابق تین سالوں میں آپ سے مستفیض ہونے والے طلباء کی مجموعی تعداد بیاسی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے: آپ سے ''تفسیر جلالین'' پڑھنے والے طلباء کی تعداد: ۱۱-۱۴۱۰ھ میں ۱۸، ۱۲-۱۴۱۱ھ میں ۲۴، اور ۱۳-۱۴۱۲ھ میں ۱۰ رتھی، ''نور الانوار'' پڑھنے والے طلباء کی تعدا: ۱۲-۱۴۱۱ھ میں ۹، اور ۱۳-۱۴۱۲ھ میں دس تھی اور ''اُصول الشاشی'' پڑھنے والے طلبہ کی تعداد گیارہ تھی۔

اِدارۃ المباحث الفقہیۃ اور مولانا معزالدین احمد صاحبؒ

تعارف اور زریں خدمات

مفتی ذکاوت حسین قاسمی شیخ الحدیث ومفتی مدرسہ امینیہ دہلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ. اَمَّا بَعْدُ:

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنْ نَزَلَ بِنَا اَمْرٌ لَیْسَ فِیْہِ بَیَانٌ، اَمْرٌ وَّلَا نَھْیٌ، فَمَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ: تُشَاوِرُوْنَ الْفُقَھَاءَ وَالْعَابِدِیْنَ، وَلَا تُمْضُوْا فِیْہِ رَأْیَ خَاصَّۃٍ. (المعجم الاوسط، رقم: ١٦١٨)

ترجمہ: سیدنا حضرت علیt سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے آنحضرتe کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے، جس میں شریعت کی اجازت یا ممانعت واضح نہ ہو تو حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ حضورe نے ارشاد فرمایا کہ علماء اور عبادت گزاروں سے مشورہ کرلیا کرنا اور کسی شخصی رائے کو نافذ نہ کرنا۔“

اسی نبوی ہدایت کی بنیاد پر امیر المؤمنین سیدنا حضرت علیt کا بعینہ یہی طریقہ تھا کہ:

”اگر آپ کو کوئی مسئلہ پیش آجاتا اور کتاب وسنت میں اس کا حکم نہ ملتا تو آپ زعمائے ملت وعلمائے اُمت کو بلاکر مشورہ کرتے اور جب سب کسی رائے پر متفق ہوجاتے تو اسی کے موافق فیصلہ فرمادیتے“۔

خلیفہ ثانی اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر اُن کو کسی معاملے یا فیصلے میں کوئی دشواری پیش آتی اور کتاب وسنت میں اس کا واضح حکم نہ ملتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو تلاش کرتے، اگر صدیق اکبرؓ کا کوئی فیصلہ مل جاتا تو اسی کے موافق فیصلہ فرما دیتے ورنہ زعماء وعلماء کو بلا کر مشورہ فرماتے اور جب وہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اسی کے موافق فیصلہ فرماتے۔ (طبرانی)

ان ہدایات وتعلیمات اور خلفائے راشدین کے معمولات کی روشنی میں احکام شرعیہ اور مہمات مذہبیہ میں عام مسلمانوں کا علمائے حق کی طرف رجوع کرنا، دینی رہنمائی حاصل کرنا اور پھر ان کے قضایا وفتاویٰ، ہدایات وتعلیمات پر عمل کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے، وارثین انبیاء کرام ہونے کے لحاظ سے علمائے عظام کا مقام عوام سے بلند تر ہے، اسی لئے ان کا فریضہ اور ذمہ داری بھی نہایت اہم ہے، ساتھ ہی عوام کو بھی ہمیشہ مذہبی قائدین سے وابستگی، استفادے اور اطاعت وتسلیم کا سبق دیا جاتا رہا ہے، کیوں کہ کسی بھی مسلمان کے لئے جس طرح مذہب سے بے نیازی واستغناء ناممکن ہے بعینہٖ مذہبی قائدین وعلماء سے لاتعلق رہنے ومستغنی ہونے کی کوئی راہ نہیں، ورنہ انجام جہالت وضلالت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک موقعے پر دو ٹوک لکھا تھا کہ ''ایک مسلمان کی زندگی کا کوئی شعبہ مذہب سے مستغنی نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کو ہندوستان میں رہ کر غیر مسلم اقوام سے معاملات پڑتے ہیں، ان کو ضرورت پڑتی ہے کہ اپنی ہم وطن اقوام کے ساتھ کیوں کر رہیں؟ شرعاً کس قسم کے معاملے کے مجاز ہیں اور گورنمنٹ کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہونا چاہئے؟ پھر مسلمانانِ عالم کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ اُن کی ہمدردی یا تعاون وتناصر کے احکام کا تعلق ہم سے کس حد تک ہے؟ پس کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان صلوٰۃ وزکوٰۃ وحج، نکاح، طلاق، بیع وشراء وغیرہ میں تو مذہبی فتوے کے محتاج ہوں اور معاملاتِ ملکی اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کے احکام شریعت میں نہ ہوں یا ان کو اس کی حاجت نہ ہو۔

اگر سیاست کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں یا علماء کا ان مسائل میں دخل دینا ان کے فرائض میں داخل نہیں ہے تو میرے خیال میں کتب فقہ ہی سے ابواب جہاد وسیر وغیرہ کو نکال دینا چاہئے اور جب ایسا نہیں ہوسکتا تو آپ سمجھ لیجئے کہ معاملاتِ سیاست کے اس حصہ میں جس کا تعلق مذہب سے ہے، مسلمانوں کو علماء کی اس سے کم ضرورت نہیں جس قدر کہ مسائل عبادات ومعاملات میں، بلکہ ایک معنی سے زیادہ ہے اور علما کے فرائض میں یہ فریضہ بھی اہم ہے کہ وہ ان کلی معاملات میں اپنے اوقات عزیز کو صرف کریں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مسائل عبادات ومعاملات میں علماء کے انفرادی فتاویٰ بھی کافی ہوجاتے ہیں، مگر ان معاملات کلی واساسی میں علماء کی انفرادی آرایا فتاویٰ ہرگز مفید ومثمر نہیں ہیں، ان وجوہ سے جمعیۃ علماء کے وجود کی مسلمانان ہندوستان کو سخت ضرورت ہے۔ (شیخ الاسلام کی سیاسی ڈائری: ۷/۴۵)

جمعیۃ کے پہلے اجلاس (منعقدہ ۲۸/دسمبر ۱۹۱۹ء بہ مقام امرتسر) میں حضرت مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے جمعیۃ کے قیام کی ضرورت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا تھا:

''جمعیۃ علماء ہند کے قائم کرنے سے کسی دوسری مذہبی یا سیاسی انجمن سے مصادمت یا مزاحمت مقصود نہیں ہے، بلکہ علماء اپنی آواز کو وقیع بنانے کے لئے جمعیۃ منعقد کررہے ہیں، اور یہ قاعدہ ہے کہ افراد کی آواز اتنی طاقت نہیں رکھتی جتنی کہ متحدہ جمعیۃ اور انجمن رکھتی ہے'' کس سن میں جمعیۃ کی کیا کارکردگی رہی؟ اور ملت اسلامیہ ہندیہ کو کیا مشکلات پیش آئیں؟ پھر جمعیۃ نے کیا حل پیش کیا؟ آزادیٔ وطن میں جمعیۃ کا کردار اور قربانیاں کیا رہیں؟ آزادی کے بعد ملک وملت اور شعائر اسلام کے تحفظ کے لئے کیا اقدامات کئے؟ ملک میں جمہوری نظام کی بحالی اور دستور کو جمہوری شکل دینے میں کیا کوششیں کیں؟ ہندوستانی گنگا جمنی تہذیب کو بچانے اور آپسی بھائی چارہ کو عام کرنے اور فروغ دینے میں کیا کیا طریقے اور حکمتیں اختیار کیں؟ قدرتی مصائب وآفات اور سیلاب وفسادات میں بلاتفریق مذہب وملت کیسی بے لوث وبے نظیر ریکارڈ توڑ خدمات انجام دیں، ملزمین ومحبوسین کی راحت رسانی، رہائی وآزادی کے لئے عدالتوں سے مقدمات کی طویل قانونی جدوجہد کی کیسی تاریخ رقم کی؟ مظلومین کی کب کب اور کس کس طرح فریادرسی کی؟ تمام سوالات کے جوابات جمعیۃ کی تواریخ، رودادوں

اور اکابرین جمعیۃ کے تذکروں وسوانحات میں تو موجود ہیں ہی، مگر وطن عزیز کا چپہ چپہ اور کوچہ کوچہ بھی اس کا شاہد عدل ہے۔ بقول میر تقی میرؔ:

پتہ پتہ ، بوٹہ بوٹہ حال ہمارا جانے ہے

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

الغرض! جمعیۃ علماء ہند نے اپنی سوسالہ زندگی میں ملت اسلامیہ ہند کے لئے کیا کیا خدمات انجام دیں؟ اس کی صرف فہرست شماری کے لئے بھی ایک ضخیم دفتر کی ضرورت ہے چہ جائیکہ ان خدمات کی تفصیل بیان کی جائے؛ تاہم یہ بات انتہائی وثوق اور اطمینان قلب کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جمعیۃ نے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جہاں اس نے اپنی خدمات کو درج نہ کرایا ہو، یعنی تاریخ آزادئ ہند اور ہندوستان میں اسلامی تاریخ کا کوئی ورق جمعیۃ علماء ہند کی خدمات اور لازوال کارناموں کے ذکر کے بغیر ہرگز مکمل نہیں ہوسکتا۔ خدمت کے ہر میدان میں جمعیۃ علماء ہند کے زریں کارناموں کے دائمی اور انمٹ نقوش موجود ہیں اور جب تک انصاف، سچائی اور دیانت داری دنیا میں موجود ہے ان نقوش کو چھپایا، بدلا اور کھرچا نہیں جاسکتا''۔

باری تعالیٰ جمعیۃ وارباب جمعیۃ کی خدماتِ ماضیہ کو شرفِ قبول بخشے، جمعیۃ کے وجود و بقاء کو استحکام وتحفظ عطا کرے اور اکابرین مرحومین کے نقوش پر موجودین کو گامزن فرمائے۔ اور ہر سطح پر ملک وملت کی خدمت وقیادت کی توفیق ارزانی کرے، آمین۔

اِدارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام

ہمارے اکابر واسلاف کی اسی مقدس جماعت جمعیۃ علماء ہند نے حصول آزادی اور مذکورہ بالا خدمات وقربانیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دینی اور مذہبی رہنمائی اور شرعی قیادت کا فریضہ بھی ہمیشہ انجام دیا ہے، تا حال دے بھی رہی ہے اور تا قیامت دیتی رہے گی ان شاء اللہ۔ جمعیۃ علماء ہند کے عہدیداران اور اکابر مرکز یہ میں روز اول سے ایسی سر برآوردہ اور مایہ ناز شخصیات شامل رہی ہیں جن کو اپنے دور میں پیشوائی کا ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ اسی لئے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسہائے عام اور مجالس منتظمہ اور مجالس عاملہ کی پاس کردہ تجاویز کو بعض خاص حالات میں

اُمت مسلمہ کی طرف سے مذہبی فتاویٰ کی حیثیت سے انقیاد اور قبولیت کا مقام حاصل ہوتا رہا ہے نیز تغیرات اور انقلابات زمانہ کے پیش نظر جدید پیش آمدہ شرعی مسائل کی تنقیح وتحقیق اور اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ استنباط مسائل کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۱۹۷۰ء میں مستقل ایک شعبہ ادارۃ المباحث الفقہیہ کے نام سے قائم کیا تھا اور سید الملت حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ کو اس کا مدیر اور نگراں مقرر فرمایا تھا۔ اس دور میں رویت ہلال، حق تصنیف کی بیع اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے مسائل پر شرعی تحقیق اور تنقیح کا کام انجام پذیر ہوا۔ اول الذکر مسئلہ پر فقہی اجتماع بھی منعقد ہوا۔ مولانا موصوف تاحیات اس ادارہ کے مدیر اور سربراہ رہے۔ حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بھی کسی نہ کسی عنوان سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں نفقہ مطلقہ کے مسئلہ پر علماء کانفرنس اس سلسلہ کی اہم کڑی تھی، پھر حضرت فدائے ملتؒ کی مسلسل تحریک اور جد وجہد سے ۱۹۹۰ء میں مجلس عاملہ نے اپنی اہم تجویز کے ذریعہ ادارۃ المباحث الفقہیہ کی نشأۃ ثانیہ اور جدید مسائل میں اجتماعی غور وفکر کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ (تذکرہ فدائے ملت ص ۷۵۲)

مولانا معز الدین مرحوم کی جمعیۃ میں تقرری کا پس منظر

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو مجلس عاملہ کے ۱۹۹۰ء کے فیصلے کے مطابق ادارۃ المباحث الفقہیہ کے احیاء اور امارت شرعیہ ہند کے نظام کو مرتب کرنے کے لئے ایک ایسے قابل، ذی شعور، باصلاحیت اور کام کے دھنی عالم فاضل شخص کی تلاش تھی جو اگر ایک طرف اپنی علمی لیاقت کی بنا پر ان دونوں شعبوں کے خالص علمی امور کو انجام دے سکے تو دوسری طرف اپنی انتظامی صلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے نئے قائم ہونے والے شعبوں کا نظام العمل، دستور اور مستقبل میں کام کو جاری رکھنے کے لئے رہنما خطوط بھی مدون کر سکے۔

اس عظیم الشان اور کثیر المنافع مہم کو سر کرنے کے لئے فدائے ملت رحمہ اللہ کی گوہر شناس نظر انتخاب جناب مولانا معز الدین پر پڑی؛ چناں چہ مولانا عبد الحمید صاحب مدظلہ (والد بزرگوار

مولانا معزالدین احمد صاحبؒ) فرماتے ہیں کہ:

''کان پور ریلوے اسٹیشن پر حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، تو اُنہوں نے مجھ سے فرمایا: اپنے بیٹے مولوی معزالدین کو ہمیں دے دو۔ میں نے بلا توقف عرض کیا حضرت آپ کی بات سرآنکھوں پر میرا بیٹا آپ کے حوالے ہے، آپ جیسا مناسب سمجھیں فیصلہ فرمادیں''۔

فدائے ملتؒ سے مولانا عبدالحمید صاحب اور ان کے اہل خانہ کو جو تعلق خاطر تھا، اس کی بنیاد پر اس کا امکان بھی نہیں تھا کہ حضرت کی بات قبول کرنے میں کوئی تامل کیا جائے، اسی لئے حتمی فیصلہ والد گرامی کی طرف سے حضرت فدائے ملتؒ کے حوالے کر دیا گیا۔

چناں چہ دارالعلوم دیوبند میں شوال ۱۴۰۶ھ معین مدرس بن کر ایک سال تک فریضہ تدریس انجام دینے کے بعد مولانا معزالدین صاحب شوال ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر مسجد عبدالنبی واقع آئی ٹی او، نئی دہلی میں امارت شرعیہ کے دفتر کے منتظم کی حیثیت سے فدائے ملتؒ کی توجہ اور ایماء سے تشریف لے آئے اور پھر ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۲ھ میں آپ کو امارت شرعیہ ہند کا مستقل ناظم تجویز کیا گیا۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ اور مولانا معزالدین: یک جان دو قالب

اَربابِ فقہ وافتاء کے اجتماعی غور وخوض کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل کے شرعی حل کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ۱۹۷۰ء میں ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام عمل میں آیا تھا، جس کے سربراہ و منتظم حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت کے زمانۂ حیات تک یہ ادارہ متحرک رہا اور مختلف موضوعات پر ارباب افتاء کی تحقیقی آراء سامنے آتی رہیں۔ لیکن آپ کے بعد اس شعبہ کے تحت کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوسکا، یہاں تک کہ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی تحریک پر ۱۹۹۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ادارۃ المباحث الفقہیہ کے احیاء کی تجویز پاس کی چنانچہ حضرت فدائے ملتؒ نے ادارہ کے نظام کو فعال و مستحکم بنانے کے لئے جناب مولانا معزالدین احمد صاحب کو ناظم مقرر فرمایا،

اُنہوں نے یہ ذمے داری ایسی اوڑھی کہ ادارۃ المباحث الفقہیہ اور وہ یک جان دوقالب بن گئے، اُن کا تعارف ادارے کے بغیر اور ادارے کا تعارف ان کے تذکرے کے بغیر نامکمل سا ہوگیا۔

بقول حضرت شیخ سعدی شیرازی:

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

ان کی نظامت کے دوران ۱۹۹۱ء سے ۲۰۱۹ء تک مختلف موضوعات پر ملک کے متعدد شہروں میں پندرہ کامیاب فقہی اجتماعات منعقد ہوئے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، سولہویں فقہی اجتماع کی بھی تیاری پوری ہوچکی تھی؛ بلکہ ۲۲/مارچ ۲۰۲۰ء کو دہلی میں اس کا انعقاد بھی طے ہوگیا تھا، لیکن کووڈ ۱۹ کے سبب عالمی حالات میں غیر معمولی بدلاؤ کی وجہ سے اسے منسوخ کرنا پڑا۔

اَب بفضل اللہ العظیم احوال معمول پر آتے جارہے ہیں۔ ادارۃ المباحث الفقہیہ کا وہی ملتوی شدہ سولہواں اجتماع ۳/تا ۵/شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/تا ۱۹/مارچ ۲۰۲۱ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ، مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند، نئی دہلی میں ان ہی تینوں عناوین اور تیاریوں کی شکل میں منعقد ہورہا ہے جن کی تکمیل جناب مولانا معز الدین صاحب فرماچکے تھے، وہ اگرچہ اپنے جسد خاکی کے ساتھ اس اجتماع میں تشریف فرمانہیں ہیں، مگر اُن کے طے کردہ نقوش اور رہنما خطوط کی رعنایاں، شادابیاں اور جلوہ سامانیاں اس اجتماع کی نورانیت وروحانیت میں چار چاند لگارہی ہیں، گویا ان کی روح ہم تمام حاضرین وسامعین سے مخاطب ہوکر یوں کہہ رہی ہے:

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا

نیز یہ بھی:

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے ❖ تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے
اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے ❖ تری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے
میں اکثر سوچتا ہوں پھول کب تک ❖ شریکِ گریۂ شبنم نہ ہوں گے

فقہی اجتماعات کے انعقاد میں مولانا مرحوم کی جاں سوز کاوشیں

مولانا معزالدین صاحب فقہی اجتماعات کی تیاری کس انداز میں کرتے تھے، اور کیسے دل وجان سے لگ کر کامیاب بناتے تھے، صحیح معنی میں تو وہی جانتے اور بتا سکتے تھے، مگر اجتماع کی حُسنِ ترتیب، نافعیت، جاذبیت اور نورانیت کو دیکھ کر ان کی جاں سوزی اور محنت پر رشک آتا تھا۔ مباحث فقہیہ اور اس کے اجتماعات کے حوالے سے رفیق گرامی جناب مفتی محمد عفان منصور پوری حفظہ اللہ نے مرحوم کے طریقۂ کار اور تگ ودو کی یوں منظرکشی فرمائی ہے:

''مباحث فقہیہ کے کاموں سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ وہ کتنی جاں سوزی کا اور محنت بھرا کام ہے، لیکن بھائی معزالدین بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کمیٹی کے مؤقر اراکین کے تعاون سے جملہ امور کو انجام دے دیا کرتے تھے، سوال نامہ تیار کروانا، پھر دارالعلوم دیو بند کے کبار اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے سنانا، کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو اسے درست کرنا، حضرات اکابر کے اطمینان کے بعد سوال نامہ فائنل کرنا اور پھر مقالہ نگار حضرات کی خدمت میں ارسال کرنا، یہ سارے کام پہلے مرحلے میں انجام دیئے جاتے تھے۔

مقالات کی وصول یابی کے ساتھ وہ ہر ایک مقالے کا گہرائی سے مطالعہ کرتے پھر اپنے ذہن میں محنت کے ساتھ مفصل مقالہ لکھنے والے حضرات کے نام محفوظ کر لیتے، ملاقات پر ان کو سراہتے، حوصلہ افزائی کرتے اور دوسروں کے سامنے خوش کن الفاظ میں ان کا تذکرہ بھی کرتے، اس کے برخلاف جن لوگون کی طرف سے بلا کسی عذر کے جوابات موصول نہیں ہوتے یا وہ سرسری انداز میں جوابات لکھتے ان کے نام بھی ذہن میں محفوظ رکھتے، کوئی بے تکلف ہوتا تو محنت

سے لکھنے کی تاکید بھی کرتے اس کے باوجود بھی اگر رویہ میں تبدیلی محسوس نہ کرتے تو کمیٹی کے سامنے آئندہ ایسے حضرات کو دعوت نامہ نہ بھیجنے کی سفارش بھی کرتے۔

مختلف مقالات کا مطالعہ کر لینے کی وجہ سے زیر بحث موضوع کے مالہ وماعلیہ سے اچھی طرح واقف ہو جاتے، اور پھر مسئلہ مبحوث عنہ سے متعلق احوال زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ایک مضبوط رائے قائم کرتے جس کو درست ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس نقلی وعقلی دلائل کے انبار ہوتے جس پر وہ اپنی نجی مجلس میں اہل علم کے سامنے کھل کر بات کرتے اور پھر جب سیمینار کے اخیر میں تجاویز کمیٹی کی نشست ہوتی تو اس میں بھی بھائی معز الدین کا رول بہت اہم ہوتا۔

جس مقام پر سیمینار کا انعقاد طے ہوتا وہاں کا متعدد مرتبہ سفر کرتے، آنے والے مہمانوں کے لئے بہتر سے بہتر راحت رسانی کی وہاں جو شکل ممکن ہو سکتی تھی ذمہ داران کو اسے اختیار کرنے کا پابند بناتے؛ حتی الامکان کوشش کرتے کہ مہمانان کرام کو سفر اور قیام وطعام وغیرہ میں کسی طرح کی کوئی دشواری نہ ہو، ہر مقالہ نگار سے بذات خود رابطہ کرتے اور سفر کی تفصیلات سے ان کو آگاہ کرتے۔

سیمینار کی تاریخیں طے ہونے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذۂ کرام کی خدمت میں حاضر ہوتے سیمینار میں شرکت کی دعوت دیتے اور ان کے حسب منشا سفر کی ترتیب بنا دیتے، حضرات اساتذہ کرام بھی بھائی معز الدین کا اتنا لحاظ کرتے کہ مصروفیت کے باوجود سیمینار میں شرکت کے لئے وقت نکالنے پر راضی ہو جاتے، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ تو غایت درجہ تواضع اور بھائی معز الدین سے حد درجہ تعلق کی بنا پر یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ ''بھائی! یہ تو مفتیوں کا کام ہے ہم تو معز الدین کے ڈر سے یہاں آ جاتے ہیں۔''

فقہی سیمینار کے آغاز سے دو ایک روز قبل مقام اجتماع پر چلے جاتے اور ہر طرح کی تیاریاں مکمل کرواتے یہاں تک کہ اسٹیج سج جاتا، اجتماع گاہ آراستہ ہو جاتی اور پروگرام شروع کر دیا جاتا اول سے اخیر تک سب کچھ کرنے کے باوجود وہ یہاں بھی نمایاں نہ ہوتے؛ بلکہ دوسروں

کو آگے بڑھا کر ان سے کام لیتے رہتے۔ بقول شیخ ابراہیم ذوقؔ:

تواضع کا طریقہ صاحبو پوچھو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

فقہی اجتماع میں تحائف کا چلن

جناب مولانا موصوف کی سرکردگی اور اَرباب جمعیۃ علماء ہند کی دلچسپی کی وجہ سے اس شعبہ نے حیرت انگیز فعالیت اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ فرمایا اور اَب تک پندرہ فقہی اجتماعات بڑی خوش اُسلوبی اور کامیابی کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں منعقد ہو چکے ہیں، جس میں ملک بھر سے ارباب فقہ وفتاویٰ اور مرکزی دارالافتاء کے ذمہ داران جدید پیش آمدہ مسائل پر غور خوض کر کے اجتماعی فیصلہ کرتے ہیں، عموماً تین دن تک فقہی اجتماعات کی کارروائی چلتی ہے، اس تین روزہ قیام میں تمام مہمانوں کی ضیافت ومیزبانی حسبِ حیثیت جمعیۃ علماء یا میزبان داعی کی طرف سے ہوتی ہے اور تمام مہمانوں کی رہائش اور سہولت کا بھرپور نظم رہتا ہے۔ ان تمام امور میں مولانا معزالدین صاحب کی ذات تنہا فعال نظر آتی تھی اور مکمل ادارہ آپ ہی کی زیرنگرانی کام کرتا تھا، یعنی ایک عظیم ادارہ جو ایک ذمہ دار بڑے عملہ کا متقاضی تھا اس کو صرف ایک تنہا فرد انجام دیتا تھا۔ گویا کہ:

تنہائیوں کی رُت میں بھی لگتا تھا مطمئن
وہ شخص اپنی ذات میں اک انجمن سا تھا

کسی صاحب قلم نے بالکل صحیح اور برمحل لکھا ہے کہ موصوف اس دور کی جمعیۃ علماء ہند کے مولانا سید محمد میاں تھے، اور عجیب حسن اتفاق کہ موصوف کی آخری آرام گاہ بھی دہلی کا وہی قبرستان بنا، جہاں سید الملت مولانا سید محمد میاں دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ آرام فرما ہیں۔ یعنی جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر سے متصل دہلی گیٹ کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ موجودہ دور میں آپ کو جمعیۃ کا دماغ کہا جانے لگا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ اور اس کی

تمام کارروائیوں پر آپ کی گہری نگاہ تھی، اُنہوں نے جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ اور اس کی تمام سرگرمیوں کو بار بار باریک بینی کے ساتھ پڑھا تھا اور جمعیۃ سے متعلق ان کی گفتگو سند ہوتی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے منعقد ہونے والے تمام پروگراموں اور اجلاس عام میں ان کا اہم کردار ہوتا تھا اور ان کا ایک دماغ تمام ہی گوشوں کا احاطہ کرتا تھا۔

فقہی اجتماعات کو مزید خوش گوار اور یادگار بنانے کے لئے نیز شرکاء اجتماع کی دلچسپی بڑھانے اور مقالات کی ترتیب ومضامین کی تحقیق پر حوصلہ افزائی کے لئے حضرات مفتیان کرام کو مختلف النوع کتابیں فراہم کر کے ہدیہ دینا دلانا، اور سفری سہولت کے پیش نظر عمدہ سے عمدہ فائلیں، بیگ اور اٹیچیاں اپنی نگرانی اور پسند سے بنوا کر تحفۂ محبت کی شکل میں اجتماع کی یادگار بنا کر پیش کرنا یہ بھی مولانا کے حسن تدبیر وحسن انتظام کی ایک قابل ذکر اور لائق تقلید کڑی تھی، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہتر سے بہتر صلہ دے، آمین۔

فقہی اجتماعات کی رپورٹنگ اور فیصلوں کی ترتیب

مولانا معز الدین صاحب ہر فقہی اجتماع کی الگ الگ رپورٹ تیار کر کے ذمہ داران جمعیۃ علماء ہند کی خدمت میں پیش کرتے تھے، یہ رپورٹیں اتنی جامع اور مرتب ہوتی تھیں کہ ان کو پڑھ کر اجتماع میں شریک نہ ہونے والے اہل علم کو عدم شرکت کے احساس کی تلافی وتدارک کا سامان مل جاتا تھا اور اجتماع میں زیر بحث مسائل وعنوانات، ان پر مقالہ نگار حضرات کی آراء، اور پھر متفقہ فیصلوں اور تجاویز کی ترتیب، حتی کہ مساہمین کی تعداد اور نشست وار اجتماع کی مکمل کارگزاری قلم بند فرماتے تھے، یہ رپورٹیں پابندی کیساتھ الجمعیۃ اخبار میں شائع ہوتی تھیں اور بہت ذوق وشوق سے پڑھی جاتی تھیں۔

مولانا مرحوم کے دور نظامت میں کل پندرہ اجتماعات منعقد ہوئے، ان پندرہ میں سے بارہ فقہی اجتماعات کے فیصلوں اور تجاویز کو مولانا مرحوم بذات خود مستقل کتاب کی شکل میں ترتیب دے کر اِدارہ مباحث فقہیہ، جمعیۃ علماء ہند سے نشر واشاعت کا فریضہ بھی انجام دے چکے ہیں۔

کتاب کا نام ہے ’’فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز‘‘ یہ کتاب ۱۴۴ ؍صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں مولانا معزالدین صاحب نے پیش لفظ بھی لکھا ہے جو افادۂ مزید کی خاطر ذیل میں نقل کیا جارہا ہے:

’’جدید پیش آمدہ مسائل میں اجتماعی غور فکر اور بحث وتحقیق کے ذریعہ مسئلہ کا شرعی حل تلاش کرنا کوئی نئی چیز نہیں بلکہ دراصل فرمان نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ’’**أجمعو له الفقهاء العابدين من أمتي واجعلوه بينكم شوریٰ ولا تقضوا برأی واحد**‘‘ کی اتباع اور سلف صالحین کے اجتماعی طریق کی پیروی ہے۔ عہد خیر القرون سے اس کی مثالیں موجود ہیں۔ عہد فاروقی میں اس طرح کی دو مجلسوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک مجلس میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ جب کہ دوسری مجلس میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ کی مجلس مشہور ہے۔

اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے چالیس مایہ ناز شاگردوں کے ساتھ اجتماعی اجتہاد و قیاس کے ذریعہ استنباطِ مسائل کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، عہدِ عالم گیری میں علماء کے بورڈ کے ذریعے فتاویٰ (فتاویٰ عالمگیری) کی ترتیب اور خلافت عثمانیہ میں ’’مجلۃ الاحکام العدلیۃ‘‘ کی تدوین، دور اخیر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ اکابر کے تعاون سے ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ کی ترتیب وغیرہ اسی اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ استخراج واستنباطِ مسائل کی نظیریں ہیں۔ الحاصل ہر زمانہ میں علماء نے یہ فرض ادا کیا اور الحمدللہ انھیں کے نقش قدم پر آج بھی کر رہے ہیں۔

تاریخ اسلامی شاہد ہے کہ دین حنیف کی راہ میں جب بھی مشکلات پیدا ہوئیں جس زمانہ اور جس ملک میں آفتاب اسلام کو گہن میں لانے کی کوشش کی گئی، تو خداوند قدوس نے ایسے

علماء اسلام اور ارباب عزیمت، خادمانِ قوم وملت کو وجود بخشا، جنھوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کیا اور مشکلات کا مداوا کیا، دور جانے کی ضرورت نہیں خود ہمارے ملک ہندوستان میں مغربی استعمار کی اسلام کے خلاف جارحانہ سازشوں کے مقابلہ میں خاص کر علماء دیوبند نے اسلام کی بقاء وتحفظ، ملت کی اجتماعی شیرازہ بندی اور اسلامی قوانین کے اجراء و نفوذ کے سلسلہ میں جو جہد مسلسل کی وہ اسلامی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔

اَکابر واَسلاف کی جماعت جمعیۃ علماء ہند حصول آزادی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دینی رہنمائی، معاشرتی اصلاح اور احکام اسلامی کے تحفظ واجراء کو بنیادی اغراض ومقاصد میں شامل کر کے ہمیشہ مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی اور شرعی قیادت کا فریضہ انجام دیتی رہی۔ اس کے ارکان وعہدیداران میں روزِ اول سے وہ سربرآوردہ شخصیتیں رہیں جن کو اپنے دور میں مذہبی پیشوائی کا مقام حاصل تھا اس لئے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہائے عام اور مجلس عاملہ ومنتظمہ میں پاس شدہ تجویزیں صرف تجویزیں نہیں بلکہ مخصوص حالات میں مذہبی فتاویٰ کی حیثیت سے قبولیت وانقیاد کا مقام حاصل کرتی رہیں۔ علاوہ ازیں تغیرات وانقلاب زمانہ کے پیش نظر جدید پیش آمدہ شرعی مسائل کی تنقیح وتحقیق اور اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ استنباطِ مسائل کے لئے ۱۹۷۰ء میں جمعیۃ علماء ہند نے مستقل ایک شعبہ مشہور فقہیہ ومصنف حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ کی نگرانی میں ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے نام سے قائم کیا۔ مولانا مرحوم تاحیات اس کے مدیر ونگراں رہے اور اپنے زمانہ میں ''رویت ہلال''، ''حق تصنیف کی بیع اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کے مسائل'' پر تنقیح وتحقیق کا کام انجام دیا۔ حضرت مولانا کے وصال کے بعد بھی کسی نہ کسی عنوان سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں نفقہ مطلقہ کے مسئلہ پر ''علماء کانفرنس'' اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی، فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی تحریک پر ۱۹۹۰ء میں مجلس عاملہ نے اپنی ایک تجویز کے ذریعہ ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کی نشأۃِ ثانیہ کی اور جدید مسائل میں اجتماعی غور وفکر کا سلسلہ باقاعدہ دوبارہ شروع کیا گیا۔

حضرت فدائے ملتؒ کے زمانۂ حیات میں آٹھ فقہی اجتماعات ہوئے، حضرت فدائے ملت کے وصال کے بعد امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند کے حسبِ حکم نواں فقہی اجتماع جون ۲۰۱۳ء کو شیخ الہند ہال دیوبند میں ہوا۔

مولائے کریم جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابرین کی ان مساعی کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اس مفید سلسلہ کو تا دیر قائم رکھے۔ آمین''۔

معز الدین احمد غفرلہٗ

سولہ فقہی اجتماعات

(اجمالی کارگذاری، شرکاء کی تعداد، تاریخ، مقام اور عنوانات)

(۱) پہلا فقہی اجتماع:

عنوان: غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں

منعقدہ: ۲۲ر تا ۲۴ر رجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۸ر تا ۱۰ر فروری ۱۹۹۱ء

بمقام: شیخ الہند ہال، مدنی ٹیکنیکل دیوبند

شرکاء: ۷۹ر حضرات کے اَسمائے گرامی ''فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے اور تجاویز'' نامی کتاب میں درج ہیں۔

آخری اجلاس:- جس میں اس فقہی اجتماع کا فیصلہ سنایا گیا اس میں شرکاء کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔

(۲) دوسرا فقہی اجتماع:

بعنوان: اسلامی نظام قضا اور ہندوستان

منعقدہ: ۲۲/۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۹/۲۸ر نومبر ۱۹۹۱ء

بمقام: شیخ الہند ہال، مدنی ٹیکنیکل، دیوبند

شرکاء: ۱۰۰ر حضرات مفتیان کرام کے اسمائے گرامی مذکورہ کتاب میں درج ہیں۔

آخری اجلاس:- جس میں مذکورہ موضوع پر فیصلہ سنایا گیا اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد نے شرکت کی۔

(۳) تیسرا فقہی اجتماع:

بعنوان: ایکسپورٹ وامپورٹ کے مسائل

منعقدہ: ۱۶ر تا ۱۸ر محرم ۱۴۱۴ھ مطابق ۷ر تا ۹ر جولائی ۱۹۹۳ء

بمقام: امپالا ہوٹل، شہر مدراس، تملناڈو

شرکاء: ۹۵ر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

آخری اجلاس:- جس میں ان کے علاوہ شہر مدراس واطراف کے معزز تاجر حضرات اور ذمہ داران مدارس وغیرہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

(۴) چوتھا فقہی اجتماع:

بعنوان: دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کے حدود وشرائط

منعقدہ: ۱۸ر تا ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۴ر تا ۲۷ر اکتوبر ۱۹۹۴ء

بمقام: شیخ الہند ہال، مدنی ٹیکنیکل، دیوبند

شرکاء: ۱۲۷ر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

آخری اجلاس:- جس میں شرکاء کی تعداد تین ہزار سے متجاوز تھی۔

نوٹ:- مذکورہ حضرات کے علاوہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد کے طلبہ نیز اطراف کے مدارس کے اساتذہ وطلبہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

(۵) پانچواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) غیر اسلامی ممالک میں عقود فاسدہ کا حکم (۲) شیئرز کی خرید وفروخت

منعقدہ: ۱۷ر تا ۱۹ر رجب ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۱ر تا دسمبر ۱۹۹۵ء

بمقام: شیخ الہند ہال، مدنی ٹیکنیکل، دیوبند

شرکاء: ۹۴ر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- مذکورہ حضرات کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ واساتذہ، نیز اطراف وجوانب کے مدارس کے اساتذہ وذمہ داران وغیرہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی، آخری اجلاس میں شرکاء کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز تھی۔

(۶) چھٹا فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) بیع بالشرط (۲) حج کے چند غور طلب اہم مسائل (۳) انشورنس یعنی بیمہ پالیسی کا حکم

منعقدہ: ۱۶ر تا ۱۹ر ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۶ر تا ۲۸ر مارچ ۱۹۹۷ء

بمقام: شیخ الہند ہال مدنی ٹیکنیکل، دیوبند

شرکاء: ۹۹ر حضرات مفتیان وعلمائے کرام کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- آخری اجلاس جس میں فیصلہ سنایا گیا شرکاء کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔

(۷) ساتواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) رویت ہلال (۲) طلاق سکران

منعقدہ: ۲۶ر۲۷ر رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۵ر۲۶ر اکتوبر ۲۰۰۰ء

بمقام: شیخ الہند ہال، مدنی ٹیکنیکل، دیوبند

شرکاء: ۷۹ر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- آخری اجلاس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔

(۸) آٹھواں فقہی اجتماع:

بعنوان: ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کا دینی مقاصد کے لئے استعمال

منعقدہ: ۱۷ر تا ۱۹ر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷ر تا ۲۹ر اپریل ۲۰۰۵ء

بمقام: مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ ہال، عیدگاہ جدید، ٹیانری روڈ، بنگلور، کرناٹک

شرکاء: ۸۵ر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- ان کے علاوہ بنگلور اور صوبہ کرناٹک وتامل ناڈو کے تقریباً پانچ سو علماء کرام اور ائمہ مساجد نے شرکت کی، آخری اجلاس میں شرکاء کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔

(۹) نواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) بیع حقوق کی بعض صورتیں (۲) زمینوں کی بیع کی بعض مروجہ صورتیں (۳) کرایہ داری میں حق وراثت کا مسئلہ (۴) کرایہ داری میں ڈپازٹ کی شرعی حیثیت (کل چار موضوعات زیر بحث تھے)

منعقدہ: ۲۱-۲۲ر رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱ر۲ر جون ۲۰۱۳ء

بمقام: شیخ الہند ہال، مدنی ٹیکنیکل، دیوبند

شرکاء: ۱۲۲ر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- آخری اجلاس میں ایک ہزار سے زائد حضرات علماء ومفتیان اور طلبہ عظام شریک ہوئے۔

(۱۰) دسواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) منیٰ ومزدلفہ میں قصر واتمام کا حکم (۲) مدارس میں رقوم زکاۃ کی فراہمی اور طریقۂ استعمال (۳) حقوق کی بیع کی بعض مروجہ شکلیں اور اُن کا شرعی حکم۔

منعقدہ: ۱۷ر۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹ر۲۰ر مارچ ۲۰۱۴ء

بمقام: حج ہاؤس، بمبئی

شرکاء: ۱۸۷ر حضرات مفتیان کرام وعلماء عظام کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- ان کے علاوہ بمبئی واطراف کے مدارس کے اساتذۂ کرام اور ائمہ مساجد کی

ایک بڑی تعداد شریک رہی، آخری اجلاس میں ''امام اعظم ابوحنیفہ کانفرنس'' کے عنوان پر ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، جس میں شرکاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔

اس اجتماع میں نمبر تین پر ''حقوق کی بیع'' کا عنوان دوسری مرتبہ آیا ہے، نویں اجتماع میں بھی یہ موضوع زیر بحث تھا، مگر اس موضوع کو مزید قابل تنقیح سمجھ کر دسویں اجتماع کے لئے آگے بڑھا دیا گیا تھا اور اتفاق رائے سے اس موضوع پر کوئی تجویز منظور نہ ہوسکی تھی، اور یہ لکھا گیا تھا ''تمام تر بحث وتمحیص کے بعد شرکاء اجتماع کو یہ احساس رہا کہ اس موضوع پر ابھی مزید غور کرنے کی ضرورت ہے اس بارے میں پوری تیاری کے ساتھ آئندہ بحث کی جائے''۔ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز ص ۸۲)

(۱۱) گیارہواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) کمیشن اور اس کی مروجہ شکلیں (۲) فسخِ نکاح کی بعض وجوہ کی تنقیح (۳) تبدیل ماہیت کی حقیقت

منعقدہ: ۲۳ / تا ۲۵ / ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۳ / تا ۱۵ / فروری ۲۰۱۵ء

بمقام: دارالعلوم حیدرآباد، انڈیا

شرکاء: ۱۵۲ / حضرات علماء کرام وارباب علم کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- مذکورہ مندوبین علماء ومفتیان کے علاوہ حیدرآباد، تلنگانہ، آندھراپردیش کے علماء وعمائدین نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

(۱۲) بارہواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) باپ بیٹوں کے مشترکہ کاروبار کی چند اہم صورتیں (۲) میڈیکل انشورنس اور اس کی چند شکلیں۔

منعقدہ: ۲۶ / تا ۲۸ / رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۴ / تا ۶ / مئی ۲۰۱۶ء

بمقام: دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، سری نگر، کشمیر، انڈیا

شرکاء: ۱۸۲ر حضرات مفتیان کرام کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ:- مذکورہ مندوبین علمائے کرام کے علاوہ ریاست جموں وکشمیر کے مفتیان کرام ودیگر علمائے عظام اور خواص حضرات کے اسمائے گرامی بھی درج ہیں اور آخر میں لکھا ہے ان حضرات کے علاوہ کشمیر واطراف کے سینکڑوں علمائے کرام نے بھی شرکت کی۔

(مولانا معز الدین صاحب مرحوم کی کتاب میں صرف بارہ اجتماعات کی تفصیلات ہیں جو یہاں مکمل ہوچکی ہیں)

(۱۳) تیرہواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) زکاۃ میں ضمِ اَموال کا حکم (۲) قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ معاملات کی بعض مروجہ شکلیں۔

منعقدہ: ۱۰ر تا ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ مطابق ۸ر تا ۱۰ر فروری ۲۰۱۷ء

بمقام: حج ہاؤس، مدراس، صوبہ تامل ناڈو۔

(۱۴) چودہواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) طویل المیعاد قرض میں زکاۃ کا حکم (۲) حرمتِ مصاہرت سے متعلق چند اہم پہلو (۳) مصنوعی طریقۂ تولید کی چند شکلیں اور اُن میں ثبوتِ نسب کا حکم (۴) مریض کی جان بچانے کے لئے روزہ توڑ کر خون عطیہ کرنے کا حکم۔

منعقدہ: ۵ر تا ۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱ر تا ۲۳ر فروری ۲۰۱۸ء

بمقام: جامعہ علوم القرآن جمبوسر، ضلع بھروچ، صوبہ گجرات

نوٹ:- پہلے موضوع پر ۶۸ر دوسرے موضوع پر ۸۹ر اور تیسرے موضوع پر ۷۸ر مقالہ نگار حضرات مفتیان کرام کے مقالات ادارہ مباحث فقہیہ کو موصول ہوئے، یعنی کل ۲۳۵ر ارباب علم نے مقالہ نگاری کے ساتھ شرکت فرمائی، جب کہ غیر مقالہ نگار مقامی وبیرونی علماء حضرات کی تعداد اس پر مستزاد تھی۔

(۱۵) پندرہواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) فرنچائز کا شرعی حکم (۲) موبائل اپلی کیشن کے ذریعہ ٹیکسی وغیرہ کرایہ پر لینے کی ایک نئی شکل (۳) سرکاری وغیر سرکاری چند منافع بخش اسکیموں کا شرعی حکم (۴) انٹرنیٹ کے ذریعہ لین دین کی چند جدید شکلیں۔

(کل چار عنوانات پر یہ اجتماع منعقد ہوا)

منعقدہ: ۱۹/ تا ۲۱/ رجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۶/ تا ۲۸/ مارچ ۲۰۱۹ء

بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی

نوٹ:- پہلے موضوع پر کل ۶۴/ دوسرے موضوع پر کل ۵۷/ تیسرے موضوع پر کل ۱۰۰/ اور چوتھے موضوع پر کل ۵۸/ مقالہ نگار حضرات مفتیان وعلمائے کرام کے مقالات ادارہ مباحث فقہیہ کو موصول ہوئے، اس طرح مجموعی طور پر کل ۲۷۹/ اہل علم وارباب افتاء نے مقالے لکھ کر یا بھیج کر شرکت فرمائی، غیر مقالہ نگار علماء کرام اور شرکاء کی تعداد الگ ہے۔

(۱۶) سولہواں فقہی اجتماع:

بعنوان: (۱) شرکت ومضاربت کی بعض قابلِ تنسیخ شکلیں (۲) عقود الصیانۃ (سروس کنٹریکٹ) کی مختلف شکلیں اور اُن کا شرعی حکم (۳) سر پر بالوں کی افزائش وزیبائش کی بعض صورتیں اور اُن کا شرعی حکم۔

منعقدہ: ۳/ تا ۵/ شعبان ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/ تا ۱۹/ مارچ ۲۰۲۱ء

بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی

نوٹ:- پہلے موضوع پر ۷۰/ دوسرے موضوع پر ۹۰/ اور تیسرے موضوع پر ۸۴/ مقالات ادارے کو موصول ہوئے ہیں یعنی کل ۲۴۴/ ارباب فقہ وفتاویٰ نے مقالے لکھ کر ارسال کئے ہیں۔

ضروری وضاحت اور اعترافِ خدمت:- جمعیۃ علماء ہند کے ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے کل سولہ فقہی اجتماعات کی کارکردگی، عنوانات، شرکاء کی تعداد، اور اجتماعات کے انعقاد کے مقامات کی تفصیل پیش کی گئی، بالترتیب شروع کے آٹھ اجتماعات ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۵ء تک فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے دور صدارت میں منعقد ہوئے، حضرت فدائے ملت کے انتقال کے بعد فقہی اجتماعات کا یہ علمی سلسلہ موقوف رہا، سات سال کے وقفے کے بعد امیر الہند رابع حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند کے حکم پر ۲۰۱۳ء سے یہ مبارک سلسلہ پھر جاری ہو گیا اور بفضل اللہ العظیم تا حال جاری وساری ہے (اس وقت مارچ ۲۰۲۱ء میں یہ سولہواں فقہی اجتماع دہلی میں منعقد ہو رہا ہے، اس کی تیاریاں بھی تقریباً مکمل ہو چکی تھیں، تاریخ کا تعین بھی ہو گیا تھا، مگر کورونا کال اور عالمی وباء کے پیش نظر ملتوی کر دیا گیا تھا)

سابقہ تمام پندرہ اجتماعات کا انعقاد، ان کے عنوانات کی تعیین، فیصلے اور تجاویز، مقالات کی وصولیابی وترتیب اور ان کی تلخیصات کے مراحل اور اجتماعات سے متعلق دیگر خدمات وکام کاج سب کا سب ہمارے محبوب ومحترم ناظم ادارۃ المباحث الفقہیہ جناب مولانا معز الدین احمد مرحوم کے دور نظامت میں بحسن وخوبی انجام پذیر ہوا ہے۔ اِن تمام اجتماعات کی کامیابی کے پس پردہ مرحوم کے حسن انتظام وحسن تدبیر کو بڑا دخل رہا ہے۔ صرف شرکاء اجتماع ہی نہیں؛ بلکہ ذمہ داران بھی اُن کی مثالی قربانی اور محنت کے قائل تھے، چنانچہ کئی فقہی اجتماعات میں ایک بار سے زائد جمعیۃ کے روحِ رواں اور ناظم عمومی قائد ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی زید مجدہم کو راقم نے دیگر حاضرین کے ساتھ اپنے کانوں سے یہ کہتے سنا ہے کہ ''اس اجتماع کے انعقاد اور اس کی کامیابی کا سہرا دراصل ہمارے دوست جناب مولانا معز الدین صاحب کے سر جاتا ہے، جن کی جہد مسلسل اور شبانہ روز کی جگر سوزی وجاں فشانی کے نتیجے میں یہ کام آسان اور مکمل ہو سکا؛ بلکہ بعض مواقع پر کام کی رفتار سست ہوئی یا کسی عمل میں تاخیر ہوئی، تو ان کی ناراضگی اور

ڈانٹ ڈپٹ نے اس کام کو ہم لوگوں سے بہت جلد کرالیا، اگر یہ ایسا نہ کرتے تو شاید اس حسن انتظام کے ساتھ یہ اجتماع منعقد ہونا مشکل ہوتا، وغیرہ وغیرہ۔

ان جملوں میں مولانا مرحوم کی کاوش ومحنت کا برملا اعتراف بھی ہے اور نظم ونسق کے سلسلے میں منتظمین اعلیٰ کی طرف سے ان پر اعتماد بھی، نیز ان کی حسن کارکردگی اور امور مفوضہ کی انجام دہی میں صدفی صد کامرانی کی سب سے بڑی دلیل اور سند بھی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

فقہی اجتماعات کی تجاویز کی تعریب

حضرت مولانا معز الدینؒ نے اپنی حیات اور دور نظامت میں ہونے والے کل پندرہ اجتماعات میں سے بارہ اجتماعات کو 'فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز' کے نام سے ترتیب دے کر شائع کرنے کے بعد ان تجاویز اور فیصلوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا عزم فرمایا اور اس خدمت کے لئے اُنہوں نے ادارۃ المباحث الفقہیہ کی 'مجلس علمی' کے فعال رکن رفیق درس مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب قاسمی امروہوی زید مجدہم کو تیار کیا (جو جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی کے مقبول ولائق ترین استاذ رہے ہیں اور اب بفضل اللہ تعالیٰ ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں) چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اس کتاب کو مولانا مرحوم کی خواہش کے مطابق عربی زبان کا جامہ پہنا دیا اور نہ صرف اس کتاب کی تعریب کا کام مکمل کیا بلکہ اس میں دو فقہی اجتماعوں (تیرہویں اور چودہویں فقہی اجتماعات) کی تجاویز وفیصلوں کو بھی شامل کر دیا یہ کتاب ۱۰۸ر صفحات پر مشتمل ہے نیز ابتدائی چند صفحات میں ادارۃ المباحث الفقہیہ کے مختصر تعارف اور اہداف ومنہج کو بھی خوب صورت اور جامع انداز میں قلم بند فرمایا ہے، جزاہ اللہ خیرا۔ اس تعریب کو ادارۃ المباحث الفقہیہ نے درج ذیل نام سے شائع کیا ہے۔ ''ادارۃ المباحث الفقہیۃ لجمعیۃ علماء الہند: اجتماعاتھا وقراراتھا وتوصیاتھا الفقہیۃ''۔

جناب مفتی عبدالرزاق صاحب کی اس تعریب کے ابتدائی صفحات میں مذکور ''**أھداف الادارۃ**'' اور ''**منھج الادارۃ**'' کو نقل کر دینا فائدے سے خالی نہیں ہے، افادے واستفادے

کی نیت سے ذیل میں ان کو پیش کیا جارہا ہے۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ کے بنیادی اغراض ومقاصد

(۱) کتاب اور سنت کے ذریعہ ہدایت کردہ اسلامی شریعت کے مطابق صحابۂ کرام اور علماء امت کے اقوال کی روشنی میں معاشی تبدیلیوں اور حالیہ پیش رفتوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل تک رسائی حاصل کرنا۔

(۲) ہندوستان میں مسلمانوں کی ضروریات کے مطابق اجتماعی فتوے جاری کرکے ان کی پریشانیوں کو حل کرنا۔

(۳) فتویٰ دینے والے علمائے کرام ومفتیان عظام کے مابین تعلقات وروابط کا پیدا کرنا، اور فقہی نظریات کو یکجا کرنے کے لئے کام کرنا۔

(۴) اہم فقہی مسائل پر دورحاضر کی پیش رفت کے مطابق اسلامی فقہ کے اصولوں کی روشنی میں تحقیق ومطالعہ کو دوبارہ شروع کرنے کا شوق پیدا کرنا۔

(۵) عصری تحقیقاتی اسکالرز اور قابل اعتماد مذہبی اداروں کے فتوے اور رائے حاصل کرکے پھر انھیں مسلم عوام میں شائع کرنا۔

(۶) مفتیان کرام اور فاضل نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور انھیں محقق بننے اور میدان علم وتحقیق میں اتارنے کے لئے تیار کرنا،

مذکورہ بالا اہداف کے حصول کے لئے انتظامیہ فقہی اجتماعات منعقد کرتی ہے۔

فقہی اجتماعات کے دوران ادارے کا منہج اور طریقۂ کار

(۱) نئے موضوعات کے انتخاب کے بارے میں علماء کی آراء حاصل کرنا۔

(۲) سوالات کا بندوبست کرنا اور تفصیل سے تیار کرنا، یہ اہم معاملہ ایک کمیٹی (مجلس علمی) کے سپرد ہے جس میں متعدد محققین اور نامور علماء شامل ہیں۔

(۳) نامور مفتیان کرام اور اسلامی اسکالرز اور ماہر مقالہ نگار حضرات کی فہرست تیار کرنا۔

(۴) تفصیلی سوال نامہ تیار کرنے کیلئے ماہر مفتیانِ کرام، اسلامی اسکالرز اور محقق علماء کو بھیجنا۔

(۵) موصولہ تحقیق کو ترتیب وار جمع کرنا۔

(۶) ایک مضمون پر تمام مقالات و تحقیق مجلس علمی کے کسی ایک شخص کو دینا جو مقالات کا خلاصہ تیار کر سکے۔

(۷) اجتماع میں مقالات کی تلخیص کو پیش کرنا۔

(۸) اجتماع کے اختتام پر تجاویز مرتب کرنے کے لئے مقالہ نگار حضرات میں سے ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو مناقشہ کے دوران آئی ہوئی تمام آراء کو سامنے رکھ کر تجاویز مرتب کرتی ہے اور ناظم ادارہ کو سپرد کر دیتی ہے۔

(۹) اس کے بعد یہ تجاویز اکابر علماء کے سامنے پیش ہوتی ہیں اور وہ ان میں مناسب حذف و ترمیم کرتے ہیں۔

(۱۰) اس کے بعد یہ تجاویز تمام حاضرین اجتماع کے سامنے پڑھی جاتی ہیں اور مناقشہ کا موقع بھی دیا جاتا ہے جب سب کا اتفاق ہو جاتا ہے تو ان کو شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۱) اس کے بعد منظور شدہ فیصلے طباعت کرا کے ممبروں کو بھیج دیے جاتے ہیں، اور ان کا علان اخبارات میں کیا جاتا ہے اور ان سے مستفید ہونے والے ان کو حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

فقہی اجتماع کی تجاویز کا انگریزی ترجمہ

ناظم ادارہ مولانا معز الدین صاحب مرحوم فقہی اجتماعات کی تجاویز اور فیصلوں کی افادیت و نافعیت کو عام و تام کرنے کے لئے اور ملک و بیرون ملک ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کی خدمات کو متعارف کرانے کی نیک نیتی سے اپنی کتاب ''فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے و تجاویز'' کا عالمی زبان انگریزی میں بھی بہت عمدہ ترجمہ کرا کے جمعیۃ علماء ہند سے ۲۰۱۷ء میں شائع کرا چکے ہیں، کل بارہ اجتماعات کے فیصلوں کا ترجمہ ۸۴ر صفحات پر مشتمل ہے، ترجمہ نگاری کی یہ خدمت مولانا مرحوم نے دار العلوم دیوبند کے لائق ترین فاضل اور عربی و انگریزی زبان کے ماہر جناب

مولانا مفتی محمد اللہ خلیلی قاسمی زید مجدہم ناظم شعبۂ انٹرنیٹ دارالعلوم دیوبند سے لی ہے، اُنہوں نے بخوشی یہ علمی خدمت انجام دے کر جمعیۃ علماء کی فقہی خدمات کو عالم میں پہنچانے کا فریضہ اَدا کیا۔ جزاہ اللہ خیرا۔

فقہی اجتماعات کی تجاویز کو مدلل کرنا

ادارۃ المباحث الفقہیہ کے ناظم جناب مولانا معز الدین صاحب لوگوں سے کام لینے، اُن کی صلاحیتوں کو برمحل استعمال کرنے، ان کو نکھارنے اور میدان عمل میں اتارنے کا ملکہ بھی رکھتے تھے، گویا وہ گوہر شناس وفطرت شناخت گوہری تھے، ان کو گوہر تراش نے کا ہنر بھی آتا تھا اور گوہر کے قدر دان بھی تھے، وہ فارسی کی اس مثل کے مصداق تھے۔

قدرِ زر، زرگر، شناسد، قدرِ گوہر گوہری
قدرِ گل بلبل بداند، یا بداند عنبری

چنانچہ مولانا مرحوم نے فقہی اجتماعات میں منظور شدہ تجاویز اور فیصلوں کو دلائل سے مزین و مستحکم کرنے اور ہر مسئلہ کو اس کی دلیل کے ساتھ بیان کرنے اور شائع کرنے کا بھی عزم کیا تھا اور اس پر ان کی حیات میں چند تجاویز کو اضافہ دلائل کے ساتھ تیار کر کے نشر بھی کیا گیا تھا، تجاویز کو مدلل کرنے کی اہم علمی خدمت کے لئے بھی ہمارے عزیز رفیق جناب مفتی عبدالرزاق صاحب کو منتخب کیا گیا ہے، اور بحمد اللہ یہ کام بھی تسلسل کے ساتھ جاری ہے، ان شاء اللہ بہت جلد تکمیل کو پہنچے گا، اضافہ دلائل کے اس عمل خیر سے بھی مولانا مرحوم کی حسنات میں مزید اضافہ ہوگا، ان شاء اللہ۔

ادارۃ المباحث ایک معہد وتربیت گاہ بھی

ادارۃ الباحث الفقہیہ علم وتحقیق اور فقہ وفتاویٰ خصوصاً جدید پیش آمدہ مشکل مسائل کے اجتماعی واجماعی شرعی حل کے لئے تو کوشاں ہے ہی، ساتھ ہی ملک بھر میں پھیلے مدارس اسلامیہ کے نئے فاضلین وفارغین کے لئے ایک فقہی جولان گاہ اور معہد وتربیت گاہ بھی ہے، ۱۹۹۱ء سے

۲۰۲۱ء تک منعقد ہونے والے فقہی اجتماعات اور ان کے لئے لکھنے والوں کی ہر بار بڑھتی تعداد کے پیش نظر یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ ادارہ تجربہ کار، عمر رسیدہ اور فقہ وتحقیق کے ماہرین وراسخین کی موجودگی ونگرانی میں مستقبل کے لئے نوجوان مفتیان، اربابِ علم اور تشنگان علم کی رہنمائی، تربیت اور رجال سازی کا اہم فریضہ بھی انجام دے رہا ہے، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ پہلے فقہی اجتماع میں صرف ۷۹؍مساہمین ومقالہ نگاران کے اسمائے گرامی درج ہیں تو پندرہویں فقہی اجتماع میں ۲۷۹؍اہل قلم وارباب افتاء اور مقالہ نگاران کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

اس ادارے کے روح رواں اور ناظم جناب مولانا معز الدین صاحب ہمیشہ اس فکر وجستجو میں لگے رہتے تھے اور دوستوں سے معلومات لیتے رہتے تھے کہ ہمارے ملک کے کس علاقے میں یا کس ادارے ومدرسہ میں نوجوان جید الاستعداد فضلاء ہیں اور ان کو فقہ وفتاویٰ اور قلم وقرطاس سے کس قدر تعلق ہے؟ جہاں ان کو کسی لائق ومحنتی عالم ومفتی کی خبر ملتی تو وہ ان سے پیشگی تعارف وسابقہ شناسائی کے بغیر ادارے کے فقہی سلسلے سے وابستہ کرنے کے ارادے سے فقہی اجتماع کا سوال نامہ ارسال کردیتے تھے وہ قافلۂ علم وتحقیق سے بھٹکا ہوا تنہا راہی شوق کے پروں پر سوار ہو کر قدیم وماہر مفتیان کرام کے قافلے میں شمولیت کو سب سے بڑی سعادت سمجھتا تھا اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کا رشتہ قلم وقرطاس اور فقہ وفتاویٰ سے مضبوط ومستحکم ہوتا چلا جاتا تھا، اس طرح ملت کے لئے عمدہ سے عمدہ، لائق وفائق مفتیان کرام ومحققین کی کھیپ کی کھیپ تیار ہورہی تھی۔

مولانا مرحوم پر اسرار انداز سے نئے نئے آبدار موتی اور بیش قیمت ہیرے تراش تراش کر ادارے سے مربوط کرنے کا ایک بڑا کام کررہے تھے۔

جس طرف بھی چل پڑے ہم آبلہ پایان شوق
خار سے گل، اور گل سے گلستاں بنتا گیا

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

ذمہ داران سے امید کی جاتی ہے کہ جوہر شناسی وگوہر تراشی کا یہ بیش قیمت ونفع بخش سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رکھیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ کی مجلس علمی

جناب مولانا معز الدین احمد صاحب اپنے اس ادارے کو ممتاز و بے نظیر، متحرک وفعال اور زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنانے کے لئے اپنے اَساتذۂ کرام، ملک کے نامور فقہاء کرام ومفتیان عظام سے رائے مشورہ لیتے رہتے تھے، اس کے لئے اُنہوں نے بڑوں کے مشورے سے ادارے کے لئے ایک 'مجلس علمی' بھی بنا رکھی تھی جس کے ارکان درج ذیل حضرات ہیں:

(۱) حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب الہ آبادی مفتی دارالعلوم دیوبند

(۲) حضرت مولانا مفتی عبداللہ معروفی صاحب محدث دارالعلوم دیوبند

(۳) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(۴) حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(۵) حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب قاسمی امروہوی استاذ دارالعلوم دیوبند

(۶) حضرت مولانا مفتی محمد مصعب علی گڑھی مفتی دارالعلوم دیوبند

(۷) حضرت مولانا مفتی اسداللہ آسامی صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند

(۸) حضرت مولانا مفتی سید محمد عفان صاحب منصور پوری شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

(۹) قائد ملت حضرت مولانا سید محمود مدنی صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

(۱۰) مولانا معز الدین احمد صاحب بذات خود مرحوم بھی اس علمی مجلس کے رکن تھے۔

ان ہی ممتاز ارباب فقہ وفتاویٰ کے باہمی مشورے وتعاون سے اجلاس کے عنوانات کی تعیین ہوتی، ان ہی سے سوالات کے مشمولات وجزئیات پر گفتگو ہوتی اور پھر مقالات کی وصولیابی کے بعد مقالات کی تلخیص وتہذیب کی اہم خدمت وذمہ داری بھی ان ہی میں سے دو تین

حضرات کے سپرد ہوتی۔

بحمد اللہ یہ سب حضرات اپنے اکابرین کی سرپرستی اور مولانا مرحوم کی نظامت میں اپنے مفوضہ امور کو باحسن وجوہ انجام دیتے اور مرحوم کے شانہ بشانہ ہر کام میں ساتھ لگے رہتے۔ امید ہے کہ مولانا مرحوم کی دنیا سے رخصتی کے بعد بھی یہ مجلس علمی حسب سابق فی سبیل اللہ اپنی خدمات پیش کرتی رہے گی۔ (ان شاء اللہ)

تیری لحد پر خدا کی رحمت

۲۰۲۰ء کا سال اپنی نوع بہ نوع گردشوں، حوادث، آلام ومصائب، خصوصاً کورونا کال، عالمی وبائی بیماری، قفل بندی، لاک ڈاؤن، دینی وعلمی شخصیات کی وفات، اکابرین ملت واعیانِ امت کی بڑی تعداد میں سفر آخرت پر روانگی، حرمین شریفین کی سنسانی مساجد ومدارس کی طویل بندش وویرانی، بھکمری، فقر وتنگی، اپنے غریب خانوں، عشرت کدوں اور بنگلوں میں نظر بندی اور اقتصادی تنگی وکساد بازاری کے لئے عالمی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا،

ممدوح گرامی جناب مولانا معزالدین احمد صاحب بھی اسی عالمی وبائی مرض کورونا کا شکار ہوکر بارہ پندرہ روز بستر مرض پر رہے اور بالآخر فیصلۂ الٰہی کے مطابق تقریباً ۵۷ سال کی عمر میں ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ مطابق ۲۴؍محرم ۱۴۴۲ھ اتوار کے دن گیارہ بجے صبح دہلی کے میکس اسپتال میں دار آخرت کی طرف منتقل ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کہاں تک تاب لائے ناتواں دل
کہ صدمے اب مسلسل ہو گئے ہیں

ان کی ولادت ۳؍مارچ ۱۹۶۳ء کو موضع دتلوپور، پوسٹ سرائے خاص، تھانہ سعداللہ نگر، تحصیل اتروله، ضلع بلرام پور (سابق ضلع گونڈہ) یوپی میں جناب مولانا عبدالحمید صاحب کے گھرانے میں ہوئی تھی،

مولانا مرحوم جمعیۃ علماء ہند کا قیمتی اثاثہ اور گراں قدر سرمایہ تھے، صاف دل، صاف گو،

خاکسارانہ مزاج ومتواضعانہ طبیعت کے حامل تھے، صالحیت وصلاحیت دونوں کا حسین پیکر تھے، دیانت وامانت میں بے مثال، اپنے کام کے دھنی اور مخلص و بے لوث شخصیت کے مالک تھے، اپنے اَساتذۂ کرام کے محبوب اور ارباب جمعیۃ کے معتمد خاص تھے، فقہ وفتاویٰ اور حوادث ونوازل پر گہری نظر تھی اور فقہی قواعد وجزئیات کا وسیع مطالعہ تھا، اخفاء حال، گوشہ نشینی اور گم نامی گویا فطرت کا حصہ بن چکی تھی، بڑے بڑے اجلاس واجتماعات کی بھر پور تیاری کرا کر منظر اور اسٹیج سے غائب رہنا ہی طبعًا پسند تھا، ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے پندرہ کامیاب ونتیجہ خیز فقہی اجتماعات منعقد کرانے میں الف سے یا تک داخل وشامل رہے، مگر ہمیشہ رونمائی، ناموری اور شہرت طلبی سے دور رہے، حتی کہ اجتماع کے اسٹیج پر بیٹھنا بھی ناگوار سمجھا، یہ ان کے کمالِ اخلاص اور حسن نیت کی سب سے بڑی دلیل تھی۔

مولانا معز الدین صاحب کی وفات حسرت آیات ملت کا ایک بہت بڑا حادثہ اور جمعیۃ علماء ہند کے لئے عظیم خسارہ ہے، ادارۃ المباحث الفقہیہ اور امارت شرعیہ ہند کے اجتماعات اور پروگراموں میں مولانا مرحوم کی عدم موجودگی اور کمی کو شدت سے محسوس کیا جائے گا اور ان کی خدمات جلیلہ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان شاء اللہ۔ علامہ شورش کاشمیری کی ایک نظم کے چند مصرعے مستعار لے کر اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہوں اور مولانا کی لحد پر نزولِ رحمت وشبنم افشانی کی دعاء کے ساتھ خراج تحسین پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں۔

عجب قیامت سا حادثہ ہے، اشک ہے آستیں نہیں ہے
تیری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے

تیری لحد پہ خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا، مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

ایک والد کی طرح مشفق ومربی ہمارے بڑے ابی

مولانا مفتی ابوبکر صدیق منصورپوری اُستاذ مدرسہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد

جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے، اس وقت سے ہم نے دو لوگوں کو دور ہوتے ہوئے بھی، اپنے قریب سے قریب تر پایا ہے۔ ان کی بے پناہ محبتیں، شفقتیں، اپنائیت اور لگاؤ ایسا تھا کہ آج بھی ان کے احسانات یاد آتے ہیں تو دل کی گہرائیوں سے ان کے لئے بے ساختہ دعائیں جاری ہوجاتی ہیں۔

ان میں سے ایک منصورپور میں ہمارے جدامجد (حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری مدظلہم) کے چھوٹے بھائی جناب حافظ سید محمد داؤد صاحب مرحوم ومغفور تھے، جن کو ہم چھوٹے ابّا کہا کرتے تھے۔ جون ۲۰۱۳ء میں شوگر اور گردے کی طبعی بیماری میں مبتلا ہوکر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ہم لوگوں کا منصورپور جانا ہی صرف چھوٹے ابّا کی دعوت پر ہوتا تھا؛ کیوں کہ پہلے ہی فون آجاتا تھا کہ منصورپور کب آرہے ہو! یہی وجہ تھی کہ عید، بقرہ عید میں یا جب بھی مرادآباد سے دیوبند جانا ہوتا تو منصورپور رکنا ہوتا تھا اور امتحان کی چھٹیوں میں تو خاص طور پر بلاتے تھے۔ ہم بھائی بہن منصورپور جانا اسی لئے پسند کرتے تھے کیوں کہ چھوٹے ابا اپنے ساتھ کھیت پر لے جاتے تھے، جنگل میں گھماتے تھے اور ہم لوگوں سے اس طرح بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتے تھے جیسے ہمارے برابر کے ہوں۔ اور سب سے بڑی بات جس خواہش کا اظہار کردیا، اس کو پورا کریں گے چاہے مظفرنگر سے لے کر آنا پڑے۔ ۲۰۰۶ء میں منصورپور میں

''چھوٹے اَبا'' کے اصرار پر پہلی تراویح سنانے کا موقع ملا، تو اُنہوں نے ہمارا حوصلہ بڑھانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، ہمارے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے، شوگر کے باوجود روزہ رکھتے، تراویح میں شریک ہوتے اور پھر تہجد میں بھی ساتھ شریک ہوتے اور نوعمری کے باوجود مسئلہ مسائل وغیرہ میں بھی مشورہ کرتے تھے۔

الغرض چھوٹے ابا کی محبتوں کی وجہ سے جس آزادی کے ساتھ ہم منصور پور میں سانس لیتے تھے اور منصور پور جانے کا انتظار کرتے تھے وہ ساری محبتیں اور شفقتیں گزرے ہوئے زمانہ کہ باتیں ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور ان کو اپنی شایان شان بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

دوسرے ہمارے مشفق اور ہماری تربیت میں والد صاحب کی طرح اہم رول ادا کرنے والے، انتہائی ملنسار، بے غرض تعلق رکھنے والے، دور رہتے ہوئے بھی ہر موقع پر ساتھ کھڑے ہونے والے، آگے بڑھ کر خود معاملے کو حل کرنے والے، ہم لوگوں کی خوشی کو اپنی خوشی اور ہم لوگوں کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھنے والے اور سب سے بڑھ کر خاندانی وجاہت اور اکابرین کی زندگیوں کے نقوش کے ذریعہ موجودہ حالات اور آئندہ کے حالات سے نمٹنے کے لئے رہنمائی کرنے والے اور حوصلہ بڑھانے والے تن تنہا حضرت مولانا معزالدین صاحب گونڈوی نور اللہ مرقدہ تھے، جن کو ہم 'بڑے ابی' کہا کرتے تھے۔

ہمارے ساتھ ان کا کچھ اس طرح مشفقانہ برتاؤ تھا کہ گویا کہ وہ ہمارے والد ہوں۔ واقعی اُنہوں نے اس نام کا حق ادا کردیا جس نام کے ساتھ ہم انھیں پکارتے تھے، اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائیں۔

ہم نے ہمیشہ ان کو گھر کے ایک فرد کی طرح ہر معاملہ میں شریک پایا۔ یہاں تک کہ ہمیں یاد ہے ہم نے نوعمری اور بے شعوری میں اپنی والدہ محترمہ سے ایک دن کہا کہ ''آپ ابی (حضرت والد صاحب دامت برکاتہم) سے تو پردہ نہیں کرتی اور بڑے ابی سے پردہ کرتی ہیں''، یعنی اس

طرح ہم لوگوں کے ساتھ بڑے ابی کا رکھ رکھاؤ تھا کہ دیکھنے والے غیر سمجھ ہی نہیں پاتے تھے۔

مرادآباد میں پہلے اتنی سہولت نہیں تھی تو گھر کی بہت سی چیزیں دلی سے بڑے ابی کے ذریعہ آتی تھیں، ہم بچوں سے باقاعدہ پوچھا کرتے تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بتاؤ۔اسی طرح دیوبند میں بہت سی چیزیں نہیں ملتی تھیں، تو دادی اماں فوراً بڑے ابی کو فون کرتیں کہ ''معزالدین'' کوئی دیوبند آنے والا ہو تو فلاں چیز بھجوادینا؛ بلکہ دادی اماں کے بہت سے کام بڑے ابی ہی کے ذریعہ سے پورے ہوتے تھے۔اور بڑے ابی بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ سارے کاموں کو انجام دیتے تھے۔

آئی ٹی او دفتر میں جب کبھی دادے ابا اور دادی اماں کا جانا ہوتا تو اکیلے ہر چیز کا خیال رکھتے تھے۔دادے ابا فجر سے پہلے چائے لیتے ہیں تو بغیر کہے خود چائے بنا کر پیش کرتے تھے۔ دادی اَماں ہلکی پتی کی چائے لیتی ہیں تو ان کے لئے الگ سے چائے بناتے تھے۔

۱۹۹۹ء میں جمعیۃ علماء کے کسی بڑے اجلاس کے موقع پر دہلی میں مسجد عبدالنبی میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ کے ذریعہ ہمارا حفظ قرآن شروع ہوا تو اجلاس کی مصروفیتوں کے باوجود بذات خود ''ہلدی رام'' کی دوکان سے عمدہ قسم کے موتی چور کے لڈو تیار کرا کے لائے۔وہاں بھی تقسیم کئے اور دیوبند بھی بھیجے۔اسی طرح ہماری ہم شیرہ ''ام کلثوم سلمہا'' کے حفظ قرآن کی تکمیل کے موقع پر دہلی سے خود کئی طرح کی نمکین اور مٹھائی کے ڈبے تیار کرا کے دیوبند لائے۔۲۰۰۰ء میں رمضان کے آخری دنوں میں ہماری چھوٹی ہمشیرہ 'یمنی صدیقہ' سلمہا کی ولادت ہوئی تو حضرت والد صاحب دامت برکاتہم مرادآباد میں اعتکاف میں تھے اور داداجان دیوبند سے دہلی آتے جاتے رہتے تھے۔پوری ذمہ داری بڑے ابی ہی ادا کرتے تھے۔ہاسپٹل سے دفتر آنا جانا، کھانا پہونچانا وغیرہ؛ یہاں تک کہ عید میں بھی اسی وجہ سے اپنے گھر نہیں جاسکے۔

الغرض باتیں بہت ہیں کہاں کہاں تک ان کو ذکر کیا جائے، یقیناً ان کی پوری زندگی

عبرت کا نمونہ ہے۔ ہمیں ہمیشہ تاکید کیا کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے انتظامی امور کی ذمہ داری لینے سے بچنا؛ یہاں تک کہ مدرسہ میں بھی چپ چاپ خاموشی سے کام میں لگے رہو اور اپنے کام سے مطلب رکھو۔

اسی طرح حضرت شیخ الہند اور حضرت مدنی رحمہما اللہ کی تحریک اور فکر ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، گفتگو جب ہوتی تھی تو حوالوں کے ساتھ ان کی باتیں نقل کر دیتے تھے اور فکر جمعیۃ کے تو پورے امین تھے اس کے خلاف سننا بھی گوارہ نہیں تھا، ایک موقع پر کسی نے یہ کہہ دیا کہ جمعیت پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لئے الیکشن میں حصہ کیوں نہیں لیتی؟ بس پھر کیا تھا ان کی دل چسپ اور مدلل گفتگو سننے کے لائق تھی۔ اسی طرح جمعیۃ علماء، امارت شرعیہ اور مباحث فقہیہ کے دستور اور اس کی تاریخ پر جتنی مضبوط اور گہری نظر تھی شاید اور کسی کی نہ ہو۔

نایاب اور تاریخی کتابوں سے ان کا ذہن و دماغ تو مزین تھا ہی، ان کا کمرہ بھی مزین رہتا تھا۔ اور جب سے اسکرین ٹچ موبائل ان کے ہاتھ میں آیا تو نئی سے نئی نایاب کتابیں موبائل میں اور کئی کئی پین ڈرائیو میں ڈاؤن لوڈ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کا موبائل ہزاروں کتابوں سے مزین چلتا پھرتا کتب خانہ بن گیا تھا۔

ہمیں یاد ہے کہ شروع میں حضرت والد صاحب کے پاس چھوٹا موبائل تھا اور بڑا موبائل رکھنے کو تیار نہیں ہوتے تھے، ہم نے اس کا تذکرہ بڑے ابی مرحوم سے کیا تو فوراً اُنہوں نے آن لائن موبائل بک کرایا اور اصرار کر کے موبائل رکھوایا تاکہ نئی نئی کتابوں سے اور درسی وغیر درسی کتابوں سے مختصر وقت میں فائدہ اٹھا سکیں۔

اسی طرح دادے ابا کو بھی بڑے موبائل کے فوائد بتلائے اور اصرار کر کے موبائل رکھوایا۔ الغرض بہت سے وہ کام جو ہم خود نہیں کر سکتے تھے وہ بڑے ابی مرحوم کے ذریعہ بڑی آسانی سے انجام پا جاتے تھے۔

بڑے ابی مرحوم ہمارے گھرانے سے بے غرض، بے لوث محبت کا اس طرح تعلق رکھتے تھے جیسے اپنے والدین مدظلہما اور اپنے بھائی بہنوں سے رکھتے تھے۔ ہم لوگوں کو کوئی چیز دے کر ان کے خوش ہونے کا وہ نرالا انداز اور ہماری فرمائش پر پہلے سے ہی وہ چیز منگوا کر رکھنا ہمیشہ یاد رہے گا۔ چچا جان (حضرت مفتی عفان صاحب منصور پوری) جب دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے اور بڑے ابی کا دیوبند آنا ہوتا تو چچا جان کی تعلیم کے لحاظ سے مفید کتابیں یا جو چیز ان کو پسند ہو ضرور لے کر آتے تھے، اور چچا جان جو جب کبھی دلی جانا ہوتا تو اجازت اسی وقت ملتی تھی جب بڑے ابی دلی میں موجود ہوں، بڑے ابی نے شاید اپنے سگے بھائیوں سے زیادہ چچا جان کی تربیت ورہنمائی میں اہم کردار ادا کیا ہے؛ بلکہ کہیں ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی تو اس سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور آج بھی اگر چچا جان کی کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوتی تو ناراضگی کا اظہار کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے تھے۔

بڑے ابی مرحوم کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ کسی عہدے، منصب یا مالی دولت اکٹھا کرنے کی ذرہ برابر لالچ نہیں تھی۔ حالاں کہ وہ دلی جیسی جگہ پر چاہتے تو بڑی سے بڑی تجارت کر سکتے تھے؛ لیکن اُنہوں نے ایک ہی تجارت کو امانت داری، دیانت داری سے ایک ایک روپیہ کے حساب وکتاب کے ساتھ مضبوطی سے تھامے رکھا۔ معاملہ کی صفائی زبان کا پکا ہونا، یہ آپ کی تجارت کے بابرکت ہونے کی دلیل تھی۔ جو لوگ بھی ان سے تجارت کا معاملہ رکھتے تھے وہ آج بھی ان کی سچائی، امانت ودیانت پر شاہد ہیں۔

حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کی کتابوں کی کتابت وطباعت کی ساری ذمہ داری آپ ہی کے سپرد تھی۔ مختصر خرچہ میں کم وقت میں عمدہ ٹائٹل اور عمدہ کاغذ کے ساتھ کتابوں کا چھپوانا آپ ہی کا فن تھا۔ ان کا ہمیشہ یہ کہنا تھا کہ کاغذ کے اعتبار سے کتاب کا معیار گرانا یہ کتاب کے ساتھ خیانت ہے اور کتاب کے مضامین چاہے کتنے ہی عمدہ ہوں اگر کاغذ ہلکا ہے تو پڑھنے والوں کو بھی دلچسپی نہیں ہوتی؛ اس لئے ان کے ذریعہ چھپی ہوئی ساری کتابیں چاہیں جمعیۃ کی ہوں یا

کسی اور کی، ٹائٹل، کاغذ اور بائنڈنگ کے اعتبار سے عمدہ سمجھی جاتی تھیں۔ان کے چلے جانے کے بعد حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کی نئی کتابوں کو چھپوانے کی ضرورت پڑی تو اندازہ ہو رہا ہے کہ عمدہ معیار پر مختصر خرچہ پر کتاب چھپوانا کتنا مشکل کام ہے۔

بڑے ابی مرحوم کی ایک خاص عادت یہ بھی تھی کہ چاہے کتنی ہی مصروفیات ہوں، والدین سے روزانہ بات کرتے تھے۔ان کی خیر وخیریت ان کے ساتھ دل جوئی، ان کی ضروریات کا سب سے زیادہ خیال رکھنا آپ کی سعادت مندی کی دلیل تھی۔نہ صرف والدین؛ بلکہ بھائی بہن دیگر عزیز واقارب کی ضروریات کا بھی پوری طرح خیال رکھتے تھے۔کسی بھائی کے یہاں کوئی تقریب ہو تو خود آگے بڑھ کر تعاون کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان کو اس صلہ رحمی کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔بہر حال بڑے ابی مرحوم نے جس محنت وشفقت کے ساتھ جس فکر کے ساتھ اور جس جذبے کے ساتھ اپنے والدین، اعزہ، اقارب کے حقوق کو ادا کرتے ہوئے اور اکابرین جمعیۃ کی سوچ کو آگے بڑھاتے ہوئے جس کڑھن کے ساتھ زندگی گزاری ہے وہ ہم چھوٹوں کے لئے عبرت اور نمونہ اور مشعل راہ ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو قبر کو نور سے منور فرمائیں، ان کی حسنات کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں اور ان کے پسماندگان کی ہر طرح حفاظت فرمائیں۔آمین

اسلاف کی یادگار میرے بھائی صاحب

مولانا وحید الدین قاسمی استاذ مدرسہ فلاح دارین ترکیسر

۱۳ر ستمبر ۲۰۲۰ء اتوار کا دن ہم لوگوں کے لئے قیامت صغریٰ کا دن تھا، دن کے اجالے میں بھی ہر طرف تاریکی اور ظلمت کی گھٹا چھائی رہتی تھی، درد و کرب اور رنج و غم کا گہرا اور وسیع سمندر ہمیں اپنے تھپیڑوں میں لپیٹے جا رہا تھا، اداسی اپنا قہر ڈال رہی تھی، فضا خاموش تھی، غم کی چادر تنی ہوئی تھی، ہر طرف سناٹا اور ایک ہو کا عالم تھا، دل جس خطرے سے ڈر رہا تھا وہ خطرہ آن کر رہا، ہوش اڑ گئے، حواس گم ہو گئے، دماغ ماؤف ہونے لگا، دل بھر آئے، آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، خدا کا وہ فیصلہ ہو گیا جو یقینی تھا، لیکن اس کا وقت معلوم نہیں تھا، کئی دن سے بقول ڈاکٹروں کے طبیعت میں اتار چڑھاؤ تھا، کچھ کچھ امید بندھ جاتی، کبھی ہم مایوسی کا شکار ہو جاتے، گویا ڈاکٹر ایک بڑے حادثہ کی خبر سننے کے لئے ہمارے دل و دماغ کو تیار کر رہے تھے، ۱۳ر کی صبح کو ہم سبھی بھائی چائے پی رہے تھے کہ عزیزم برادرم مولوی قطب الدین کے موبائل پر اسپتال سے فون آیا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے، کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے، اس خبر کو سنتے ہی دل سہم گئے، ہم تمام بھائی اور بہنیں جو بھائی صاحب کی بیماری کی خبر سن کر دہلی آ گئے تھے، جمعیۃ کے ذمہ داران حضرات حضرت امیر الہند قاری سید محمد عثمان صاحب مدظلہ العالی صدر جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ العالی، عزیزم مفتی محمد عفان صاحب سلمہ، رفیق محترم مولانا حکیم الدین صاحب زید مجدکم دفتر کے عملہ کا ہر چھوٹا اور بڑا فرد

حضرت مولانا محمود صاحب کے سکریٹری بھائی عادل صاحب، بھائی صاحب کے برادر نسبتی عزیزم ڈاکٹر سعد اور خالد سلمہما سب کی بے چینی اور اضطراب میں کافی اضافہ ہو گیا، بیماری کی سنگینی کے باوجود ہم تمام اہل خانہ بلکہ پورا کنبہ تمام احباب و متعلقین، ہماری جماعت سے تعلق رکھنے والا ہر ہر فرد اللہ تعالیٰ کی رحیم ذات سے یہی امید لگائے بیٹھا تھا، کہ ان شاء اللہ برادر محترم مولانا معز الدین صاحب صحت یاب ہوں گے، ان کی ذات سے اللہ تعالیٰ دنیا کو مزید فیضیاب فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے کسی کی محتاج نہیں، وہ چاہے تو ذروں کو آفتاب کردے، وہ چاہے تو بغیر بادلوں کے سیراب کردے، وہ چاہے تو بغیر بارش کے زمین کو سبزہ زار بنادے، وہ کسی کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے انبیاء اور اولیاء کا محتاج نہیں، وہ کسی کو نفع پہنچانے کے لئے نفع رسانی کے اسباب و افراد کا قطعاً حاجت مند نہیں، اس کی ذات غنی و بے نیاز ہے، اس کا ارادہ صفت تکوین سے پورا ہو جاتا ہے، وہ فعال لما یرید ہے اس کی قدرت ہر چیز پر غالب ہے، وہ اسباب و رسائل کے بغیر بھی سب کچھ کرسکتا ہے، لیکن اس کا ضابطہ ہے، عام طور پر وہ دنیا میں نفع بخش اشیاء اور افراد و اشخاص کو تا دیر باقی رکھتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ (سورۃ)

بھائی صاحبؒ کی ذات گرامی ماں باپ، بھائی بہن، تمام افرادِ خانہ کے علاوہ پورے کنبے، خاندان، پوری قوم اور ملت کے لئے انتہائی نفع بخش تھی، وہ "خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ" کے صحیح مصداق تھے، اس وجہ سے حالت تشویشناک حد تک خراب ہونے کے باوجود ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے، بوڑھے والدین، معصوم اولاد، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آسرا لگائے بیٹھے تھے، تمام بھائی بہن، عزیز و اقارب دوست و احباب، تمام متعلقین و محسنین یہی کہہ رہے تھے کہ ان شاء اللہ صحت یاب ہو جائیں گے، ابھی تو اللہ تعالیٰ کو ان سے بہت کام لینا ہے، ملت کو ان کی بڑی ضرورت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی غنی و بے نیاز ذات نے ایک بار پھر ہمیں اپنی شان بے نیازی کا مشاہدہ کرادیا، کہ قوم و ملت کی رہبری کے کام ہوں یا

انسانیت کے نفع رسانی کے امور، کسی بھی چیز کے لئے وہ کسی کا محتاج نہیں، بوڑھے ماں باپ کا سہارا تو اللہ ہے، یتیم اور معصوم اولاد کو اصل پالنے والی ذات تو اللہ ہی کی ہے، سارا نظامِ عالم اسی کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے، تمام چیزوں میں اسی کی قدرت کار فرما ہے اور اس کی قدرت کے کرشمے ہماری عقل وفہم سے بہت بالا ہیں:

ہر گھڑی اس کی قدرت میں یہ ہے کمال ❖ شان اپنی وہ جب چاہے جیسی دکھائے
کبھی گرم لو کی وہ لپٹیں چلائے ❖ کسی کو وہ بارش میں پت جھڑ دکھائے

بہر حال قادرِ مطلق نے اپنی بے نیازی کا فیصلہ کر دیا، گر چہ ہمارا ایمان ہے کہ اس خدائی فیصلہ میں ہزار حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں شامل ہوں گی، لیکن انسانی فطرت کے تقاضہ نے ہمیں اس وقت بالکل غم سے نڈھال سا کر دیا، جب ۱۳ر ستمبر گیارہ بجے دن کو اسپتال سے یہ خبر آئی کہ مولانا معز الدین صاحب اس دنیا سے کوچ فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، تمام پسماندگان اور متعلقین اس خبر کو سنتے ہی سوگوار ہو گئے، سب کے اوپر رنج والم اور غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، سب کی زبانیں گنگ ہوگئیں، آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اولاد اوروں کے ہلکان ہوگئی، والد صاحب کے لئے اولاد کو صبر کی تلقین مشکل ہوگئی، بس تقدیر تدبیر پر غالب آ گئی، اعلیٰ پیمانہ پر علاج کا بند و بست بھی ناکام ثابت ہوا، بھائی صاحب ہم سب کو اور تمام متعلقین کو کرب کی حالت میں چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے رحلت فرما گئے، والدین اولاد بھائی بہن عزیز واقارب کے علاوہ امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم سراپا غم بن گئے، فکروں میں ڈوب گئے، ماں باپ اپنے وفا شعار قابل فخر فرزند سے، اولاد اپنے مایہ ناز بے مثال وشفیق باپ سے، بھائی بہن اپنے بڑے محسن باپ جیسی فکر کرنے والے عظیم بھائی سے، عزیز واقارب اپنے ایک نفع پہنچانے والے عزیز سے، دوست واحباب اور تعلق رکھنے والے اپنے ایک سچے اور مخلص دوست سے، اساتذہ اور بڑے اپنے ایک لائق باصلاحیت فرزند سے، ارباب جمعیۃ اپنے ایک سچے مخلص اور وفادار خادم سے، ملت اپنے ایک صحیح الفکر اور صائب الرائے رہنما سے اور

امت اپنے ایک باصلاحیت فرد سے محروم ہوگئی، اللہ تعالیٰ امت کو ان کانعم البدل عطا فرمائے، اوراپنے جوارِ رحمت میں ان کوقرب خاص سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

آئندہ سطروں میں ہم بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختصر سوانحی خاکہ اوران کی ذات کی کچھ اہم خوبیوں اوراوصاف کوتحریر کریں گے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے سبق حاصل کرنے کا سامان موجود ہو۔

تاریخ پیدائش

غالبًا مارچ ۱۹۶۲ء کی کسی تاریخ کو اپنے آبائی وطن دتلوپور پوسٹ خاص ضلع گونڈہ یوپی میں پیدا ہوئے، بھائی صاحب بچپن میں بہت کمزور اور لاغر تھے، میرے ہمنام ایک اور بھائی تھے جو بھائی صاحب سے بڑے تھے، بڑے ہونہار اورصحت مند تھے، دوتین سال کی عمر میں چار پانچ سال کے بچوں کے برابر لگتے تھے، وہ کچھ بیمار ہوئے اورانتقال ہوگیا، ان کی وفات کا حادثہ والدین وغیرہ کے لئے بڑا دردناک ثابت ہوا، والدین پر بڑا اثر ہوا، بھائی صاحب موجود تھے؛ لیکن بہت کمزور ولاغر تھے، اس لئے والدہ کہتی تھیں کہ ہروقت ان کے بارے میں بھی ڈر لگا رہتا تھا کہ اس کمزور بچہ کا کیا سہارا کہ یہ بچے گا؟ لیکن اللہ پاک کو کچھ اور منظور تھا، اسی کمزور وناتواں بچہ کو والدین کی آنکھوں کا سرمہ بنانا تھا، بھائی صاحب جسمانی اعتبار سے کمزور تھے، لیکن ذہن وذکاوت اورفہم وفراست کے اعتبار سے مضبوط اور بااستعداد معلوم ہوتے تھے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

ابتدائی تعلیم

بھائی صاحب نے ابتدائی تعلیم کے لئے گاؤں کے مکتب مدرسہ فیضان العلوم میں پانچ سال کی عمر میں داخلہ لیا، گاؤں کے مکتب میں عربی اردو کی تعلیم کے ساتھ پرائمری کی تعلیم کا بھی نظم ہے، بچوں کو پانچ سال تک اسکول جانے کی ضرورت نہیں پڑتی، بس پانچویں سال کا سالانہ

امتحان پرائمری بورڈ کے ساتھ دلا دیا جاتا ہے، جو اسکول کی آ گاہ کی تعلیم کے لئے معتبر گردانا جاتا ہے، بھائی صاحب نے پرائمری کا یہ پانچ سالہ کورس صرف چار سال میں پورا کرلیا اور ہر سال اپنی جماعت کے تمام طلبہ پر فائق رہے، امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، والدین فرماتے ہیں کہ صبح مکتب جانے سے پہلے پڑھتے لکھتے اور شام کو مکتب سے آ کر عصر اور مغرب کے بعد پڑھنے لکھنے میں لگ جاتے، کھیل کود سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ ایک طرح سے ان کو کھیل کود سے نفرت تھی، وہ شروع سے خالص علمی ذوق اور پڑھنے لکھنے کے آدمی تھے، کبھی کبھار پڑھنے لکھنے میں اس قدر منہمک ہو جاتے کہ کھانے پینے اور گھر کے ضروری کام وقت پے نہ کرنے کی وجہ سے والدہ کی ڈانٹ کھاتے، ان کی دوستی صرف کتابوں سے تھی، گاؤں محلّہ کے بچوں میں ان کا کوئی دوست نہیں تھا، وہ کبھی کھیل کود کے لئے گھر سے باہر نہیں جاتے، اس وجہ سے گاؤں کے بچوں سے کبھی جھگڑے وغیرہ کی نوبت نہیں آئی، ان کا بچپن بڑا پرسکون اور ہر طرح کے خلفشار سے خالی تھا، والدین کو پڑھنے لکھنے کے لئے یا ان کو غلط صحبتوں سے بچانے کے لئے کوئی فکر کرنی ہی نہیں پڑی، ان کا علمی ذوق فطری تھا، اردو پڑھنا لکھنا اُنہوں نے بہت جلد سیکھ لیا تھا، جب وہ پرائمری کی دوسری تیسری جماعت میں تھے تو اردو اخبار و رسائل اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لیتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہفت روزہ الجمعیۃ اور روزنامہ قومی آواز والد صاحب منگاتے تھے، بھائی صاحب بہت دلچسپی سے ان اخبارات کو پڑھتے تھے۔

حفظ قرآن اور عربی تعلیم

بھائی صاحب صرف نو سال کی عمر میں گھر سے باہر تعلیم کے لئے چلے گئے، سب سے پہلے مدرسہ انجمن محمدی اترولہ ضلع گونڈہ میں حفظ میں داخلہ لیا، ایک سال کے بعد مدرسہ عثمانیہ انٹیا تھوک ضلع گونڈہ چلے گئے، وہاں دو سال رہے، پھر حفظ قرآن کے مشہور استاذ حضرت حافظ محمد اقبال صاحب سے تکمیل حفظ کے لئے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ آئے، حافظ صاحب کے پاس حفظ کی تکمیل کی، پھر یہیں فارسی اور عربی کی تعلیم شروع کردی، بڑی محنت اور لگن کے ساتھ حصول علم

میں لگے، علم کا شوق اتنا غالب تھا کہ اس کے لئے ہر جد و جہد اور قربانی دینا آسان تھا، ہر کتاب کو پوری طرح سمجھ کر پڑھتے تھے، استاذ کے سبق کو جب تک اچھی طرح سمجھ نہیں لیتے تھے، آگے نہیں پڑھتے تھے، بلکہ استاذ کو بھی آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے، اسی وجہ سے بعض اساتذہ کو ان کا وجود درسگاہ میں گراں معلوم ہوتا تھا، جب کتاب کی کوئی عبارت وغیرہ سمجھ میں نہ آتی تو استاذ سے ضرور پوچھتے تھے، کتاب خود سمجھ کر پڑھتے، پھر بسا اوقات سبق کا خلاصہ اپنے طور پر بہت مرتب انداز میں تحریر کرتے، میں نے بھائی صاحب کی نحو میر کی کاپی دیکھی ہے، شاید وہ گھر پر موجود بھی ہو، استاذ کی تقریر اور افہام کی روشنی میں ہر ہر سبق کا خلاصہ بہت مرتب انداز میں تحریر کیا ہے۔

بھائی صاحب نے مدرسہ فرقانیہ میں دو سال فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی جس میں پہلے سال میں فارسی کی پہلی، فارسی کی دوسری، تیسیر المبتدی، آمد نامہ، کریما، گلزار دبستاں وغیرہ کتابیں نصاب میں تھیں، جبکہ دوسرے سال میں میزان منشعب، نحو میر، گلستاں، بوستاں، مالا بدہ منہ، اور تسہیل المنطق وغیرہ کتابیں نصاب میں داخل تھیں۔

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں فارسی عربی کے دو سال مکمل کرنے کے بعد جامع العلوم پٹکا پور، کانپور میں داخلہ لیا، اور تین سال ہدایۃ النحو، کافیہ، اور شرح جامی تک بڑے شوق اور انہماک کے ساتھ تحصیل علم میں لگے رہے، اپنے علمی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے مدرسہ میں مشہور رہے، اساتذہ اور طلبہ میں مقبول رہے، امتحانات میں اعلیٰ اور امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، حضرت مولانا نصیر احمد صاحب مظاہریؒ جو امتحان میں بہت ناپ تول کر نمبرات دیتے تھے، اُنہوں نے بھی اصول الشاشی کے پرچہ میں (جہاں تک مجھے یاد ہے) بھائی صاحب خود بتلا رہے تھے کہ بیس نمبر دیئے جو کل نمبرات تھے، وہ عموماً کسی کو بیس نمبر نہیں دیتے تھے، انیس یا زیادہ سے زیادہ ساڑھے انیس نمبر دیتے تھے، بھائی صاحب بتلا رہے تھے کہ اس پرچے میں میں نے ایک شعر لکھا تھا، ایک مثال کے تحت:

ظالم نے مرے دل کو بسکٹ کی طرح توڑا
جب یار کی محفل میں چائے گرم آئی

مولانا اس مثال سے بہت محظوظ اور خوش ہوئے، اور پورے نمبرات عطا فرمائے۔

جامع العلوم پٹکا پور میں بھائی صاحب نے حضرت مولانا نصیر احمد صاحب مظاہری کے علاوہ حضرت مولانا مبین الحق قاسمی فتح پوری، حضرت مولانا منظور احمد صاحب مظاہری، حضرت مولانا انوار صاحب جامعی، حضرت مولانا وکیل احمد صاحب قاسمی دیوریاوی، حضرت مولانا سعید صاحب قاسمی دیوریاوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا شکیل احمد صاحب قاسمی کانپوری دامت برکاتہم وغیرہ سے کسب علم کیا اور خوب کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

غالباً ۱۹۸۳ء میں صد سالہ کے تین سال بعد عربی پنجم یعنی مختصر المعانی کی جماعت میں داخلہ لیا، داخلہ کا امتحان حضرت مولانا ہاشم بخاری صاحب کے پاس آیا، مولانا نے مشکل کتابوں کا تقریری امتحان لیا، ایک عبارت کا مطلب پوچھا اور یہ فرمایا کہ حاشیہ وغیرہ دیکھ کر جواب دو، بھائی صاحب نے حاشیہ دیکھ کر جواب دیا، حضرت مولانا جواب سے خوش ہوئے اور اعلیٰ نمبرات سے پاس کیا، داخلہ ہوگیا، دارالعلوم میں چار سال رہ کر ہرفن کے اساتذہ سے علمی فیض حاصل کیا، ہر سال اول پوزیشن سے کامیاب ہوتے رہے، آخری دورہ کے سال میں دوسری پوزیشن سے کامیاب ہوئے، دارالعلوم اور مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی طرف سے انعامی جلسہ میں خصوصی انعامات حاصل کئے، فراغت ۱۹۸۶ء میں ہوئی۔

تدریب فی التدریس

فراغت کے بعد تدریب المعلّمین کے لئے انتخاب ہوا، ایک سال اس شعبہ میں رہ کر مختلف کتابیں سال اول و دوم کی پڑھائیں، گرچہ تدریب میں دو سال کے لئے تقرری ہوتی تھی، لیکن سابق امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء ہند نے والد صاحب سے کہہ کر جمعیۃ میں بلا لیا، ۱۹۸۸ء سے لے کر ۲۰۲۰ء تک تقریباً ۳۳ ؍سال تک کل ہند امارت

شرعیہ کے ناظم رہے، نو سال کی عمر میں گھر سے نکلنے والا یہ مسافر اپنے پچاس سالہ علمی دینی ملی و فقہی سفر کو پورا کر کے اس دنیائے فانی سے عالم جاویدانی کی طرف رحلت کر گیا، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے۔

بھائی صاحب کی اہم خوبیاں اور صفات

انسان کی قدر و قیمت اس کی صفات اور خوبیوں سے پہچانی جاتی ہے، بھائی صاحب اپنی ٹھوس علمی استعداد اور صلاحیت کے علاوہ کچھ ایسی دینی عملی اور فکری خوبیوں کے مالک انسان تھے، جن کی وجہ سے بڑوں کے دلوں میں ان کی عزت اور اہمیت تھی، اپنے دوست واحباب اور ہم عصروں میں ان کا بڑا وزن تھا، اور تمام چھوٹوں کے دلوں میں ان کی بڑی محبت اور عظمت تھی، وہ اپنی انھیں خوبیوں کی وجہ سے مسلکی، نظریاتی اور فکری اختلاف رکھنے والوں کے یہاں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، بھائی صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں جن اوصاف اور خوبیوں کا بنیادی کردار تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ان میں بھائی صاحب کی اعلیٰ علمی صلاحیت واستعداد، وسیع اور مضبوط مطالعہ، فکر میں اعتدال، اخلاص وللّٰہیت صاف گوئی، حق گوئی، معاملات کی صفائی، اصول پسندی، ہمت و جرأت اور بے باکی، امانت داری، اور دیانت داری، جس کام کی ذمہ داری کو قبول کرلیا اس کے لئے پوری جدوجہد کرنا اور اس کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے اپنی تمام توانائیوں کو صرف کر دینا، فکر و رائے میں اختلاف کے وقت حدودِ اختلاف کی رعایت کرنا، مخالف کے لئے دل میں جگہ رکھنا، بلکہ اس کے اچھے کاموں کا اعتراف کرنا، ہر رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اساتذہ اور بڑوں کی خدمت کرنا، دوست واحباب، خاص عزیز واقارب، بہن بھائیوں کی ہر موقع پر چپکے سے مدد کرنا، والدین کی خوشنودی کو اپنے لئے سرمایہ آخرت سمجھنا، ان کی خدمت کے لئے اپنے مال ومنال کو لٹا دینا، وقت ضرورت سب کے کام آنا، ہر ایک کی ضیافت کرنا، فائدہ حاصل کرنے کے بجائے نفع پہنچانے کی کوشش کرنا اور ان تمام اوصاف اور خوبیوں کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا یہ تواضع کی وہ حقیقت ہے جس پر رفع درجات کا اللہ

کی طرف سے وعدہ ہے، لہٰذا مجھے اس بات کے کہنے کی اجازت دیجئے کہ:

وہ بہت سے اوصاف میں تھے پہاڑوں سے بھی اونچے

مگر اس میں تواضع کی حقیقت تھی بہت آشکار

ان تمام اوصاف کی تفصیل تو دشوار ہے؛ لیکن ان میں سے چند کی قدرے تفصیل تحریر کی جاتی ہے۔

علمی صلاحیت اور استعداد

بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ صلاحیت اور ٹھوس استعداد کے مالک تھے، زمانۂ طالب علمی میں ہر جماعت میں امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوئے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی سلسلہ چار سال رہا، پنجم سے لے کر دورۂ حدیث تک پڑھا، ہر سال کسی نہ کسی پوزیشن ہی پر رہتے، حتیٰ کہ وہ دورۂ حدیث شریف میں جس میں اس وقت تقریباً سات سو طلبہ ہوتے تھے، دوسری امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوئے، دارالعلوم دیوبند میں فراغت کے بعد تدریب فی التدریس کے لئے انتخاب ہوا، اس کے لئے ممتاز صلاحیت والے ۱۰ ر کا ہی انتخاب ہونا تھا، امارت شرعیہ کی نظامت علمی وفقہی ذمہ داری کا منصب ہے، ادارۃ المباحث الفقہیہ کے فقہی اجتماعات میں خاص طور سے تجاویز کی مجلس میں تجاویز مرتب کرانے اور تجاویز کو متفق علیہ بنوانے میں بھائی صاحب کا اہم کردار ہوتا تھا، بھائی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے عالمی تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے موقعہ پر ایک چارٹ تیار کرا کے غالباً مدنی دارالمطالعہ کی طرف سے چھپوایا تھا، جو بہت ہی اہم معلومات پر مشتمل تھا، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ نے اس چارٹ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس چارٹ سے میرے علم میں بھی اضافہ ہوا ہے، حضرت مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی ایک کتاب ہے: ''تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار'' اس کتاب میں جن علماء کا تذکرہ آیا ہے، بھائی صاحب نے ان کا ایک جامع تعارف تیار کیا تھا، جو کتاب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

مزاج اور فکری اعتدال

بھائی صاحب نہ تو جذباتی تھے اور نہ حرارت سے بالکل خالی، وہ معتدل مزاج سوچ اور فکر یں اعتدال کے حامل تھے، نہ آنکھ بند کر کے حمایت کرتے تھے، نہ اختلاف میں حدود سے تجاوز کرتے، وہ محبت وعداوت میں اعتدال کے حامی اور محافظ تھے، وہ ارشاد نبوی: ''**أحبب حبیبک ھونا ما، عسی أن یکون بغیضک یوما ما، وابغض بغیضک ھونا ما، عسی أن یکون حبیبک یوما ما**'' پر عامل تھے،ان کے یہاں کسی چیز میں غلو نہیں تھا،ان کا دل تعصب سے خالی تھا، وہ مسلکی عصبیت سے نالاں اور گریزاں تھے، وہ دوسرے مسلک کے علماء کے بھی قدر دان تھے، ان کے علمی کاموں کی تعریف کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ مسلکی فکری اور نظریاتی اختلاف رکھنے والوں کے یہاں بھی ان کی قدر ومنزلت تھی۔

معاملات کی صفائی

معاملات میں صفائی ان کا ایک ممتاز وصف تھا، وہ ہر ایک سے اپنے معاملہ کو صاف رکھتے تھے، جو وعدہ کرتے وہ پورا کرتے تھے، جھوٹ فریب کا ان کی زندگی میں گذر نہیں تھا، جو عہد وعدہ کرتے اس پر قائم رہتے، چاہے اس کے لئے مالی نقصان اٹھانا پڑتا، لین دین اور اس کا حساب وکتاب بالکل صاف رکھتے تھے، ہر روز کے لین دین کا حساب شام کو لکھ لیتے تھے، اپنے ذمہ کسی کا کوئی حق ہوتا تو جلد ادا کرنے کی کوشش کرتے، بھائی صاحب کتابوں کی طباعت کرانے اور آڈر پر بھجوانے کا کام کرتے تھے،لیکن انتقال کے بعد کسی کتب خانہ والے یا پریس والے یا کاغذی کا ایک پیسہ بھی بھائی صاحب کے ذمہ نہیں نکلا، بلکہ ایک پریس والے نے بتایا کہ کتاب چھپوانے والوں کی طرف سے جب پیس موصول ہوتے ہمیں فوراً بلا کر ہمارے حوالہ کر دیتے، اگر ہم سے کبھی آنے میں تاخیر ہوتی تو ہمیں ڈانٹتے کہ اگر رقم ہمارے پاس پڑی رہی اور ضائع ہوگئی تو کون ذمہ دار ہوگا، ہندو مہاجن کاغذی بوڑھا آدمی انتقال کے دوسرے دن دفتر میں آ کر رو رہا

تھا، پوچھنے پر بتایا کہ ہمارا ان کے ذمہ کوئی حق نہیں ہے، وہ تو حساب بہت صاف رکھتے تھے، فرید بکڈ پو والے بھائی ناصر صاحب سے ان کا کتابوں کا لین دین کافی رہتا تھا، لیکن تھوڑے تھوڑے دن میں جا کر ان کا حساب بالکل چکا دیتے تھے، امارت شرعیہ کے آمد وصرف کا حساب بھائی صاحب کے پاس ہی رہتا تھا، انتقال سے ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے جب گھر جانے لگے تو آمد و صرف کے مکمل حساب کو ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ دیا تا کہ وقت ضرورت کام آئے، چنانچہ وہ لکھا ہوا حساب انتقال کے بعد بہت کام آیا، میں بھائی صاحب سے کتابیں کبھی منگوا تا تھا، گرچہ پیسوں کا مطالبہ کبھی نہیں کرتے تھے، لیکن پورا حساب لکھا ہوا رکھتے تھے، پوچھنے پر پوری تفصیل بتا دیتے تھے، اس صفائی معاملات سے لوگوں کے دلوں میں ان کا بہت اعتماد پیدا ہوا، اور ان کو بڑی ترقی ملی۔

خلوص وللّٰہیت اور تواضع

بھائی صاحب ایک مخلص اور متواضع انسان تھے، خلوص ان کے ہر عمل میں نمایاں نظر آتا تھا، وہ تصنع اور بناوٹ سے بہت نفرت کرتے تھے، ریا کاری کے کاموں اور شہرت کے مواقع سے اپنے کو بہت دور رکھتے تھے، نام ونمود سے ان کو چڑھ تھی، وہ خلوص وللّٰہیت اور ایثار وتواضع میں اپنے اکابر کے نقش قدم پر تھے، ان کا اپنے عزیز واقارب، بہن بھائیوں اور دوست واحباب سے جو تعلق تھا، وہ خلوص ومحبت کا تھا، ویسے تو بھائی صاحب اپنے تمام اساتذہ کی بے لوث خدمت کرتے تھے، سب سے تعلق رکھتے تھے، لیکن استاذ محترم جناب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم امیر الہند اور صدر جمعیۃ علماء ہند سے جو والہانہ تعلق تھا وہ بے مثال تھا، حضرت قاری صاحب، مفتی سلمان صاحب، مفتی عفان سلمہ اور ان کی والدہ محترمہ کے ساتھ اپنے ماں باپ اور حقیقی بھائی بہنوں جیسا تعلق تھا، اور یہ تعلق مبنی بر خلوص تھا، اس میں کوئی دنیوی غرض شامل نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ یہ تعلق پوری زندگی برقرار رہا، بلکہ اس میں آئے دن اضافہ ہوتا رہا، اور اسی خلوص ومحبت ہی کا اثر تھا کہ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم اور مفتی سلمان صاحب کی والدہ محترمہ مدظلہا بھائی صاحب کے ساتھ اپنے حقیقی بیٹوں جیسا سلوک کرتے تھے،

رمضان المبارک اور عید کے موقع پر بھائی صاحب کے لئے جوڑے بنواتے، بسا اوقات بھائی صاحب کے بیوی بچوں کے لئے بھی کپڑے وغیرہ بھیجتے، ہمارے گھر کوئی خوشی وغیرہ کا اہم موقع ہوتا تو تشریف لاتے یا اپنی اولاد کو ضرور بھیجتے، مفتی عفان سلمہ وغیرہ بھائی صاحب کو بھائی معز الدین ہی کہتے، ان کی اولاد بھائی صاحب کو بڑے ابی کہتی ہے، بھائی صاحب کے انتقال کے وقت حضرت قاری صاحب کا پورا گھر دہلی دفتر میں موجود تھا، پھر مفتی سلمان صاحب اور مفتی عفان سلمہ نے اپنے گھر والوں اور بچوں کے ساتھ دتلو پور کا بھی سفر کیا، میں سمجھتا ہوں کہ جانبین سے مخلصانہ تعلق ہی اس کا سبب بنا۔

مدنی خاندان سے تعلق

بھائی صاحب کا زمانہ طالب علمی ہی سے مدنی خاندان سے بہت قریبی تعلق تھا، خاندان کے ہر ہر فرد سے محبت تھی، دارالعلوم آنے سے پہلے ہی اس محبت کی بنیاد پڑ چکی تھی، والد صاحب دامت برکاتہم کو شیخ الاسلام حضرت مدنی اور جانشین شیخ الاسلام حضرت فدائے ملتؒ سے بڑی عقیدت ومحبت ہے، بارہا گھر میں ان کے تذکرے اور ان سے عقیدت ومحبت کا اظہار ہوتا رہتا ہے، والد صاحب حضرت مدنیؒ کے ایسے گرویدہ اور عاشق ہیں، فرماتے ہیں کہ ان کو دیکھنے کے بعد آج تک آنکھوں نے ان جیسا نہیں دیکھا، ظاہر ہے کہ والد صاحب اس گرویدگی کا اثر اولاد پر پڑنے والا ہی تھا، اس لئے دارالعلوم آنے کے بعد بھائی صاحب کا اس خاندان سے بہت گہرا ربط رہا، حضرت فدائے ملتؒ سے لے کر حضرت مولانا سید محمود مدنی صاحب تک تمام بڑوں نے اس تعلق کا بہت پاس ولحاظ رکھا اور بھائی صاحب نے بھی مرتے دم تک اس تعلق اور وفاداری کا ہمیشہ ثبوت پیش کیا، یہ بھی بھائی صاحب کے پرخلوص تعلق اور محبت کا بین ثبوت ہے، کیونکہ کھوٹے سکے دیر تک نہیں چلتے۔

والدین کی بے مثال خدمت

بھائی صاحب نے اپنے والد کی بے مثال خدمت کی ہے، ان کی ہر ضرورت ہی نہیں بلکہ

ہر تمنا اور خواہش کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کئے، ان کی بیماریوں کے لئے اعلیٰ علاج فراہم کیا، ان کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کے لئے عمدہ سے عمدہ چیزیں مہیا کیں، ان کی راحت اور آرام کے لئے گھر میں بہت سے آسانی اور سہولت کے اسباب کا انتظام کیا، دہلی سے آتے تو گھر تمام لوگوں کے مقابلے میں والدین کے لئے اعلیٰ قسم کے مختلف اقسام کے تحفے لاتے، دہلی جانے سے پہلے گھریلو تمام ضروری اشیاء وافر مقدار میں خرید کر رکھ جاتے، تاکہ والدین کو کوئی دشواری نہ ہو، ہر طرح کی سہولت کا خیال رکھتے، سعد اللہ نگر سے مولوی عالمگیر کے ذریعہ وقتاً فوقتاً پھل وفروٹ وغیرہ بھیجواتے رہتے، والدین کی ہر ہر ضرورت کا تنِ تنہا انتظام کرتے، بھائیوں کو اس ذمہ داری سے بالکل بے فکر رکھتے، بھائیوں سے گھر کی ضروریات، والدین کے خرچ وغیرہ کا کبھی تذکرہ نہ کرتے اور والدین کی اس خدمت کو اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتے تھے، یہ بھی ان کے خلوص وللّٰہیت کا ایک نمونہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کے صلہ میں انھیں جنت اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

بھائی بہن اور عزیز و اقارب کے ساتھ پر خلوص محبت

بھائی صاحب کا اپنے بھائی بہن اور عزیز و اقارب کے ساتھ جو پر خلوص تعلق تھا، آج کی مطلب پرست اور خود غرض دنیا میں اس کی نظیر بھی ملنی مشکل ہے، کسی کے یہاں شادی بیاہ کا موقع ہو، بیماری وغیرہ میں کسی بڑے خرچ کا مسئلہ ہو تو بھائی صاحب ہر خرچ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، بلکہ بسا اوقات پورے خرچ کی ذمہ داری اپنے سر پر لیتے اور بہن بھائیوں کا بوجھ بہت ہلکا کر دیتے، بلکہ کسی ایسے موقع پر اگر ہم ان کو اطلاع نہ کرتے تو ناراض ہوتے، ناگواری کا اظہار کرتے، ضرورت کے ہر موقع پر خود سے بار بار پوچھتے، کوئی پریشانی تو نہیں، کیا انتظام ہوا؟ کیا باقی ہے؟، فلاں چیز کا انتظام میری طرف سے رہے گا، دونوں بچیوں کی میں نے شادی کی، عزیزم حافظ مولوی فرید الدین سلمہ، اور حافظ سعید الدین سلمہ کے تکمیل حفظ قرآن کریم کی مختصر دعوت رکھی گئی تو بھائی صاحب اس موقع پر بنفس نفیس تشریف لائے، بہت کچھ ہدیے تحفے لے کر

آئے، اور میرے وہم وگمان سے کہیں زیادہ ہر موقع پر تعاون کیا، ہر بھائی اور بہن کے ساتھ ان کا یہی سلوک تھا، ہر ایک کے ساتھ ہر موقع پر احسان کرتے اور غیر معمولی درجہ کا احسان کرتے، لیکن کبھی کسی سے خود اس کا تذکرہ نہ کرتے، بلکہ کوشش اس بات کی کرتے کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے پائے، بلکہ جس کے ساتھ سلوک کرتے اس کو سختی سے منع کردیتے کہ اس کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا، سب کے ساتھ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد کسی سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے تھے، بلکہ شکریہ کے بھی طالب نہ ہوتے تھے، ہاں ان کی لائی چیزوں کی قدر دانی سے خوش ہوتے تھے، گذشتہ سال ۱۳؍ مارچ ۲۰۲۰ء کو عزیزہ اسماء سلمہا کی شادی کے موقع پر بھائی صاحب ہمارے یہاں ترکیسر آخری بار تشریف لائے، اہلیہ نے اس موقعہ پر بھائی صاحب اور والد صاحب کے لئے ایک ایک جوڑا سلوار رکھا تھا، بھائی صاحب کو پیش کیا تو کہنے لگے کیوں تکلیف کی، اس کی کیا ضرورت تھی، لیکن بہت خوش ہوئے، بڑی قدر دانی کے ساتھ قبول کرلیا، اور فوراً پہن لیا، اہلیہ نے بھائی صاحب کی لائی ہوئی چیزوں کا تذکرہ کیا کہ یہ چیزیں تو ہمارے بہت کام کی ہیں، تو بہت خوش ہوئے، اس طرح کی قدر دانی سے خوش ہوتے تھے، ہماری اولاد کو اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھتے تھے، ان کو فون کرکے ان کی ضروریات اور چاہت معلوم کرتے، بچیوں کو بار بار دہلی بلاتے، کہ تم دلی گھومنے کے لئے آؤ، اسماء کی شادی کے موقع پر آئے تو کہا کہ تم لوگ دلی نہیں آؤ گے، مریم نے کہا: ابا ضرور آئیں گے تو کہنے لگے کب آؤ گی جب میں نہیں رہوں گا، مریم کے یہاں اس وقت بچہ آچکا تھا، اس کے لئے بھی کپڑے جوڑے وغیرہ لائے، عزیزم فرید احمد اور سعید کے تکمیل حفظ کے موقع پر آئے تو ان کے لئے قیمتی کھلونے بھی لائے تھے، حالانکہ وہ بڑے ہوچکے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ ان کے لئے ایک قیمتی اڑنے والا جہاز لے کر آئے تھے، بھائی صاحب کا مزاج تھا کہ بچوں کو خوش کرنے کا بہت سامان کرتے، عزیزم مولوی قطب الدین کی بڑی بچی ماریہ اور داماد عادل سلّمہٗ کو دہلی بلا کر گھمایا، بہن صفیہ اور اس کے بچوں کو دہلی بلا کر باضابطہ منی بس کرکے تاریخی جگہوں پر گھمایا، برادرم مولوی مفتی اسعد الدین سلّمہٗ کے بچوں کو بلا کر مختلف جگہوں

کی سیر کرائی، ۲۶؍جنوری کا پریڈ دکھلایا، وہ ہم سب بھائیوں اور بہن کے بچوں پر وہ اپنے بچوں سے زیادہ خرچ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی پرخلوص محبتوں کا اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، اور فردوس بریں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ضیافت اور مہمان نوازی

بھائی صاحب کا دسترخوان بہت وسیع تھا ہر تعلق والا بھائی صاحب کی ضیافت اور مہمان نوازی سے بہت لطف اندوز ہوتا، آئے دن کوئی نہ کوئی مہمان رہتا، حسب موقع ہر ایک کے لئے عمدہ کھانوں کا انتظام کرتے، ناشتہ کے وقت دہلی کی خاص نہاری ان کے دسترخوان کا جزوِ لازم تھی، شام کے وقت چکن کے مختلف آئٹم منگواتے، ہم میں سے کوئی بھائی یا خاص تعلق والا پہنچ جاتا تو سوچتے کہ کون کونسی نئی چیزیں اور مشہور کھانے ان کے لئے منگائیں، ہر آنے والا بھائی صاحب کی ضیافت سے بے انتہاء متأثر ہو کر جاتا، میرے بڑے داماد عزیزم مولوی محمد نفیل قاسمی سلمہ بھائی صاحب کی بیماری سے کچھ پہلے بھائی صاحب کے مہمان ہوئے، بھائی صاحب کے حسن ضیافت سے بہت متأثر ہوئے، ان کی شاندار ضیافت کا بار بار تذکرہ کرتے ہیں، گجرات کے مختلف علماء نے بھائی صاحب کی ضیافت کا مجھ سے تذکرہ کیا، بھائی صاحب کے پاس آنے والا مہمان ان کی ضیافت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

قابل تقلید انسان تھے

بھائی صاحب کو قدرت کی فیاضیوں نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، وہ بہت بلند اوصاف کے مالک قابل تقلید انسان تھے، ان میں اخلاقی بلندی تھی، ان میں فہم وفراست اور ذکاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ ذی رائے اور صائب الرائے انسان تھے، وہ اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، بڑے شریف النفس آدمی تھے، وہ ٹھاٹھ باٹھ کے بالکل قائل نہیں تھے، ان کی زندگی بہت سادہ تھی، وہ گھر کے تمام افراد اور متعلقین کے لئے راحت

وآرام کی فکر کرتے، لیکن اپنے لئے راحت وآرام کا کبھی خیال نہیں کیا، وہ بہت کچھ ہونے کے باوجود اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، ان میں تواضع کی حقیقت بہت آشکارا تھی، وہ اپنے اعمال کو بہت مخفی رکھتے تھے، ان کی نفل عبادتیں عام طور سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتی تھی، ان کا معمول تھا، رمضان المبارک اور ان مبارک ساعتوں کے ایک ایک لمحہ کو خوب وصول کرتے، اکثر اوقات بڑی پابندی کے ساتھ حرم میں گذارتے، آخری عشرہ میں حرم مدنی میں اعتکاف کرتے، تقریباً دسیوں سال یہ معمول رہا، کم از کم چار مرتبہ حج کی توفیق ملی، اُنہوں نے والدین اور تقریباً تمام بھائی اور بہن کو اپنے خرچ سے حج کرایا، ان کو اللہ تعالیٰ نے دل بہت بڑا دیا تھا، وہ والدین بھائیوں اور بہن کے لئے خرچ کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے برکت بھی بہت دی تھی، وہ اللہ تعالیٰ سے سب کے لئے مانگتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا دیا تھا کہ سب پر خرچ کرتے تھے اور بغیر حساب کے خرچ کرتے تھے۔

وہ جمعیۃ میں ۳۳ سال رہے لیکن کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا، بلکہ بڑوں کے خاص معتمد رہے، خاص طور پر حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہ العالی کو بڑا اعتماد تھا، جماعت سے ان کی وفاداری ہر ایک کے نزدیک مسلم تھی، ان کی رائے اور ان کے مشورہ کو اہمیت دی جاتی تھی، تمام لوگوں کے دلوں میں ان کی قدر ومنزلت تھی، جماعت کے لئے وہ ضرورت بن گئے تھے، ذمہ داروں کو اس بات کا احساس ہے کہ پورے ملک میں جمعیۃ کے لئے ان کا کوئی بدل نہیں ہے، وہ سب کو نفع پہنچا کر خوش ہوتے تھے، وہ کسی سے نفع اٹھانے کی قطعاً خواہش نہ رکھتے تھے، بظاہر یہ چیز ان کو والد صاحب مدظلہ العالی سے وراثت میں ملی تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے اوصاف حمیدہ کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔

مرض الموت اور وفات

بھائی صاحب کے انتقال سے تقریباً چودہ، پندرہ دن پہلے بیمار ہوئے، اسہال شروع

ہوا، لاک ڈاؤن کی وجہ سے علاج مشکل تھا، اس وجہ سے کمرہ ہی میں جو کچھ علاج میسر ہوا کرتے رہے، کمزوری اور شوگر بڑھتی رہی، جب حالت تشویشناک ہوگئی تو مجبوراً بڑوں کے حکم اور مشورہ سے میکس ہسپتال میں داخل کرنا پڑا، وہاں کرونا کی رپورٹ پوزیٹیو آئی، انتہائی مہنگے علاج کے باوجود طبیعت روبہ صحت نہ ہوسکی، روز بروز حالت تشویشناک ہوتی گئی، بالآخر ۱۳ ستمبر گیارہ بجے دن کو بھائی صاحب اپنے تمام متعلقین سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوکر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے، انتقال سے پہلے آخری وقت کسی کو ملاقات میسر نہ ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اور تدفین

انتقال کے فوراً بعد بھائی صاحب کی بیٹی رقیہ سلمہا کے اصرار پر والد صاحب بذریعہ کار گھر سے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے، ان کی وجہ سے تدفین کو مؤخر کردیا گیا، دوسرے دن تقریباً ۹ بجے اسپتال سے نعش ملی، دفتر لاکر غسل دیا گیا، عزیزم مولوی اسعد الدین اور مولوی اسجد الدین سلمہما نے غسل دیا، کفن پہنانے میں میں بھی شریک رہا، پھر تقریباً دس بجے حضرت امیر الہند قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم نے جنازہ کی نماز پڑھائی، لاک ڈاؤن کے اس زمانہ میں بھی تقریباً تین چار سو آدمی شریک رہے، جب کہ کسی کو نماز جنازہ کے وقت سے متعلق اطلاع نہیں کی گئی تھی، پھر جنازہ کو ایمبولینس میں رکھ کر قبرستان میں لے جایا گیا، پھر ایک تابوت میں رکھ کر ایک گہری قبر میں یہ کہتے ہوئے سپرد خاک کردیا گیا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی حسنات کو قبول فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو خاص طور سے والدین مدظلہما، عزیزہ رقیہ اور عزیزم ابوبکر سلمہ اور بھابھی مدظلہا کو اور تمام بھائی اور بہنوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آہ شفیق بھائی!

مولانا قطب الدین قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ سراج العلوم حشمت پیٹھ سکندرآباد

یہ دنیا فانی ہے، یہاں آنا جانا لگا ہے، کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے، آنا بھی وقت پر، جانا بھی وقت پر، انبیاء آئے وہ بھی رخصت ہوگئے، ولیوں کی آمد ہوئی وہ بھی کوچ کرگئے، سربراہانِ مملکت نے بڑا کروفر دکھایا، ان کو بھی ایک دن رخصت ہونا پڑا اور رختِ سفر باندھنا پڑا، یہاں نہ کوئی عادل ومنصف ہمیشہ رہا اور نہ کوئی ظالم وجابر، یہ سلسلہ ہر ذی روح کے ساتھ جاری وساری ہے کسی کو بھی اس سے رستگاری ومفر نہیں۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

یوں تو ہر آدمی کی جدائی اس کے عزیز واقارب اور متعلقین کے لئے سوہان روح اور قلب وجگر کو چھلنی کر دینے والی ہوتی ہے مگر بعض ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد علم وفکر کے بہت سے سوتے بند ہوجاتے ہیں، بہت سی علمی مجلسیں سونی ہوجاتی ہیں، تعمیر وترقی کی راہیں مسدود، انتظام وانصرام کے پیمانے خالی نظر آنے لگتے ہیں، درو دیوار پر ایک سناٹا چھا جاتا ہے، ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل رنجور مغموم ہوجاتا ہے، انھیں باکمال ہستیوں میں میرے شفیق بھائی محسن ومربی حضرت مولانا معزالدین صاحبؒ کی ذات گرامی تھی، ان کے اوصاف وکمالات پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے وہ ایک ہمہ جہت اور متنوع صفات

کے حامل شخص تھے، لکھنے والے ان کے تبحرِ علمی، حصولِ علم میں ان کی محنت و جانفشانی، ان کے مطالعہ کی کثرت، ان کے انتظام و انصرام کی خوبی اور جمعیۃ علماء ہند کے مزاج و مذاہب سے آشنائی و سچے لگاؤ پر خوب لکھتے رہیں گے، مگر میں اپنے شفیق بھائی کی بعض ان خصوصیات کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو عام طور پر ذکر کرنے سے رہ جاتی ہیں۔

شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں خاندانی اثرات

مرحوم شفیق بھائی نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہاں ہر طرف علم و عمل کے چشمے جاری تھے، قرآن وسنت کی ہوائیں چل رہی تھیں اور خاندان کے لوگ بالخصوص نانا جان جن کو دنیا ماسٹر محمد یاسین کے نام سے جانتی ہے جو اگرچہ عصری تعلیم سے لیس تھے؛ لیکن ذہن ودماغ انتہائی دیندارانہ اہل اللہ سے سچی محبت اور علماء نواز تھے، دوسری طرف دادا مرحوم جن کا اسم گرامی ضیاء اللہ تھا وہ اخلاص ومحبت کے پیکر مجسم تھے، انھیں دونوں شخصیتوں کی اولاد جو مرحوم بھائی کے والدین ماجدین ہیں، ان کے اندازِ تربیت اور دعاؤں نے بھائی مرحوم کو قلندر بنا دیا تھا، والد بزرگوار کو زمانہ طالب علمی سے حضرت مدنیؒ سے عشق کے درجے کا تعلق تھا جس کا اثر اللہ تعالیٰ نے اولاد میں بالخصوص مرحوم بھائی کے اندر کوٹ کوٹ کر رکھا تھا، اللہ تعالیٰ والدین کے سایۂ عاطفت کو تادیر صحت وسلامتی کے ساتھ ہم تمام بھائی بہنوں کے سروں پر قائم رکھے۔

مزاجی خصوصیات وصلہ رحمی

ہم سب بھائی بہنوں میں وہ بڑے تھے، سبھی ان کو پیار سے بابو کہہ کر پکارتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ انتہائی شفقت ونرمی کے ساتھ پیش آتے تھے، ہر ایک بھائی بہن کے تعلق سے ان کے دل میں محبت تھی، بڑوں کی بات تو الگ رہی وہ اپنے چھوٹوں سے بھی کبھی سختی سے پیش نہیں آتے تھے، اولاد کے ساتھ بھی کسی بات پر سختی کرنا مرحوم بھائی کے لئے دشوار ہو جاتا، خود تکلیف و مشکلات برداشت کر لیتے لیکن دوسروں کے لئے بوجھ بننا ان کے لئے دشوار تھا، یہ مرحوم بھائی کی ایسی خصوصیت تھی جس نے پورے حلقہ اثر میں ان سے محبت پیدا کر دی تھی اور سب ان سے

انس وتعلق محسوس کرتے تھے، جب کسی تقریب یا عید بقرعید کے موقع پر سب بہن بھائی جمع ہوتے تو ہر ایک سے بے تکلف اور پروقار انداز محبت وشفقت آمیز لہجے میں بات چیت کرتے، احوال وکوائف معلوم کرتے، ان کی یہ ادائیں بیان سے زیادہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں، اٹھنا بیٹھنا ،کھانا کھانا، مشورے دینا، ہر ایک ضرورت کو محسوس کر کے تذکرہ کرنا اور اس کا مناسب انتظام کرنا سب انھیں کا خاصہ تھا۔

صلہ رحمی کا وصف برادر مرحوم میں بدرجہ اتم تھا، جو ایک با کمال شخص کے لئے ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمایاں اوصاف کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”**کلا واللّٰہ لا یخزیک اللّٰہ ابدا انک لتصل الرحم وتقری الضیوف**“ صلہ رحمی کا وصف ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، والدین کا حد درجہ احترام کرتے، ان کی خدمت کرنا ان کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کو باعثِ فخر سمجھتے اور خوشی محسوس کرتے تھے۔

عزیز واقارب متعلقین میں سے ہر ایک کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اپنا فرض سمجھتے کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو بے چین ہو جاتے، ہر پریشان حال شخص کا دامے درمے سخنے مدد کرنا ان کا طرۂ امتیاز تھا، جس طرح بن پڑتا مدد کرنے میں دریغ نہیں کرتے بالخصوص اپنے بھائی بہنوں کا بڑا خیال رکھتے، انھیں جو ضرورت پیش آنے والی ہوتی اس کو پہلے ہی سے محسوس کر لیتے اور حتی الوسع اس ضرورت کو پوری کر دیتے، نہ کسی سے کوئی جھگڑا نہ کوئی رنجش، ہر ایک کے نزدیک عزیز اور محبوب سے محبوب تر تھے۔

ان کی مزاجی خصوصیات میں سے ایک بات یہ بھی تھی وہ کوئی کام بھی جلد بازی میں نہیں کرتے، ان کی قلبی کیفیات اور گہری سوچ وفکر کا احساس اکثر قریب رہنے والوں کو اس وقت ہو جایا کرتا تھا جب وہ اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ کو منہ اور ناک پر رکھ کر خیالات میں ڈوب جایا کرتے تھے، بھائی مرحوم ایک مومن کامل کا نمونہ تھے، مشکلات کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتے

تھے، ہر طرح کے حالات خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے، وہ اللہ کی نصرت پر پورا یقین رکھتے، اس کی وجہ سے ان کے ساتھ اللہ کا معاملہ بھی خاص ہوا کرتا تھا، شادی کے بعد ایک لمبے عرصے تک ولادت کا سلسلہ جاری نہیں ہوا لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کے ساتھ دعاؤں میں لگے رہے بالآخر اللہ تعالی نے ان کو اولاد سے نوازا۔

اکابر کا اعتماد

مرحوم بھائی صاحب نے اگر چہ طویل عمر نہیں تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں دنیائے فانی سے دنیائے باقی کی طرف کوچ کر گئے لیکن اس مدت میں جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے بڑے وقیع کام کئے جو جمعیۃ کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے، اُنھوں نے اپنے آپ کو جمعیۃ کے لئے ایسا وقف کر دیا تھا کہ ہر آشنا غیر آشنا سمجھ جاتا کہ موصوف جمعیۃ میں پختہ کار ہیں گویا جمعیۃ ان کی روح میں تحلیل ہوگئی تھی، کتنا بڑا جمعیۃ مخالف آدمی ان کے سامنے بیٹھ جاتا تو ایک آدھ گھنٹہ گفتگو کرنے کے بعد جمعیۃ کے نظریے اور پالیسی سے متفق ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ جمعیۃ کے ذمہ داران خاص طور پر مدنی خاندان کے اکابر کے وہ معتمد خاص تھے بلکہ نور نظر تھے، یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ وہ جمعیۃ کے حوالے سے مدنی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت رکھتے تھے، اکابر سے قرب کی وجہ سے بسا اوقات لوگوں کو اشتباہ ہوتا کہ موصوف خانوادہ مدنی کے چشم و چراغ ہیں۔

برادرِ مرحوم اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درسگاہ میں معین المدرسین کے لئے منتخب کئے گئے، قریب تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں مستقل مدرس کی حیثیت اختیار کر لیتے لیکن اللہ ربّ العزت کو ان سے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے متنوع قسم کے کام لینا تھا اس لئے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی نظر جب اس ہیرے پر پڑی تو اس ہیرے کو دارالعلوم میں چمکنے کے بجائے جمعیۃ میں چمکنے کے لئے رکھ دیا، برادر مرحوم نے فدائے ملت کے اس اعتماد میں کبھی تزلزل نہیں آنے دیا بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ اس اعتماد میں مزید استحکام

آ تا گیا، موجودہ اکابر میں بالخصوص امیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء کی اور جنرل سکریٹری جانشین فدائے ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہٗ حضرت مولانا مفتی سعید صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم کو کافی اعتماد تھا، جمعیۃ علماء کے تمام اربابِ حل وعقد آپ کے قیمتی آراء اور مشوروں کو بنظر استحسان دیکھتے اور سراہتے تھے۔

دیانت داری اور معاملات کی صفائی

دیانت داری کی جو اہمیت انسانی سیرت و کردار میں ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں، معاملات کی صفائی اسلامی تعلیمات کا ایک اہم شعبہ ہے بلکہ یہی وہ شعبہ ہے دین اسلام کا جس سے اسلام زیادہ متعارف اور قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے، اچھے اچھے لوگ جو بظاہر بہت متشرع عالم دین نظر آتے ہیں وہ بھی دیانتداری اور معاملات کی صفائی میں بہت مشکل سے کامیاب ہو پاتے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ برادر مرحوم کی اکابر کی نگاہ میں محبوبیت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی ہمیشہ دیانتداری اور معاملات کی صفائی کو مضبوطی سے تھامے رکھا، ہم دکھاوے کے دیندار لوگ چاہے نہ سمجھ سکیں لیکن اصل دینداری تو یہی ہے کہ آدمی امانت و دیانت میں کھرا ثابت ہو، جمعیۃ میں بھائی صاحب مرحوم تقریباً ۲۸ سال امارت شرعیہ کے شعبہ میں بحیثیت ذمہ دار اور ناظم کام کرتے رہے لیکن کبھی اپنے دامن پر بددیانتی کی چھینٹیں نہیں پڑنے دیں، ایک ایک پیسے کا حساب رکھتے تھے، کیا مجال کہ حساب کتاب میں کوئی جھول نظر آ جاتا، آئینے کی طرح ان کا حساب کتاب صاف اور شفاف رہتا تھا جس کی گواہی اپنے تو اپنے غیر بھی دینے پر مجبور تھے، جس مہاجن سے بھائی صاحب کتابوں کی طباعت کے لئے کاغذ خریدتے تھے جس کو کاغذی کے نام سے لوگ جانتے ہیں وہ شخص بھائی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد دفتر جمعیۃ آیا اور اپنا تاثر مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا کہ مولانا صاحب (مرحوم) کے اتنا معاملے کا صاف آدمی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا، اگر میرا ان کے ذمہ دس لاکھ روپیہ بھی ہوتا تو میں بالکل نہ لیتا لیکن

ایک پیسہ بھی ان کے ذمہ میرا نہیں ہے۔

دفتر کی مغربی دیوار سے متصل بلکہ مسجد عبدالنبی سے متصل جو مغربی دیوار کے کنارے دکانیں ہیں، ان میں ایک لالا جی چائے والے ہیں بھائی صاحب مرحوم وہاں سے چائے کثرت سے منگوایا کرتے تھے، انتقال کے بعد میں برادرِ محترم مفتی وحیدالدین صاحب کے ہمراہ حساب معلوم کرنے گیا تو اوّلاً تو ٹال دیا کہ مولانا صاحب ہی نہیں رہے تو کیا حساب لیکن ہم لوگوں کے اصرار پر لالا جی نے اپنا حساب بتایا جو تقریباً سولہ سو روپے کا تھا اس شخص نے بہت مشکل سے اس رقم کو نم دیدہ آنکھوں کے ساتھ قبول کیا، یہ کہتے ہوئے کہ وہ انسان کی شکل میں دیوتا تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان خوبیوں کا حامل بنائے، آمین۔

پدرانہ شفقتوں کے حامل میرے بڑے بابو

مولانا اسعد الدین قاسمی جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جاجمئو کانپور

میرے مربی مشفق ومخلص، محسن وکرم فرما برادر کبیر حضرت مولانا معز الدین احمد قاسمی نور اللہ مرقدہٗ جن کو ہم سب بھائی بہن عظمت ومحبت کی وجہ سے بڑے بابو کہا کرتے تھے، ان کی رحلت کے آج تقریباً پانچ مہینے ہوگئے ہیں لیکن کوئی دن کوئی رات کوئی صبح اور کوئی شام ایسی نہیں گزرتی کہ ان کی یادیں تڑپاتی اور قلب وجگر کو چھلنی نہ کرتی ہوں بھائی صاحب نے ایک مشفق باپ کی طرح ہمیشہ ہم سب بھائیوں اور ہماری اکلوتی بہن کی ضروریات کا خیال رکھا۔ برابر سب کی خبر گیری رکھتے تھے اور ہر ایک کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہمیشہ فکرمند اور ساعی وکوشاں رہتے تھے، بھائی صاحب کے لئے والدین کی کوئی ادنیٰ سی تکلیف بھی ناقابل برداشت ہوتی تھی، وہ خود کو جوکھم میں ڈال کر ان کے لئے ہر سامان راحت کے انتظام کی کوشش کرتے تھے یوں تو ہر سعادت مند اولاد اپنے والدین کی خدمت گزار ہوتی ہے لیکن والدین کی خدمت گزاری اور جاں نثاری کا جو جذبہ بھائی صاحب کے اندر دیکھا وہ خال خال ہی کہیں نظر آتا ہے اس گنہگار پر تو بھائی صاحب کے اس قدر احسانات ہیں کہ انہیں اگر میں صرف شمار کروں تو ایک دفتر تیار ہوجائے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے جو کچھ بھی دینی یا دنیاوی فضل وکمال حاصل ہوا ہے اس میں اسباب کے درجے میں بھائی صاحب کی توجہات اور عنایتوں کا سب سے بڑا دخل ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ۱۹۹۰ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں میرے حفظ قرآن کے تیرہ

چودہ پارے ہوئے تھے تو میرا دل پڑھائی سے بالکل اچاٹ ہوگیا تھا، میں مدرسہ فرقانیہ چھوڑ کر گھر آگیا تھا، والدین کے ہر طرح کی فہمائش کے بعد بھی میرا دل پڑھائی کے لئے آمادہ نہیں ہوا پھر بھائی صاحب جب رمضان میں گھر تشریف لائے تو مجھے ہر طرح سمجھا بجھا کر ترغیب دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ میں بھائی وحیدالدین کے ساتھ رائے پور چلا جاؤں (بھائی معزالدین کے بعد اب ہمارے بھائیوں میں سب سے بڑے بھائی وحیدالدین ہیں جو اس وقت مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں عربی کے درجہ علیا کے استاذ تھے اور اب دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات میں دورہ اور افتا کی کتابیں پڑھا رہے ہیں، میری تعلیم و تربیت میں ان کے خلوص اور محبتوں کی بھی بڑی کارفرمائی ہے اللہ جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے سایہ عاطفت کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر ہم بہن بھائیوں پر قائم رکھے) ۱۹۹۳ء میں جب میرا حفظ قرآن مکمل ہوا تو بھائی صاحبؒ کو بڑی خوشی ہوئی، دہلی سے دیوبند آئے اور پھر وہاں سے قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ کو لے کر رائے پور میری دعا میں تشریف لائے، کچھ مٹھائیاں دہلی سے ساتھ لے کر آئے، کچھ یہاں آکر منگوائیں، تمام اساتذہ اور طلبہ میں مٹھائیاں تقسیم کرائیں، بالکل ایک باپ کو اپنے بیٹے کی تکمیل حفظ کے موقع پر جو خوشی ہوتی ہے، اس سے زیادہ بھائی صاحب فرحاں وشاداں نظر آرہے تھے۔ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۴ء تک دس سال میں دارالعلوم دیوبند میں رہا، اس پورے عرصے میں مکمل تعلیمی اخراجات بھائی صاحب نے دئے، جب بھی جتنا مانگا دے دیا، کبھی کوئی حساب نہیں لیا، جب بھی کسی درسی یا غیر درسی کتاب کے لئے کہا بلا تکلف دلا دیا، خواہ وہ کتنی ہی ضخیم اور قیمتی کیوں نہ ہو؟ کتابوں میں رقم خرچ کر کے انہیں خوشی ہوتی تھی، زمانۂ طالب علمی ہی سے ان کا یہ مزاج اور ذوق تھا، خود کہتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں میری خریدی ہوئی کتابوں کی قیمت اس رقم سے زائد ہے جو والد صاحب نے خرچ کے لئے دیتے تھے۔

الغرض پورے تعلیمی دور میں قدم قدم پر بھائی صاحب کی توجہات عنایات کی وجہ سے کبھی کسی قسم کی کوئی دقت اور دشواری پیش نہیں آئی۔ فراغت کے بعد جب میدانِ عمل میں قدم

رکھا تو ہر موڑ پر بھائی صاحب نے اپنے مفید مشوروں اور ہر طرح کے تعاون سے نوازا، آپ ہی کے مشورے سے جامعہ محمودیہ کانپور میں تدریس وافتاء کی زمہ داری سنبھالی۔ ۲۰۰۷ء میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت بخشی تو اس کا پورا صرفہ بھائی صاحب نے ہی دیا، یہ بھائی صاحب کا اس گنہگار پر سب سے بڑا احسان ہے جس کا بدلہ میں کبھی نہیں چکا سکتا اللہ انہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے آمین۔ بھائی صاحب کے جود وسخا اور بخشش ونوازش کا یہ معاملہ صرف اس گنہگار کے ساتھ ہی نہیں بلکہ سب بھائیوں بہن اور ان کی اولاد بلکہ دیگر اعزا اقربا متعلقین سب کے ساتھ ان کا یہی معاملہ تھا۔ وہ سب پر ابر سخا بن کر برستے تھے۔

قدرت نے بھائی صاحب کو بڑی فیاض طبیعت عطا کی تھی، تنگی اور فراخی ہر حال میں ان کی فیاضی اور دریا دلی جاری رہتی تھی ان کی ضیافت اور مہمان نوازی پورے خاندان اور متعلقین میں ضرب المثل تھی، خرچ کرنے کے معاملے میں وہ بڑے کشادہ دست واقع ہوئے تھے، اکثر بھائی صاحب کے منہ سے سنا کہ خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی اللہ بے حساب دیتا ہے۔ بھائی صاحب بچوں کی ضروریات اور خواہشات کا بہت خیال رکھتے تھے، گھر آنے سے پہلے بچوں سے فون کر کے پوچھتے تھے کہ تم لوگوں کے لئے کیا لے آئیں بچے جو کھلونا سامان کھانے پینے کی چیزیں، کہانی کی کتابیں جو بھی کہہ دیں بڑے اہتمام کے ساتھ اسے لے کر آتے تھے وہ اپنی اور اپنے بہن، بھائیوں کی اولاد میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے سب کے لئے برابر ہر چیز لے کر آتے تھے اسی طرح گھر کی تمام عورتوں کے لئے ہر سامان برابر لیکر آتے تھے بھائی صاحبؒ کے اسی بڑکپن اور ایثار کی وجہ سے ہمارا گھر الحمدللہ ہر طرح کے اختلاف وانتشار اور گھریلو جھگڑوں سے سے محفوظ رہا ہے۔

آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اس روایت کو برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور باہمی الفت ومحبت کے ساتھ ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے ہمیشہ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے بھائی صاحب کو قدرت نے بے شمار علمی وعملی کمالات وخوبیوں سے نوازا تھا،

آپ ایک ٹھوس اور جید الاستعداد عالم دین تھے، تمام اسلامی علوم میں آپ کو دسترس حاصل تھی بالخصوص تاریخ وسوانح میں تو آپ کو مرجع کی حیثیت حاصل تھی، بڑے بڑے نامور علماء و محققین بھی آپ سے رجوع کرتے تھے۔قدیم وجدید مآخذ ومصادر پر آپ کی نگاہ بہت گہری تھی۔ بھائی صاحب علم دوست تھے علمی کام کرنے والوں کی بہت قدر کرتے تھے، ان کی کسی بھی طرح کے تعاون سے دریغ نہیں کرتے تھے، آپ کی رہنمائی اور سرپرستی نے بہت سے لوگوں کو بڑی بڑی کتابوں کا مصنف اور محقق بنادیا۔

سادگی آپ کی خاص صفت تھی، آپ کے رہن سہن کھانے پینے اور لباس و پوشاک ہر چیز سے سادگی جھلکتی تھی، تصنع تکلف اور آؤ بھاؤ سے کوسوں دور تھے، پر تکلف اور بناوٹی قسم کے لوگوں سے بہت بیزار رہتے تھے۔

خودداری آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر میں آپ کا ۳۳ / سال قیام رہا، پوری دنیا کی عظیم شخصیات کا ورود وصدور لگا رہتا ہے؛ لیکن بغیر بلائے آپ کسی کے پاس نہیں جاتے تھے، بڑے بڑے علماء ومشائخ کو میں نے بھائی صاحبؒ کے کمرے میں آتے ہوئے دیکھا، وہ خود کہیں نہیں جاتے تھے؛ البتہ اگر تنظیم کا کوئی کام ہوتو ہر بڑے چھوٹے کی خدمت میں بلا تکلف حاضر ہوجاتے تھے؛ چنانچہ فقہی سیمینار میں بارہا دیکھا کہ آپ تمام مفتیان کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کا شکریہ اَدا کرتے تھے، احوال وکوائف دریافت کرتے، اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔

بھائی صاحب کی ایک خاص صفت اُصول پسندی تھی، بے اُصولی ان کو قطعاً برداشت نہیں تھی، اُصول پسندی میں آپ کبھی کسی کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

حج اور مدینہ منورہ کی حاضری کا شوق بھائی صاحب کے اندر دیوانگی اور جنون کی حد تک تھا، ان کی کمائی کا بڑا حصہ حج اور عمرہ میں خرچ ہوتا تھا؛ چنانچہ آپ نے خود پانچ حج کئے، دس سے زائد عمرہ کیا، والدین اور اہلیہ کو حج کرایا، والد صاحب کو کئی مرتبہ عمرہ کے لئے بھیجا، سب بہن

بھائیوں کو انہی کی فکر توجہ اور تعاون کی وجہ سے حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کی بڑی تمنا تھی کہ اپنی زندگی میں اپنے بچوں کو حج یا کم از کم عمرہ کرادیں؛ چنانچہ آپ نے ۲۹/مارچ ۲۰۲۰ء کو اپنے دونوں بچوں کے ساتھ عمرہ کا پروگرام بنالیا تھا، پیسے بھی جمع کر دئے تھے؛ لیکن لاک ڈاؤن کی وجہ سے کینسل ہو گیا، اور پھر عمر نے وفا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بھائی صاحب کے اس تمنا کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حق گوئی و بے باکی بھائی صاحب کی پہچان تھی، وہ بلا خوف لومۃ لائم حق وصداقت کا اظہار کرتے تھے، کسی طاقت اور عہدے کا خوف اور مال وجاہ کا لالچ انہیں حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ بھائی صاحبؒ اس مسلکی ونظریاتی شدت پسندی کے سخت خلاف تھے جو فکری ارتقاء اور علمی استفادہ کی راہ میں رکاوٹ ہو، وہ اکابر دیوبند بالخصوص اکابر جمعیۃ کے سچے معتقد اور ان کے افکار ونظریات کے بے باک ترجمان ہونے کے باوجود دوسرے مسلک ومشرب کی کتابوں سے بھی خوب استفادہ کرتے تھے اور ان کی محاسن اور خوبیوں کا برملا اعتراف کرتے تھے۔

یہ وہ صفات وکمالات ہیں جو بھائی صاحب کی زندگی میں نمایاں تھیں، اس کے علاوہ معاملات کی صفائی، معاشرتی زندگی کی پاکیزگی، عزم وحوصلہ کی پختگی، اصابت رائے وخود اعتمادی، ورع وتقویٰ، زہد وتوکل علی اللہ بھی آپ کی زندگی کے روشن عناوین ہیں جن پر بہت سے ارباب قلم نے لکھا اور آئندہ لکھتے رہیں گے۔

بہرحال بھائی صاحبؒ اب ہمارے درمیاں نہیں رہے لیکن ان کی شفقتیں محبتیں عنایتیں ہمیشہ یاد آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے سیئات جس سے کوئی فرد بشر خالی نہیں ہے کو حسنات سے مبدل فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ سکون عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی زندگیوں کو کامیاب بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

مولانا محمد اسجد قاسمی اُستاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ سراج العلوم حشمت پیٹ سکندر آباد

موت برحق ہے ہر کسی کو اس دنیا کے میلے کو خیر باد کہنا ہے اور اپنے اعمال کے ساتھ احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونا ہے، اس دنیا میں روزِ اول سے ہی آنا جانا لگا ہے، کسی کے جانے پر صرف گھر والے ہی آنسو بہاتے ہیں، کسی کے کوچ کرنے پر کوئی ماتم کرنے والا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے جانے سے خلقِ خدا راحت کی سانس لیتی ہے وہ ''خس کم جہاں پاک کا'' مصداق ہوتا ہے، مگر اس دنیائے رنگ و بو میں خدا کے کچھ ایسے نیک برگزیدہ پاک طینت اور مفیدِ ہر خاص و عام بندے بھی ہوتے ہیں کہ جب وہ اس دنیائے فانی کو خیر باد کہتے ہیں تو ایک عالم تڑپ اٹھتا ہے، خلقِ خدا ماتم کناں ہو جاتی ہے، فضا سوگوار ہو جاتی ہے، ایسی ہی پاکباز ہستیوں میں ایک ہستی مولانا معزالدین صاحب قدس سرہٗ کی تھی جو ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک، بلند پایہ عالم دین، عظیم محقق، فقیہ، مورخ، سوانح نگار، زاہدِ شب بیدار، خوددار، وضع دار، خدا مست انسان تھے، جن کے لفظ لفظ سے شرافت ٹپکتی، ہر تعبیر سے دین کا درد ایک فنا فی اللہ کا کرب، ایک پرسوز عالم کا اضطراب اور امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا بیکراں درد چھلکتا ہوا محسوس ہوتا، مگر سب ملنے والے ان کی تمام خوبیوں کو یکساں طور پر محسوس نہیں کر پاتے بلکہ ہر ایک اپنی فہم کے مطابق ہی ان سے فائدہ اٹھاتا تھا، میرے بابو بالکل سادہ مزاج انسان تھے، ان کی سادگی کو دیکھ کر ان کے علمی کرّ وفر کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا تھا، وہ بہت بڑے ہو کر بھی بہت چھوٹے

لگتے تھے، بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑے سرمایہ دار اور دنیوی شان وشوکت رکھنے والے جاہ ومنصب کے حاملین سے کبھی کوئی قربت نہیں بنائی بلکہ ہمیشہ ''واجمع الالیاس مما فی أیدی الناس'' کے نبوی فرمان پر کاربند رہے، ایک خاص رکھ رکھاؤ والے تھے مگر علمی پندار سے بالکل منزہ اور پاک تھے۔

یوں تو بابوؒ کی جدائی کو سات ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے مگر آج بھی دل ودماغ پر اس حادثے کا ایسا گہرا صدمہ ہے کہ کچھ لکھنے کی طاقت اور ہمت اپنے اندر نہیں پاتا ہوں، وہ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں، موت کی ناقابلِ انکار حقیقت سے رُوبرو ہو چکے ہیں مگر میں آج بھی ان کی قربت کو محسوس کرتا ہوں، آنکھیں انھیں دیکھ رہی ہیں، ان کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے، ان کا سراپا قلب ودماغ میں گردش کرتا رہتا ہے اور تنہائی میں مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے، ان کی صورت وسیرت کے تمام نقوش حواسِ شعور اور تصور میں آج بھی زندہ اور تروتازہ ہیں۔ سانولا رنگ، چھریرا بدن، پروقار چہرہ، آنکھوں میں ذہانت کی چمک، تفکر وتدبر کی جھلک، رفتار میں سرعت، گفتار میں متانت، میانہ قد، گھنیری بھنویں، کشادہ پیشانی، گویا ہوتے تو مطالعہ کی وسعت، علمی تنوع عہدِ رفتہ کی عظمتوں کی بے پناہ معلومات کی جھڑی لگ جاتی اور مخاطب متکلم کی راست گوئی اور قلب ولسان کی یکسانیت پر بلا تامل یقین کر لیتا، وہی کہتے ہیں جو دل میں ہوتا، ان کی گفتگو ہر قسم کی بناوٹ اور تکلف سے پاک ہوتی، غیر مفید کلام سے احتراز کرتے، لایعنی بے فائدہ بحث وتمحیص میں نہیں پڑتے تھے، غرضیکہ میرے بابو ارشادِ نبوی ''ولاتکلم بکلام تعذر منہ غداً'' کا عملی نمونہ تھے، مبداء فیاض سے ایسا غضب کا حافظہ عطا ہوا تھا کہ جس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ دیوبند، اکابرینِ دیوبند اور بالخصوص اکابرینِ جمعیۃ کی تاریخ، حالات اور سوانح از بر تھے، جمعیۃ علماء ہند کے دستور کی ایک ایک شق نوکِ زبان رہتی۔ مجالسِ عاملہ کی تجاویز جو ہفت روزہ 'الجمعیۃ' یا روزنامہ 'الجمعیۃ' میں چھپی ہوئی ہیں سب ان کے خداداد حافظہ میں محفوظ تھیں، جمعیۃ علماء ہند، امارتِ شرعیہ ہند اور ادارۃ المباحث الفقہیہ کے پلیٹ فارم سے ایسے محیر العقول قابل تحسین

کارنامے انجام دیے جو تاریخ کے اندر سنہری الفاظ میں درج ہوں گے، بابوؒ کی دینی، سماجی اور علمی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے جس کو شمار کرنے کے لئے دفتر کے دفتر سیاہ کئے جا سکتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کی ۳۵ سالہ طویل خدمات کے زمانے میں اپنے مفوضہ امور کی انجام دہی کچھ ایسی خوش اسلوبی اور سلیقے کے ساتھ فرمائی کہ تا دم آخر اکابرینِ جمعیۃ بالخصوص صدرِ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم اور ناظم عمومی قائد محترم حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم کے معتمد اور منظورِ نظر رہے۔ انتہائی زیرک، دور رس، صاحبِ بصیرت اور صاحب الرائے تھے۔ حالات کی سنگینی کو پیشگی بھانپ لیتے تھے، اجلاس ہائے عاملہ میں اپنی رائے بہت ٹھوس انداز میں رکھتے جس کو اراکینِ عاملہ اور بالخصوص قائد محترم بہت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور پذیرائی فرماتے۔

بابو کے اوصاف حمیدہ میں سب سے نمایاں اور قابلِ تعریف و تحسین وصف معاملات کی صفائی اور مثالی امانت و دیانت کا وصف ہے جو فی زمانہ طبقۂ علماء میں بالخصوص ناپید ہوتا جا رہا ہے، جن لوگوں نے بھی ان کے ساتھ معاملہ کیا وہ سب ان کی امانت و دیانت کی قسمیں کھاتے ہیں، دہلی میں وہ کتابوں کی طباعت اور چھپائی کا کام کراتے تھے اور اس سلسلے میں مختلف لوگوں سے سابقہ پڑتا، پریس والے، ڈیزائن کرنے والے، کاغذ والے، کتب خانے والے، کمپیوٹر کتابت کرنے والے سب کے ساتھ ان کا معاملہ انتہائی صاف و شفاف رہا، کبھی کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوئی، ان کو برتنے والے تمام لوگ اس کی گواہی دیں گے، جمعیۃ میں امارتِ شرعیہ ہند کے آپ ذمہ دار تھے، مالیہ کو بھی آپ ہی دیکھتے تھے، آمد و خرچ کا پورا حساب آپ کے ہی سپرد تھا مگر خدا گواہ اُنہوں نے کبھی کوئی خیانت نہیں کی، کسی قسم کا کوئی خرد برد نہیں کیا، مرضِ وفات سے پہلے پہلے تک ایک ایک دن کا حساب بالکل صاف بے باق کر کے گئے، وہ بے حد اصول پسند انسان تھے، خود بھی اس پر عمل کرتے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بناتے تھے۔ بدنظمی بے اصولی اور انتشار سے ان کا دل دُکھتا تھا۔

صلہ رحمی

والدین، اہلِ خانہ، برادران، ہمشیرہ اور دیگر عزیز و اقارب کے ساتھ بے پناہ ہمدردی، خیر خواہی، حسن سلوک اور صلہ رحمی ان کا امتیازی وصف تھا۔ وہ ہر ایک کے دُکھ درد کو اپنے اوپر لاد لیتے تھے، وہ ہم سب کو ہر حال میں خوش رکھنے کا ہنر جانتے تھے، وہ دنیا اپنے لئے نہیں کماتے تھے ہم بھائی بہنوں کے لئے کماتے تھے اور کمال کی بات یہ تھی کہ اپنا سب کچھ نچھاور کر کے کبھی احسان نہیں جتلاتے اور نہ دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ کرتے، بالخصوص احقر کے ساتھ ان کی سخاوت اور داد و دہش کا جو معاملہ رہا اس کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا ناممکن ہے، وہ میرے ایسے بڑے بھائی تھے جنھوں نے ایسی شفقت و محبت دی، الطاف و عنایات کی ایسی بارش برسائی جو فی زمانہ کسی بڑے بھائی سے تو دور سگے باپ سے بھی متصور نہیں، اب بھی ہر وقت ایسا لگتا ہے کہ ابھی فون کی گھنٹی بجے گی اور ادھر سے ان کی شیریں نرم اور گھلاوٹ سے لبریز پرکشش آواز ''کیسے ہو؟ بچے کیسے ہیں؟ اور کوئی خاص بات؟ کوئی مسئلہ تو نہیں؟ اور کوئی ضرورت؟'' میری سماعتوں میں رس گھول دے گی اور میں اپنا دکھڑا انھیں سنا کر ہر قسم کے حزن و ملال سے چھٹکارا پا جاؤں گا اور فکر دنیا سے آزاد ہو جاؤں گا، کیونکہ اسباب کی اس دنیا میں وہی میرے ہر غم کا مداوا اور ہر درد کا درماں تھے۔

اگرچہ بابو علیہ الرحمہ گذشتہ کئی سالوں سے شوگر کے مریض تھے مگر اس موذی مرض کے تمام تر اثرات کے باوجود اپنے رفقاء کار کے درمیان سب سے زیادہ فعال متحرک اور سرگرم تھے، سرگرمئ زیست کی راہ پر محوِ سفر تھے، ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ اتنی جلدی ہم سب کو داغ مفارقت دے جائیں گے، اس لئے ان کی وفات کا واقعہ ایک ناگہانی حادثہ محسوس ہوا مگر کیا کیجیے قدرت کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت معین آ جاتا ہے تو ایک لمحے کے لئے بھی موخر نہیں ہوتا اور ہماری خواہشیں اور ضرورتیں اس کو ٹال نہیں سکتیں۔ ''اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون'' بالآخر اسی الٰہی قانون کے مطابق علم و عمل کا یہ روشن چراغ بتاریخ ۲۴ محرم الحرام

۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز یکشنبہ صبح دس بجے دہلی کی اس مقدس سرزمین میں گل ہوگیا جس کے بارے میں شاعر اسلام علامہ اقبال نے خوب کہا ہے:

سرزمیں دلّی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے
ذرّے ذرّے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیوں کر زمیں
خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سر زمیں

دعا گو ہوں کہ رب ذوالجلال بابو کو ان کی عنایتوں کے بدلے وہاں کی بڑائی نصیب فرمائے جہاں کی بڑائی ہی اصل بڑائی ہے۔

دین کا مخلص اور خاموش خادم

جناب مولانا معزالدین قاسمیؒ
کچھ یادیں اور تأثرات

حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی اُستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کورونا کی وباء نے ہر میدان کی بہت ہی اہم شخصیات سے ہم کو محروم کر دیا ہے ان شخصیات کے جانے سے ہمارے علمی، دینی، تحقیقی اداروں کا بھی بڑا نقصان ہوا ہے نئے مسائل پر شرعی نقطۂ نظر سے اجتماعی غور وخوض کرنے اور نئے مسائل کا شرعی حال تلاش کرنے والے ہندوستان کے دو بڑے ادارے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء ہند بھی کرونا کی زد سے نہیں بچ سکے، کرونا ہی کے مرض میں اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے سکریٹری برائے انتظامی امور جناب مولانا امین عثمانی ندوی ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے جو نہ صرف فقہ اکیڈمی کے انتظامی امور کو دیکھتے تھے بلکہ فقہ اکیڈمی کے دائرہ کو وسعت دینے اس کے کاموں کو تیز رفتاری سے انجام دینے اور اس کے لئے منصوبہ سازی کرنے کے لئے برابر فکر مند رہتے تھے، اور اپنی تمام تر توانائیاں ان میدانوں میں صرف کرتے تھے، بانی فقہ اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے زمانہ سے اپنی وفات تک اُنہوں نے فقہ اکیڈمی کی فکروں کو اوڑھ رکھا تھا اور پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ فقہ اکیڈمی انڈیا کو آگے لے جانے کے لئے کوشاں تھے،

اسٹیج سے دور رہ کر بڑی باریکی بینی کے ساتھ وہ اکیڈمی کے سمیناروں اور پروگراموں کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے تھے۔

مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء ہند کا آغاز تو حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا، حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے اس کی ابتدائی خاکہ سازی کی، نئے مسائل پر سوالنامہ مرتب کر کے ہندوستان کے مشہور اصحاب افتاء کے پاس بھیجتے تھے، ان کے فتاوی حاصل کرتے تھے اور بعض مسائل پر محدود پیمانہ پر موصوف نے اجتماعی غور وخوض کے لئے میٹنگیں بلائیں اور بعض فیصلے کئے، لیکن ان کی رحلت کے بعد عملاً یہ کام بند سا ہو گیا تھا، حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند نے جمعیۃ علماء کے شعبہ مباحث فقہیہ کو جب دوبارہ متحرک اور فعال کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے انتظامی اور علمی کاموں کو سنبھالنے کے لئے جن لوگوں کا انتخاب فرمایا ان میں ایک اہم نام جناب مولانا معز الدین گونڈوی قاسمیؒ کا بھی ہے، چند سالوں سے مباحث فقہیہ کے جلسوں اور مذاکروں میں شرکت کا موقع ملا اور مولانا معز الدین صاحب کو قریب سے دیکھنا نصیب ہوا تو یہ بات محسوس ہوئی کہ مولانا معز الدین صاحب انتہائی مخلص اور خاموش خادم دین ہیں اور اُنہوں نے پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ مباحث فقہیہ کے انتظامی اور علمی کاموں کو سنبھال رکھا ہے، اپنے اساتذہ کی رہنمائی اور اپنے رفقاء کے تعاون سے سوال نامہ کی ترتیب سے لے کر مجالس مذاکرہ کے انعقاد اور تجاویز کو طے کرانے تک تمام مرحلوں میں وہ فکرمندی اور خاموشی کے ساتھ شریک رہا کرتے تھے، کرونا کی وباء میں ان کی رحلت علمی اور دینی حلقوں کے لئے خصوصاً جمعیۃ علماء اور شعبہ مباحث فقہیہ کے لئے بڑے خسارہ کی بات ہے۔

۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۰ء (دار العلوم ندوۃ العلماء آنے سے پہلے) احقر کا قیام مرادآباد میں رہا حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ مہتمم مدرسہ امدادیہ مرادآباد کی دعوت پر میں مدرسہ امدادیہ مرادآباد حاضر ہوا اور تین سال تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیں، اس زمانہ میں حضرت مولانا سید رشید الدین فیض آبادیؒ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مہتمم تھے اور حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی

دامت برکاتہم مدرسہ شاہی کے استاذ حدیث اور تعلیمی ذمہ دار تھے، ان حضرات کی خدمت میں گاہے بگاہے حاضری ہوتی رہتی تھی۔

مدرسہ امدادیہ مرادآباد کے تین سالہ زمانہ تدریس میں جن طلبہ نے مجھ سے تعلیم حاصل کی ان میں سے ایک نمایاں نام مولانا محمد شوکت علی قاسمی حفظہ اللہ کا بھی ہے جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے باوقار استاذ اور رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند کے ناظم ہیں، جناب مولانا معز الدین صاحب بتایا کرتے تھے کہ میں نے بھی آپ سے چند مہینے مدرسہ امدادیہ میں پڑھا تھا پھر میں وہاں سے منتقل ہوگیا تھا، مجھے تو ان کا پڑھنا یاد نہیں رہا لیکن وہ برابر اس رشتہ شاگردی کا خیال رکھتے تھے، اور استاذ ہی کی طرح ہمیشہ میرا احترام و اکرام کرتے تھے یہ ان کی سعادت مندی اور شرافت اور تواضع کی دلیل ہے۔

مباحث فقہیہ کے جلسوں کے لئے وہ صرف سوالنامہ اور دعوت نامہ بھیجنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ کئی کئی بار فون کرتے یاددہانی کرتے اور شرکت پر اصرار کرتے تھے، اکثر میں ان سے معذرت کرتا کہ میں سوالنامہ کا جواب نہیں لکھ سکا ہوں اور زیر بحث موضوع پر تیاری نہیں کرسکا ہوں لہٰذا معذرت قبول کیجئے تو بھی ان کا اصرار جاری رہتا کہ آپ کی شرکت میرے نزدیک اور یہاں کے ذمہ داروں کے نزدیک بہت مفید ہے، بروقت بھی آپ جو رائے دے دیں گے اس سے ہمیں کوئی چیز طے کرنے میں اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے ادھر چند سالوں سے مباحث فقہیہ کے اجتماعات میں میری شرکت پابندی سے ہوا کرتی تھی اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے اور ان کی خاموش اور مسلسل خدمات کا بھرپور صلہ ان کو عطا فرمائے۔

جب سے مباحث فقہیہ کے اجتماعات میں شرکت شروع ہوئی ان سے ربط اور بڑھتا گیا، بار بار اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے کہ جب بھی دہلی آپ کی آمد ہو تو مجھے مطلع فرمادیں تاکہ آپ سے رابطہ اور ملاقات ہوسکے اور اگر موقع وفرصت ہو تو مسجد عبد النبی تشریف لانے کی

زحمت کریں اور میزبانی کا موقع عطا فرمائیں۔

ان کی خواہش واصرار پر متعدد بار مسجد عبد النبی ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوا اور ان کی پرتکلف دعوتوں سے لطف اندوز ہوا، اگر ناشتہ کا ٹائم ہوتا تو خاص طور سے وہ پرانی دلی کی کسی خاص دوکان سے پائے کی نہاری ضرور منگواتے تھے جو بڑی لذیذ اور شاندار ہوتی تھی، ان کا کمرہ بہترین لائبریری کی صورت اختیار کر چکا تھا، ہر طرف کتابیں ہی کتابیں نظر آتی تھیں، میرے مسجد عبد النبی جانے پر وہ عام طور سے مولانا عبد الحمید نعمانی صاحب اور بعض دوسرے اہل علم کو بلا لیتے تھے ان حضرات کے ساتھ بڑی اچھی علمی نشست ہوتی مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کا موقع ملتا تھا، ان کی ملاقاتوں اور گفتگو سے اندازہ ہوا کہ ان کا مطالعہ کافی وسیع اور گہرا ہے، خالص شرعی علوم کے علاوہ تاریخ سیرت، تذکرہ، شعر وادب سیاسی وسماجی موضوعات پر بھی ان کی اچھی نظر تھی اور ان موضوعات پر جو نئی چیزیں برصغیر ہندو پاک یا عالم عرب میں شائع ہوتیں ان سے بھی وہ عام طور پر بخوبی واقف تھے، مباحث فقہیہ کے فقہی مذاکرات کے موقع پر تجاویز مرتب کرنے کے مرحلہ میں ان کا بھی ایک اہم رول ہوا کرتا تھا ان کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ زیر بحث مسائل کے تمام پہلوؤں اور ان کے بارے میں پیش کردہ نقاط نظر اور آراء سے بخوبی واقف ہیں اور اپنے اساتذہ کا پورا احترام کرنے کے ساتھ بعض اوقات وہ اپنا نقطہ نظر پوری قوت وسلیقہ مندی سے پیش کرتے ہیں، ان کی رحلت سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پرُ ہونا اتنا آسان نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور مختلف میدانوں میں ان کی جو خدمات تھیں ان کو انجام دینے والے افراد پیدا کرے۔

ان کی رحلت میرے لئے ایک بڑا ذاتی خسارہ بھی ہے، میں نے اندازہ کیا کہ انھیں کتابوں کی طباعت واشاعت کا اچھا سلیقہ ہے تو میں نے انھیں سلسلہ میں بار بار زحمت دی اور اُنہوں نے بڑی خوشدلی اور خوش اسلوبی کے ساتھ میرے کاموں کو انجام دیا۔

اس سلسلہ کا سب سے اہم طویل اور نازک کام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکہ کی

ردعیسائیت میں سب سے زیادہ مفصل اور مدلل کتاب 'ازالۃ الشکوک' کی اشاعت تھی، یہ کتاب حضرت مولانا کیرانویؒ نے اردو زبان میں لکھی تھی لیکن حضرت مولانا کیرانویؒ کی زندگی میں اس کی اشاعت نہیں ہوسکی تھی، حضرت مولانا کی مشہور کتاب ''اظہارالحق'' جسے حضرت مولانا کیرانوی نے خلیفہ عثمانی سلطان عبدالعزیز ثانی کی فرمائش پر تصنیف فرمایا وہ بڑی حد تک ''ازالۃ الشکوک'' کے مباحث کا خلاصہ ہے اس کتاب کی اشاعت ایک ہی بار دو جلدوں میں وقفہ وقفہ سے مدراس سے ہوئی، حضرت مولانا کیرانوی کے نامور شاگرد مدرسہ باقیات الصالحات (ویلور) کے بانی حضرت عبدالوہاب صاحب ویلوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) کے ذریعہ اس کتاب کی جلد اول کی اشاعت (۱۳۲۶ھ میں ہوئی اور دوسری جلد کی اشاعت حضرت مولانا عبدالوہاب ویلوری صاحب کے صاحبزادے مولانا ضیاءالدین محمد صاحب نے حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب کی وفات کے بعد کرائی، حضرت مولانا ضیاءالدین صاحب بھی حضرت مولانا کیرانوی کے شاگردوں میں تھے۔

حضرت مولانا محمد حشیم صاحب کیرانوی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی تحریک اور اصرار پر میں نے ''ازالۃ الشکوک'' کی تحقیق وتسہیل کا کام اپنے ذمہ لیا، تدریسی مصروفیات کے ساتھ اس کام کی انجام دہی میں تقریباً دس سال کا عرصہ لگا، چار جلدوں میں یہ کتاب تیار ہوئی اور میری خواہش تھی کہ یہ کتاب بہتر سے بہتر معیار پر شائع ہو، حضرت مولانا محمد حشیم صاحب دامت برکاتہم کی بھی یہی خواہش تھی، مختلف حضرات اور مکتبات سے رابطہ کے بعد میں نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ اس کتاب کی اشاعت حضرت مولانا معز الدین مرحوم صاحب کے ذریعہ کرائی جائے جب میں نے ان کے سامنے یہ بات رکھی تو بخوشی اس کام کے لئے تیار ہوگئے اور بہت دل لگا کر اپنے اشاعتی تجربات کی روشنی میں کتاب کو بہتر سے بہتر طور پر شائع کیا اور یہ اہم ترین دستاویزی کتاب بہت معیاری طور پر مکتبہ معہد الشریعہ لکھنؤ کی جانب سے شائع ہوئی، یہ کام اُنہوں نے پورے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ انجام دیا اسے بھی گوارا نہیں کیا کہ ان کا نام کہیں اور کسی طور پر شامل کتاب کیا جاسکے ان شاءاللہ یہ کام بھی ان کے اعمال حسنہ میں شمار ہوگا اور ذخیرہ آخرت بنے گا۔

'ازالۃ الشکوک' کی اشاعت ۲۰۱۵ء میں ہوئی اس کے بعض مختصر رسائل کو چھوڑ کر میری جو بھی کتابیں شائع ہوئیں ان کی اشاعت جناب مولانا معزالدین قاسمی صاحب مرحوم ہی کے ذریعہ ہوئیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مشہور کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی تحقیق وتسہیل کا کام جب اللہ شانہ نے اس بندہ حقیر سے لیا تو اس کی اشاعت کے لئے بھی انھیں کو زحمت دی گئی اس کے بعد حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؒ کا فہم قرآن کا نصاب ''مفتاح القرآن'' کے پانچ اجزاء اور ان سے متعلق تین کتابوں کی اشاعت مکتبہ معہد الشریعہ لکھنؤ کی جانب سے انھیں کی نگرانی میں روبہ عمل آئی اور سب سے آخری کتاب جو کرونائی لاک ڈاؤن سے پہلے مولانا مرحوم کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوئی وہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ پر میری کتاب 'علامہ محمد انور شاہ کشمیری علوم وافکار' ہے تمام کتابیں جو ان کے ذریعہ شائع ہوئیں طباعت واشاعت کے اعلیٰ معیار پر ہیں، ان تمام کتابوں کا ٹائٹل جناب مولانا معزالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پسند سے بنوایا جسے باذوق اہل علم نے بہت سراہا۔

یہ بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی ہم سے بچھڑ جائیں گے، وفات سے چندروز پہلے ہی معلوم ہوا کہ وہ کرونا کی وباء میں مبتلاء ہوکر اسپتال میں داخل ہیں اور پھر چندروز کے بعد ہی ان کی وفات کی خبر بجلی بن کر دل ودماغ پر گری اور آنکھیں نمناک ہوگئیں، اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے، ان کی اولاد کو دنیا وآخرت میں کامرانی اور ترقیات سے نوازے، مجھے نہیں معلوم کہ ان کا تحریری اور تصنیفی کام کتنا ہے اور وہ کن حد تک محفوظ ہے، ان میں جو صلاحیتیں تھیں ان کی بنیاد پر ہم یہ امید کرتے تھے کہ اگر اللہ نے انھیں مزید مہلت عمر دی ہوتی اور دس بیس سال کسی قدر آزادی کے ساتھ انھیں تحقیقی اور تصنیفی کاموں کا موقع ملا ہوتا تو کیا بعید تھا کہ جمعیۃ علماء ہند کے لئے وہ دوسرے مولانا محمد میاں مرحوم ثابت ہوتے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے کوتاہیوں کو درگزر فرمائے، ہماری ذمہ داری ہے کہ اگر اُنہوں نے کچھ تحقیقی وتصنیفی سرمایہ چھوڑا ہے تو اس کی حفاظت اور اشاعت کی جائے۔ ○❖○

مولانا معز الدین گونڈوی قاسمیؒ

کچھ یادیں، کچھ باتیں

مولانا مسعود احمد الاعظمی اُستاذ جامعہ مظہر العلوم، بنارس

۲۰۲۰ء نے دنیا میں جو قیامت صغری بپا کی ہے، اس کو اگر کوئی آدمی فراموش کرنا چاہے تو اس کے لئے بآسانی یہ ممکن نہیں ہے، ہر طرف مرگ انبوہ جشنے دارد کا منظر، اور مرض الموت وفرشتۂ اجل کے خوف سے پوری نوع انسانی خوف زدہ اور سہمی ہوئی۔ اس ایک سال کے عرصے میں جتنی بڑی تعداد میں اور جتنے بلند رتبہ لوگ اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں، ان کا شمار مشکل ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں عام افراد کے ساتھ ساتھ دنیا کے طول وعرض سے کئی سو ایسے لوگ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے جو اپنی کوئی مخصوص پہچان یا نمایاں شناخت رکھتے تھے۔ علمی، دینی، ادبی، تحقیقی، فکری، اصلاحی، سیاسی، سماجی، اقتصادی، معاشرتی شخصیات اس طرح رخصت پذیر ہوئی ہیں کہ اس کارزار حیات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس میں کسی اہم اور نمایاں شخصیت یا فرد کے اٹھ جانے سے خلا نہ واقع ہوا ہو۔

داغ مفارقت دے کر ان جانے والوں میں ایک اہم اور نمایاں نام مولانا معز الدین گونڈوی کا ہے۔ کم گو، خاموش طبع، وضع دار، وسیع المطالعہ، کتابوں کے دل دادہ، سادگی ومتانت کے پیکر، اصول کے پکے، معاملات کے ستھرے، صاف گو، نام ونمود کی حرص سے دور، مضبوط قوت فکر وارادہ کے مالک اور ان جیسے بہت سے اوصاف ومحاسن کے حامل ومالک تھے۔ موجودہ

ضلع بلرام پور کے ایک موضع کے باشندہ اور جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں برسوں سے اقامت گزیں تھے اور یک در گیر ومحکم گیر کی تصویر بنے اس میں پڑے رہتے تھے۔ دفتر کی مرکزی عمارت کے سامنے کے حصے میں ان کا متوسط سائز کا کمرہ ہراس شخص کے لئے باعث کشش تھا، جس کو ان سے کچھ بھی رسم وراہ یا کتابوں سے معمولی سا بھی لگاؤ ہو۔ اس کمرے کی الماریوں میں اور ان کے درمیان گھرے ہوئے مولانا معزالدین کے گرد وپیش ہر طرف مختلف زبانوں میں اور متعدد علم وفن کی کتابیں کچھ بالترتیب اور کچھ بلا ترتیب پڑی رہتی تھیں، جو مولانا کی علم دوستی، کتابوں سے شیفتگی، شوق مطالعہ اور عالی ذوقی کو زبان حال سے بیان کیا کرتی تھیں۔ مولانا کی دلچسپی صرف کتابوں کی فراہمی سے نہیں تھی، وہ واقعۃً دفتر اور اس کی سرگرمیوں سے زیادہ کتابوں کی دنیا کے آدمی تھے، تنہائی پسند تھے اور گوشۂ تنہائی ان کی محبوب اور پسندیدہ جگہ تھی۔ جہاں تک میں نے ان کو دیکھا ہے اپنے گوشۂ عافیت کے علاوہ کہیں اور ان کا بیٹھنا کم تھا، یا اگر تھا تو برائے نام تھا، شاید کسی ضروری کام ہی کے لئے وہ اپنی جائے قیام سے باہر نکلتے تھے۔ ان سے گفتگو کرنے کے بعد ان کے وسعت مطالعہ اور کثرت معلومات کا اندازہ ہوتا تھا، ان کا مطالعہ ہمہ جہت تھا، بظاہر تاریخ اور سیر وسوانح ان کی دلچسپی کے خاص موضوعات تھے۔ علماء دیوبند کی تاریخ اور ان کے حالات زندگی پر ان کی خصوصی نگاہ تھی، اور ان میں بھی جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ شخصیات پر ان کا بہت گہرا اور وسیع مطالعہ تھا اور اس میدان میں راقم الحروف ان کو سند سمجھتا تھا۔

کتابوں سے شیفتگی کے سلسلے میں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ان کو مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کتابوں کی پی ڈی ایف فائلوں کی دستیابی اور ان کی حفاظت کا بھی غیر معمولی اہتمام تھا۔ راقم نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے موبائل کے ذخیروں اور یادداشتوں میں بے شمار کتابوں کی پی ڈی ایف فائل محفوظ رکھتے تھے۔

سادگی وتواضع

مولانا معزالدین بہت سادہ، بے لوث اور منکسر المزاج آدمی تھے، تکلف وتصنع اور نام

ونمود کی ہوس نام کو بھی نہیں تھی، بود و باش اور رفتار و گفتار ہر بات سے سادگی ٹپکتی تھی، طبیعت میں متانت اور سنجیدگی تھی، اور باطن بغض و حسد اور کینہ سے پاک وصاف تھا۔

دین داری

دین دار اور متبع شریعت تھے، سیآت ومنکرات سے بہت زیادہ پرہیز کرتے تھے۔ راقم کا بارہا کا مشاہدہ ہے کہ کسی پروگرام میں تصویرکشی یا ویڈیوگرافی وغیرہ ہو رہی ہے، تو مولانا معز الدین خاموشی سے کنارے ہوجاتے یا سر جھکا لیتے تھے اور خود کو اس سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔

مسلکی پختگی اور وسیع الظرفی

مذہبی ومسلکی اعتبار سے مولانا معز الدین نہایت صاحب عزیمت واستقامت تھے، لیکن ان کی مسلکی پختگی میں تعصب اور تنگ نظری کی آمیزش نہیں تھی۔ قومی وملی وملکی مسائل میں ان کے فکر ونظر کے اندر غیر معمولی وسعت وفراخی اور بلندی تھی، تعصب اور تنگ نظری نہیں تھی، جو غالباً جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ پورے شرح صدر اور فراست وبصیرت کے ساتھ وابستگی کی دین تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کی فکر ونظر ان کے رگ وریشے میں پیوست اور رچی بسی تھی، جس کا اظہار ان کی گفتگو اور بات چیت میں بھی ہوتا تھا۔

مہمان نوازی

ضیافت اور مہمان نوازی دل کھول کر کرتے تھے، ان کی مہمان نوازی میں کسی قسم کا تکلف نہیں تھا، ان کے پاس جو کچھ ہوتا بلا تکلف پیش کردیتے، ان کے پاس جاتے ہی سب سے پہلے موبائل سے کال کرکے چائے کا آرڈر دیتے، چند لمحوں کے بعد ہی نہایت عمدہ چائے سامنے ہوتی اور اس کی چسکیاں لیتے ہی سفر کی تکان اور سر کا بوجھ ہلکا محسوس ہونے لگتا۔ راقم کا تقریباً معمول تھا کہ جب دفتر جمعیۃ علماء ہند جانا ہوتا، تو اپنی قیام گاہ پر سامان رکھتے ہی پہلی فرصت میں مولانا معز الدین صاحب کے کمرے پر حاضری ہوتی اور مولانا فوراً چائے طلب کرتے۔

مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد جنوری ۲۰۲۱ء کے آخر میں دہلی جانا ہوا، تو سب سے زیادہ جس چیز کا احساس دامن گیر تھا، وہ ان کی جدائی کا خیال تھا، صدر دروازے سے اندر داخل ہوتے یہ محسوس ہوا کہ ''مولانا مر گئے ہیں تو دفتر اداس ہے''۔ پھر ان کی شکل وصورت، ان کا سراپا، ان کی باتیں اور یادیں دل ودماغ میں اڈنے لگیں، اور رہ رہ کر ستاتی رہیں۔ پہلے وہاں کی مصروفیات سے کچھ وقت بچتا تھا تو ان کے غُرفے میں ان سے باتوں اور کسی کتاب کی ورق گردانی میں گزر جاتا تھا، لیکن اب وہ ساری مجلسیں اور نشستیں برہم ہو چکی تھیں، ان کی یادیں رہ گئی ہیں اب دیکھیں کب تک وہ دل کے نہاں خانے میں بسی رہتی ہیں۔

حق گوئی

حق بات کہنے میں جری وبے باک تھے، اور جس بات کو حق وصواب سمجھتے اور اس کا اظہار ضروری خیال کرتے تھے، تو اس کو بلا تذبذب وتردد کہہ دیا کرتے تھے، اس میں کسی قسم کی لیت ولعل سے نہیں کام لیتے تھے۔ صائب الرائے تھے، ان کی رائے اور بات میں وزن ہوا کرتا تھا، نپی تلی رائے دیتے۔ مجلس عاملہ کی نشستوں میں ان کی رائے کو قدر اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور بسا اوقات اسی کے مطابق عاملہ میں فیصلہ بھی ہوتا تھا۔

جمعیۃ علماء میں ان کا مقام

مولانا معز الدین کو امیر الہند ثانی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ دار العلوم دیو بند کی معین المدرسی سے اٹھا کر جمعیۃ علماء ہند کے دفتر لائے تھے اور ان کو امارت شرعیہ ہند کے شعبہ میں رکھ کر اس کے امور ان کے سپرد فرمائے تھے، اس وقت محدث جلیل ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی قدس سرہ العزیز امیر الہند تھے، جن کو امیر الہند اول ہونے کا شرف حاصل تھا۔ مولانا معز الدین صاحب اس وقت سے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ادا کرتے رہے، جس میں ان کو رفتہ رفتہ بہت تجربہ اور مہارت حاصل ہوگئی تھی۔ چنانچہ وہ جمعیۃ علماء ہند کے موجودہ صدر وامیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری اور ناظم عمومی

حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحبان دونوں کے معتمد علیہ تھے، اور یہ حضرات ان کے مشوروں کو اہمیت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

امارت شرعیہ کے فرائض کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے ایک اہم شعبے المباحث الفقہیۃ کے بھی وہ روح رواں تھے، اس کی کمیٹی کے وہ ایک متحرک اور فعال رکن تھے، موضوعات کے انتخاب، اس کے ماتحت ہونے والوں سیمیناروں کے انعقاد، اس سے متعلق ضروری امور انجام دہی اور باحثین ومقالہ نگاروں سے سلسلہ جنبانی اور رابطہ کاری میں ان کا اہم اور نمایاں رول ہوا کرتا تھا۔

اُصول پسندی

اصولوں کے پکے تھے اور اس میں کسی قسم کی مداہنت کے قائل نہیں تھے۔ اصول پسندی کی وجہ سے ان کو بسا اوقات اپنے قریبی متعلقین کی ناراضگی اور سرد مہری کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن ان کو اس کی چنداں پروانہیں ہوتی تھی۔

اَمانت ودیانت داری

مولانا معز الدین صاحب سے راقم السطور کی شناسائی اور پھر روابط وتعلقات بیس سال سے زیادہ مدت سے تھے، کسی کو سمجھنے اور پرکھنے کے لئے یہ مدت کچھ کم نہیں ہے۔ اس عرصے میں ان سے مختلف نوع کے میرے تعلقات رہے ہیں، معاملات سے لے کر، نشست وبرخاست، خورد ونوش، اور جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی نشستوں میں ان کی ہم نشینی اور اس کے عام اجلاسوں تک بے شمار بار ان کا ساتھ رہا ہے۔

رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق مارچ ۱۹۹۲ء میں ہندوستان کی نابغۂ روزگار شخصیت محدث جلیل، محقق یگانہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ترانوے سال سے زیادہ کی عمر میں انتقال ہوا۔ حضرت کے وصال کے بعد ان کے علوم ومعارف کی اشاعت کے لئے ایک سہ ماہی رسالے ’المآثر‘ کا اِجرا عمل میں آیا، اُن دنوں یہ خاکسار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں زیر تعلیم تھا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت کے علوم ومعارف کی خدمت اور اشاعت میں

دل وجان سے مصروف ہوگیا، اور تقریباً بیس سال 'المآثر' کے نائب مدیر پھر مدیر کی حیثیت سے رسالے کی نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف وتالیفات، افادات اور علمی جواہر پاروں کی خدمت انجام دیتا رہا، اس عنوان سے مولانا معز الدین صاحب سے میرا اکثرت سے سابقہ رہا، اس اثنا میں رسالہ 'المآثر' اور مجلس تحقیقات وخدمات علمیہ کی تقریباً سبھی کتابوں کی طباعت دہلی میں مولانا معز الدین کے توسط سے یا ان ہی کی معرفت ہوتی، لیکن حساب کتاب میں کبھی بھی ایک پیسے کا فرق نہیں پڑا، جو مولانا کی امانت ودیانت اور معاملات کی صفائی کی واضح دلیل ہے۔

جذبۂ تعاون

ان سب باتوں کے علاوہ مولانا مرحوم کے سیرت وکردار کی ایک اہم خوبی جو راقم الحروف نے محسوس کی وہ ان کا علمی کاموں میں خصوصیت کے ساتھ تعاون ہے۔ کسی موضوع پر کوئی علمی کام کرنے والا ان سے ملاقات کرتا، اور اس کے موضوع سے متعلق امداد واعانت ان کی استطاعت میں ہوتا، تو وہ اس سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند نے گذشتہ ایک دوسال میں جماعت کے معماروں اور اس کی کلیدی شخصیات پر کل ہند سطح پر متعدد سیمینار منعقد کرائے ہیں۔ ان سیمیناروں کے لئے منصوبہ بندی سے لے کر ان کی تیاریوں اور پھر ان کے انعقاد تک مولانا مرحوم کا کلیدی رول رہا ہے۔ اسی ضمن میں ۲۴ر فروری ۲۰۱۹ء کو مشرقی یوپی کے تاریخی شہر بنارس کے تاریخی مقام سارناتھ میں امیر الہند اول محدث جلیل حضرت مولانا الاعظمی علیہ الرحمہ کی شخصیت پر منعقد ہونے والا سیمینار بھی تھا، جس کے لئے راقم الحروف کے سر پر کنوینر شپ کا بوجھ ڈالا گیا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا مرحوم کا تعاون اور ان کے مشورے ہمیشہ راقم کے شامل حال رہے، اور اس کے کامیاب انعقاد میں ان کی مساعی جمیلہ کا اہم حصہ رہا۔

اگست ۲۰۲۰ء کے اواخر یا ستمبر کے اوائل سے مولانا مرحوم کی علالت اور پھر علالت کی شدت کی مسلسل خبریں موصول ہوتی رہیں، لیکن یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ان کا پیمانۂ عمر لبریز ہو

چکا ہے اور بس چھلکنا ہی چاہتا ہے، کئی روز تک کبھی مرض کی شدت اور کبھی اس میں کچھ افاقے کی خبریں موصول ہوتی رہیں، کہ ۱۳؍ستمبر کو دو پہر سے پہلے ان کے انتقال کی افسوسناک خبر ملی، اور معلوم ہوا کہ مولانا معزالدین قاسمی نے اپنی حیات مستعار کی مدت پوری کر کے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔

اس حادثے پر پانچ ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، آج (۲۷؍فروری ۲۰۲۱ء) سے چند دنوں پہلے مولانا عبدالملک رسول پوری نے مولانا مرحوم پر مضمون لکھنے کی فرمائش کر کے ان سے وابستہ یادوں کو کرید کر خاکستر میں چھپی ہوئی چنگاری کی حرارت کو تیز کر دیا۔ ان کی اس تحریک کے بعد ان متفرق باتوں اور منتشر یادوں کو بلا تکلف وتصنع قلم بند کر کے ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی یہ ایک کوشش اور ان کی دینی وعلمی اور قومی وملی خدمات کو ایک معمولی سا خراج عقیدت ہے۔

آخر میں بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان سے عفو ودرگذر کا معاملہ فرمائے، درجات بلند فرمائے، اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مولانا محمد سالم جامعی ایڈیٹر ہفت روزہ 'الجمعیۃ' نئی دہلی

شاید مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے محترم رفیق جماعت، جمعیۃ علماء ہند کے مخلص خادم اور مجلس عاملہ کے رکن، مباحث فقہیہ اور امارتِ شرعیہ ہند کے ناظم مولانا معزالدین احمدؒ قافلۂ علم وعمل کے ایک نمائندہ فرد تھے۔ وہ سادگی اور حلم و بردباری کا ایک حسین پیکر تھے، تصنع، بناوٹ اور عہدوں کا طمطراق انھیں چھوکر بھی نہیں گیا تھا۔ سادگی کا یہ پیکر جمعیۃ علماء ہند کے دفتر، اس کے جلسوں اور میٹنگوں میں آنے والے ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن جاتا تھا۔ دراصل مولانا معزالدین احمدؒ کی شخصیت جن اوصاف سے مرکب تھی ان میں اخلاص، استقامت، تواضع و قناعت، عزم واستقلال اور جذبۂ خدمت جیسے عناصر کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور جن کی وجہ سے وہ ایک ایسی مشک کا مصداق بن گئے تھے جس کی خوشبو اس کے اصلی ہونے کی خبر بن جاتی ہے اور ہر آنے جانے والے کو معطر کرتی رہتی ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنے اسلافِ کبار اور اساتذۂ عظام کی طرح خود کو عبدیت کی گمنام وادیوں میں کھوئے رکھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن نظامِ فطرت کچھ ایسا ہے کہ جو تواضع و خاکساری اختیار کرتا ہے قدرت اسے رفعت و سربلندی سے نوازتی ہے، اسی اظہارِ عبدیت و بندگی کے طفیل پروردگار نے انھیں مقام بلند عطا کیا اور بیدار مغزی عطا فرمائی۔ وہ اصول کے پختہ اور خاموش مزاجی کے ساتھ استقامت کی صفت کے امین تھے اور انہی خوب صورت صفات نے انھیں ہر دل عزیزی کی سعادت سے سرفراز کیا تھا۔

مولانا معزالدین احمد مرحوم کا علم بڑا پختہ تھا۔قوتِ حافظہ بھی خوب تھی۔ دینی وفقہی علوم میں ان کو باری تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ مطالعہ ان کا خاص ذوق تھا۔ وہ ہر وقت کتابوں میں گھرے رہتے، ان کی کتابوں کا ذخیرہ اور ان کی ترتیب وحفاظت کا انداز دیکھنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھیں کتابوں سے محبت ہی نہیں عشق تھا۔ انھیں جہاں سے اور جیسے بھی کسی کتاب کے ملنے کا امکان نظر آجاتا وہ اسے حاصل کرنے کی سعی پیہم میں لگ جاتے اور جب تک اسے حاصل نہ کرلیتے چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔ٹھوس اور مدلل گفتگو ان کی خصوصیت تھی، ان کی اکثر معاملات میں رائے بہت جچی تلی ہوتی تھی۔ مشکل معاملات کو سہل اور آسان انداز میں پیش کرنے کے ہنر سے وہ بخوبی واقف تھے۔ انھیں جمعیۃ علماء ہند، اس کی تاریخ اور اس کے دستورِ اساسی کا پوری طرح استحضار رہتا تھا۔ جب بھی اربابِ جمعیۃ کو کوئی دستوری خلجان درپیش آتا مولانا مرحوم اپنی خداداد فراست کے ذریعہ اس کا حل پیش کردیتے تھے۔

مولانا مرحوم کی سرگرمی کا اصل مرکز مباحثِ فقہیہ کا ادارہ تھا۔ اس ادارہ کے قیام کا مقصد حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ آپ ایک طویل عرصہ سے اس ادارہ کی نظامت کے عہدہ پر فائز تھے۔ اپنے دورِ نظامت میں اُنہوں نے درجنوں پیچیدہ مسائل پر مباحث فقہیہ کے اجتماعات کا انعقاد کیا اور امت کے سامنے ان کا فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں حل پیش کیا۔ مباحث فقہیہ کے اجتماعات میں ان کی سرگرمیاں ہر وارد وصادر کی توجہ کا مرکز بنی رہتی تھیں۔ مباحث فقہیہ کے اجتماعات میں فیصل ہونے والے مسائل ومعاملات کی تنقیح وترتیب کے لئے اربابِ فقہ وفتاویٰ کی جو کمیٹی بنتی اس کے روحِ رواں آپ ہی ہوتے اور متعلقہ موضوع پر اپنے علم ومطالعہ کی روشنی میں سیر حاصل بحث کرتے۔ دراصل مولانا مرحوم اپنی خداداد صلاحیت کی وجہ سے فقہی نکات اور مسائل فقہیہ کی تنقیح کے اسلوب سے بخوبی واقف تھے اور اسی وجہ سے ان کی رائے کو اہمیت حاصل ہوتی تھی۔

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو ملت میں یہ شرف و

امتیاز حاصل تھا کہ وہ کام کی مناسبت سے رجال کار کا انتخاب کرنے کا خوب ملکہ رکھتے تھے۔ آپ پہلے موضوع منتخب فرماتے پھر اس کے لئے مناسب افراد کا انتخاب فرماتے۔ ان کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے اور پھر انھیں مجوزہ کام سپرد فرماتے۔ مولانا معزالدین احمد قاسمی بھی حضرت فدائے ملت قدس سرہٗ کا ہی حسن انتخاب تھے۔ مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس کے عہدہ پر فائز تھے اور ابھی دارالعلوم کے اصول کے مطابق ان کی مدتِ کار ایک سال باقی تھی کہ دہلی میں ۱۹۸۶ء میں امارتِ شرعیہ ہند کے شرعی ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نوراللہ مرقدہٗ اوّلین امیر شریعت منتخب کئے گئے جبکہ حضرت فدائے ملتؒ کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ امارتِ شرعیہ کا مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند کے مسجد عبدالنبی کمپلیکس میں قائم ہوا۔ اب اسے چلانے اور منظم کرنے کے لئے کسی باصلاحیت شخص کی ضرورت تھی۔ حضرت فدائے ملتؒ کی نظر انتخاب مولانا معزالدین احمد پر پڑی اور آپ دیوبند سے دہلی منتقل ہوگئے۔ یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے، پھر وہ دن ہے اور ۱۳ر ستمبر ۲۰۲۰ء کا دن تادم واپسیں اپنی عمر عزیز کے قیمتی ۳۴ سال آپ نے انتہائی عزم واستقلال کے ساتھ امارتِ شرعیہ کے نظام کو بنانے سنوارنے اور اسے مستحکم بنانے میں صرف کردیئے۔ الحمد للہ مولانا مرحوم کی جدوجہد کے نتیجہ میں آج ہندستان کے ہر صوبے میں امارتِ شرعیہ کا نظام قائم ہے اور پوری تندہی کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

راقم الحروف کا بھی مولانا مرحوم سے ان کے امارتِ شرعیہ ہند کی ذمہ داری سنبھالنے کے شروع دور سے ہی گہرا تعلق رہا۔ ان کے نزدیک تعلقات ایک مقدس رشتہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ساتھیوں کے لئے بے حد نرم خو اور ہمدم وہمساز تھے۔ اپنی زندگی میں شاید ہی دیدہ ودانستہ ان سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو اور اگر کبھی انھیں ایسا محسوس بھی ہوا تو فوراً اس کی تلافی کی کوشش ان کی ایسی خوبی تھی جو بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔ راقم الحروف کا کورونا کے جاری اس دور میں دفتر میں بہت معمولی قیام رہا اس لئے مولانا مرحوم سے ملاقات بھی کم ہی رہی مگر مشیت

ایز دی ملاحظہ فرمائیں کہ گذشتہ ماہ ۲۴؍اگست کو راقم الحروف دفتر پہنچا اور مولانا مرحوم کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ کل ہی وطن سے تشریف لائے ہیں تاہم دو تین دن دفتری اور اخباری مصروفیات کی وجہ سے ملاقات نہیں ہوسکی مگر ۲۷؍اگست کو صبح ۹ بجے جیسے ہی احقر دفتر پہنچا مولانا مرحوم اپنے دفتر کے دروازے پر سراپا انتظار کھڑے ہوئے نظر آئے۔ فرمانے لگے آج یہاں اسی لئے کھڑا ہوں کہ آپ سے ملاقات کی یہ ہی ایک شکل ہوسکتی ہے، وہ اپنی قیام گاہ پر لے گئے، حسب دستور چائے پلائی اور تقریباً ایک گھنٹہ تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ راقم الحروف اپنے دفتر چلا گیا، کام سے فراغت کے بعد گھر چلا آیا اور پھر اگلے دن ۲۸؍اگست کو سہارنپور آ گیا۔ یہ گمان و خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہوسکتی ہے مگر مشیت الٰہی کے سامنے سب بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں، ہوا وہی جو مقدر تھا۔ چند دن بعد طبیعت خراب ہوئی۔ میکس میں داخل ہوئے اور آخر کار مشیت الٰہی غالب آئی اور ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء کو گیارہ بجے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

گھڑیاں اپنے غم کی ہم نے غنچوں میں چل پھر کے گزاریں
آئے تھے فانی باغِ جہاں میں مثل نسیم سحر ہم

جانا سب کو ہے، کسی کا وقت موعود آ پہنچا، کوئی اذن سفر کا منتظر ہے۔ یہ دنیا آنے جانے والوں سے اسی طرح آباد رہے گی اور یہ بالآخر فنا ہو جائے گی۔ مولانا مرحوم اب اس جہان میں نہیں رہے، اب صرف ان کی یادیں باقی رہ گئی ہیں۔ راقم الحروف یہ سطریں لکھ رہا ہے اور ذہن کے پردے پر سینکڑوں منظر سامنے آ رہے ہیں جو کبھی ڈوبنے لگتے ہیں اور کبھی اُبھرنے لگتے ہیں۔ دل شکستہ ہے، گذشتہ تین دہائی کا ایک رفیق سفر جا چکا ہے اور ''آج وہ کل ہماری باری ہے'' کے مصداق اپنا رخت سفر بھی تیار ہے۔ اب صرف ان کی یادیں ہی باقی رہ گئی ہیں جو خوشبو بن کر ہمیشہ ہی معطر کرتی رہیں گی اور ان سے روشنی جلوہ گر ہوتی رہے گی جو ہم سب کے لئے رہنما اور انشاء اللہ راستہ کی دشواریوں میں مددگار ثابت ہوں گی اس لئے کہ اب مولانا مرحوم اس جگہ پہنچ

چکے ہیں جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آیا کرتا۔ جانا سب کو ہے مگر مولانا معز الدین احمدؒ کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا بہر حال آسان نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے۔ جمعیۃ علماء ہند اور امارتِ شرعیہ ہند جنھیں اُنہوں نے اپنی جوانی کی سوغات دے کر باغ و بہار بنانے کی جدوجہد کی، خدا کرے وہ سرسبز وشاداب رہیں، آمین!

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ایک کرم فرما کی داغِ مفارقت

مولانا مفتی اشتیاق احمد استاذ حدیث وفقہ جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

جس بزم میں نہ ساقی نہ صہبا ہو نہ خم ہو
رندوں کو مگر اس میں تسلی ہے کہ تم ہو

موجودہ دور جو خودغرضی اور مفاد پرستی کا دورِ شباب ہے جس کی وجہ سے ایک عام بے اعتمادی کی فضا ہے اور ہر ایک، ایک دوسرے سے انجانے خوف میں مبتلا ہے، ایسے میں اگر کوئی ایسا رفیق ودوست ہو جو دوسروں کے نفع کو اپنا نفع اور دوسروں کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھے، انسانوں کی اس بھیڑ اور ازدحام میں اگر یہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ماضی قریب کی ایک قلیل مدت میں علماء راسخین، کبار علما، محبین و متعلقین کی جدائی و مفارقت کا جو غم امت کو اٹھانا پڑا ہے اس کی مثال تاریخ میں خال خال ہی ملے گی، ان داغِ مفارقت دینے والوں کی طویل فہرست میں ایک جلی نام حضرت مولانا معزالدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا بھی ہے، جنھوں نے اپنی دنیا آپ بنائی تھی، اپنی فطری یکسوطبیعت کے باوجود لوگوں کے غموں کا درماں بننا اور ہر ایک کے لئے دستِ تعاون دراز کئے رہنا یہ ان کے بے پایاں کمال ومحبت کے سبب تھا۔ ان کے اپنے اصول پسندی کے سبب حلقۂ احباب کا دائرہ بہت وسیع نہیں تھا لیکن جن سے ان کے تعلقات ومراسم تھے وہ ان کی خاطر داری، ناز برداری، خبر گیری اور کرم واحسان میں کوئی کور کسر نہیں چھوڑتے تھے۔

مولانا سے شناسائی اس وقت ہوئی جب ہم دونوں نے دیارِ پورب کے قدیم ومعروف ادارہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حفظ میں داخل ہوئے، ہم دونوں کی ایک ساتھ حفظ سے فراغت ہوئی، فراغت کے بعد میں عربی تعلیم کے لئے جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ چلا گیا اور مولانا کچھ دن مدرسہ نورالعلوم ہرہرپور پرتاپ گڑھ اور مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں زیرِ تعلیم رہے لیکن اس کے بعد کانپور کے قدیم ادارہ مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور میں عربی چہارم تک تعلیم حاصل کی پھر اس کے بعد ازہرِ الہند دارالعلوم دیوبند پہنچ کر عربی پنجم میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۶ء میں دورۂ حدیث شریف سے سکینڈ پوزیشن حاصل کی، بندہ عربی ہفتم میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا، اس طرح آخری دوسال دارالعلوم میں بھی مولانا کی معیت حاصل رہی، ہم لوگوں سے مولانا دوسال دارالعلوم میں قدیم تھے، بنابریں وہ دارالعلوم کے احوال وکوائف سے زیادہ واقف تھے، اس لئے قدم قدم پر رہنمائی کرنا اور اپنے ہر کام میں جوڑے رکھنا ان کا طریقہ رہا جس کے سبب بہت سا وقت کارآمد بنا اور بہت سی جگہ رسائی بھی ممکن ہوئی، منجملہ ان کے مدنی دارالمطالعہ سے وابستگی بھی تھی جس کی وجہ سے اس کے تمام پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا۔

دارالعلوم کی نشأۃِ ثانیہ کے بعد مدنی دارالمطالعہ جو پہلے صوبہ یوپی کی انجمن تھی اس کو بعد میں طلبہ دارالعلوم کے لئے عام کردیا گیا، جب اس کی لائبریری کو طلبہ دارالعلوم کے لئے کھولنے کا فیصلہ کیا گیا تو اس موقع پر حضرت مولانا معزالدین صاحب اور مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری نے لائبریری کی ترتیب اور اس سے استفادہ آسان بنانے کے لئے بڑی تگ ودَو وجدّ وجہد کی، لائبریری کے افتتاح کے موقع پر ایک افتتاحی نشست کا بھی انعقاد کیا گیا جس کو فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے خطاب کیا اور طلبہ کو علمی ترقی اور دارالمطالعہ سے اخذ واستفادہ پر توجہ دلائی۔ اس افتتاحی نشست میں مولانا معزالدین صاحبؒ نے مطالعہ کی اہمیت پر ایک مقالہ بھی پیش کیا تھا جو نہایت مفید اور پرازمعلومات تھا، مقالہ میں مطالعہ کی اہمیت پر حضرت مولانا اسعداللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہرالعلوم سہارن پور کے درجِ ذیل پرکشش

اشعار بھی شامل تھے:

انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ ❖ ہے چشمِ دل کے واسطے کاجل مطالعہ
ہم کیوں مطالعہ نہ کریں ذوق وشوق سے ❖ کرتے نہیں ہیں احمق و اجہل مطالعہ
ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم میں ❖ ہوتا نہیں ہے جن کا مکمل مطالعہ

مولانا کے مقالہ سے بہت سے لوگوں کو مہمیز لگی ہوگی لیکن میرے اپنے خیال سے سب سے بڑا حصہ اُنہوں نے خود لیا اور اپنی زندگی کا اہم مشغلہ ہی مطالعہ کو بنالیا اور زمانہ کی رفتار سے ان کا مطالعہ بھی وسیع تر ہوتا گیا اور ساتھ ہی استحضار بھی خوب رہا جس سے مرجع عام وخاص بنتے گئے۔

مدنی دارالمطالعہ دارالعلوم دیوبند طلبہ کے اندر تحریری ذوق وشوق پیدا کرنے کے لئے گاہے گاہے تحریری مقابلے کا انعقاد کراتا تھا، ایک مرتبہ اخلاقِ نبوی کے عنوان پر تحریری مقابلہ کا انعقاد ہوا جس میں مولانا معزالدین صاحب نے بھی حصہ لیا اور فرسٹ پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔

وہ اپنی فطری ذکاوت وذہانت اور یکسوئی ومحنت سے ہمیشہ ممتاز طلبہ میں رہے، ان کے انھیں خصوصی کمالات نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف میں دوسری پوزیشن دلائی اور دارالعلوم میں تدریب فی التعلیم کے لئے منتخب ہوئے لیکن ابھی ایک ہی سال خدمت کا موقع ملا تھا کہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے جمعیۃ کی ضرورت کی وجہ سے ان کے والد صاحب سے ان کو دفتر کے لئے طلب کرلیا، ان کے والد مولانا عبدالحمید صاحب دتلوپورا دام اللہ فیوضہ جو جمعیۃ علماء اور خانوادۂ مدنی کے عاشق زاروں میں ہیں، حضرت فدائے ملتؒ کے حکم پر رضامندی ظاہر کردی البتہ ایک خواہش کا اظہار کیا کہ ان کا تعلیم وتعلّم سے رشتہ باقی رہے چنانچہ ایک زمانے تک دفتر کے کام کے ساتھ مدرسہ حسین بخش دہلی میں تدریس کی خدمت انجام دی لیکن بعد میں مشغولی کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکا۔

مولانا دارالعلوم دیوبند سے مسجد عبدالنبی دفتر جمعیۃ علماء ہند گئے تو وہیں کے ہو کے رہ گئے، اپنی مفوضہ ذمہ داری کی ادائیگی اور فرض شناسی کے سبب وہ ذمہ داروں کے دل میں قریب

سے قریب تر جگہ بناتے گئے اور جمعیۃ کو اپنی ضرورت کا احساس دلانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی اپنی مفوضہ ذمہ داری گرچہ متعین رہی ہو لیکن وہ جمعیۃ کے ہر کام و پروگرام میں برابر شریک وسہیم رہتے تھے، جمعیۃ کے تئیں ان کی خدمات کی بڑی طویل فہرست ہے لیکن ان میں سب سے روشن اور تابناک جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے فقہی اجتماع کی نشأۃِ ثانیہ ہے جو پندرہ کی تعداد میں ملک کے طول وعرض میں بڑی کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئے، سولہویں فقہی اجتماع کی تیاری تقریباً مکمل ہو چکی تھی لیکن لاک ڈاؤن کی وجہ سے اپنے وقت پر منعقد نہیں ہو سکا اور اس کو مؤخر کرنا پڑا، ان اجتماعات کی تیاری اور انعقاد میں طرح طرح کی دشواری اور پریشانی لاحق ہوتی لیکن وہ اس کو نہایت خندہ پیشانی سے انگیز کر لیتے، ہر ایک سے برابر رابطہ رکھتے، مقالہ جات کی وصولیابی اور لوگوں کے آمد ورفت کی پوری فکر رکھتے اور ہر طرح سہولت بہم پہنچانے کی ہر ممکن سعی وکوشش کرتے (فجزاہم اللہ عنا خیر الجزاء)

سفر اور معاملات انسان کی خوبی وخرابی پہچان کے لئے معیار اور پیمانہ ہوتے ہیں، ان کی زندگی ان دو چیزوں میں بھی حسن وخوبی سے لبریز تھی، وہ سفر میں اپنے رفقاء کا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا خیال اور دلداری کرتے۔

۲۰۰۸ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے والد صاحب کی معیت میں بندہ کو حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی، جانے سے کچھ دن قبل مولانا معزالدین صاحب سے میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو کور نمبر معلوم کیا اور کہا کہ دعا کرو کہ میں بھی آ جاؤں، چنانچہ حج کے ایام کے قریب ٹور سے پہنچ گئے، مدینہ منورہ پہنچنے پر میں نے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع کر دی تھی، اس لئے نمبر ان کے پاس محفوظ تھا، پھر معمول رہا کہ روزانہ تقریباً خیریت معلوم کرتے اور حرمِ مکی پہنچنے پر بالعموم ظہر سے قبل یا بعد نماز ظہر معلوم کرتے کہاں ہو؟ فلاں جگہ ملو! چنانچہ وہاں پہنچ کر کچھ خورد ونوش میں شرکت ہوتی، بعدہٗ مطاف میں داخل ہو کر طواف کی مشغولیت ودیگر شغل شروع ہو جاتے۔ بعض ایام میں مفتی عفان صاحب منصور پوری کی بھی معیت حاصل رہتی، اس طرح

بلڈنگ جانے سے پہلے عشاء کے بعد باب فہد پر اکثر ملاقات ہوجاتی، خیر خیریت کے ساتھ اپنے اور دوسروں کے بعض مسائل پر بھی گفتگو ہوجاتی۔ مولانا کو متعدد بار حج بیت اللہ اور عمرہ کی سعادت مل چکی تھی اس لئے مسئلہ مسائل سے بھی واقفیت تھی اور جگہ ومقامات کی بھی بڑی معلومات تھی جس سے نو وارد کو بڑی رہنمائی ملتی تھی۔

بندہ تدریسی خدمت کے لئے جب تک ٹانڈہ بادلی رام پور رہا تو سال میں کئی کئی بار دلی کا سفر ہوجاتا تھا اور مولانا کی شفقتوں اور محبتوں کی گھنی چھاؤں میں وقت گزارنے کا موقع مل جاتا تھا لیکن جب جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ تدریسی خدمت کے لئے آنا ہوا تو بعدِ مکانی اور مصروفیت کے سبب ملاقات کا وہ تسلسل باقی نہ رہ سکا۔ دیوبند حاضری کے موقع پر بھی مدرسہ کے تقاضے کے سبب دلی جانا دشوار ہوتا تو اظہارِ ناراضگی کے انداز میں فرماتے: آپ تو دلی آتے ہی نہیں، دیوبند آ کر بھی دلی نہیں آتے؟ تو اس پر کوئی عذرِ لنگ تلاش کر کے خفگی کے ازالے کی کوشش کرنی پڑتی، فون وغیرہ کرنے میں غفلت ہوجاتی تو اس پر بھی محبت کی سرزنش ہوتی، یہ سب ان کے غایت تعلق کی وجہ سے تھا۔ گیارہویں فقہی اجتماع میں کچھ عوارض کی وجہ سے حیدرآباد حاضری نہ ہوسکی اس کے کچھ دنوں بعد ان کے وطن کے مدرسہ فیضان القرآن کے جلسے میں بغیر اطلاع کے حاضری ہوئی تو تیکھے انداز میں فرمایا: مولانا آپ کو چھٹی مل گئی؟

وہ بڑے صاف وشفاف قلب کے مالک تھے جس میں معاصرانہ چشمک اور حسد کے لئے جگہ نہ تھی، ان کو اپنے رفقاء اور معاصرین کی ترقی سے قلبی راحت ہوتی تھی اور بھرپور اس کی ہمت اور حوصلہ افزائی فرماتے اور قدر کرتے۔ دلی حاضری پر بالعموم کوئی نہ کوئی کتاب ضرور ہدیہ کرتے، ایک مرتبہ دلی حاضری کے موقع پر ان کے ہم ضلع کے ایک بے تکلف دوست جو واپسی کے لئے پابہ رکاب تھے کہنے لگے: مولوی معز الدین! اس بار تم مجھ کو کون سی کتاب ہدیہ کروگے؟ جس پر وہ اپنی ہنسی روک نہ سکے اور کہنے لگے کہ خاطر مدارات کے بعد اب ہدیہ بھی کروں؟

مولانا کو اللہ نے اپنے فضل سے متعدد بار حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت بخشی،

ایک مرتبہ روضۂ اقدس کے سلسلے میں بندہ نے کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو دورانِ گفتگو فرمایا: مجھے روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت بہت ڈر لگتا ہے۔ بزرگانِ دین کی بھی یہی کیفیت کتابوں میں پڑھنے اور دیکھنے کو ملی، اللہ ہم سب کو اپنے رسول کی کامل معرفت اور استحضار مرحمت فرمائے۔ (آمین)

لوگوں کے حالات اور معاملات کی خرابی کا کبھی تذکرہ آتا تو فرماتے اب دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے، قدیم تعلق کی وجہ سے اور اعتماد کی وجہ سے وہ اپنے رازدارانہ باتوں کو بے تکلف اظہار فرماتے تھے، اللہ غریقِ رحمت فرمائے۔

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، لوگوں کو اپنے احسانات سے ضرور گراں بار کیا لیکن اپنے سر پر کسی کے احسان کا بوجھ نہیں رکھا، لوگوں کو ان سے مستقبل میں بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں لیکن قضاوقدر کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمتوں اور قربانیوں کا بہترین صلہ مرحمت فرما کر جنتِ نعیم میں جگہ نصیب فرمائے، ان کے والدین، بیوی، بچوں اور خاندان والوں کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے:

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

علم مجسم، حلم مجسم

مولانا معز الدین احمد گونڈوی

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی جامعہ ملیہ اسلامیہ

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا مصیبت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

ماہ وایام اور زمان ومکان سب کچھ رب کائنات کی تخلیق ہے، جو اول بھی ہے آخر بھی، جو حاضر بھی ہے اور غائب بھی۔ ہم نے رب کائنات کے بنائے ہوئے سنین وشہور کو مختلف ناموں میں بانٹ رکھا ہے۔ سنہ عیسوی بھی ایسی ہی ایک اعتباری تقسیم ہے۔ اس تقسیم کے اعتبار سے سال گذشتہ یعنی ۲۰۲۰ء بڑا سخت گزرا ہے۔ اس سال میں کئی ایسے مصائب آئے کہ روح اپنی پہنائیوں تک تڑپ اٹھی۔ پورا سال اذیتوں کا ایک لق ودق صحرا ہے۔ اس سال میں دل کی دنیا پر جو قیامتیں گزری ہیں ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ اسی سال میں ہمارے استاد محترم پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی جیسے عبقری کا سانحہ ارتحال ہوا، اسی میں ہمارے خاص دوستوں میں سے عبدالقادر شمس جیسا بے مثال ہیرا رخصت ہو گیا اور اسی سال میں ہمارے نہایت محترم، مشفق اور خورد نواز ساتھی مولانا معز الدین احمد گونڈوی نے بھی رخت سفر باندھا اور اس چمن میں جا بسے جہاں باغ ہستی کے سارے عنادل نغمہ زن ہیں۔

مولانا معز الدین احمد کی شخصیت، علم وعمل، تقویٰ وللّٰہیت کی جامع تھی۔ ایسا مستغنی مزاج

انسان، توکل و رضا کا ایسا پیکر روز روز نہیں پیدا ہوتا۔ ان کے ساتھ جب بھی بیٹھنے کا موقع ملا ایسا محسوس ہوا جیسے کسی ولی اللہ کے پاس بیٹھے ہیں۔ حالاں کہ مجھے ان کی صحبت کم ہی میسر آتی تھی تاہم وقفے وقفے سے ان سے ملاقات ہوجاتی تھی۔ البتہ جب بھی ان سے ملے چاہے کتنی ہی دیر ان کے پاس بیٹھے لیکن جب اُٹھے، تشنگی کا احساس ہی لے کر اُٹھے۔ ان کی شخصیت ایک مسحورکن چمن زار سے کم نہیں تھی جس میں علم و دانش اور تقوی و انابت کے غنچے چٹکتے رہتے تھے۔ ان کی شخصیت کا ایک خاص وصف خدمت شعاری تھا۔ جذبہ خدمت ان کے مزاج کا لازمی حصہ تھا۔ ان کے ساتھ رہ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ خدمت کیسے کی جاتی ہے اور قابل احترام ہستیوں کا احترام کیسے کیا جاتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے صالح تنقید کیسے کی جاتی ہے۔

مولانا معزالدین صاحب سندِ فراغت کے اعتبار سے مجھ سے صرف ایک سال آگے تھے، لیکن وہ ہمیشہ میرے لئے ایک مرشد بلکہ ایک استاد کی طرح رہے۔ زمانہ طالب علمی سے ان کی وفات تک میرا ان سے اخذ و استفادہ کا ہی رشتہ قائم رہا۔

مولانا معزالدین احمد گونا گوں خصوصیات کے حامل تھے۔ ان کے لئے جب بھی کوئی تشبیہ سوچتا ہوں تو ذہن کے دریچے سے صرف 'علم مجسم اور حلم مجسم' کی تشبیہ نظر آتی ہے۔ ان سے میری واقفیت ہفتہ دس دن نہیں، سال دو سال بھی نہیں، کم و بیش ۳۵ سال پرانی تھی۔ ان کے بارے جو سب سے پہلی بات مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ کسی نے بتایا کہ یہ مولانا معزالدین احمد ہیں اور ان کو فن نحو و صرف میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ یہ عربی عبارتوں کی 'ترکیب' کے ماہر ہیں۔ ہم جیسے کم فہموں اور کم علموں کے لئے اس زمانے میں عربی گرامر یعنی صرف و نحو کی مہارت ہی علم و فضل کا معیار تھی، اس لئے ان سے عقیدت ہوگئی جو تادم واپسیں قائم رہی۔

دیوبند میں دوران تعلیم مولانا معزالدین اکثر اوقات مفتی سلمان منصوری کے ساتھ ہوتے تھے۔ ہماری رسائی براہ راست ان تک نہیں تھی لیکن عربی زبا و ادب کے حوالے سے ان کی مہارت کے قصے سنے تو ان تک رسائی کی سبیل نکالنے کی کوشش کی۔ جہاں خواہش ہوتی ہے

وہاں اس کی تکمیل کے سامان بھی مل جاتے ہیں۔ اس لئے ہماری کوشش بھی بار آور ہوئی اور مولانا ہماری سر پرستی کرنے لگے۔ اس وقت میری عمر ویسے بھی کم تھی اور مولانا مجھ سے چند برس بڑے بھی تھے۔ اس لئے ان کے دربار میں سعادت مندانہ نفوذ آسانی سے مل گیا۔ اس زمانے میں وہ مدنی دارالمطالعہ کے ذمہ دار تھے۔ کچھ تو مولانا سے عقیدت اور کچھ کتابوں کی ورق گردانی کا ذوق۔ دونوں نے راقم الحروف کو مدنی دارالمطالعہ کا حاضر باش بنا دیا۔ شام ڈھلی اور ہم وہاں جا پہنچے، کچھ وقت کتابیں الٹنے پلٹنے میں اور کچھ وقت مولانا معز الدین کی مشفقانہ ڈانٹ کھانے میں گزارتے۔ مولانا میری بعض باتوں سے بہت خفا ہو جاتے تھے۔ خاص طور پر میرے مطالعہ کے تنوع سے وہ بڑے نالاں تھے۔ میرے ہاتھ میں کبھی الفرقان کی قدیم فائل ہوتی، کبھی سیرۃ النبی کی کوئی جلد، کبھی مولانا عبدالماجد دریابادی کی کوئی تصنیف، کبھی کسی اور مصنف کی کتاب۔ ان کو لگتا تھا کہ میں بلا وجہ کتابوں کی ورق گردانی کرتا ہوں۔ وہ کچھ سمجھاتے بھی تھے لیکن یاد نہیں کیا بتاتے تھے۔ البتہ اتنا خیال ہے کہ وہ میرے اس 'آوارہ مطالعہ' سے خوش نہیں تھے۔

اسی زمانے میں مدنی دارالمطالعہ کی جانب سے مضمون نویسی کا مقابلہ ہوا تھا۔ اس مقابلہ میں میں نے بھی شرکت کی۔ مولانا عبدالحمید نعمانی کو پہلا انعام ملا تھا اور مجھے عمومی انعام ملا۔ مولانا معز الدین صاحب اس کے ذمہ دار تھے۔ اُنہوں نے ہی مجھے انعام دیا تھا۔ ان کی دی ہوئی سند آج بھی محفوظ ہے۔ اس مقابلہ میں جو مضمون لکھا تھا اس کے سلسلے میں بھی مولانا نے کچھ شیریں اور کچھ ملیح باتیں کہیں۔ وقت کی رفتار نے ان سب کو قصہ پارینہ کر دیا۔ اس میں کا جو کچھ یاد ہے اس کے ذکر سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ ان یادوں نے ذہن ودماغ کے نہاں خانوں میں اُس وقت کی کچھ لذت آمیز اور کچھ خفت آگیں یادیں سمیٹ رکھی ہیں۔ زمانے کی رفتار میں ماہ وسال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ماہ وسال تو بس وقت کی رفتار میں سنگ میل ہوتے ہیں، لیکن عمر گریز پا کے لئے یہی ایام صدیوں اور قرنوں کی بات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ یادیں بھی اب صدیوں کا قصہ معلوم ہوتی ہیں۔ ویسے ہمارے لئے بھی اب زندگی شام رہ گزر رہے۔ نصف

صدی کا سفر کبھی کا مکمل ہو چکا ہے۔ نہ جانے کب اور کہاں کاروان حیات خیمہ زن ہو جائے، لیکن جب تک یہ سفر جاری ہے یہ یادیں ہمارے لئے مشعل راہ رہیں گی۔ ان شاء اللہ۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرنا میرے لئے خوشی سے زیادہ غم کا معاملہ تھا۔ دارالعلوم کے در و دیوار سے جدائی کے تصور سے ہی وحشت ہونے لگتی تھی۔ یہاں سے جانا میرے لئے اُس بستی سے جدا ہونے کی گھڑی تھی جس کی علم پرور فضا میں شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ اس وقت میری دنیا احاطہ مولسری، نودرہ، چمن اور دار جدید سے عبارت تھی۔ لیکن مجھے دارالعلوم چھوڑنا پڑا اور میرے لئے ایسا ہو گیا جیسے سر پر آسمان کا سایہ ہی نہ رہا ہو۔ قدم لرزیدہ، زبان لکنت زدہ، تاریک مستقبل، مدرسہ میں کسی کام کے نہ دنیا کا کوئی ہنر، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ آخر مضمون نویسی کا ذوق دلیل راہ بنا اور مہمیز بھی۔ علی گڑھ میں ادارہ تحقیق وتصنیف سے وابستہ ہوا۔ وہاں چند حروف شکستہ لکھنے کی مشق کی۔ مولانا سید جلال الدین عمری نے سرپرستی کی۔ ان کی حوصلہ افزائی سے رشتہ قرطاس وقلم میں جائے پناہ مل گئی اور یہی وسیلہ سرمایہ حیات بھی ٹھہرا۔ زندگی میں یک گونہ ٹھہراؤ اور اطمینان ہوا تو مولانا معزالدین احمد کی خدمت میں پھر حاضری شروع ہوئی۔ اب وہ طالب علم نہیں تھے بلکہ مسجد عبدالنبی میں قیام تھا اور وہاں اہم ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ابھی تک طالب علمانہ کشاکش سے نکل نہیں پائے۔ ان کی خدمت میں اب جو حاضری ہوئی تو اس میں بھی وہی پرانے رویے بدستور تھے۔ ان کی مشفقانہ جرز وتوبیخ اور فیاضانہ چائے کے درمیان ان سے اخذ واستفادہ کی سبیل نکلتی رہی۔ میرا قیام علی گڑھ میں تھا لیکن اکثر دہلی آنا رہتا تھا اور ان سے ملاقات کرنے کے لئے مسجد عبدالنبی جاتا تھا۔

وقت برق رفتاری سے گزرتا رہا۔ میں علی گڑھ سے دہلی آ گیا، مولانا سے گاہے گاہے ملاقات ہوتی رہی۔ جب جامعہ ملیہ اسلامیہ میں میرا تقرر ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ اکثر ہنستے ہوئے کہتے کہ بھائی اب تم پروفیسر ہو گئے ہو۔ راقم الحروف کی جو نیازمندی ان سے اول دن تھی، وہ بحمداللہ ان کی وفات تک قائم رہی۔ کبھی ان کی کوئی بات ناگوار خاطر نہیں ہوئی، بلکہ ہر

بات سے کچھ استفادہ ہی ہوا۔ میرے بعض مضامین پر اُنہوں نے مشفقانہ تنقید بھی کی اور حوصلہ بھی دیا۔ میرے ساتھ ان کا جو رویہ زمانہ طالب علمی میں تھا عمر بھر تقریباً وہی رہا۔ بس آخر میں غالبًا میرے بالوں کی سفیدی نے میرے لئے ان کے لب ولہجہ کو کچھ نرم کر دیا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ رہنمائی فرماتے تھے، بلکہ اپنے مزاج کے برخلاف اُنہوں نے چند مرتبہ میرے لئے توصیفی کلمات بھی کہے۔ لیکن براہ راست مجھ سے نہیں کہے بلکہ کسی کو تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں، اور اردو کے بڑے ادیب ہیں جن کی تحریروں کو اردو کے 'دوسرے حلقے' بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مولانا معزالدین سے میرا تعلق چھوٹے بڑے بھائی کا سا تھا۔ اس کو اُنہوں نے ہمیشہ نبھایا اور میری بھی کوشش ہمیشہ یہی رہی کہ ان کے ساتھ میری جو نیازمندی اول دن تھی وہی قائم رہے۔ وہ مجھ سے میری کتابوں کا مطالبہ کرتے اور کہتے کہ میں قیمت دے کر لوں گا۔ میں نے اپنی کچھ کتابیں تو ان کو پہنچا دی تھی لیکن مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں سب کتابیں ان کو نہیں دے سکا۔

مسجد عبدالنبی کے جس حجرے میں ان کا قیام تھا اس میں سب سے زیادہ مقدار میں جو چیز تھی وہ ان کی کتابیں تھیں، اس کمرے کی دیواریں تو کتاب پوش تھیں ہی بلکہ کمرے کے اندر کتابوں کی دیواریں بھی موجود تھی۔ کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں کتاب نہ ہو۔ کتابوں کے اس چمن کے درمیان میں جگہ نکال کر خود بیٹھتے، ہم کو بٹھاتے، چائے پلاتے، محفل ذرا طویل ہو جاتی تو چائے کا دوسرا دور شروع ہو جاتا۔ اسی طرح نہ جانے کتنی مجلسیں ان کی خدمت میں رہیں۔

مولانا معزالدین احمد بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ان کے مزاج میں ایسا استغناء تھا کہ علماء اوائل کی جھلک ان میں نظر آتی تھی۔ فکر دیوبند کے تمام گوشے ان کو ازبر تھے۔ بہت وسیع المطالعہ تھے۔ تنقیدی ذوق بہت بلند تھا۔ ان کی چشم ظاہر تو ہمیشہ وقار کے بوجھ میں خمیدہ رہتی تھی لیکن چشم باطن عقابی تھی۔ ان کی نگاہ سے غلطی کا طائر تو بچ ہی نہیں سکتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ غلطی ان کو خود بتا دیتی ہے کہ میں یہاں ہوں۔ تاہم بلاوجہ کسی پر تنقید بھی نہیں کرتے تھے۔ مجھے ان کی اس

صلاحیت کا احساس اس لئے ہوا کہ اُنہوں نے میرے بعض مضامین مین میری رہنمائی فرمائی تھی۔

گذشتہ سال میں فضلاء دیوبند کی قرآنی خدمات پر ایک کتاب لکھنی شروع کی۔ اس میں بھی اُنہوں نے بڑی مدد کی۔ ان کے پاس جو تفسیریں تھیں ان میں سے ضروری صفحات کے عکس مہیا کئے اور جو فہرست میں نے مرتب کی تھی اس کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا۔ ضروری مشورے بھی دیے۔ افسوس ہے کہ وہ اس کتاب کو شائع شدہ نہیں دیکھ سکے۔

لاک ڈاون کے آخری دنوں میں ایک دن ان کا فون آیا کہ اگر کسی قسم کی کوئی ضرورت ہو تو وہ فراہم کر دیں گے۔ میں نے شکریہ ادا کیا تو اس کو اُنہوں نے تواضع پر محمول کرتے ہوئے پھر اصرار کیا کہ اس وقت ہمارے پاس وسائل ہیں ہم آپ کے گھر بھی آ سکتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں بھی پہنچا سکتے ہیں اور اگر کوئی اور ضرورت مند ہو تو اس کی بھی مدد کر سکتے ہیں، لیکن میں نے پھر عرض کیا کہ ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ میری ان کے ساتھ آخری بات چیت تھی۔ میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں کہ وہ اس طرح دبے پاؤں چلے جائیں گے کہ ان کے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنائی دے گی اور وہ حیات انسانی کے سب سے بڑے سفر پر نکل جائیں گے۔ تابوت کے اندر بند ان کی میت کو دل کی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کی تو وہی مسکراتا ہوا باوقار چہرہ نظر آیا۔ وہ تو مستغنی تھے ان کو دنیا میں کسی کا احتیاج مند نہیں دیکھا۔ لیکن اس دن اپنی کم مائے گی پر ترس آیا کہ اپنے ایسے عزیز و محترم دوست اور مشفق ساتھی کو آخری وقت کاندھا بھی نہ دے سکے، بس حسرت سے لکڑی کے اس تابوت کو دیکھتے رہے جس کی قسمت میں ہمیشہ ان کا ساتھ نبھانا لکھا تھا۔

جمعیۃ کے مخلص اور بے باک خادم

مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند

زندگی کے دورانیے میں ایسے افراد بھی رابطے میں آتے ہیں جو ابتدائی وسرسری ملاقاتوں میں خشک، بے رخے اور غیر مفید محسوس ہوتے ہیں، ان کی گفتگو اور برتاؤ سے ناگواری پیدا ہوتی ہے، بسا اوقات ان کا طرز تنفر اور دوری کا بھی سبب بن جاتا ہے مگر جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ملاقات وگفتگو کا تبادلہ اور معاملات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو ان شخصیات کے متعلق ابتدائی مرحلہ میں قائم ہونے والے خیالات بدلنے لگتے ہیں، پہلے جو خشکی وبے رخی محسوس ہوتی تھی وہ کافور ہوجاتی ہے، موقع بہ موقع ان کی خوبیاں اجاگر ہونے لگتی ہیں، مفید پہلو سامنے آنے کی وجہ سے انسیت والفت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ محبوب افراد میں شامل ہوجاتے ہیں کہ ان کے رخصت ہوجانا سوگواری اور غم میں مبتلا کردیتا ہے۔ ایسے افراد، عموماً سادہ مزاج، کھلے ذہن، صاف گو، کام کے دھنی اور عقیدہ ونظریہ کے پختہ ہوتے ہیں، مولانا معزالدین صاحب قاسمی بھی ایسے ہی اوصاف کے حامل تھے جو ۲۴ر محرم ۱۴۴۲ھ/۱۳ر دسمبر ۲۰۲۰ء کو عالمی ومہلک بیماری کرونا سے لڑتے ہوئے دلی کے معروف ہوسپٹل میکس'' میں چند دن زیر علاج رہ کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اللہ تعالی درجات بلند فرمائے۔

۱۹۹۹ء میں جب احقر مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں تکمیل افتاء کا طالب علم تھا اسی سال ہم

لوگوں کے ہفتم اور دورۂ حدیث کے ایک رفیق، اوراس سال تکمیل ادب کے طالب علم مولوی قمرالدین گونڈوی علی گڈھ میں کسی ریل حادثہ میں شہید ہوگئے تھے، حادثہ بڑا اندوہناک تھا، سبھی رفقاء صدمہ سے دوچار ہوئے تھے، بعض نے اپنی انجمنوں کے پرچوں میں مولوی قمرالدین پر مضامین بھی تحریر کئے جن کے ذریعہ ان کے گھر کے باقی افراد کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں، اسی وقت معلوم ہوا کہ مولوی قمرالدین کے ایک بڑے بھائی مولانا معزالدین صاحب ہیں جو جمعیۃ علماء ہند کے شعبہ امارت شرعیہ کے ذمہ دار ہیں اور دہلی جمعیۃ دفتر میں رہتے ہیں، اس طرح پہلی بار مولانا معزالدین کے نام سے آشنائی ہوئی۔

اس زمانے میں ہندوستان کے معروف دینی ادارے 'جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی' مراد آباد کے ترجمان 'رسالہ ندائے شاہی' کی طباعت کے مراحل دلی میں مولانا معزالدین صاحب کے واسطے سے انجام پاتے تھے، ۲۰۰۱ء میں تعلیمی مراحل کی تکمیل اور معاونت تدریس کی مدت مکمل کرکے احقر دیوبند سے مرادآباد منتقل ہوا، اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں تدریس کی ذمہ داری کے ساتھ ہی رسالہ ندائے شاہی کی مجلس ادارات کا شامل کرلیا گیا، تو احقر رسالہ ندائے شاہی سے متعلق مفوضہ امور انجام دیتا، اسی دوران ۲۰۰۳ء میں ایک مرتبہ رسالہ کی طباعت کے سلسلے میں دلی سفر کرنے کا حکم ملا، تعمیل حکم میں دلی پہنچا، دلی آئی ٹی او پر واقع جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کے مین گیٹ سے اندر کی طرف چند قدم کے فاصلے پر گیٹ کے تقریباً محاذات میں چند سیڑھیوں کا مختصر سا زینہ عبور کرکے مولانا کے کمرے کا جالی والا دروازہ کھٹکھٹایا، سلام واجازت کے بعد مولانا سے ملاقات ہوئی۔ سفید کرتا پاجامہ، ڈاڑھی گھنی، سر کے بال نہایت مختصر، بلکہ استرے سے منڈے ہوئے، لکھنوی ٹوپی، ہلکا بدن، شوگر سے گھلا ہوا، اخبار کے مطالعہ میں مصروف۔ کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا اوپر سے نیچے تک دیواریں، گوشے، الماریاں کتابوں سے پر تھیں، کوئی گوشہ وکونہ خالی نہ تھا، کمرے میں صرف مولانا کی نشست کی جگہ خالی تھی اور دروازے کے بالکل سامنے مہمان کے لئے تھوڑی جگہ باقی رکھی گئی۔ احقر نے کہا کہ میں مرادآباد سے

رسالہ 'ندائے شاہی' طباعت کے لئے لایا ہوں، اخبار پر نگاہیں جمائے ہوئے مولانا معزالدین گویا ہوئے اس کو مٹیا محل گلی قاسم جان میں شیروانی پریس پر پہنچادو، احقر اٹھ کر دروازے سے نکلا، کہ دوبارہ مولانا معزالدین صاحب نے کہا۔ اور ٹائٹل عثمان سے بنوالینا۔ مولانا معزالدین کی زیارت اور بالمشافہ گفتگو کرنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس وقت ان کا یہ انداز عجیب سا لگا۔

جمعیۃ علماء کے دلی دفتر میں ذمہ دارانہ حیثیت سے مولانا معزالدین کے قیام، امارت شرعیہ کی نظامت، اور ادارہ مباحث فقہیہ کی سرگرمیوں سے ان کی دلچسپی نے ملاقات وگفتگو کے بار بار مواقع فراہم کئے احقر کی مولانا کے کمرے کی مجلس میں شرکت بھی بڑھ گئی، ان کے کمرے کی مجلس چائے ناشتے کے ساتھ حالات حاضرہ کے مختلف مسائل پر افکار، آرا کا تبادلہ، ملک میں موجودہ حکومت کے طریقہ کار اور پالیسیوں پر بے لاگ تبصرے، نرم وگرم گفتگو پر بھی مشتمل ہوتی، وہ بولتے رہتے، کبھی آواز تیز ہوجاتی، انداز گفتگو سخت ہوجاتا، بعض بے تکلف احباب درمیان گفتگو ہی لطف اندوز ہوتے، چٹکیاں لیتے، ان کی تیزی میں مزید اضافہ کے لئے بات کا رخ بدلنے کی کوشش ہوتی، مگر وہ اپنی بات کہتے رہتے۔ برابر والوں اور بے تکلف احباب سے دل لگی اور مزاح بھی ہوجاتا تھا، احقر نے اکابر کی مجلس میں بھی ان کو گفتگو کرتے ہوئے اور اپنی رائے رکھتے ہوئے دیکھا، وہ پراعتماد لب ولہجہ، باوقار انداز میں اپنا موقف مدلل پیش کرتے، سبھی کا احترام برقرار رکھتے ہوئے اپنی رائے کی ترجیح پیش کرتے، ان کی گفتگو بے باک اور جرأت مندانہ ہوتی، جوان کے استغنا اور اعتماد کو اجاگر کرتی تھی، نجی زندگی میں ان کی سادگی، اپنی ذمہ داری میں اخلاص نمایاں تھا، مولانا کی ان خوبیوں کی وجہ ان کے متعلق نظریہ رفتہ رفتہ تبدیل ہو گیا اور وہ مفید ومحبوب افراد میں شمار ہونے لگے۔

وہ ابتدا ہی سے تعمیری مزاج کے حامل تھے تجربہ نے ان کے ذہن کو منصوبہ ساز بنادیا تھا، ان کی زندگی بھر کی مصروفیت، جدوجہد اسی بات کی غماز ہے۔ جس زمانے میں وہ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے طلبہ کی معروف انجمن مدنی دارالمطالعہ سے وابستہ ہوگئے، اس کے جملہ

انتظامات، اس کی تصنیفی وخطابی کارروائیوں میں نمایاں طور پر شریک ہوتے، انجمن کے اموراور اس کی سرگرمیوں سے ان کی بے پناہ دلچسپی کی بنا پر انھیں انجمن کا ناظم متعین کردیا گیا۔ اپنے زمانہ نظامت میں بروز جمعہ منعقد ہونے والے ہفتہ واری پروگراموں کی ترتیب اور پابندی سے ان کے انعقاد پر بہت توجہ دی، ہفتہ واری پروگراموں میں شریک ہوکر پروگرام پیش کرنے والے طلبہ کی فہرست، مدنی دارالمطالعہ میں شرکت کی خواہش رکھنے والے طلبہ سے درخواستیں وصول کرنا پھر ان کی حلقہ وار تقسیم، ہر حلقہ کے لئے باصلاحیت اور پابند طالب علم کو نگراں متعین کرنا، حاضر وغیر حاضر طلبہ کی نشاندہی اور سرپرست محترم کی خدمت میں ان کی مرتب رپورٹ پیش کرنا، طلبہ کے مابین تقریری مسابقہ، لائبریری میں موجود کتابوں کی حفاظت، ان کی تقسیم واندراج اور مدنی دارالمطالعہ کے لئے جدید کتب کی خریداری وغیرہ امور ان کی توجہ کے مرکز تھے انہی وجوہات کے سبب ان کے زمانے میں انجمن کی کارکردگی مرتب ومنظّم رہی۔

۱۹۸۷ء میں جب جمعیۃ علماء ہند کے شعبہ امارت شرعیہ کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی تو اس کے نظام کو مرتب کرنے، اس کو منظّم وفعال بنانے میں مصروف ہوگئے، امیر الہند اول حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب محدث اعظمی کے ماتحت اُنہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا، ابھی امارت شرعیہ کا ابتدائی دور تھا، امارت شرعیہ کا ملک بھر میں تعارف، اسکے اغراض ومقاصد اور، دستور کی ترتیب وتدوین وغیرہ سب مولانا کی کوششوں کا نتیجہ ہیں، پورے ملک میں امارت شرعیہ کی برانچیں قائم ہونا شروع ہوگئیں، پھر امیر الہند ثانی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی وامیر الہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے زمانے میں امارت شرعیہ کا کام بہت بڑھ گیا تھا جگہ جگہ اس کی شاخیں کھل گئیں پروگرام منعقد کئے گئے، ان سب مولانا کی سرگرمی کارفرما تھی، وہ مارت شرعیہ کے نظام کے ساتھ اس کے دیگر شعبوں کو بھی مستحکم ومنظّم کرنے کے لئے کوشاں رہتے، خصوصاً محکمہ شرعیہ کے نظام کو وسعت دینے اور عوام کی ذہن سازی کرنے، اس کے لئے افراد سازی کے مقصد سے ملک کے دیگر شہروں میں وقتاً فوقتاً

کیمپ بھی منعقد کرواتے جگہ جگہ سفر بھی کرتے، امارت شرعیہ کے ہی ماتحت ایک دوسرا ذیلی شعبہ'' رویت ہلال کمیٹی'' کا ہے اسکے اجلاس پابندی سے منعقد کرتے، ملک کے طول وعرض سے خبریں وصول کرکے چاند کے بارے میں فیصلہ کرکے اس کا اعلان شائع کیا جاتا، ایک طویل مدت تک رویت ہلال کمیٹی سے وابستہ رہنے اور اس عنوان پر کثیر کتابوں مطالعہ کرنے کی وجہ سے فلکیات سے متعلق مولانا کے پاس بے پناہ معلومات اکٹھا ہوگئیں تھیں اس سلسلے میں ان کا ذوق بھی کافی ستھرا ہوگیا تھا۔ یہ ان کی سادگی اور اخلاص کی ہی بات تھی کہ وہ تن تنہا امارت شرعیہ کے دیگر ذیلی شعبوں محکمہ شرعیہ، رویت ہلال، وغیرہ کے جملہ امور کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند کے ایک دوسرے شعبہ'ادارۃ المباحث الفقہیہ' کا نظام بھی انہیں کے سپرد تھا، روز بروز پیش آنے والے نئے اور پیچیدہ مسائل کو ملک بھر ارباب افتاء کی اجتماعی مجلس میں حل کرنے اور بحث ومباحثہ کے ذریعہ متفقہ رائے بنانے کے مقصد سے قائم کیا تھا، حضرت مولانا محمد میاں صاحب علیہ الرحمہ کے بعد سے یہ شعبہ سرد مہری کا شکار ہوگیا تھا مولانا معزالدین صاحب نے اس شعبہ کو اپنی دلچسپی کیذریعہ پھر سے زندہ کردیا، اور اپنی محنت وجد وجہد سے فعال ومتحرک بناڈالا، ادارہ مباحث فقہیہ کے بارے میں وہ بہت متفکر رہتے تھے، ان کو اس شعبہ سے اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ اور ادارۃ المباحث الفقہیہ ایک دوسرے کا تعارف بن گئے اپنے دور میں انہوں نے متعدد اہم مسائل پر کامیاب فقہی اجتماعات منعقد کرائے، مولانا بڑی دلچسپی اور خوش اسلوبی سے سوال نامہ تیار کرواتے، پھر مقالہ نگار حضرات کے پاس ارسال کرتے، مقالات نگاران کی رہنمائی کرتے، مقالات کی وصول یابی کا تقاضہ، پھر ان کی تلخیص اور اس کی طباعت کرواتے، اجتماع میں مسئلہ مجوزہ سے متعلق بحث ومباحثہ کے بعد مضبوط رائے کو اپناتے، سیمینار میں شرکاء کے آرام، اور سیمینار میں اہم شخصیات کی شرکت کے متعلق توسع رکھتے تھے، انہوں نے شروع سے اب تک کے جملہ فقہی اجتماعات کی منظور کردہ تجاویز اور فیصلوں کو مرتب کراکر مختلف زبانوں میں شائع کرایا جو ارباب افتاء کے لئے خاصہ کی چیز ہے۔

جب جمعیۃ علماء ہند کے قیام کو سو سال پورے ہوئے تو ارباب انتظام نے اس موقع پر صد سالہ تقریبات منعقد کر کے معماران جمعیۃ، اور جمعیۃ کی اساسی شخصیات پر سیمیناروں کے انعقاد کا فیصلہ کیا اور مولانا کو ہی ان تمام سیمیناروں کی ذمہ داری سپرد کی گئی؛ اس موقع سے آٹھ عظیم شخصیات پر سیمینار طے کئے گئے ان میں کے اب تک پانچ سیمینار بحسن وخوبی انجام پذیر ہو چکے، جن میں ایک ''سیمینار مولانا عبدالباری فرنگی محلی حیات وخدمات'' بھی تھا، اس کی ذمہ داری راقم کے کاندھوں پر ڈالی گئی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی سیمینار اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاصا مشکل تھا، جب احقر نے حضرت مولانا معز الدین صاحب سے پروگرام کی تیاری کے متعلق رابطہ کیا اور مشورہ کے لئے ان کے پاس حاضر ہوا تو موصوف نے بہت ہی بشاشت سے تعاون فرمایا پہلی ہی مجلس میں انہوں نے بہت سی معلومات مہیا کیں مصادر وماٰخذ بتلاے، کتابیں رسائل واخبارات کی رہنمائی کی، واقعات کی نشان دہی کی، سیمینار کی تیاری وترتیب، پروگرام کے دوران، نیز مقالات کی ترتیب وتہذیب میں مولانا معز الدین سے راقم بار بار رابطہ کرتا رہتا تھا اس طرح انھیں کی رہنمائی میں سیمینار کا پروگرام بحسن وخوبی مکمل ہوا، پروگرام کے بعد مقالات کو ترتیب دیکر مجموعہ کی شکل دینے کا مرحلہ تھا، اس مجموعہ کے متعلق بھی مسلسل رابطہ رہا، ان کی رہنمائی اور مشورے کے مطابق ہی مقالات کا مجموعہ 'تذکرہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی' کے نام سے طبع ہوا، مولانا فرنگی محلی سیمینار کی تیاری اور انعقاد کی بدولت مولانا کو قریب سے دیکھنے، اور سمجھنے کا خوب موقع ملا، ان کی زندگی کے متعدد پہلو سامنے آے، وہ ایک وسیع المطالعہ اور مستحضر معلومات، پختہ نظر وفکر کے حامل تھے، جمیعت کی تفصیلی تاریخ، اجلاسات، تجاویز، اصول وضوابط پر گہری نظر رکھتے تھے، ان سے گفتگو کرنے پر بہت سے مذبذب اور شکوک میں مبتلا افراد کا شک ختم ہوتا تھا، تذکرہ وسوانح ان کی خصوصی دلچسپی کا عنوان تھا، جس سے متعلق سیکڑوں نادر نایاب کتابیں ان کی لائبریری میں موجود تھیں، کسی بھی شخصیت سے متعلق معلومات اور سنین ولادت وفات بہت جلد فراہم کر دیتے۔ اور طبع شدہ کتابوں میں اغلاط کی فوراً گرفت کر لیتے تھے۔

مولانا مرحوم کو کتابیں جمع کرنے اور مفید متابیں طبع کرانے کا بھی اچھا ذوق تھا، ہند وبیرون ہند کی بہت سی کتابیں مولانا کی توجہ سے منظر عام پر آئیں، طباعت میں ان کے ذوق کے نہایت عمدہ ونفیس ہونے کی بنا پر علماء کا ایک بڑا طبقہ اپنی کتابیں انھیں کے واسطے طبع کراتا، وہ اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، ان کے مزاج میں سادگی کے خدمت کا جذبہ بھی تھا وہ مصروف ہی نظر آتے تھے جمعیۃ کی کانفرس اور دیگر پروگراموں کے موقع پر جب کہ دیگر لوگ کلف دار کپڑے پہن کر پرتکلف ہوجانے میں فخر کرتے وہ اپنے کام اور مصروفیت میں الگ ہی نظر آتے، اپنی ذمہ داری اور کام سے متعلق کبھی سمجھوتہ کرنے کے روادار نہ ہوتے تھے۔ بڑوں کے سامنے باادب وباوقار اوران سے استفادے کے متمنی رہتے تھے۔

وہ اپنی ذاتی زندگی میں مخلص، سادہ بے تکلف تھے، ظاہر میں جس قدر سادہ تھے حقیقت میں اتنے ہی قیمتی اور معیاری تھے، اورنو آموزوں کے لئے نمونہ بھی۔

وہ ایک شخص جو اپنے میں انجمن سا تھا

مولانا عبدالملک قاسمی رسول پوری

آج پھر دل اداس ہے اپنا

دنیا سے بہار اٹھ گئی ہے، چاروں طرف خزاں کا دور دورہ ہے، کوئل کی کو بھی بند ہے اور بلبل کی چہک بھی، ہر باغیچہ پژمردہ ہو چکا ہے۔ شہر، قصبے، گاؤں، دیہات ہیں کہ ہر مکاں اداس اور ہر شخص محوِ گریہ۔ ایک ہو کا عالم ہے اور ایک مہیب سناٹا۔ لوگ ہیں پر خاموش زباں۔ ماضی میں بھی طاعون آئے، وبائیں آئیں پر شاید ایسا نہ ہوا ہوگا، یا شاید تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے، وقت کی سوئی ایک بار پھر ہر چیز پر بارہ بجا رہی ہے۔ جو کتابوں میں پڑھا تھا، اس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے۔ کتنے عظیم رہیں ہوں گے ہمارے آباواجداد کہ اتنی مصیبتوں کو برداشت کر گئے، ہم ہیں کہ دل ہچکولے لے رہا ہے، جگر ہے کہ بے جگر ہوا جا رہا ہے اور ذہن ہے کہ قابو ہی میں نہیں۔ سوچ کی ترتیب بگڑ گئی ہے۔

ہر روز کسی نہ کسی سمت سے کسی عظیم شخصیت کے کوچ کی خبر آ ہی جاتی ہے۔ دوست و احباب چلے گئے، کئی اساتذہ رخصت ہو گئے، دہلی میں ایک سرپرست تھے آج اُنھوں نے بھی رختِ سفر باندھ لیا اب ہم ہیں اور ہماری تنہائی۔

مولانا معزالدین مرحوم کی پیدائش تو گونڈہ کے ہی ایک گاؤں 'دتلو پور' میں ہوئی تھی، اسی کی نسبت سے وہ گونڈوی ہی کے لقب سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ گرچہ بعد میں ان کے گاؤں کا جغرافیہ گونڈہ سے نکل کر بلرام پور نامی ضلع میں شامل ہو گیا تھا، لیکن وہ آخری وقت تک

گونڈوی ہی سے متعارف رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی فارغ ہوئے تو معین مدرس بھی مقرر کئے گئے، بعد ازاں حضرت فدائے ملت نے جمعیۃ آنے کو کہا تو سر تسلیم خم کر دیا، ان کی بات کون ٹال سکتا تھا اور خصوصا وہ جوان کا معتقد ہو۔ جمعیۃ تشریف لے آئے اور شعبہ امارت شرعیہ میں معاون بنا دیے گئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی کی رہنمائی میں کام کیا۔ مفتی منظور صاحب کانپوری کے ساتھ کام کیا اور پھر حضرت فدائے ملت، مولانا مرغوب الرحمٰن کے بعد اب حضرت قاری محمد عثمان صاحب کی امارت میں امارت شرعیہ کے جملہ امور انجام دیا کرتے تھے۔ جمعیۃ میں ان کا عظیم کارنامہ 'ادارہ مباحث فقہیہ' کا قیام اور اس کی نظامت بھی ہے۔ اُنھوں نے ایک درجن سے زاید فقہی اجتماعات منعقد کرائے۔ یہ اجتماع منعقد کرانا نہایت محنت اور مغز ماری کا کام ہوتا ہے؛ لیکن مولانا محنت کے عادی تھے سو ان کی جفاکشی اجتماع کی کامیابی کی ضامن بن جایا کرتی تھی۔ مفتیان کرام کی میٹنگ کر کے سوال نامے مرتب کرنا، پھر وہ سوال نامے وسیع و عریض ملک کے مایہ ناز مفتیان تک بھیجنا اور ان سے مسلسل رابطے کر کے فقہی مقالات تحریر کرانا۔ ان کو دعوت نامے بھجوانا اور دیوبند وغیرہ جا کر خود جملہ مفتیان سے بات کرنا اور آخر میں پروگرام منعقد کرنا یہ سب کافی مشکل کام وہ خود ہی انجام دیا کرتے تھے۔

علمی صلاحیت اور معیار و مستوی کے لحاظ سے وہ ایک موٹام کی حیثیت رکھتے تھے جس سے ہر کوئی اپنے علم کی گیرائی و گہرائی ماپا کرتا تھا۔ ہم نے بارہا ان کی مجلسوں میں بہت سے مایہ ناز علم والوں کو ان کی رائے کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ مدنی تو نہیں تھے لیکن خانوادہ مدنی سے حد درجہ محبت اور عقیدت کی بنا پر ان کے خاندانی شجرہ سے لے کر ہر ایک کی اخلاقی علمی اور سماجی حیثیت سے ہمہ طور واقف رہتے تھے۔ مدنی خاندان کا ہر بچہ ان کی بہت عزت اور تکریم کیا کرتا تھا۔ وہ خانوادے کے نہایت معتمد اور قابل بھروسہ شخص اور زیرک مشیر تھے۔ ہر کوئی اپنی مشکل انھیں کے سامنے رکھتا تھا اور وہ اس کی مسیحائی کیا کرتے تھے۔ حضرت فدائے ملتؒ کے چھوڑے ہوئے خانوادے اور چھوڑی ہوئی جمعیۃ میں انھیں نہایت درجہ

معتمد شخص کا مقام حاصل تھا۔ ان کی رائے کو دیگر تمام رایوں اور مشوروں پر ترجیح دی جاتی تھی۔ حضرت قاری محمد عثمان منصور پوری کے خانوادے میں وہ ایک بیٹے کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت مفتی سلمان صاحب کے تقریباً ہم عمر تھے، اس لئے جوڑواں بھائی سمجھیں؛ البتہ حضرت مفتی عفان صاحب ہمیشہ ان سے بڑے بھائی والا ہی معاملہ کیا کرتے تھے۔

جمعیۃ میں وہ مجلس عاملہ کے رکن تو شاید گذشتہ سال ہی نامزد کئے گئے؛ البتہ ان کی رائے بہت پہلے سے باوزن تھی۔ وہ صف اول کے رہنما تسلیم کئے جاتے تھے۔ جیسے ہر قائد کے پیچھے کچھ منصوبہ ساز افراد ہوا کرتے ہیں، بس ہمارے امیر صاحب بھی وہی تھے، منصوبہ بندی میں انھیں کافی درک تھا۔ قانونی نکتہ فہمی اور دقیقہ رسی ان کی زیرکی کی عکاسی کیا کرتی تھی۔ اصول کے پابند شخص تھے اور بے اصولی سے طبیعت میں قدرے انقباض بھی ہوا کرتا تھا۔ جمعیۃ کے ملازمین بھی انھیں اپنا بہی خواہ تسلیم کیا کرتے تھے ہر مشکل لمحے میں وہ ہر کسی کا ساتھ دیا کرتے تھے اور اعلی ذمہ داروں کے مابین رابطے کی ایک کڑی بن جایا کرتے تھے۔

امیر صاحب کا کمرہ

ابھی کل کی بات ہے دوپہر کا کھانا کھایا اور میکس سے نکلے تو پیر خودساختہ طور پر امیر صاحب کے کمرے کی طرف اٹھنے لگے، وہ عادی ہی اسی بات کے تھے۔ کھانے کے بعد کی چائے اور ہاضمے کے لئے تند و تیز اور نرم گرم تبصرے، سب امیر صاحب ہی کے کمرے میں ہوا کرتے تھے۔ امیر صاحب کا کمرہ تھا یا ایک عظیم کتب خانہ تھا، جس میں چاروں طرف نایاب اور منتخب کتابیں الماریوں میں سجی ہوئی تھیں۔ بستر پر سرہانے تلے اوپر کتابوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ سب امیر صاحب کی تنہائی کی ساتھی تھیں وہ انھیں سے باتیں کیا کرتے تھے، انھیں سے کھیلا کرتے تھے اور انھی کے ساتھ دل جوئی کیا کرتے تھے، ہر کتاب پر امیر صاحب کے مطالعے کے نشانات ثبت تھے۔ ان کے کتب خانے میں تفسیر حدیث فقہ کے علاوہ سوانح وتذکرہ اور سیرت وتاریخ پر نہایت معتبر اور مستند کتابوں کا نایاب ذخیرہ ہے۔ ہر نئی کتاب کو حاصل کرنے اور

پڑھنے کی لو اور لگن قابل دید ہوا کرتی تھی۔ وہ پہلی فرصت میں کہیں نہ کہیں سے کسی بھی طریقے سے کتاب حاصل کرلیا کرتے تھے۔ درک تو ان کو تقریباً جملہ علمی موضوعات میں تھا؛ البتہ فن رجال ان کا خاص موضوع تھا، کسی بھی علمی شخصیت کا نام لیں ان کے سانحات وسوانحات سب امیر صاحب کی نوز بان رہتے تھے، چوں کہ حافظہ مضبوط تھا اور ذہن بھی کافی دوررس، اس لئے فوراً حوالہ بھی بتلا دیا کرتے تھے۔ دیوبند، علماے دیوبند اور جمعیۃ سے اعتقادی تعلق کی وجہ سے ان اداروں سے وابستہ شخصیات کا مطالعہ اور ان کی تلاش ان کا ہمہ وقتی مشغلہ تھا۔ تذکرے کی کتابوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد، حضرت شیخ الاسلامؒ کے شاگرد علامہ کشمیریؒ کے شاگردوں پر نشان لگا دیا کرتے تھے اور کتاب کی پشت پر ان کے اسمائے گرامی تحریر فرما دیا کرتے تھے۔ سرسری مطالعہ کم ہی کیا کرتے تھے، جو پڑھتے تھے، اچھے سے ہضم کرتے تھے اگر کہیں قابل گرفت چیز نظر آتی تھی تو فوراً نشان زد کرتے اور اگر کہیں اپنے موضوع سے متعلق معلومات نظر آتی تو سابقہ معلومات کا بھی اشارہ کر دیتے تھے تاکہ کبھی ضرورت محسوس ہو تو دونوں معلومات ایک ساتھ دستیاب ہو جائیں

جمعہ جمعہ انھیں اپنے بستر کی چادر بدلنا ہوا کرتی تھی یہ چادر کی تبدیلی کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ ایک اٹھائی اور دوسری بچھائی نہیں بلکہ یہ ایک پر مشقت کام تھا، جس کے لئے باضابطہ پہلے سے منصوبہ بندی کرنا پڑتی تھی۔ شام ہی سے پروگرام بنتا تھا اور دیر رات تک بستر پر رکھی ہوئی کتابوں کو ادھر سے ادھر منتقل کیا جاتا تھا، تب کہیں پرانی چادر نکلتی تھی اور نئی بچھتی تھی۔ اتنے میں امیر صاحب تھک سے جاتے تھے اور اسی چادر پر سو جاتے تھے اگلی روز صبح اٹھ کر دوسری طرف رکھی ہوئی کتابیں پھر اپنی پرانی جگہ تشریف لے آتی تھیں اور کمرہ پھر اسی پرانے طرز پر نکھر آتا تھا۔

ان کے کمرے کے ایک گوشے میں ان کا فریج تھا۔ فریج میں ہمیشہ ذائقہ دار چیزیں رکھی رہا کرتی تھیں۔ ہر کسی کو کھولنے کی اجازت نہیں تھی، بس کبھی ہم، کبھی مولانا کلیم الدین اور مولانا نجیب اللہ کھول لیا کرتے تھے۔ امیر صاحب کبھی موڈ میں نہیں رہتے تو منع بھی کرتے لیکن ہم تھے

کہ ان کے منع کرنے کے باوجود بھی ان کی کھجوروں، آموں اور کبھی کبھی آئس کریم پر ہاتھ صاف کر دیا کرتے تھے۔ وہ تھوڑا سا غصہ کرتے اور پھر خود ہی چائے بناتے اور پلاتے تھے۔ چائے بنانے کے لئے ایک برقی ہیٹر تھا، وہی امیر صاحب کا کچن تھا اس پر کیا کچھ نہیں بنتا تھا، چائے بنتی تھی، نہاری گرم ہوتی تھی، بریانی دم ہوتی تھی اور نہ جانے کیا کیا۔ ہم لوگ خود سے چائے بنانے کی کوشش کرتے تو منع کر دیتے تھے، کہ نہیں یہ تو میں ہی بناتا ہوں۔ چائے کے بعد اگر ہم لوگ پیالی دھلنا چاہتے تو روکتے تھے کہ رکھی رہنے دو دھل جائیں گی۔

ان کے کمرے کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ بس کسی کے لئے چائے خانہ تھا، تو کسی کے لئے مطالعہ گاہ، کوئی ان کی مجلس سے محض ایک دو عدد بسکٹ کھا کر اٹھتا تھا اور کوئی علمی جواہر پارے چن کر۔ ہر کسی کے ظرف کے لحاظ سے اس کی مراد بر آتی تھی۔ البتہ فری اور فضول کے لوگوں کے لئے وہ بہت سخت تھے ان کا، کمرہ تو دور زینے پر بھی گزر نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے بہت سے لوگ انھیں خشک مزاج بھی کہا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے تو تقریباً بیس سال کے شب و روز ان کی تازگی اور زندہ دلی کے شاہد ہیں۔

امیر صاحب کی ضیافت

کوئی مدنی خانوادے سے تعلق بھی رکھے اور مہماں نواز نہ ہو، یہ ہندوستانی محالات میں سے ایک محال چیز ہوگی۔ ہاں اگر تعلق ہی میں نقص ہو تو صفات میں بھی یقیناً نقص ہوگا۔ امیر صاحب اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے۔ وہ خود کھانے سے زیادہ مہمانوں کو کھلانے میں حظ محسوس کیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوا ہی نہیں ان کے مہمان صرف دو ہوں اور کھانا چار کا نہ منگایا ہو۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کہ دسترخوان خوب ہرا بھرا ہو۔ کہیں کچھ کم نہ پڑ جانے والا خدشہ ہمیشہ انھیں ستاتا تھا؛ اس لئے جو بھی چیزیں آتی تھیں وافر مقدار میں آتی تھیں۔ کریم کا برا، نذیر کی ٹنگری، لوہے کے پل کی مچھلی اور چکن، بلی ماران کا بٹر چکن اور بارہ دری کی نہاری مہمانوں کی ضیافت کی خصوصی اشیا ہوا کرتی تھیں۔ یہ سب خود اپنی ذات کے لئے کبھی بھی نہیں آتا تھا، خود تو

نہایت کم خوراک سادہ خور تھے، یہ تو مہمانوں کی خاطر مدارات تھی، جوان کی جیب میں جوش پیدا کردیتی تھی۔ مہمانوں میں منزلت کا بھی خیال تھا ان کا رہنا سہنا بود و باش خواہ کتنی ہی سادہ کیوں نہ تھی، آنے والے کی مدارات اس کے حسب حال ہوا کرتی تھی۔ دارالعلوم کے اساتذہ، مدرسہ شاہی کے مفتیان، ندوہ کے مفسرین اوراعظم گڑھ کے دیدہ وران یا گجرات کے اہل علم سب ہی ان کے خصوصی مہمان ہوا کرتے تھے۔ ان کے دسترخوان کے کچھ مستقل ممبران تھے اور کچھ غیر مستقل اور کبھی کبھی کچھ ناوابستہ تحریک سے وابستہ افراد بھی حاضر باش ہوجایا کرتے تھے۔ مستقل ممبران میں یہ راقم اور ہمارے دوسرے بزرگ مولانا عبدالحمید نعمانی تھے۔ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ نعمانی صاحب دفتر میں ہوں اور امیر صاحب کے یہاں کوئی مہمان ہو اور نعمانی صاحب کی دعوت نہ ہو۔ ہمارے تعلق کی ابتدا تو پیر بھائی والے رابطے سے ہوئی تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ بڑے بھائی بن گئے تھے اور ہمارے ساتھ چھوٹے بھائی والی شفقت کا معاملہ کیا کرتے تھے۔ جس طرح عہد جاہلی کے عربوں کی اگر کسی دوسرے قبیلے سے معرکہ آرائی نہیں ہو پاتی تھی تو وہ محض اس خدشے سے کہ کہیں فنون سپہ گری بھول نہ جائیں باہم ہی برسر پیکار ہوجایا کرتے تھے بالکل اسی طرح امیر صاحب کے یہاں اگر چھ روز کوئی مہمان نہیں آتا تھا تو وہ خود ہی لوگوں کو دعوت دے دیا کرتے تھے۔ نعمانی صاحب کو بلاؤ، عادل بھائی کو فون کرو، دیکھو مبشر ہیں کہ نہیں، مولانا کلیم الدین کہاں رہ گئے، ارے تم نے ابھی فون نہیں کیا۔ دسترخوان بچھتے ہی امیر صاحب اتنے بے چین ہوجایا کرتے تھے کہ جتنی جلدی ممکن ہوسکے وہ سارا کھانا دسترخوان پر سجادیں اور لوگوں کو کھلا دیں۔ خود اپنی پلیٹ میں سب سے اخیر میں نکالتے اور امی یا بڑی بہن والا کردار نبھاتے روٹی گرم کر کے سب کو دے رہے ہیں نہاری دوبارہ گرم کررہے ہیں، سب کی پلیٹوں میں نلی اور مغز ڈال رہے ہیں۔ ارے تم کھا ہی نہیں رہے ہو۔ کھاؤ بھائی یہ اتنا سارا ہے کون کھائے گا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ امیر صاحب نے کبھی کوئی چیز تنہا اور اکیلے کھائی ہو۔ رمضان تو ان کے مدینہ منورہ میں گزرتے تھے؛ البتہ جب بھی وہ یہاں رہے ہمارا افطار اور سحری انھیں کے ساتھ

ہوا کرتی تھی۔ تین لوگوں کے دسترخوان پر تیرہ لوگوں کے سامان ہوا کرتے تھے۔ خود تو چکھتے تھے اور دوسروں کو ہپ ہپ کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ دسترخوان کی اتنی وسعت کسی دیگر کے یہاں کم ہی دیکھی ہے۔ یہ بات تو کھانے کی تھی رہی چائے تو جگو لالہ کی ایک پارٹی ختم ہوگئی۔

آئی ٹی او دہلی پر ایک مشہور چائے فروش ہیں۔ نام تو ان کا صحیح طور معلوم نہیں لیکن ہم لوگ انھیں جگو لالہ ہی کہتے ہیں۔ ان کی چائے کیا ہوتی ہے بس جمشید کا جام ہوتا ہے وہ لنڈھاتے چلے جائیں اور لوگ پیتے چلے جائیں۔ ایک ہزار چار سو چوراسی مربع کلومیٹر کے رقبے پر محیط دہلی میں شاید ہی کہیں ایسی چائے ملتی ہو۔ ہاں یاد آیا جامعہ نگر تکونہ پارک سے چھ قدم آگے ٹی ٹی آئی بلڈنگ کی طرف ایک کلہڑ چائے ملتی ہے، اسے آپ جگو لالہ کی چائے سے قدرے قریب پائیں گے لیکن اس میں چائے سے زیادہ سوندھی مٹی کا ذائقہ ہوتا ہے۔ ہمارے امیر صاحب جگو لالہ کی ایک مستقل پارٹی تھے، صبح سے شام تک نہ جانے کتنے مہمان آتے تھے اور نہ جانے کتنی چائے آتی تھیں۔ عربی قواعد میں جو جاء البرد والجبات کی مثال آتی ہے بس ویسے ہی سمجھو کہ کسی مہمان نے دروازے پر قدم رکھا اور امیر صاحب کا فون لالہ جی کے موبائل پر بجنے لگا، کہ اتنی اتنی چائے بھیج دیجیے گا۔ چائے کا ایک کوڈ بھی تھا چھوٹا زینہ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک چائے شگر فری جائے گی۔ لالہ کا حساب ماہانہ تھا بس ایک زرد رنگ کی پرچی آیا کرتی تھی اس میں ہزار پیالیوں کا مختصر سا حساب ہوا کرتا تھا ۵۰۰۰ یا کبھی ۶۰۰۰ روپیہ۔ امیر صاحب نہ صرف فوراً حساب چکتا کرتے تھے بلکہ چائے لانے والے مدن کو بھی نوازا کرتے تھے۔ آج ہم نے لالہ جی کے ساتھ مدن کو بھی اشک بہاتے دیکھا ہے۔

امیر صاحب کی علم دوستی

علم دوستی امیر صاحب کا امتیازی وصف تھا، علم کی بو انھیں جس کسی میں بھی نظر آتی تھی اس کی تکریم کرتے تھے، خواہ وہ متعارف ہو یا غیر متعارف۔ یہی حال علمی جستجو کا تھا جس میں دیکھی اس کے لئے آنکھیں بچھا دیں۔ علمی تعاون وہ ہر کسی کا کیا کرتے تھے خواہ اس سے مزاجی

ہم آہنگی ہو یا نہ ہو۔ حالاں کہ ان کا مزاج قدرے گرم بھی تھا لیکن علم کے فروغ میں وہ بہت سی نامزاجی چیزوں کے لئے بھی مزاج کو راضی کرلیا کرتے تھے۔ یہی بات تھی جس کی وجہ سے امیر صاحب کے احباب میں ایسے بہت سے نوجوان نظر آتے ہیں، جو نہ تو ان کے معاصر ہیں اور نہ ہی ہم عمر، بڑوں کی مجلس کے ممبر وہ محض اپنے علم کی وجہ سے بنے ہوئے ہیں۔ امیر صاحب ان خوردوں کو محض ان کی علمی لیاقت کی بنا پر عزیز رکھا کرتے تھے۔ علم کی قدر، اہل علم کی حوصلہ افزائی اور رہروان علم و دانش کے لئے راستوں کی ہمواری امیر صاحب کی دیگر ستودہ صفات کے ساتھ زندگی کا لازمی جز تھی۔ 'کتاب النوازل' کے مرتب مفتی ابراہیم غازی آبادی، دارالعلوم دیوبند کے مفتی مصعب علی گڑھی اور مفتی اسد اللہ آسامی، اعظم گڑھ کے ہمارے رفیق درس مولانا ضیاالحق عرف حاجی بابو سب کا شمار اسی قبیل کی ابھرتی نسل میں ہوتا ہے۔ ان کی ترقی میں امیر صاحب کے علمی مشوروں اور دانشورانہ رہنمائی کا کافی دخل رہا ہے۔ ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی کی گرچہ امیر صاحب سے بہت زیادہ ملاقاتیں نہیں تھیں؛ لیکن امیر صاحب ان کی علمی لیاقتوں سے واقف تھے، غائبانہ طور پر ان کے تذکرے کرتے تھے، ان کی نگارشات کی تعریف کیا کرتے تھے اور اگر ان کو کوئی علمی تعاون چاہیے ہوتا تھا تو فوراً موبائل سے وہاٹس ایپ پر ٹرانسفر کردیا کرتے تھے۔

پرانے دنوں کی بات ہے ایک بار ہمارے ایک دوست ڈاکٹر ظفیر الدین قاسمی دہلی یونیورسٹی کے شعبہ عربی سے ایم فل کررہے تھے، ان کے مقالے کا موضوع تھا ''علم حدیث میں علمائے دیوبند کا کردار''۔ ان کا مقالہ تقریباً تیار تھا اچانک امیر صاحب کے پاس محدث اعظمی کے تعلق سے ایک کتاب طباعت کے لئے آئی، نگیٹو بننے کے لئے اس کتاب کا بٹر پیپر پریس چلا گیا تھا۔ ہم نے امیر صاحب سے کہا کہ ظفیر صاحب اس کتاب پر ایک نظر ڈال لیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔ امیر صاحب نے فوراً وہ بٹر پیپر پریس سے واپس منگایا اور ہمیں دے دیا کہ لو اسے دیکھ لو پھر پریس پر بھجوادیں گے۔ کون ہے جو اپنی تجارت کو متأثر کرکے لوگوں کے علمی فائدے کی ضمانت لے۔ یہ سب تو وہی کرسکتے ہیں جن کے یہاں رجال سازی اور علم کے فروغ کا جذبہ کارفرماں رہتا ہو۔

۲۰۱۱ء میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی عربی شاعری، خطابت اور فقہی بصیرت پر راقم کی ایک عربی کتاب مکمل ہوئی تو امیر صاحب سے ایک نظر ڈالنے کی گزارش کی، امیر صاحب نے بالاستیعاب کتاب کو ژرف نگاہی سے پڑھا اور اصلاحات بتلائیں، حالاں کہ نو آمیز طلبہ کی تحریر پڑھنا کتنا دشوار ہوتا ہے، لیکن امیر صاحب نے اپنی شفقت کا مظاہرہ کیا اور کتاب کی مراجعت کی اور صرف وہی ایک کتاب کیا؟ ہم نے جتنے بھی ترجمے کئے ہیں سب کا فرسٹ پروف امیر صاحب نے ہی پڑھا تھا، یہ ان کی علم دوستی اور خورد نوازی ہی تو تھی ورنہ دور تو سگ باش برادر خورد نہ باش کا چل رہا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ ہم سے خدمت لیتے ہماری خدمت کیا کرتے تھے۔ راقم نے ان سے جتنا علمی استفادہ کیا ہے اسے الفاظ میں نہیں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ان کی کتابوں سے استفادہ اور ان کے جمع کئے ہوئے مواد سے استفادہ، ان کے ذہن میں سمائی ہوئی معلومات سے استفادہ، وہ تھے کہ ہر گام پر رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم تھے کہ کبھی اگر ان کا موڈ نہیں بھی ہے، تب بھی ان کی نہیں مانتے تھے اور کتاب لے آتے تھے۔ کئی بار وہ کتاب چھونے کی پابندی لگاتے اور کئی بار وہ خود ہی سر کھپا کر ہمارے لئے مواد تلاش کرتے۔ دیکھو یہ چیز فلاں کتاب میں ملے گی۔ یہ تاب تو تمھاری ہی لائبریری میں ہے وہاں تلاش کرلو۔ ارے یہ کتاب بہت اوپر رکھی ہوئی ہے کیسے ملے گی چلو اچھا ظہر کے بعد آنا میں مواد نکال کے رکھتا ہوں۔ کن باتوں کا ذکر کیا جائے اور کن کو چھوڑا جائے۔ جمعیۃ کی زندگی میں رونق انھیں کے وجود سے تھی۔ کالج جاتے ہوئے امیر صاحب۔ کالج سے آئے تو امیر صاحب۔ لائبریری میں دل نہ لگے تو امیر صاحب، ظہر کے بعد امیر صاحب، عصر کے بعد امیر صاحب گرچے یہ ملاقاتیں بہت طویل نہیں ہوتی تھیں؛ لیکن اتنی کثرت تھی کہ امیر صاحب جب گھر چلے جاتے تھے، تو ہم چند احباب یتیموں کی طرح گھوما کرتے تھے اور کتنی کتنی بار ان کے کمرے کے تالے کو سلام کر کر آتے تھے۔ آج پھر وہ چلے گئے ہیں لیکن مستعار گھر نہیں؛ بلکہ حقیقی گھر، جہاں جانے کے بعد کوئی اس خرابے میں دوبارہ نہیں آنا چاہتا۔ اللہ رب العزت انھیں جنت عطا فرمائیں، جہاں ایک بار پھر ان کی بزم سجے اور ایک بار پھر ہم اس بزم کے خادم ہوں۔

امیر صاحب کی مجلسیں

دفتر کے بیرونی گیٹ سے گزرتے تو امیر صاحب کی جالی سے چھنتی سفید روشنی اس بات کا اشارہ ہوا کرتی تھی کہ بزرگ وار موجود ہیں۔ پھر اگر کوئی ضروری کام نہ ہوتا تو قدم خود بہ خود بڑے زینے کی طرف نہ جا کر چھوٹے زینے کی سیڑھیاں چڑھنے لگتے تھے۔ اب بھی گزر ہوتا ہے؛ لیکن اب وہ روشنی تاریکی میں بدل گئی ہے۔ اب نہ وہاں وہ میر مجلس ہیں اور نہ ہی مجلس کے علمی تبصرے اور فقہی مناقشے۔ آج ۲۰ ستمبر ۲۰۲۰ء کی تاریخ ہے گھڑی دن کا دو بجا رہی ہے اور یہ پہلا وہ اتوار ہے، جو امیر صاحب کی صحبتوں کے بنا گزر رہا ہے۔ اتوار، ہفتہ وار رخصت کا دن ہے، ہمارا یہ دن یا تو کبھی دوست احباب کے ساتھ اوکھلا میں گزرتا تھا یا اکثر امیر صاحب کے کمرے میں۔ ہم ابھی محمود یہ لائبریری میں اپنی دفتر کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، کیوں کہ کہیں اور بیٹھنے کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا۔ مجلس ویران ہو چکی ہے۔ ذہن جب کسی دینی کتاب کے مطالعے میں نہ لگا تو خوشونت سنگھ کی سوانح کا ادھورا باب مکمل کرنا چاہا۔ لیکن چوں کہ یہ کتاب بھی امیر صاحب کی خرید کردہ تھی اور دن بھی مجلس کا ہی تھا اس لئے صفحۂ ذہن پر ہر دوسرے لمحے امیر صاحب کا خیال خودرو خس و خاشاک کی طرح جنم لے رہا تھا۔ پھر خیال آیا کیوں نہ امیر صاحب کی مجلس لگائی جائے اور ذہنی خیالات کو صفحۂ قرطاس پر انڈیلا جائے۔

بعضے چند یقیناً امیر صاحب کو عزلت پسند، خشک مزاج اور گوشہ نشین تصور کرتے ہوں گے، شاید انھیں ان کی مجلسوں میں باریابی کا موقع نہ میسر آیا ہو۔ لیکن ہمارے نزدیک وہ ایک مکمل مجلسی شخص تھے، ان کے کمرے میں ہمہ وقت کوئی نہ کوئی مجلس لگی رہتی تھی، بس وہ مجلسیں کچھ الگ قسم کی ہوا کرتی تھیں۔ ان کے احباب الگ قسم کے تھے؛ اس لئے ان کی مجلسیں بھی کچھ الگ قسم کی تھیں۔ اگر ہم نہاری کی دعوت کو مجلس میں نہ شامل کریں تو پہلی مجلس کا آغاز تقریباً ۹ بجے صبح ہوا کرتا تھا، کیوں کہ یہی وہ وقت تھا جب دار العلوم دیوبند یا مدرسہ شاہی سے جمعیۃ دفتر آنے والے اساتذہ کرام امیر صاحب کے کمرے میں پہنچا کرتے تھے۔ امیر صاحب تپاک اور نہایت

گرم جوشی سے استقبال کیا کرتے تھے۔ ناشتہ کیا جاتا اور گفتگو شروع ہوجاتی، کبھی کوئی علمی موضوع زیرِ بحث ہے تو کبھی کوئی علمی نکتہ۔ ارے حضرت مفتی سعید صاحب نے تو شخصیات پر سیمینار ہی کو بدعت قرار دے دیا ہے، ہاں وہ تحریر گزری تو میری نظروں سے بھی تھی۔ حضرت ہیں ان کی نظر میں بدعت ہی ہوگا آپ تو اپنے مرحومین کے فضائل ومناقب بیان کرتے رہیے۔ کبھی نئی طبع شدہ کتابوں پر تبصرے ہو رہے ہیں، ماشاءاللہ مولانا لطیف الرحمٰن بہرائچی نے مسند امام ابو حنیفہ کو تحقیق وتشریح کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ ہاں کام تو بہت اچھا یا ہے لیکن اب تو وہ خلیفہ بن گئے ہیں، بس دعا کیجیے کہ تحقیق کا کام جاری رہے، لگتا تو نہیں ہے۔ کوئی کہتا کہ حضرت مفتی شبیر احمد صاحب نے تاتارخانیہ پر کام کرکے امت کا قرض اتار دیا۔ امیر صاحب کہتے: ہاں یہ قرض چڑھا تو قاضی سجاد صاحب پر تھا انھیں دہلی حکومت نے اسی کام کے لئے ایک لاکھ سے زائد اکرامیہ دیا تھا؛ لیکن اتارا مفتی صاحب نے۔ ہاں اس میں بھی حضرت سے جلد بازی ہوگئی اگر اس میں تحقیق اور املا کے عالمی معیار کا خیال رکھا جاتا تو اور بھی چار چاند لگ جاتے، لیکن مولانا عبدالملک صاحب کام وہ ہے جو ہوگیا۔ تم منصوبے تو بہت بناتے ہو پر تمہارا کوئی کام مکمل ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا ہے۔ آج کل تو بس بریلوی علماء کام کر رہے ہیں، اُنھوں نے درسیات کی اپنی شروحات مرتب کر لی ہیں، ابھی تک تو ہمارے علماء کی شروحات دیکھا کرتے تھے، پاکستان میں بریلویوں نے سیرت اور تفسیر کے موضوع پر کافی اچھا کام کر لیا ہے۔ ویسے تو دیوبند کے سبھی اساتذہ سے امیر صاحب کا ربط بہت گہرا تھا؛ البتہ سب سے زیادہ قربت والی فہرست میں حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ اور حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی صاحب تھے۔ ان تینوں عظیم شخصیات کا امیر صاحب بہت احترام کیا کرتے تھے۔ حضرت قاری صاحب سے ان کا ربط محض تعلق والا نہیں؛ بلکہ عربی کا جو محاورہ ہے ''رب اُخ لم تلدہ امک'' وہ والا ربط تھا؛ اس لئے امیر صاحب ان کا والد جیسا احترام کیا کرتے تھے اور حضرت قاری صاحب ان سے بیٹے جیسی شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان کی

مجلسوں میں بار بار حاضری دینے والے اساتذہ میں حضرت مولانا عبداللہ معروفی صاحب حضرت مفتی زین الاسلام صاحب اور حضرت مفتی راشد صاحب مفتی محمد مصعب وغیرہ تھے۔ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ کی آمد و رفت تھی لیکن گاہے گاہے۔مفتی ریاست صاحب رامپوری اور مولانا عبداللہ معروفی صاحبان ان کے درسی ساتھی تھے اس لئے بے تکلفی کچھ زیادہ نظر آتی تھی۔جامع مسجد امروہہ سے بھی مفتی عبدالرزاق صاحب مفتی منصف صاحب اور مفتی زاہد صاحب کی کافی آمدورفت تھی۔

دارالعلوم ندوالعلما سے حضرت مولانا عتیق احمد بستوی صاحب گاہے گاہے تشریف لایا کرتے تھے۔ان سب کے علاوہ دہلی کے مولانا انیس احمد بلگرامی اور مولانا عطاالرحمٰن جیسے چیدہ علماء بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔اس راقم کو خدمت کا موقع میسر آتا رہتا تھا اور ہم کیا خدمت کرتے تھے بلکہ وہ سب تو امیر صاحب ہی کیا کرتے تھے۔اہل علم کی ان مجلسوں میں بہت سی علمی باتیں ہوا کرتی تھیں۔امیر صاحب محض مدرسے کے مولوی نہ تھے؛ بلکہ دنیا اور سماجیات کا بھی کافی مطالعہ کیا کرتے تھے؛اس لئے ان کے تبصرے بھی کچھ الگ ہٹ کے ہوا کرتے تھے،جس میں حالیہ دنوں کے آخری تبصروں میں سے ایک کرونا دور میں دینی تعلیم کے فقدان پر بھی تھا۔ کہتے تھے مدرسے ہی تو بند ہوئے ہیں تعلیم کیوں بند کردی۔گزرے زمانوں میں اساتذہ صرف پانچ دس بچوں کو ہی بٹھا کر پڑھایا کرتے تھے،ان مدرسے والوں نے کوئی نیا نظام بنانے کے بجائے بند کرنے میں ہی آسانی سمجھی۔اساتذہ کے مشاہرے کے بارے میں ان کا نظریہ تھا کہ تنخواہ تو حبس وقت کی ہوتی ہے؛اس لئے مہتمم اور ذمہ داروں کو چاہئے تھا کہ اگر تدریسی سلسلہ بند ہوا ہے،تو اساتذہ کی صلاحیتوں کے لحاظ سے دوسری خدمات لے لیتے۔مثلاً کسی کو لکھنے کا سلیقہ ہے اسے مدرسے کی تاریخ نگاری کی ذمہ داری دیدیں،کسی کے پاس ترجمے کی صلاحیت ہیں انھیں کسی اچھی کتاب کے ترجمے پر مامور کردیں۔ہمارے اکابر کے علوم و معارف ابھی تک عالم اسلام میں نہیں پہنچے ہیں۔ان کی تالیفات کو عربی میں ترجمہ کرالینا چاہئے تھا۔اکابرین کی

سوانح مرتب کرالینا چاہئے تھا۔ اور بہت سے کام ہوسکتے تھے لیکن ہمارے ذمہ دار حالات کے مطابق نیا نظام بنانا ہی نہیں چاہتے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے نرم گرم تبصرے ہیں جو امیر صاحب کی مجلس میں ہوا کرتے تھے۔

امیر صاحب کا موبائل

موبائل سیکٹر میں ریلائنس کے سبز انقلاب کے بعد بہت سے لوگ سلکی فون سے لاسلکی موبائل کی طرف منتقل ہوگئے۔ انقلاب کے ابتدائی دور میں تو امیر صاحب نے موبائل فون نہیں استعمال کیا تھا، جمعیۃ دفتر کا نمبر ہوا کرتا تھا اور یہاں داخلی انتظام کے طور پر ہر دفتر میں انٹرکام کی سہولت تھی، کسی دفتر یا شخص سے متعلق شہر، ریاست، ملک اور بیرون ملک کہیں سے بھی فون آیا کرتا تھا تو دفتر استقبالیہ میں بیٹھے ہوئے مولانا واعظ الدین نیپالی یا مولانا سراج صاحب بنارسی فوراً انٹرکام پر فون منتقل کر دیا کرتے تھے اور مطلوب شخص یا دفتر سے گفتگو ہوجایا کرتی تھی۔ یاد آتا ہے کہ محمودیہ لائبریری کا انٹرکام نمبر ۲۷ اور شاید امیر صاحب کا ۲۹ تھا۔ اندرونی طور پر ایک دفتر سے دوسرے دفتر میں بھی اسی انٹرکام سے بات ہوجایا کرتی تھی۔ پھر زمانے نے کروٹ لی اور ریلائنس کمپنی سمسینگ فون کے ذریعہ مواصلاتی بازار میں داخل ہوئی تو محض پانچ سو روپے میں فون فروخت ہونے لگے؛ لیکن یہ سب پوسٹ پیڈ موبائل تھے جس میں گفتگو پہلے اور بھگتان بعد میں کرنا ہوتا تھا۔ امیر صاحب کا دوررس ذہن ان سب باتوں سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے اُنہوں نے یہ فون لیا ہی نہیں جب کہ دفتر میں کئی لوگوں نے اس کے برے انجام کا سامنا کیا۔ کچھ سالوں کے بعد جب موبائل زندگی کا حصہ بننے لگا اور فون کے بنا رابطے ادھورے لگنے لگے تو امیر صاحب نے بھی ایک عدد موبائل لے ہی لیا۔ خریدنے کے بعد معلوم ہوا کہ گاڑی تو خرید لی؛ البتہ ڈرائیونگ سے یک سر ناواقف، اب امیر صاحب کو ہمہ وقت کسی نہ کسی پریشانی سے سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن موبائل کے فوائد ان کے سامنے واضح ہونے لگے تھے اور وہ اس کے سچے مرید ہونے لگے تھے۔ ظہرانے کے بعد مجلس کے جس طرح ہم احباب جمعیۃ پابند تھے وہ بھی اسی طرح

ہم لوگوں کے منتظر رہا کرتے تھے، کبھی ہم سے کچھ پوچھ رہے ہیں تو کبھی مولانا نجیب اللہ سے، لیکن انھیں جلد ہی احساس ہوگیا کہ ہم دونوں بھی انھیں کے چھوٹے بھائی ہیں، یوں اُنہوں نے اتالیق تبدیل کر کے مجلس کے ہی ایک اہم ممبر حضرت مولانا سید محمود صاحب مدنی کے پی اے مبشر بھائی کی شاگردی اختیار کرلی اور پھر رفتہ رفتہ وہ موبائل کی دنیا کے ایک عظیم ماہر بن گئے۔ موبائل کا ایسا کون سا آپشن تھا جو انھیں آتا نہیں تھا۔ اسی ایک موبائل سے ان کا پورا کاروبار چلتا تھا، کبھی کو وہ ہر شام عثمان بھی گرافک ڈیزائنر کے یہاں جاتے تھے تو اب سارے ڈیزائن ان کے موبائل اسکرین پر خود ہی سے آنے لگے تھے۔

کورونا دور میں آن لائن میٹنگ کا آغاز ہوا تو جملہ ارکان عاملہ واحباب جمعیۃ میں سب سے پہلے امیر صاحب ہی نے یہ طریقہ سیکھا اور پہلی فرصت میں وہ زوم اپلی کیشن کے ماہر ہوگئے۔ ٹیلی گرام اور وہاٹس ایپ گروپ پی ڈی ایف کتابوں کی تحمیل وتنزیل کا سلسلہ شروع ہوا تو امیر صاحب نے اپنی ایک وسیع ڈیجیٹل لائبریری بنالی، اپنے متعلقہ موضوعات اور دیگر درسیات کی کئی ہزار کتابیں ان کے موبائل میں موجود تھیں، جب موبائل کی میموری جواب دینے لگی تو اُنہوں نے 'اوٹی جی' ڈیوائس خریدنے کا سلسلہ شروع کیا جو کمپیوٹر اور موبائل سے نہایت آسانی سے کنیکٹ ہوجاتی ہے، دم مرگ اس طرح کی ڈیوائس کی تعداد تقریباً ایک درجن سے زیادہ ہوچکی تھی، ہر ڈیوائس میں ہزاروں کتابیں تھیں۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے مربوط تقریباً تمام ہی علم دوست افراد کے پاس برقی کتابوں کا ایک معتد بہ ذخیرہ ہوتا ہے، لیکن یہ تمام کا ذخیرہ فنون اور مؤلفین کے لحاظ سے انتہائی غیر مرتب ہوتا ہے، جب کہ امیر صاحب کا ذخیرہ نہایت مرتب تھا، ماہانہ رسائل کا الگ فولڈر، سہ ماہی جرائد کا الگ، درسی کتابوں کا الگ، مجموعات فتاویٰ کا علاحدہ اور تاریخ، سیرت، تذکرہ گویا تمام فنون کے علاحدہ علاحدہ فولڈرس تھے۔ رات کی تنہائی میں جب ان کی طبیعت کتابوں کے مطالعے سے اکتانے لگتی تھی تو وہ کتابوں کی ترتیب میں مشغول ہوجا یا کرتے تھے۔ یہ تمام فولڈرس علمی دنیا کے لئے نہایت مفید اور قابل استفادہ برقی

لائبریری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام ڈیوائس ان کے پاس ایک مربع ڈبے میں ویسے ہی رہا کرتی تھیں جیسے کسی پان کے شوقین خطیب کے پاس پان کے مربع ڈبے میں پان کی گلوریاں رہتی ہیں۔ بس امیر صاحب کا ڈبہ قدرے بڑا تھا کیوں کہ خزانہ بھی کافی زیادہ اور نایاب تھا۔ یہ تمام ڈیوائسز ان کے صاحب زادے عزیزم ابوبکر سلّمہٗ کے پاس موجود ہوں گی۔

ایک باوقار، خیر خواہ اور سراپا ہمدرد بچھڑ گیا

مولانا ابوبکر بن مصطفیٰ پٹنی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

الحمدللہ ''اِدارۃ الصدیق ڈابھیل'' دو دہائیاں پوری کر کے تیسری دہائی میں داخل ہو چکا ہے۔ ''ہدیۂ خواتین'' نامی کتاب کی طباعت سے اس کا آغاز ہوا تھا، مولانا اسماعیل میرٹھیؒ کی ''اردو زبان کا قاعدہ'، 'اردو زبان کی پہلی کتاب'، 'اردو زبان کی دوسری کتاب' اور 'تسہیل السراجی' ادارہ کی ابتدائی مطبوعات میں سے ہیں۔ شروع شروع میں کتابوں کی طباعت کی غرض سے سال میں دو تین مرتبہ دہلی آنا جانا لگا رہا، مولانا معزالدین صاحبؒ سے تعلقات کے حوالے سے عین نقطۂ آغاز کی تعیین تو مشکل ہے؛ پر اندازہ یہ ہے کہ ادارۃ الصدیق کے تین چار سال گزرنے پر مولانا سے رابطہ ہوا۔ ابتدا میں چھوٹی موٹی کتابیں مولانا کے توسط سے طبع ہوتی رہیں، اسی اثناء میں موصوف کے حسنِ معاملات کا نقش دل پر بیٹھتا گیا۔ پھر ہوا یہ کہ جامعہ فاروقیہ کراچی سے 'فتاویٰ محمودیہ' کی تخریج کا کام ہو کر اس کا ایک عمدہ نسخہ دستیاب ہوا، اس پر نظر پڑتے ہی یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اِس کو چھپوا کر اربابِ علم کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے، یہ خیال خیر خواہ حضرات اور دوستوں کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ان کی تائید ملی؛ البتہ یہ کام ہماری بساط سے بڑھ کر تھا؛ اس لئے میرے محسن و کرم فرما حضرت مولانا رشید احمد سیلوڈویؒ نے از راہِ خیر خواہی و ہمدردی فرمایا کہ بیس جلدوں پر مشتمل اِتنی ضخیم کتاب چھپوانے کا بوجھ اپنے ذمہ کیسے لے رہا ہے! لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور تھا؛ اس لئے اگلے تمام مراحل بھی آسان سے آسان تر ہوتے گئے، اِس

کتاب کی طباعت کے مصارف حضرت مولانا معزالدین صاحبؒ سے معلوم کر کے طباعت کا فیصلہ کرلیا گیا، کل مصارف کا تخمینہ تقریباً ساڑھے سترہ لاکھ تھا، ہمارے پاس گیارہ لاکھ کا انتظام تھا، برادرم مولانا ارشد خانپوری زیدفضلہٗ کی معیت میں کتاب کا نسخہ اور گیارہ لاکھ روپے لے کر مولانا کی خدمت میں پہنچے، طے یہ ہوا کہ بقیہ رقم ہمارے یہاں کتاب پہنچنے کے بعد ادا کی جائے گی، اور کتاب دو مہینے کی مدت میں حوالے کی جائے گی، کل ایک ہزار نسخے چھپنے تھے اور فی نسخہ ۲۰ جلدیں، اِس طرح کل ۲۰ ہزار کتابیں چھپنی تھیں، ٹھیک ایک مہینہ مکمل ہونے پر طے شدہ میعاد سے پہلے ہم تک کتاب پہنچ گئی، اور خوبی کی بات یہ رہی کہ مولانا نے اطراف واکناف میں کہیں بھنک تک نہ لگنے دی۔ 'فتاویٰ محمودیہ' کی یہ طباعت باقاعدہ تعلقات اور جانبین میں اعتماد کے حوالے سے ایک مضبوط بندھن تھا۔

اِس کے بعد سے مولانا کی حیات تک تقریباً ۱۵ سال کے عرصے میں یاد نہیں پڑتا کہ آپ کے واسطے کے بغیر کوئی کتابچہ بھی چھپوایا ہو۔ اِس عرصے میں ادارۃ الصدیق سے چھوٹی موٹی سو سے زائد کتابیں چھپی ہوں گی، بعض کتابوں کے تو کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور ہمارے مشورے پر متعدد اہلِ علم نے مولانا سے یہ علمی تعاون حاصل کیا؛ اِس پوری مدت میں معاملات کے حوالے سے اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ: ''آپ معاملات میں فقید المثال تھے۔'' طے شدہ معاملے سے سرِمو انحراف نہ کرتے، دو ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ کو بہ جائے فائدہ کے نقصان ہوا، ہماری طرف سے اصرار کے باوجود آپ نے مزید رقم محض اس بنیاد پر نہیں لی کہ یہ طے شدہ عقد کے خلاف ہے۔

مولانا کے حادثۂ وفات پر 'ادارہ' کا تأثر یہ ہے کہ اس سے اپنا رفیق بچھڑ گیا، اور اس کا ایک باوقار، خیرخواہ، مخلص اور سراپا ہمدرد رکن فوت ہوگیا۔ آپ رسمی نہ سہی؛ مگر عملی طور پر ادارہ کے ایک عضو کی حیثیت رکھتے تھے، ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا ایک فردِ مستقل وہاں موجود ہے جس نے ہمیں طباعت کی ساری ذمہ داریوں سے سبک دوش کر رکھا ہے۔

آپ کے حسنِ تعاون کی دسیوں مثالیں ہیں، ان میں سے ایک نمونے کے طور پر یہ ہے کہ علمِ عقائد میں ساڑھے گیارہ سوصفحات پر مشتمل بے نظیر کتاب 'بدر اللیالی شرح بدء الامالی' دو جلدوں کی مجلد طباعت کا مرحلہ تھا، اور بہت جلد چھپوا کر اسے افریقہ سے آئے ہوئے مہمانوں کے ہاتھ بھیجنا تھا، چناں چہ اس کی فائل پیر کے دن حضرت مولانا کے حوالے کی گئی، اور تیسرے روز یعنی بدھ کے دن یہ دونوں جلدیں نہایت ہی عمدہ طباعت کے ساتھ ہمارے ہاتھوں میں موجود تھیں اور سنیچر کے روز افریقہ پہنچ گئیں۔ اس طرح کی تو دسیوں مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

یوں تو مولانا میں انگنت خوبیاں تھیں جس کا اظہار بڑے بڑے اہلِ علم نے کیا ہے؛ لیکن ہمیں آپ کی متعدد خوبیوں اور اوصاف میں سے ایک عجیب خوبی یہ محسوس ہوئی کہ آپ بڑی سے بڑی ذمہ داری لیتے ہوئے جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، اور بہت جلد بہ حسن وخوبی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے بعد، جو ہماری نگاہ میں کرامت سے کم نہیں ہوتی تھی، کبھی اس کا فخر یہ طور پر تو کجا بلکہ بر سبیلِ تذکرہ بھی اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور جہاں تک آپ کی مقناطیسی شخصیت کا تعلق ہے تو اِس حوالے سے اتنا عرض ہے کہ سال ڈیڑھ سال گزرنے پر دارالعلوم دیوبند کی زیارت اور دہلی میں حضرت مولانا کی ملاقات کی غرض سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنالیا جاتا تھا، اور پھر گھنٹوں ملاقات کے باوجود بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی ہمہ جہت معلومات، مدلل گفتگو، شیریں اور سادہ اندازِ کلام، ہم عصر ہندوستانی علماء کے متعلق پوری واقفیت (بہ الفاظِ دیگر مہارتِ اسماءِ رجالِ ہند) اور نہایت ہی جامع تبصرے اور دیگر بہت کچھ باتیں ہمیں اسیر کیے رکھتی تھیں۔

ایک قابلِ رشک وصفِ جمیل یہ تھا کہ جہاں عمرہ کا اور بہ طور خاص رمضان حرم میں گذارنے کا انتظام ہوگیا تو رختِ سفر باندھ لیا، اور وہاں پوری یکسوئی کے ساتھ حرم کا کھونٹا بن کر مصروفِ عبادت رہتے، اور وہاں کے انوارات سے مستفید ہوتے رہتے۔ ایک مرتبہ حرمِ مکی میں فرمانے لگے کہ "جدہ میں کئی اہلِ تعلق ہیں جو وہاں بلاتے رہتے ہیں؛ لیکن مجھے حرم چھوڑ کر کہیں جانے کا

نہ جی چاہتا ہے اور نہ کہیں جاتا ہوں''۔

۲۰۱۵ء میں جمرات کے قریب حادثہ پیش آیا، اس سال راقم کو بھی الحمدللہ حج کی سعادت میسر آئی تھی، اس حادثے کی زد میں مولانا بھی آئے تھے، دو تین دن تک بے ہوش رہے ہوں گے، ہوش آنے پر اپنی قیام گاہ پر لے جائے گئے، قیام گاہ پر آتے ہی طواف کے لئے تشریف لے آئے حالاں کہ ابھی طبیعت مضمحل تھی، اور پاؤں میں چوٹ کی وجہ سے چلنے میں بھی قدرے دشواری تھی، اِس حال میں مصروفِ طواف دیکھ کر میں سراپا حیرت بنا رہا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی حسنات قبول فرمائے، سیئات سے درگذر فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

مولانا معزالدین قاسمیؒ

مولانا مفتی بدر احمد صاحب مجیبی خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

آہ! اہلِ علم کی رحلت کا سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آرہا ہے۔ اس موذی مرض میں ممتاز علماء و اصحابِ فکر رخصت ہوگئے لیکن مولانا معزالدین قاسمی صاحبؒ کے حادثۂ فاجعہ نے تو دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ علالت کی خبر مل رہی تھی۔ علالت کی شدت کی خبر بھی آئی لیکن پھر بھی ایسی امید دُور تک نہیں تھی کہ وہ اس طرح رخصت ہوجائیں گے۔ سب کو رنج و ملال میں مبتلا کر کے اپنے متعلقین و رفقاء کو گریہ کناں چھوڑ کر دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ آہ! مولانا معزالدین صاحبؒ! اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

ان کا اخلاق، ان کا علمی ذوق، کتابوں کے بارے میں ان کی معلومات، ان کی سنجیدہ گفتگو، ان کی محبت و رفاقت نظروں کے سامنے گھوم رہی ہے۔ میری ان سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ امارتِ شرعیہ ہند میں نئے نئے آئے تھے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ امارتِ شرعیہ ہند کے صدر تھے اور جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر بھی تھے۔ والد ماجد جب میٹنگ میں تشریف لاتے تو میں بھی ان کے ہمراہ آتا تھا۔ مولانا معزالدین صاحبؒ اس وقت نوجوان تھے اور میرے ہی ہم عمر تھے۔ ان کی فراغت دارالعلوم دیوبند سے اور میری دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ایک ہی سال ہوئی تھی۔ اس وقت سے ان سے جو ربطِ تعلق قائم ہوا، وہ مختلف حوادث کے باوجود ان کی وفات تک قائم اور مضبوط رہا۔ پہلی تربیت قضاء (بنارس)

کے پروگرام میں بھی رفاقت رہی۔ فقہی اجتماع میں تو شروع سے ہی میرے نام دعوت نامہ آتا رہا اور میری شرکت ہوتی رہی۔

اس وقت امارتِ شرعیہ ہند کے سارے کاموں کے ذمہ دار وہی تھے۔ بقول کسے خود کوزہ وخود کوزہ گر وخود گل کوزہ۔ امارتِ شرعیہ کا کوئی بھی کام ہوتا فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ ان کو ہی طلب فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت والد ماجد ان کو ''چلتی پھرتی امارتِ شرعیہ'' کہتے تھے۔ بعد میں وہ امارتِ شرعیہ ہند کے ناظم اور امارتِ شرعیہ کی رویتِ ہلال کمیٹی کے ذمہ دار ہوئے۔

حضرت والد ماجد کی رحلت کے بعد بھی ان سے رابطہ برابر قائم رہا۔ میں جمعیۃ کی میٹنگ میں یا کسی کام سے دہلی جاتا تو مسجد عبدالنبی میں ان سے ملاقات ہوتی۔ وہ اپنے ساتھ کمرے میں لے جاتے یا بعد میں فون کر کے بلا لیتے۔ ان کے کمرے میں کھانا بھی کھایا ہے اور چائے تو انہوں نے اکثر اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلائی ہے۔

ان کا کمرہ کوئی عام کمرہ نہیں تھا بلکہ ایک کتب خانے کا منظر پیش کرتا تھا، چاروں طرف الماریوں میں کتابیں بھری پڑی ہوتیں۔ الماریاں صرف زمین پر نہیں تھیں بلکہ زمین کے علاوہ چھجے پر بھی الماریاں رکھی تھیں سب کتابوں سے بھری ہوئی۔ الماریوں کے علاوہ فرش پر، تختوں پر بھی بے شمار کتابیں، یہاں تک کہ بستر پر بھی کتابیں بھری ہوتیں اور ان کتابوں کے درمیان یہ ''زندہ کتب خانہ'' جلوہ افروز ہوتا۔ یاد نہیں کتنی کتابیں ان کے ذریعے میں نے منگوائیں، متعدد کتابیں انہوں نے مجھے تحفہ میں بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

فقہی اجتماع میں ان کی مشغولیت بہت بڑھ جاتی تھی۔ مفتیانِ دار العلوم وغیرہ سے سوالات مرتب کرانا، اس کی تنقیح کے بعد اہلِ علم کو بھیجنا، ان سے رابطہ رکھنا اور اجتماع کی تاریخ اور مقام کے بارے میں شرکاء کو اطلاع کرنا، جوابات ملنے کے بعد ان کی تلخیص کرانا، پھر فقہی اجتماع کو کامیاب اور مفید بنانا۔ یہ سب ان کے ذمہ تھا۔ اجتماع میں شریک ہر شخص ان ہی کو تلاش کرتا تھا۔ اجتماع کے بعد مفید اور اہم کتابوں کا بنڈل شرکاء کو پیش کرنا بھی ان کا کام تھا۔

مولانا معزالدین صاحبؒ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ نہایت خاموشی سے کام کرتے رہتے تھے۔ کہیں ان کا نام نہیں آتا تھا۔ صرف رویتِ ہلال کے اعلان میں اور فقہی اجتماع میں ان کا نام سامنے آتا تھا۔ شروع میں مدرسہ حسین بخش دہلی میں جلالین وغیرہ کا درس دیتے تھے۔ بعد میں مشغولیت بڑھ جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ مطالعہ وسیع تھا۔ کتابوں اور علمی مسائل پر مجھ سے طویل گفتگو ہوتی تھی۔ ان کی خالص علمی گفتگو میں بہت طبیعت کی تھی۔

وہ رویتِ ہلال کے بارے میں بہت متحرک تھے۔ ہر مہینے کی ۲۹؍تاریخ کو امارتِ شرعیہ ہند کے دفتر میں رویتِ ہلال سے متعلق دہلی کے علماء کی میٹنگ ہوتی اور پورے ملک کی رویتِ ہلال کمیٹیوں سے رویت کی تحقیق کی جاتی اور آخر میں رویت یا عدم رویت کا اتفاقی فیصلہ کیا جاتا۔ ملک کی دوسری رویتِ ہلال کی کمیٹیاں بھی ان کی تحقیق پر اعتماد کر کے روایت کا اعلان کرتیں۔

مجھ سے زیادہ تعلق اس وجہ سے بھی تھا کہ پھلواری شریف خانقاہ مجیبیہ کی رویتِ ہلال کمیٹی سے میرا تعلق ہے اس لئے ہر مہینہ کی ۲۹؍تاریخ کو مغرب کے بعد رویتِ ہلال کی تحقیق کے لئے ان کا فون پابندی سے آتا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے۔ ''کہیے مولانا بدر صاحب! آپ کے یہاں چاند ہو گیا؟ یا کہیں کی خبر ہے؟'' میں ان کو یہاں کی رویتِ ہلال کی تحقیق سے مطلع کرتا۔ خود میں بھی ان کی تحقیق معلوم کرنے کے لئے فون کرتا۔

آج سوچ رہا ہوں کہ اب ۲۹؍تاریخ کو مجھے فون کر کے کون کہے گا: ''کہیے مولانا بدر صاحب! آپ کے یہاں چاند ہو گیا؟'' اب یہ جملہ میرے لئے ماضی کی یادگار بن گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان ان کے والد محترم، ان کی اہلیہ، بچوں، اہلِ علم برادران کو صبرِ جمیل عطا کرے اور ملتِ اسلامیہ ہند کو ان کے نعم البدل سے نوازے۔ آمین

اے ہم نفسانِ محفلِ ما
رفتید ولے نہ از دلِ ما

❍❖❍

مولانا معز الدینؒ جنہیں کتابوں سے عشق تھا

مولانا محمد شہاب الدین قاسمی

حضرت مولانا سید اسجد مدنی کے ذریعہ سے پچھلے دو روز سے جناب مولانا معز الدین قاسمیؒ کی بگڑتی طبیعت کے سلسلہ میں معلومات ملتی رہیں تا آنکہ آج گیارہ بجے دن حضرت مولانا کے فون کی گھنٹی بجی اور فرمایا! کہاں ہو تم؟ میں نے جواب دیا گھر میں، فرمایا! اپنا واٹسپ کھولو! اپنے واٹسپ میں جناب مفتی عفان منصور پوری کی طرف سے 'افسوسناک خبر' میں جناب مولانا معز الدین قاسمیؒ ناظم امارتِ شرعیہ ہند وسکریٹری ادارۃ المباحث الفقہیہ کے سانحہ ارتحال کی خبر پڑھ کر گہرا صدمہ پہنچا۔ مولاناؒ کے انتقال کی خبر سنتے ہی پچھلے پچیس سالہ علمی اور تنظیمی رفاقت، اکابر واسلاف کے تذکروں پر مشتمل نشستیں اور جمعیۃ علماء ہند کے سلسلہ میں نہ جانے کتنی یادیں دل ودماغ میں یکے بعد دیگرے تازہ ہوتی گئیں اور ان یادوں کا نقش ابھر کر سامنے آنے لگا، راقم سطور اور جناب مفتی عمیر عالم قاسمی اگر چہ مولاناؒ کے مدتوں بعد جمعیۃ علماء ہند کے دفتر آئے، نیز عمر ولیاقت کسی اعتبار سے ہم ان کے برابر نہیں تھے، تاہم مولاناؒ اور مولانا عبدالحمید نعمانی اپنی علمی نشستوں کا نہ صرف ہمیں حصہ بناتے بلکہ قابل قدر مقام بھی دیتے، جس کی وجہ سے ہم لوگ بے تکلف ہر مسئلہ پر کھل کر بحث کرتے۔ آج سے پچیس سال پہلے میرا جمعیۃ علماء ہند کے دفتر اصلاحِ معاشرہ میں تقرر ہوا، دارالعلوم دیوبند سے پڑھ کر آیا تھا، کتابیں تازہ تھیں، مطالعہ اور پڑھنے کا ذوق طبیعت کا حصہ تھے، دفتر آ کر جناب مولانا معز الدین قاسمیؒ کی علمی،

فکری شخصیت اور نعمانی صاحب کے ذوق مطالعہ نے اسے مزید تقویت دی، چنانچہ اس زمانہ میں ایک آدھ مضمون ہفت روزہ الجمعیۃ میں شائع ہوجایا کرتا تھا اور یہ دونوں اکابر اس سلسلہ میں اپنی رائے اور تائید وحوصلہ افزائی کے کلمات کہتے۔ مولانا معزالدین قاسمیؒ ایک صاف گو، اپنی رائے اور موقف پر جمنے والے، اکابر کی روایات کے امین، ان کے علمی ورثہ کے محافظ اور جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ ان کے حافظہ میں اس طرح محفوظ تھی کہ جس گوشہ سے متعلق ان سے پوچھا جاتا وہ بلا تامل معتبر ومستند کتابوں کے حوالوں سے اسے بیان کردیتے، حضرت مولانا سید اسجد مدنی بارہا فرمایا کرتے تھے کہ ''جب بھی مجھے کسی مسئلہ میں اشکال اور تردّد ہوتا اور مولاناؒ سے پوچھتا تو یا تو اسی وقت یا چند منٹوں میں اس کی تفصیلات ومتعلقات سے آگاہ کردیتے'' جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کے سلسلہ میں گویا وہ ذخیر معلومات تھے، مولاناؒ اپنے ساتھ بہت سارے قیمتی، نادر، تاریخی اور علمی جواہر پارے لے کر چلے گئے۔ مولاناؒ کو کتابوں سے عشق تھا ہند وپاک میں کوئی بھی علمی، تاریخی اور تحقیقی تصنیف منظر عام پر آتی، مولاناؒ تک یا تو وہ کتاب پہنچ جاتی یا اس سلسلہ میں وہ مکمل معلومات حاصل کرلیتے، آج تو انٹرنیٹ کا دور ہے، آج یہ ساری چیزیں اتنی مشکل نہیں ہیں، یہ اس زمانہ کی بات ہے جب لوگوں کے پاس موبائل فون تک نہیں تھے، اس زمانہ میں کتابوں کی فراہمی، ان کی تفصیلات حاصل کرنا کتنا مشکل کام تھا اس کا اندازہ آج نہیں کیا جاسکتا ہے اور جب انٹرنیٹ پر کتابوں کی دستیابی کا دور شروع ہوا تو اس سہولت سے بھی مولانا مرحوم نہ صرف استفادہ کرتے، بلکہ شائقین علم وفن کے لئے افادہ کی راہیں ہموار کرتے اور اس سلسلہ میں مختلف ناموں سے واٹسپ گروپس بنا کر نادر ونایاب یا نئی مطبوعات علم وتحقیق کے میدان میں کام کرنے والوں تک پہنچاتے رہتے۔ مولاناؒ سادہ زندگی گذارتے تھے، دنیا سے حد درجہ بیزاری تھی، ان کے اٹھنے بیٹھنے سے دنیا بیزاری کو صاف محسوس کیا جاسکتا تھا، لیکن کتابوں کے سلسلہ میں خوب صورت اور معیاری ذوق رکھتے تھے، کتابوں کی بہترین اور معیاری گیٹ اَپ کے ساتھ طباعت ان کا محبوب مشغلہ تھا، کتابوں کے اوراق، ان کے حروف کے فاؤنٹس، حسن ترتیب، خوب صورت

عربی خطوط کا انتخاب، دیدہ زیب ٹائٹل اور ان کی معیاری تجلید کے سلسلہ میں نمایاں ذوق کے مالک تھے، مولاناؒ کا قیام گاہ گویا ایک کتب خانہ تھا، جہاں صرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات والا صفات رجال کار کو جمع کرنے، ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان سے کام لینے کے سلسلہ میں اپنی مثال آپ تھی، جناب مولانا معز الدین قاسمیؒ حضرت فدائے ملت کا ہی حسن انتخاب تھے، جنہیں ان کی صلاحیت کے مطابق کام سپرد کئے، چنانچہ امارتِ شرعیہ ہند، ادارۃ المباحث الفقہیہ اور رویت ہلال کمیٹی جیسے اداروں کے امور مولاناؒ خود ہی انجام دیتے تھے، ادارۃ المباحث الفقہیہ کی مجلسوں میں میں نے دیکھا کہ ملک کے نامور مفتیانِ کرام اور علماء شریک ہوکر متعلقہ موضوع پر بحث و تمحیص کررہے ہوتے تھے، لیکن مباحث کے اجمال کے لئے مفتیان کرام کی جو کمیٹی بنتی تھی، اس کا حصہ مولاناؒ ضرور ہوا کرتے تھے، مولاناؒ کو اگرچہ درس وتدریس کی مشغولیت نہیں رہی، تاہم علمی نکات اور تنقیح مسائل فقہیہ کے اسلوب سے خوب واقف تھے، کتابوں اور عربی عبارات کے استحضار سے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ برسوں سے وہ بڑی بڑی کتابیں پڑھا رہے ہوں۔ آج سے چھ ماہ پہلے مولاناؒ سے ملاقات ان کے کمرہ میں ہوئی، کہنے لگے! بیٹھو، نعمانی صاحب بھی آرہے ہیں، نعمانی صاحب کے آنے کے بعد خود چائے بنائی اور گھنٹوں کتابوں اور دیگر موضوعات کے حوالہ سے گفتگو کی، پاکستان سے چندنئی مطبوعات کے تعلق سے بھی معلومات فراہم کیں، دفتر جمعیۃ علماء ہند سے مجھے رخصت ہوئے بیس سال کا عرصہ ہوا، اس طویل مدت میں مولاناؒ کے کمرہ میں اس کے علاوہ کہ کتابوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ ناکافی ہوگئی ہے، دوسری کوئی اور تبدیلی نہیں دیکھی، یہ چند بکھرے اور غیر مرتب جملے احوال دل ہیں، کوئی مضمون یا مرثیہ نہیں۔

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں جانے والے میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد شفیع صاحبؒ بنگلہ دیش

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید اور خلیفہ مجاز، ''تحریک حفاظتِ اسلام بنگلہ دیش'' کے صدر اور ''دارالعلوم معین الاسلام'' ہاٹ ہزاری چاٹگام کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۹؍محرم الحرام۱۴۴۲ھ مطابق ۱۸؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز جمعہ شام تقریباً ساڑھے چھ بجے ڈھاکہ کے ایک اسپتال میں رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف کا شمار بنگلہ دیش کے انتہائی بافیض، بااثر اور معتبر ترین علماء میں ہوتا تھا، آپ کا علمی واِصلاحی فیض ملک کے چپے چپے تک پھیلا ہوا تھا، آپ نے پوری زندگی علم دین کی خدمت اور قومی وملی سرگرمی میں صرف فرمائی۔

موصوف نے تقریباً ۱۰۴؍سال کی طویل عمر پائی، اور آخری لمحے تک تدریس حدیث شریف میں مشغول رہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۱۶ء میں ہوئی، جب کہ ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور اُس کے بعد سے مسلسل ۷۴؍سال بنگلہ دیش کے سب سے بڑے اِدارے ''دارالعلوم معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام'' میں تعلیمی وانتظامی خدمات انجام دیں۔

''الفیض الجاری فی حل صحیح البخاری'' کے نام سے موصوف کے بخاری شریف کے دروس شائع شدہ اور مقبول ہیں۔

بلاشبہ مولانا موصوف کی وفات بالخصوص اہل بنگلہ دیش کے لئے بڑا سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائیں اور اُن کی عظیم خدمات کو قبول فرمائیں، اور اُمت کو اُن کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۰ء) □□□

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب رویدریؒ

(بانی جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات)

گجرات کے معروف عالم دین اور مشہور مدرسہ ’’جامعہ مظہر سعادت‘‘ ہانسوٹ کے بانی وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب رویدری مظاہری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۹؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۸؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز منگل بھروچ کے ایک اسپتال میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے باہمت، منصوبہ ساز اور ہوش مند علماء میں تھے، استعداد بہت پختہ تھی، اور دینی خدمات کا بے مثال جذبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، جس کا واضح ثبوت آپ کا قائم کردہ عظیم الشان اِدارہ ’’جامعہ مظہر سعادت‘‘ ہانسوٹ (بھڑوچ) ہے، جو نظامِ تعلیم وتربیت کے اعتبار سے ایک ممتاز دارالعلوم کے طور پر معروف رہا ہے۔ اِس اِدارے کو آپ نے اپنے خونِ جگر سے سینچ کر بامِ عروج تک پہنچایا، بالخصوص ابتدائی عربی اور حفظ وتجوید کی تعلیم کے لئے ایک نیا اُسلوب آپ نے وضع فرمایا تھا، جس کا فائدہ دور دور تک پہنچا۔

احقر کو پہلی مرتبہ ۱۹۹۲ء میں حضرت مفتی صاحبؒ کی پرخلوص دعوت پر ’’جامعہ ہانسوٹ‘‘ حاضری کا موقع ملا، اُس وقت یہ اِدارہ ترقی کے مراحل طے کررہا تھا، اور اُس موقع پر احقر نے خاص طور پر ’’تحفیظ القرآن‘‘ کی بے مثال تعلیم کا خود مشاہدہ کیا۔ نیز عربی درجات میں نحو وصرف کی پختگی دیکھ کر حضرت مفتی صاحبؒ کی بہت قدر دل میں پیدا ہوئی۔ اُس کے بعد بارہا اِس اِدارے میں حاضری کا موقع ملا، اور ہر مرتبہ تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے ترقی کے مناظر سامنے

آئے۔ چند ہی سالوں میں مدرسہ کے وسیع اِحاطے میں نہایت عالی شان مسجد تعمیر کی گئی، جوفن تعمیر کا خوب صورت نمونہ ہے۔ اِسی طرح دارالقرآن اور دارالحدیث کی الگ الگ عمارتیں آپ ہی کی اَنتھک جدوجہد سے تعمیر ہوئیں؛ کیوں کہ آپ کا مزاج علمی تھا، اِس لئے آپ نے جامعہ کی لائبریری کو مفید تر بنانے پر بھی پوری توجہ فرمائی، اورضروری کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع فرمایا۔

خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم نے جب پورے ملک میں قرآنی مسابقات کا سلسلہ شروع فرمایا، تو غالبًا اُس کا دوسرا عظیم الشان پروگرام ''جامعہ ہانسوٹ'' میں منعقد ہوا، اس میں احقر کو بھی حضرت والد ماجد مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہم کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ پروگرام علماء اور طلبہ کے اجتماع اور حضرت مفتی صاحبؒ کے حسن انتظام کے اعتبار سے ایک یادگار پروگرام قرار دیا گیا، جس کی یادیں ابھی تک تازہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو حرمین شریفین کی زیارت سے بھی بہت شغف تھا، بہت مرتبہ سفر حج کے موقع پر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں آپ سے ملاقاتیں ہوئیں، اور دعائیں لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔

گذشتہ سال سفر گجرات کے موقع پر بھڑوچ کے اسپتال میں آپ کی زیارت کے لئے حاضری ہوئی، بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا، اور احقر کی تالیفات اور مضامین کے سلسلے میں حوصلہ اَفزائی کی باتیں اِرشاد فرمائیں۔ اُس وقت اگرچہ ضعف ظاہر تھا؛ لیکن آپ کا چہرہ اِیمانی نور سے منور تھا، کیا پتہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

موصوف کی پیدائش وطن مالوف ''رویدرا''، ضلع بھڑوچ میں ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۴ر فروری ۱۹۵۲ء کو ہوئی، بعد اَزاں ابتدائی تعلیم جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں حاصل کی، اُس کے بعد درجہ عربی دوم میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۷۶ء میں دورۂ حدیث اور افتاء سے فارغ ہوئے۔ بعد اَزاں گجرات کے معروف اِدارے ''جامعہ

فلاحِ دارین‘‘ ترکیسر میں ۸؍سال تک حدیث وفقہ ومنطق کی کتابیں پڑھائیں، اُس کے بعد ۱۹۸۴ء میں انکلیشور کے قریب ’’ہانسوٹ‘‘ نامی مقام پر ایک بڑے وسیع رقبے پر آپ نے ’’جامعہ مظہر سعادت‘‘ ہانسوٹ کی بنیاد رکھی۔ موصوف کی انتہائی جدوجہد اور حسن انتظام کی بدولت اِس اِدارہ نے بہت کم مدت میں تعلیم وتربیت میں امتیازی حیثیت حاصل کرلی، تقریباً ۳۲؍سال آپ نے اِس ادارے کی آبیاری کی؛ لیکن افسوس ہے کہ اخیر میں کچھ سخت آزمائش کے حالات پیش آئے، جو ناقابل بیان ہیں؛ تاآں کہ آپ کو قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ بالآخر اِسی حالت میں ۶۸؍سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ پیش آمدہ حالات آپ کے لئے آخرت میں رفع درجات کا ذریعہ بنیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کے بہت سے شاگرد اور فیض یافتہ حضرات ملک وبیرونِ ملک میں بحمدہ تعالیٰ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، سبھی صاحب زادے اور برادران بھی حفظ قرآن اور علم دین کی دولت سے سرفراز ہیں، اور دینی وتعلیمی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں۔ نیز آپ کے بعض علمی اِفادات بھی کتابی شکل میں شائع شدہ ہیں، جن میں خاص طور پر بخاری شریف کے دروس ’’اسعاد القاری‘‘ کے نام سے پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئے ہیں، اور اہم علمی مباحث کو شامل ہیں۔ یہ سب اِن شاء اللہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ اور رفع درجات کا سبب بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو قبول فرمائیں، اُن کے درجات کو بلند فرمائیں، اور اُن کے لگائے ہوئے گلشنوں کو سرسبز وشاداب رکھیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا قاضی محمد قاسم صاحب مظفر پوریؒ

بہار کے معروف ومشہور عالم دین اور فقیہ حضرت مولانا قاضی محمد قاسم صاحب مظفر پوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ یکم ستمبر ۲۰۲۰ء کو رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب موصوف بڑے متبحر عالم دین، بہترین مدرس، مفتی اور قاضی تھے، اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی فقہی بصیرت سے سرفراز فرمایا تھا، علومِ دینیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ساتھ میں سادگی اور تواضع بھی مثالی تھی۔ ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، بعد ازاں بہار کے متعدد اِداروں میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ جن میں زیادہ وقت ''مدرسہ رحمانیہ'' سوپول میں گذرا، ۱۹۷۶ء سے امارتِ شرعیہ بہار واُڑیسہ کے قاضی بنائے گئے، اور تادمِ آخر اس منصب پر فائز رہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے آپ سرپرستوں میں تھے، اور اس کے سیمیناروں میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ آسانی سے پر نہ ہو سکے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو غریق رحمت فرمائیں، رفع درجات سے نوازیں، اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۰ء)

مولانا محمد امین عثمانی صاحب ندویؒ

اِسلامک فقہ اکیڈمی کے رکن رکین اور منتظم جناب مولانا محمد امین عثمانی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۳؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۲؍ستمبر ۲۰۲۰ء بروز بدھ صبح ۱۱؍بجے دہلی کے ''مجیدیہ اسپتال'' میں انتقال فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ایک خاموش مزاج، محنتی اور بہت ہی متواضع شخصیت کے حامل تھے، اُنہوں نے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی خواہش پر ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کی انتظامی ذمہ داری سنبھالی، اور اِس اِدارے کو بامِ عروج تک پہنچانے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کردیں، بلاشبہ وہ فقہ اکیڈمی کے لئے بنیاد کے پتھر اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلسل اور بے تکان محنت کے ذریعے اُنہوں نے اِس اِدارے کو پروان چڑھایا، اور عوام وخواص میں اعتماد عطا کیا۔ آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت مکمل فرمائی، اُس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ سے تاریخ میں گریجویٹ کیا، بعدازاں ''اِسلامک فقہ اکیڈمی'' کی خدمت پر مامور ہوگئے، اور پوری زندگی اِسی میں گذاردی۔ اخیر میں چند دن وبائی بیماری میں مبتلا ہوکر ''مجیدیہ اسپتال دہلی'' میں داخل ہوئے، اور وہیں پر وقت موعود آپہنچا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی حسنات کو قبول فرمائیں، اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان شہیدؒ کراچی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، جامعہ فاروقیہ پاکستان کے مہتمم اور شیخ الحدیث، پاکستان کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گذشتہ ۲۲؍صفر المظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۰؍اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ ۶۳؍سال کی عمر میں ایک قاتلانہ حملے میں شہید کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف انتہائی باصلاحیت، فعال اور جرأت مند شخصیت کے حامل تھے۔ گذشتہ دنوں جب پاکستان کے مختلف شہروں میں بعض بدطینت لوگوں کی طرف سے حضراتِ شیخین (سیدنا حضرت ابوبکر اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہما) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں برسرِ عام گستاخیاں کی گئیں، تو مولانا موصوف کی قیادت میں علماء دیوبند، علماء بریلی اور غیر مقلدین نے متفقہ طور پر کراچی اور دیگر مقامات پر عظیم الشان احتجاجی مظاہرے کئے، جن میں لاکھوں فرزندانِ توحید نے شرکت کر کے ''تحفظ ناموسِ صحابہؓ'' کا عہد کیا تھا، اور یہ احتجاجی تحریک پورے ملک میں پھیل گئی تھی، اُسی وقت سے مولانا کی ذات دشمنانِ صحابہؓ کے نشانے پر تھی۔ بالآخر ظالموں کے ہاتھوں اِس ''مردِ عادل'' نے جامِ شہادت نوش کر کے ''ناموسِ صحابہ'' پر اپنی جان قربان کر دی، اور اپنے پیش رو علماء حق شہداء کی صف میں شامل ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا محمد عادل خان صاحب شہیدؒ علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ علومِ عصریہ پر بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے، خاص طور پر اُردو، عربی اور انگریزی زبانوں پر پوری قدرت حاصل تھی، آپ بڑے وسیع النظر، کشادہ دل اور روشن خیال عالم تھے۔

آپ نے ''جامعہ فاروقیہ'' سے ۱۹۷۳ء میں فراغت کے بعد ۱۹۷۶ء میں ''ہیومن

سائنس'' میں BA کیا، اُس کے بعد ۱۹۷۸ء میں ''اِسلامک اسٹڈیز'' میں عربی میں MA کیا، اور ۱۹۹۲ء میں PHD کی ڈگری حاصل کی۔

آپ ۱۹۸۶ء سے ۲۰۱۰ء تک جامعہ فاروقیہ کراچی کے ''اَمین عام'' رہے، اور اپنے عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کی سرپرستی میں جامعہ کی تعلیمی اور تعمیری ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ ہی کی نگرانی میں عربی، اُردو، انگریزی اور سندھی چار زبانوں میں ''الفاروق انٹرنیشنل'' کے نام سے انتہائی معیاری مجلّہ شروع ہوا، جو اَب تک جاری ہے۔

۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۸ء تک آپ نے ''انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی'' کوالالمپور ملیشیا میں ''کلیۃ معارف الوحی'' اور ''کلیۃ العلوم الانسانیۃ'' میں بطور پروفیسر نیک نامی کے ساتھ خدمات انجام دیں۔

حضرت والد ماجد مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کی ۲۰۱۷ء میں وفات کے بعد آپ اپنے برادرِ عزیز حضرت مولانا مفتی عبید اللہ خالد صاحب مدظلہ کے اصرار پر پاکستان واپس تشریف لائے، اور ''جامعہ فاروقیہ'' شاہ فیصل کالونی کراچی میں شیخ الحدیث اور مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ اخیر میں آپ نے جامعہ فاروقیہ کی ایک بڑی شاخ واقع ''حب چوکی'' کراچی کی طرف زیادہ توجہ مبذول فرمائی، جسے آپ خالص عربی تعلیم پر مبنی اور جدید سہولیات سے آراستہ یونیورسٹی بنانا چاہتے تھے، جس میں وسیع رقبے پر تعمیری کام جاری تھا۔

آپ ''وفاق المدارس العربیۃ'' پاکستان کے فعال اراکین میں سے تھے، سبھی دینی تحریکات میں سرگرم حصہ لیتے تھے، اور اکابر علماء اہلِ حق سے مضبوط رابطہ رکھتے تھے۔

آپ کی شہادت سے جو خلاء واقع ہوا ہے، اُسے دیر تک محسوس کیا جاتا رہے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی شہادت کو قبول فرمائیں، درجات بلند فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۲۰ء)

اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحلیم چشتیؒ کراچی

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید، عظیم محقق، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نگراں شعبۂ تخصص ''جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن'' وشیخ الحدیث ''جامعۃ الرشید'' کراچی پاکستان گذشتہ ۲۴ رصفر المظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲/۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز پیر کو ۹۴ رسال کی عمر میں انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا وطن اصلی جے پور راجستھان تھا، جہاں ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق اپریل ۱۹۲۹ء میں ایک علمی دین دار گھرانے میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد ماجد مولانا عبدالرحیم صاحب علمی شخصیت کے طور پر مشہور تھے، جنہوں نے کئی ہزار مصنفین کے تعارف پر مشتمل کتاب ''معجم المصنفین'' مرتب فرمائی ہے۔ والد صاحب تصنیف وتالیف کے سلسلے میں حیدرآباد دکن میں مقیم تھے، اِس لئے موصوف بھی اُن کے ساتھ حیدرآباد دکن چلے گئے، اور وہاں ''مدرسہ نظامیہ'' میں ابتدائی عربی تعلیم کے لئے داخلہ لیا، بعد اَزاں وطن واپس آکر ''کافیہ'' تک کی تعلیم ''مدرسہ تعلیم الاسلام'' جے پور میں حاصل کی۔

اُس کے بعد ۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۹ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے اَساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں آپ پاکستان منتقل ہوگئے، اور یہاں ''کراچی یونیورسٹی'' سے ''علومِ اسلامیہ'' میں متعدد ڈگریاں حاصل کیں؛ تا آں کہ ۱۹۸۱ء میں ''خلافت عباسیہ میں اِسلامی لائبریریوں'' کے موضوع پر PHD کرتے ہوئے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

علاوہ اَزیں اپنے برادر اکبر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کی طویل صحبت میں رہ کر علومِ

حدیث میں مہارت پیدا کی۔ کراچی میں آپ نے مختلف لائبریریوں کے منتظم کی حیثیت سے بہترین خدمات انجام دیں؛ اِس لئے کہ آپ کو لائبریریوں کی تاریخ اور اُن کی ترتیب وتہذیب کے فن سے بہت مناسبت تھی۔ اِسی سلسلے میں آپ دو سال تک نائیجیریا میں بھی رہے، اور آپ نے اِس موضوع پر انتہائی مفید تحقیقی تصانیف بھی مرتب فرمائی ہیں۔ کبرسنی اور ضعف کے باوجود اخیر تک تصنیف وتالیف اور تدریس میں مشغول رہے۔

آپ پاکستان کے معروف اور بافیض اِدارے ''جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن'' کراچی میں شعبہ تخصص فی الحدیث کے نگراں اور دوسرے جدید اِدارے ''جامعۃ الرشید'' میں اُستاذ الحدیث تھے، بے شمار طلبہ نے آپ سے اِستفادہ کیا۔ آپ کو پورے ملک میں نہایت عزت واحترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور آپ کی رائے مستند سمجھی جاتی تھی۔ عارف باللہ حضرت سید شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

۲۰۰۵ء میں بہاول پور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک عظیم الشان ''شیخ الاسلام سیمینار'' منعقد ہوا تھا، جس میں پورے پاکستان سے حضرت شیخ الاسلامؒ کے متوسلین اور فیض یافتگان جمع ہوئے تھے۔ اِس پروگرام میں جگر گوشہ شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم اور برادرمکرم حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی زید کرمہم کے ہمراہ احقر کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اِسی موقع پر دیگر اکابر کے علاوہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اِستفادہ کا بھی موقع ملا۔ آپ انتہائی سادہ مزاج، کم گو اور باوقار عالم دین تھے، عالمانہ گفتگو فرماتے تھے، احقر کے ساتھ بہت شفقت کے ساتھ پیش آئے، اور استحقاق سے زیادہ اکرام کا معاملہ فرمایا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائیں، درجات بلند فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۲۰ء)

❍❖❍

شیخ الحدیث

حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحبؒ کراچی

پاکستان کے معروف ومشہوراور بافیض عالم دین، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی گذشتہ ۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۷؍دسمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر کو کراچی کے ایک اسپتال میں وفات پاگئے، اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن ہزارہا ہزار عوام وخواص نے آپ کے جنازے میں شرکت کرکے نم آنکھوں کے ساتھ آخری آرام گاہ تک پہنچایا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

مفتی صاحب موصوف متبحر عالم دین، فقہ وحدیث کے ماہر اور نہایت متدین بزرگ تھے، جرأت اور حق گوئی آپ کا خاص وصف تھا، جس بات کو درست سمجھتے، اُس کو بلاخوفِ لومۃ لائم اُمت کے سامنے پیش فرماتے تھے، آپ نے پوری زندگی دعوت واِصلاح اور تفسیر وحدیث کی تدریس میں گذاری، آپ کے دروس میں شرکت کرنے کے لئے دور دراز سے تشنگانِ علوم نبوت آپ کی خدمت میں پروانہ وار حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی گفتگو دلچسپ اور علوم ومعارف اور عجیب وغریب علمی نکات سے بھرپور ہوتی تھی، جس سے ہر طبقے کے لوگ مستفید ہوا کرتے تھے۔

اَکابر دیوبند اور علماءِ حق سے آپ والہانہ عقیدت رکھتے تھے، اور اپنے بیانات میں بکثرت اُن کا حوالہ پیش فرماتے تھے؛ بالخصوص اِمام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ، حکیم

الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمودؒ، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ سے تو آپ کا عشق کے درجہ کا تعلق تھا، اخیر تک اِنہی اکابر کے نقش قدم پر قائم رہے، اور اپنے مستفیدین کو بھی اِسی کی تلقین فرماتے رہے۔

آپ کے پُرمغز بیانات اور دروس سوشل میڈیا پر بھی بہت عام اور مقبول ہوئے، جن سے اِستفادہ کا سلسلہ مسلسل جاری ہے اور جاری رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ مطالعہ کتب کے رسیا اور بے نظیر قوتِ حافظہ کے مالک تھے، تفسیر وحدیث اور فقہی کتابوں کی بے شمار عبارتیں آپ کو اَزبر تھیں، جنہیں برمحل پیش فرماتے تھے، جس سے سامعین کے اعتماد میں مزید اِضافہ ہوتا تھا؛ تاہم علمی تبحر کی وجہ سے بعض مسائل میں آپ کے کچھ تفردات بھی رہے، جن پر دیگر علماء کو شرحِ صدر نہ ہوسکا۔ (مثلاً: اُجرت علی التراویح کا جواز، شش عید کے روزوں کی ممانعت وغیرہ)

آپ کی پیدائش ۱۹۵۳ء میں صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خواہ پاکستان) کے مقام ''جہاں گیرہ'' میں ہوئی، آپ کی تربیت میں والدہ صاحبہ کا بڑا دخل تھا، جو خود عالمہ اور فاضلہ خاتون تھیں۔

ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم حضرت مولانا احسان الحق صاحبؒ، مولانا عبداللطیف صاحبؒ اور حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص شاگرد مولانا عبدالحنان صاحبؒ سے حاصل کی۔ بعد اَزاں علاقے کے مشہور عالم حضرت مولانا لطف اللہ صاحبؒ سے اِستفادہ کیا، پھر اُنہیں کے حکم پر ۱۹۷۳ء میں جامعہ اِسلامیہ بنوری ٹاؤن میں درجہ چہارم عربی میں داخلہ لیا، اور یہاں سے ۱۹۷۸ء میں فراغت حاصل کی۔

بعد اَزاں اپنے اَساتذہ کے حکم پر جامع مسجد اَحسن گلشن اقبال کراچی میں اِمامت کی خدمت پر مامور ہوئے، اور یہیں آپ نے عوامی درسِ قرآن کا سلسلہ جاری فرمایا جو نہایت

مقبول ہوا۔ پھر اِسی مسجد کے اَطراف میں ''جامعہ احسن العلوم'' کے نام سے عظیم الشان دینی اِدارے کی بنیاد ڈالی، جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک تناور درخت کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ اِس میں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ تعطیل کے زمانے میں آپ کا دورِ تفسیر کا نظام بھی جاری رہتا تھا، جس میں اَطراف واَکناف کے شائقین ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے۔ آپ نے متعدد قیمتی تصانیف بھی مرتب فرمائیں، جن سے آپ کی علمی گیرائی کا پتہ چلتا ہے۔

بہرحال آپ کی وفات اُمت کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب موصوف کے درجات بلند فرمائیں، متعلقین کو صبرِ جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا محمد جابر صاحب قاسمیؒ اُڑیسہ

صوبہ اُڑیسہ کے معروف اور مقبول عالم دین، ذاکر وشاغل بزرگ حضرت مولانا محمد جابر صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ مشکوٰۃ العلوم بنجھار پور وصدر جمعیۃ علماء اُڑیسہ گذشتہ یکم ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ ۱۷ر نومبر ۲۰۲۰ء بروز منگل طویل علالت کے بعد وفات پاگئے، اِنا للہ واِنا الیہ راجعون۔ اُسی دن بعد نماز عشاء آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی، جس میں بڑی تعداد میں علماء اور عوام نے شرکت کی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

موصوف فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے اَجل خلفاء میں تھے، جب تک حضرت حیات رہے، رمضان المبارک میں دیوبند میں حضرت کے ساتھ اعتکاف فرماتے تھے، آپ نے اُڑیسہ جیسے پسماندہ علاقے میں دین کی نشر واشاعت میں بے مثال قربانیاں پیش فرمائیں، اور پوری قوت وجرأت کے ساتھ اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا۔ علاقے کے ہزار ہا ہزار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور سچی توبہ کرکے بہترین عملی زندگی گذارنے کا پختہ عہد کیا۔

جمعیۃ علماء ہند سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا، ۲۰۰۷ء میں آپ کو جمعیۃ علماء صوبہ اُڑیسہ کا صدر منتخب کیا گیا، جس پر آپ تادمِ حیات فائز رہے۔ نیز آپ گذشتہ ۱۲ر سال سے جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے مستقل مدعو خصوصی بھی تھے، اور حتی الامکان مجالس میں شرکت کی کوشش فرماتے تھے۔

مولانا موصوف کی پیدائش ۱۹۴۳ء میں اپنے وطن مالوف بنجھار پور میں ہوئی، بعد اَزاں مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد یوپی میں داخلہ لے کر ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ مظاہر علوم

سہارن پور میں داخلہ لیا، اور اُس کے بعد دارالعلوم دیوبند منتقل ہوگئے، وہیں سے ۱۹۶۴ء میں فراغت حاصل کی۔

اُس کے بعد چند سال بیگوسرائے صوبہ بہار کے ایک مدرسہ میں تعلیمی خدمات انجام دیں؛ لیکن جلد ہی اہل وطن کے تقاضے پر وطن مالوف بنجھار پور واپس آ گئے، اور اِسی کو مرکز بنا کر دعوتی و تعلیمی خدمات انجام دیں۔

آپ نے متوسلین کے علاوہ ایک بھرا پرا خاندان اپنے پیچھے چھوڑا ہے، جن میں ۷/صاحبزادے اور ۳/صاحبزادیاں ہیں، سبھی صاحب زادے علومِ دینیہ سے آراستہ ہیں، جو بلاشبہ سعادت کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو اعلیٰ علیین میں مقام مرحمت فرمائیں، اور آپ کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحبؒ کراچی

معروف مصنف اور اَدیب جامعہ تراث الاسلام کراچی کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا ابن الحسن (مسعود باللہ) عباسی صاحب نے مؤرخہ ۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۴؍دسمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر ۴۸؍سال کی عمر میں وفات پائی، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف صاحب طرز ادیب، نہایت باذوق مصنف، انشاء پرداز اور باکمال اُستاذ تھے۔ آپ نے متعدد مفید کتابیں مرتب فرمائی، جن میں ''متاعِ وقت اور کاروانِ علم'' بہت مشہور ہے۔ نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے بخاری شریف کے درسی اِفادات ''کشف الباری'' کے نام سے متعدد جلدوں میں مرتب کر کے شائع فرمائے، جسے نہایت قبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے آخری زندگی میں اپنے زیرِ اِدارت شائع ہونے والے ماہنامہ ''النخیل'' کا عظیم الشان اور ضخیم ''مطالعہ نمبر'' اپنے معاون مولانا بشارت نواز صاحب مدظلہم کے ساتھ مل کر بڑی جدوجہد سے شائع کیا، جس میں برصغیر ہندوپاک کی ''۸۰؍ یادگار زمانہ شخصیات کے اَحوالِ مطالعہ'' کو بہت خوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے، جو بالخصوص اہل علم اور طلبہ کے لئے عظیم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

موصوف کی پیدائش ۱۹۷۲ء میں ہوئی، ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم کراچی سے فراغت ہوئی، اُس کے بعد ۲۰۱۰ء تک جامعہ فاروقیہ میں تدریسی وتحریری خدمات انجام دیں۔ آپ عرصۂ دراز تک ''وفاق المدارس الاسلامیہ پاکستان'' کے ترجمان، ماہنامہ ''وفاق المداس'' کے مدیر بھی رہے۔ اخیر میں آپ نے کراچی ہی میں ''جامعہ تراث الاسلام'' قائم کیا، جس کے آپ مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔

آپ نے کم عمری کے باوجود مختلف دینی میدانوں میں بڑی فعالیت کی زندگی گذاری، اوراپنے پیچھے بہترین نقوش چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔آپ کی تالیف کردہ کتابوں سے اُمت تادیر فائدہ اُٹھاتی رہے گی، جوآپ کے لئے رفع درجات کا سبب ہوگا،اِن شاءاللہ تعالیٰ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کوقبول فرمائیں اور درجات بے حد بلند فرمائیں،اور متعلقین کوصبرِجمیل عطافرمائیں،آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر۲۰۲۰ء)

تڑپیں گے تری یاد میں، گھبرائیں گے تنہا

(بیاد حضرت مولانا ابن الحسن عباسیؒ)

مولانا محمد بشارت نواز مدیر ماہنامہ الخلیل پاکستان

گذشتہ چند ماہ میں اہلِ علم کا ایک بڑا قافلہ ہی دنیا سے گذر گیا، نہ جانے اَب کے برس یہ کیسی خزاں چھائی ہے جس نے کیسے کیسے شجر سایہ دار گرادئے؟ علماومشائخ کی کثیر تعداد نے تہہ خاک اک نیا جہان آباد کرلیا ہے۔ یہ حضرات خود تو اپنے خالق کے حضور حاضر ہوگئے؛ لیکن ہم جیسے تہی دست و تہی دامن کم نصیبوں کو کتنی ہی خیروں سے محروم کرگئے۔ کاروانِ علم وادب کے ایک بچھڑے ہوئے مسافر مولانا ابن الحسن عباسی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے پیش رووٗں سے مل گئے ہیں۔

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبحِ محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

مولانا ابن الحسن عباسی (آہ ان کے نام کے ساتھ بجائے مدظلہ العالی کے آج کس طرح مرحوم یا نوراللہ مرقدہٗ یا رحمۃ اللہ علیہ لکھا جائے، گو زبان وقلم کچھ روز بعد اسی کے عادی ہو جائیں گے) کا سانحۂ اِرتحال اہلِ علم وادب کے لئے شدید صدمہ کا باعث ہوا۔

پانچ ماہ قبل پاؤں میں درد شروع ہوا، جسم میں نقاہت بڑھنے لگی، پچیس جولائی کو ان کا میسج آیا کہ: ''کچھ دنوں سے صاحب فراش ہوں، طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کمزوری اچانک بڑھ گئی ہے، پاؤں متاثر ہوگئے ہیں، چلنے پھرنے میں کافی دقت ہے، پرسوں سے ہسپتال کے چکر لگا رہا ہوں۔ کوئی تیس کے قریب ٹیسٹ کرائے، الحمدللہ تشویش ناک بات نہیں ہے، جانا تو سب نے

ہے، دعاؤں کی درخواست ہے۔'' اس اطلاع سے ایک طرف تشویش ہوئی؛ لیکن اطمینان بھی ہوا کہ کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔ چند روز خیریت کی اطلاعات آتی رہیں، بات بھی ہوتی رہی۔ یکم اگست کو عید الاضحیٰ کے روز عید کی نماز پڑھ کر لوٹا ہی تھا کہ حضرت کا فون آیا، خیریت دریافت کی تو بتایا: '' کچھ بہتر ہے، عید کی نماز میں تکبیروں کی کثرت ہوتی ہے جو سکون کا باعث ہوتی ہیں، اس لئے عید کی نماز خود پڑھائی ہے، آج مدرسے میں اجتماعی قربانی کا نظم ہے، اُدھر مصروفیت رہے گی، دن میں رابطہ نہ ہو سکے گا''۔ اس کے بعد مزید کچھ اہم باتیں بھی ہوئیں۔ ان کی آواز کی نقاہت بتا رہی تھی کہ صحت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی چند روز رابطہ رہا کہ پھر اچانک ایک دن رابطہ منقطع ہو گیا۔ صاحب زادے کے ذریعے معلوم ہوا کہ برین ٹیومر کی تشخیص ہوئی ہے اور ڈاکٹروں نے فوراً سرجری کا فیصلہ کیا ہے۔ سرجری ہوئی، دس دن ہسپتال میں رہنے کے بعد گھر تشریف لے آئے۔ ہفتہ، دس دن گھر میں رہے، حالت پہلے سے بہتر ہونے لگی تو اپنے شیخ مولانا بارک اللہ المعروف بہ ''گڈھی باباجی'' کے پاس سوات تشریف لے گئے، وہاں ایک دن قیام رہا، وہیں طبیعت پھر بگڑنے لگی، واپس کراچی جانے کا فیصلہ ہوا، اس دوران ان سے مسلسل رابطہ رہا اور نئی زیر ترتیب کتابوں کے بارے میں مشاورت بھی جاری رہی۔ کراچی لوٹے تو طبیعت مزید خراب ہو گئی، نیم بے ہوشی اور غنودگی رہنے لگی، دوبارہ ٹیسٹ کرایا تو پتا چلا کہ برین ٹیومر کا دوسرا حملہ ہوا ہے اور کینسر پورے جسم میں سرایت کر گیا ہے، علاج مسلسل جاری رہا، ۳ / ماہ اسی حال میں رہے؛ یہاں تک کہ ۱۴ / دسمبر بروز سوموار یہ مہتابِ کمال غروب ہو گیا۔ آپ ۴۸ / سال کی مختصر عمر میں اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے، ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

مولانا ابن الحسن عباسی رحمۃ اللہ علیہ (بانی ماہنامہ النخیل و مدیر جامعہ تراث الاسلام) محقق عالم، منجھے ہوئے مدرس، شفیق مہتمم اور صاحبِ طرز ادیب تھے، آپ کی وجہِ شہرت آپ کی تصنیفی

خدمات ہیں۔ آپ نے ایک درجن سے زائد درسی وغیر درسی کتب یادگار چھوڑی ہیں، ناتمام کتب اِس سے بھی زائد ہیں۔

آپ ۱۹۷۲ء میں خیبر پختونخوا کے علاقہ تورغر کے گاؤں ''چیرہ'' میں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا، اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کا نام ''مسعود باللہ'' رکھا گیا، بعد میں آپ نے اپنے دادا مولانا حسن عباسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنا قلمی نام ابن الحسن عباسی رکھا اور اِسی نام سے مشہور ہوگئے۔ آپ کے والد مولانا مخدوم بن مولانا حسن صاحب نے جامعہ اشرفیہ لاہور سے درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی، اُنہیں مولانا ادریس کاندھلویؒ سے تلمذ اور مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ سے نسبی تعلق حاصل تھا۔

مولانا ابن الحسن عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، بعد ازاں کراچی تشریف لے آئے، ۱۲؍سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا، اس کے بعد قاری عبدالباعث صاحب سے قرآنِ پاک تجوید کے ساتھ مکمل پڑھا۔ آپ نے درسِ نظامی کی مکمل تعلیم دارالعلوم کراچی میں حاصل کی۔ آپ نے بخاری شریف شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، ۱۹۹۳ء میں فراغت ہوئی تو اسی سال جامعہ فاروقیہ میں تدریس کی ذمہ داری سونپی گئی اور جامعہ کے شعبہ تصنیف میں آپ کا تقرر ہوگیا، جو ۲۰۱۰ء تک برقرار رہا۔ جامعہ فاروقیہ میں دورۂ حدیث کے سال میں پڑھائی جانے والی موطأ اِمام محمد اور شمائلِ ترمذی تک کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔ بعدازاں آپ اپنے قائم کردہ مدرسہ جامعہ تراث الاسلام تشریف لے آئے، جہاں اہتمام کے علاوہ بحیثیت شیخ الحدیث آپ نے آخر تک تدریس جاری رکھی۔

تصنیف وتالیف میں آپ کا اَولین اور بڑا کارنامہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے بخاری شریف جلد ثانی کے درسی اِفادات (کتاب المغازی تا کتاب الرقاق) کو تحقیق وتعلیق کے ساتھ کشف الباری کے نام سے ۶؍جلدوں میں مرتب کرنا ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں سب سے زیادہ جس کتاب کو قبولِ عام نصیب ہوا، وہ ''متاعِ وقت اور

کاروانِ علم'' ہے، جس کی اہلِ علم ونظر نے بے حد تعریف کی ہے، اس کی مقبولیت کا اندازہ اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں ہندو پاک میں اس کے بیسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں صفحات کے مطالعے سے منتخب دلچسپ اور عبرت انگیز واقعات وعبارات، علمی لطائف، سبق آموز قصوں اور ایمان افروز معلومات پر مشتمل آپ کی کتاب ''کتابوں کی درس گاہ میں'' بہت پسند کی گئی۔ عربی اَدب کی مشہور کتابوں ''حماسہ'' اور ''مقامات'' کی شرحیں ''توضیح الدراسۃ فی شرح الحماسۃ'' اور ''درسِ مقامات'' بھی آپ کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ عربی کی کلاسی کی کتابوں کی یہ شرحیں اس انداز میں لکھی گئی ہیں کہ قاری نہ صرف اصل کتابوں کے مطالب سے آگاہ ہوجاتا ہے؛ بلکہ عربی زبان سے بھی اُس کی واقفیت میں اطمینان بخش حد تک اِضافہ ہوجاتا ہے۔

۲۰۰۰ء میں وفاق المدارس کے ترجمان مجلّہ ''وفاق المدارس'' کا اجرا ہوا، تو آپ اس کے مدیر مقرر ہوئے اور ۱۶؍سال تک اس کی اِدارت آپ کے ذمے رہی۔ اِس طرح وفاق المدارس العربیہ کو ۱۵؍سال سے زائد آپ کا قلمی تعاون حاصل رہا ہے، ابھی حال ہی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں آپ کی مرتب کردہ کتاب ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان-۶۰؍سالہ تاریخ'' شائع ہوئی ہے۔ وفاق کے لئے آپ کی خدمات کے تمام اکابر معترف ہیں، وفاق المدارس کے تمام شعبوں پر آپ کی گہری نظر رہی ہے۔ ۸؍اَبواب میں تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل اس کی ''۶۰؍سالہ تاریخ'' کو مرتب کرنا آپ کا ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے۔ آپ کئی سال تک ماہنامہ الفاروق کراچی میں ''کتب نما'' کے عنوان سے کتابوں پر تبصرے بھی لکھتے رہے، ان تبصروں کا مجموعہ جامعہ فاروقیہ کے ذیلی اشاعتی اِدارے ''اِدارۃ الفاروق'' سے ''کتب نما'' کے نام سے شائع ہوچکا ہے، جس میں پانچ سو سے زائد کتابوں پر آپ کے علمی وتحقیقی تبصرے شامل ہیں۔

آپ عربی واردو کے لائق اَدیب تھے، ۲۰۰۱ء میں آپ نے روزنامہ اسلام سے کالم

نگاری کا آغاز کیا، علمی وادبی حلقوں میں آپ کے کالم بے حد مقبول ہونے لگے، آپ کی تحریروں میں اصلاحِ معاشرہ کا رنگ بھی ہے، اَدب کی چاشنی بھی اور دعوت وتبلیغ کی خوشبو بھی۔ آپ کا اسلوبِ نگارش انتہائی پُرکشش تھا، جس میں درد والم بھی ہے اور سوزِ جگر بھی۔ طرزِ تحریر میں کہیں تکرار واُلجھاؤ محسوس نہیں ہوتا، آپ ایک خاص طرزِ انشاء کے مالک تھے اور اُس میں کسی کے مقلد نہیں، خود اس کے موجد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی ایک بڑی شخصیت، مشہور نقاد ''مشفق خواجہ'' بھی آپ کی تحریروں سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ کے روزنامہ اسلام اور دیگر مجلّات کے لئے لکھے گئے مضامین کے چار مجموعے (کرنیں، التجائے مسافر، داستان کہتے کہتے اور قلم نما) ہند وپاک میں شائع ہوکر قبولِ عام حاصل کرچکے ہیں۔ آپ کے قلم سے نکلی تحریریں علم واَدب کا قیمتی سرمایہ اور دین ودانش کا خزینہ ہیں۔ آپ تفریحِ طبع کے لئے نہیں؛ بلکہ ہمیشہ کسی مقصد کے لئے لکھتے رہے، اسی لئے لکھنے کے معاملہ میں کمیت سے زیادہ کیفیت اُن کے پیش نظر رہتی تھی۔ تحریر کی ان صفات کے مالک علماء میں اَب کم ہی لوگ بچے ہیں۔

آپ نے ۱۶؍سال قبل خواتین کے لئے ''ماہنامہ حیا'' کے نام سے ایک ڈائجسٹ نما رسالہ بھی نکالا، اس میں اسلامی مضامین، کہانیاں، ناول اور مستقل سلسلے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ۲۲۴؍صفحات پر مشتمل یہ ماہنامہ گذشتہ ۱۵؍سال سے مسلسل شائع ہوتا رہا ہے۔

دوسال قبل جب آپ نے ایک علمی، تحقیقی اورادبی مجلّہ ماہنامہ النخیل کے اجرا کا ارادہ کیا، تو مجھے اس میں معاون مدیر کی حیثیت سے کام کرنے کی پیشکش کی، اَساتذہ اور بعض دیگر کرم فرماؤں کے مشورے سے وہ پیش کش بصد شکریہ واحترام قبول کرلی۔ سینکڑوں کلومیٹر دور بیٹھ کر کام کرنا آسان نہ تھا؛ لیکن انٹرنیٹ کے ذریعے یہ ناممکن نہ رہا، النخیل کی ذمہ داریاں ملنے کے بعد اُن سے مستقل رابطہ شروع ہوا، اور روز بروز بڑھتا چلا گیا، ہرگزرتے دن کے ساتھ اُن کی شفقت بھی بڑھتی چلی گئی۔ النخیل کی تیاری کے سلسلے میں حضرت کی توجہات اتنی بڑھیں کہ بعض اَوقات کئی کئی گھنٹے فون پر رابطہ رہتا اور مشاورت چلتی رہتی، بہت باریک بینی سے چھوٹی چھوٹی

غلطیوں کی نشان دہی کرنا، کئی دفعہ غلطیوں پر ڈانٹنا اور غصے کا اظہار کرنا پھر کچھ دیر بعد خوش کرنے کی کوشش کرنا وغیرہ چلتا رہتا۔ التخیل کے ابتدائی ماہانہ پانچ شماروں کی اشاعت کے بعد ایک خصوصی اشاعت ''مطالعہ نمبر'' لانے کا مشورہ ہوا۔ مطالعہ نمبر کا کام شروع ہوا اور ایک سال سے زائد عرصہ اُس کی تیاری میں صرف ہوا، اِس دوران اُن کی شفقت انتہا کو پہنچ گئی اور اعتماد میں بھی مزید اِضافہ ہوگیا۔ مطالعہ نمبر ''یادگارِ زمانہ شخصیات کا اَحوالِ مطالعہ'' کے نام سے ہندوپاک میں بیک وقت شائع ہوا اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا، جو دنیائے اسلام کی ۸۰ر سے زیادہ مشہورِ زمانہ علمی شخصیات واہلِ قلم کے مطالعہ اور علمی سفر کی دل نشین رُوداد پر مشتمل تحریروں کا حسین گلدستہ ہے ''جو اسی کے لئے ہی لکھی گئی ہیں''، نئی نسل کے لئے مفید کتابوں کے انتخاب اور مطالعاتی زندگی کی رہنمائی پر مشتمل تحریروں کا یہ مجموعہ ایک یادگار دستاویز ہے۔

چند ماہ قبل مطالعہ نمبر کا کام مکمل ہوا، تو اپنے مضامین عنایت فرمائے اور انہیں مرتب کرنے کا حکم دیا، جب مضامین کا یہ مجموعہ (قلم نما) مکمل ہوا تو مجھے فرمایا کہ ''اس کا تعارف بھی لکھو! تعارف لکھنا ہے، تعریف نہیں''، میں نے پس وپیش کیا تو فرمایا: ''جیسا لکھ سکتے ہو لکھو!''۔ جب اس پر عرضِ مرتب کے طور پر ایک تحریر لکھ کر بھیجی تو بے حد خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

گذشتہ رمضان میں ایک رات جب مطالعہ نمبر کا کام آخری مراحل میں تھا، اُنہوں نے ایک ایسی بات کہی جو میرے لئے ہمیشہ سند رہے گی، مجھے جب بھی وہ جملہ یاد آتا ہے تو آنکھیں بہہ پڑتی ہیں، اور میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا، ویسے تو اُن سے ہوئی گفتگو کا ایک ایک لفظ میرے پاس محفوظ ہے؛ لیکن یہ الفاظ تو گویا دل پر نقش ہوگئے، انہی کے لکھے ہوئے الفاظ من وعن نقل کرتا ہوں: ''حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی سال تک رمضان میں عشاء کے بعد مجلس میں شرکت رہی، اس زمانے میں میں فجر تک مسلسل پوری رات ''کشف الباری'' پر کام کرتا، پندرہ سال تو تقریباً لگے۔ حضرت کا نوے فیصد تحریری کام بھی میں ہی کرتا، صدائے وفاق، صدائے حق، تسہیل الادب، خطوط، تقریظات، ماہنامہ وفاق وغیرہ بھی

ساتھ چلتے رہتے، میں نے وہاں خلوص سے کام کیا، اللہ تعالیٰ نے اُس کی برکت سے ہمیں ''بشارت'' عطا کردیا''۔

آپ کو شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے گہرا تعلق تھا، آپ حضرت شیخ کا ذکر بے حد اَدب واحترام سے کرتے تھے۔ النخیل کی خصوصی اِشاعت مطالعہ نمبر پریس میں چلی گئی تو فرمایا کہ ہم النخیل کی اگلی اِشاعت شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ''بابائے مدارس نمبر'' کے نام سے لائیں گے۔ اِس خواہش کی تکمیل سے پہلے ہی آپ اپنے شیخ کے پاس پہنچ گئے۔ کیا معلوم تھا کہ النخیل کی اگلی اشاعت بانی النخیل کی حیات وخدمات پر مشتمل ''ابن الحسن عباسی نمبر'' ہوگی۔

آپ کا علمی شوق وذوق فطری تھا، آپ کی زندگی کا اکثر حصہ مطالعہ اور کتب بینی میں صرف ہوتا تھا، دورانِ مطالعہ انہماک کی کیفیت رہتی، دورانِ سفر بھی مطالعہ جاری رہتا تھا، آپ علم کے ایک سچے طالب اور عاشق تھے۔ کتب سے سچا عشق آپ کی زندگی کی خصوصیات تھیں، یہی عشق آپ ہر طالب علم میں منتقل کرنا چاہتے تھے، ''متاعِ وقت اور کاروانِ علم'' اور النخیل کا مطالعہ نمبر یعنی ''یادگارِ زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ'' کے ذریعے آپ اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب رہے۔ اِن دونوں کتابوں کا مطالعہ، کتب بینی کے ذوق میں بڑھوتری کا سبب بن رہا ہے۔

آپ اُردو اَدب میں جدید وقدیم کی تفریق پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے، اُن کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج پر بے حد کڑھتے تھے، ماہنامہ النخیل کے ذریعے آپ اس خلیج کو پاٹنا چاہتے تھے؛ چنانچہ النخیل (شعبان ۱۴۴۰ء) کے اِداریہ میں اپنے البیلے انداز میں لکھتے ہیں:

''تعلیم کی طرح ہمارا اردو ادب کا اثاثہ بھی قدیم وجدید میں تقسیم ہو چکا ہے، عصری تعلیم گاہوں اور میڈیا سے وابستہ اہل قلم کی ایک الگ دنیا ہے، اسلامی درس گاہوں سے وابستہ اہلِ قلم سے ان کی پہچان تک نہیں، اِدھر بھی یہی حالت ہے، دونوں کے درمیان یہ خلیج بہت بڑھ گئی ہے، حد ہے اور بے حد ہے کہ جناب سلیم اختر صاحب مرحوم اپنے سوال ناموں میں اردو ادب کی مطبوعات کا

جائزہ لیتے رہے، کسی عالم کی تحریر کو کبھی اس میں جگہ نہیں دی، اردو سفر ناموں میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ''جہاں دیدہ'' کو کون نظر انداز کر سکتا ہے، ان کی نظر سے یہ سفر نامہ بھی اوجھل رہا۔ اس خلیج کو کم کرنے کی ضرورت ہے، النخیل اسی راہ پر گامزن رہے گا، وہ دونوں حلقوں کے قلم پارے سامنے لائے گا، ہماری بات دونوں حلقوں کے اکابر سے چل رہی ہے، مشہور مورخ و محقق محترم جناب پروفیسر خورشید رضوی صاحب، ماہر اقبالیات جناب ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب (ناظم مجلس ترقی ادب لاہور)، مشہور افسانہ نگار جناب اسد محمد خان صاحب نے ادارت ومشاورت میں شرکت قبول فرمالی ہے اور بہت جلد دیگر حضرات کے نام بھی سامنے آجائیں گے''۔

آپ کی بعض کتابوں کے ناتمام رہ جانے کا افسوس خصوصیت کے ساتھ ہے، مثلاً تکملہ معارف السنن جو تقریباً مکمل لکھی جاچکی ہے، وہ اگر شائع ہوجائے تو بہت بڑا کام ہوگا۔ توضیح الباری (شرح بخاری) سمیت متعدد اور عنوانات بھی آپ کے ذہن میں تھے، کئی پر کام آخری مراحل میں تھا، سب کے سب اہم اور ضروری ہیں۔

مزاج میں انتہائی سادگی اور بے تکلفی تھی، اپنی بڑائی اور اپنے کمالات کا شاید انہیں وسوسہ بھی کبھی پیدا نہیں ہوا۔ اپنے سے چھوٹوں کی بات کو اس توجہ سے سنتے کہ وہ گویا ان کے ہمسر ہیں بلکہ بعض اوقات تو اپنے چھوٹوں کو اتنا بڑھاتے کہ وہ بے چارے خود اپنے متعلق بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے۔ جدید فتنوں اور شذوذ وتفرد کے معاملہ میں بہت زیادہ حساس تھے، جمہور اسلاف کے مزاج و مذاق کے پابند اور امین تھے، جہاں بھی انحراف اور کجی محسوس کرتے وہاں ببانگِ دہل اس کا اظہار کر دیتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی اقتدا میں ۱۵ر دسمبر صبح ۱۰ بجے اُن کی نمازِ جنازہ اَدا کی گئی، جنازے سے واپس جاکر دورۂ حدیث کی درس گاہ میں حضرت شیخ الاسلام نے آپ کو خراجِ تحسین پیش فرمایا، اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے: ''مولانا

ابن الحسن عباسی بڑے ہونہار نوجوان، بہترین لکھنے والے تھے، انشاء پردازی میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ تھے، بڑے فاضل نوجوان تھے، بڑی خدمات انجام دی ہیں، ہماری ان پر بڑی نگاہیں تھیں کہ ان شاء اللہ یہ بہت خدمت کریں گے، ماشاء اللہ وہ بڑے معتدل مزاج تھے، لغویات، طعن وتشنیع، تمام باتوں سے کوسوں دور تھے''۔

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

انہوں نے اہلیہ، پانچ بچوں (تین بیٹوں اور دو بیٹیوں)، سینکڑوں تلامذہ اور بیسیوں متعلقین سمیت ایک ''غم زدہ رفیق'' کو سوگوار چھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے جاری کردہ علمی سلسلوں کو جاری وساری رکھے، آمین ثم آمین۔

(جنوری ۲۰۲۱ء)

شکیل احمد سید صاحبؒ ایڈوکیٹ

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اہم رکن، سپریم کورٹ آف انڈیا کے معزز اور مشہور وکیل جناب شکیل احمد سید صاحب گذشتہ ۸؍ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴؍نومبر ۲۰۲۰ء بروز منگل کو میدانتا اسپتال گروگرام میں کورونا وائرس سے متأثر ہوکر مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کی میت اگلے دن جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر (واقع مسجد عبد النبی) میں لائی گئی، اور وہیں غسل، تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کے بعد دلی گیٹ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔ موصوف انتہائی شریف النفس، دین دار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، ملت کی ہم دردی طبعیت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ہر ایک کے ساتھ انتہائی خوش اَخلاقی سے پیش آتے تھے، نیز اللہ تعالیٰ نے اِصابت رائے اور فراست ایمانی کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا خاص اعتماد آپ کو حاصل تھا، حضرت ہی کے حکم اور توجہ پر آپ نے دہلی میں اِقامت اختیار کی، اور جمعیۃ کے مرکزی دفتر کے ایک حصہ میں اپنا آفس بنا کر پریکٹس شروع کی، جمعیۃ علماء ہند کے اکثر مقدمات میں آپ ہی کو نمائندہ بنا کر عدالتی اِقدامات کئے جاتے تھے، جسے آپ پوری دیانت داری کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ تقریباً دو دہائی سے آپ مرکزی مجلس عاملہ کے سرگرم رکن بھی تھے، اور قانونی معاملات میں آپ کی رائے نہایت وقیع سمجھی جاتی تھی۔ اِسی طرح ''جمعیۃ ٹرسٹ سوسائٹی'' اور ''الجمعیۃ بک ڈپو'' کے بھی آپ اہم ذمہ دار تھے۔ اِسی کے ساتھ ساتھ آپ ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے بھی مرکزی اَراکین میں شامل تھے۔

بہرحال آپ نے ایک صاف ستھری اور قابل تعریف زندگی گذاری، جسے تا دیر یاد رکھا جائے گا، اور آپ کی کمی جا بجا محسوس ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی دسمبر ۲۰۲۰ء)

❍❖❍

جناب احمد پٹیل صاحبؒ

آل انڈیا کانگریس پارٹی کے اہم رکن اور خزانچی اور صدر کانگریس کے سیاسی مشیر جناب احمد پٹیل صاحب گذشتہ ۹ر ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۲۰۲۰ء بروز بدھ کو میدانتا اسپتال گروگرام میں انتقال فرما گئے، اِنا للہ واِنا الیہ راجعون۔

اگلے دن موصوف کے وطن مالوف پیرامن انکلیشور بھڑوچ گجرات میں ایک بڑے مجمع نے خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہم کی اقتداء میں نماز جنازہ اَدا کی گئی، اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

احمد پٹیل صاحب انڈین نیشنل کانگریس کے قدیم لیڈر، باشعور سیاست داں اور منصوبہ ساز شخصیت کے حامل تھے، اُنہوں نے کسی عہدے کی خواہش کے بغیر نہایت بے لوثی کے ساتھ پارٹی کی خدمت کی۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۴ء تک کی UPA کی سرکار میں اصل پالیسی ساز کی حیثیت احمد پٹیل صاحب کو حاصل تھی۔ علاوہ ازیں موصوف حکومت اور ملی جماعتوں کے درمیان واسطے کا بھی کام انجام دیتے تھے، اور سیکولر نظریات پر مضبوطی سے قائم تھے۔

موصوف کی پیدائش ۲۱ر اگست ۱۹۴۹ء کو ہوئی، ابتداء ہی سے موصوف کو سیاست سے دلچسپی تھی؛ چناں چہ اَولاً کانگریس پارٹی کے ''یوتھ ونگ'' سے وابستہ ہوئے، اور ۱۹۷۶ء میں بھڑوچ ضلع کے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لے کر کامیابی حاصل کی۔ پھر ۱۹۷۷ء سے تادم وفات پارلیمنٹ کے لوک سبھا یا راجیہ سبھا کے رکن رہے۔

موصوف ذاتی زندگی میں دین دار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، ۸ر مرتبہ پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کے باوجود موصوف مسجد میں باجماعت نماز اَدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مزاج

میں سادگی اور کم گوئی غالب تھی۔

پٹیل صاحب وفات سے تقریباً ڈیڑھ مہینہ قبل ''کورونا وائرس'' سے متأثر ہوئے؛ لیکن اعلیٰ علاج کے باوجود اعضاء رئیسہ نے جواب دے دیا، بالآخر وقت موعود آ پہنچا، اور دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات کو قبول فرمائیں، اور سیئات سے درگذر فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب جویاوی قاسمیؒ

(مہتمم مدرسہ انوار العلوم جویا ضلع امروہہ)

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری اُستاذ حدیث ومفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

علاقہ امروہہ کی اہم دینی وسماجی شخصیت مخدوم ومحترم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب جویاوی قاسمی گذشتہ ۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۷ر نومبر ۲۰۲۰ء بروز جمعہ بعد نماز فجر انتقال فرماگئے، اِناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کا مختصر ذکر جمیل آئندہ سطور میں پیش کیا جارہا ہے:

نام ونسب اور پیدائش

آپ کا اسم گرامی شبیر احمد اور والد محترم کا اسم گرامی الحاج عبد الرزاق ہے، محلّہ ملانہ قصبہ جویا ضلع امروہہ آپ کا وطن اصلی اور جائے سکونت ہے۔ اسی تاریخی حیثیت کی حامل بستی میں ۱۹۳۷ء کے اواخر یا ۱۹۳۸ء کے اوائل میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

تعلیم وتربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن جویا میں ہی ہوئی، ناظرہ قرآن کریم مشہور بافیض عالم دین، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم نائب مہتمم واستاذِ حدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے گھر پر ہی پڑھا، جب کہ خود موصوف مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ میں درس نظامی کی کتابیں پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت موصوف نے خود راقم السطور کے سامنے بیان فرمایا کہ میں فجر کی نماز کے بعد مرحوم مولانا شبیر احمد صاحب کو گھر پر قرآن پڑھاتا تھا اور پھر گھر جا کر ناشتے سے فارغ ہوکر جامع مسجد امروہہ خود پڑھنے کے لئے جاتا تھا۔ اِس کے علاوہ عصری تعلیم جویا ہی کے اسکولوں میں یا پرائیویٹ طور سے حاصل کی۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ

اپنے وطن جویا میں ابتدائی دینی وعصری تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید علمی تشنگی بجھانے اور دینی تعلیم میں درک ومہارت پیدا کرنے کے لئے آپ نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا اور یہاں درجہ فارسی سے ہدایہ اولین ومختصر المعانی تک ۵-۶ ر سال حاصل کرنے کا آپ کو موقع ملا۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں نابغۂ روزگار علمی وعبقری شخصیات سے آپ نے اکتسابِ فیض کیا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت

اُس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے اُم المدارس دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۵۷ء میں داخلہ لیا اور یہاں آپ نے جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اخیرین وغیرہ پڑھ کر ۱۹۵۹ء میں صحاح ستہ کی کتابیں پڑھ کر دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور نسبت قاسمی سے سرفراز ہوئے۔

اُم المدارس دارالعلوم دیوبند میں جن عبقری شخصیات کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ طے فرمایا، ان میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب ہاپوڑی ثم مرادآبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند، امام المنطق والفلسفہ حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ صدرالمدرسین دارالعلوم دیونبد، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد آپ نے جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر مکمل فن طب کی تعلیم حاصل کی، اور ۱۹۶۳ء میں جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور فن طب میں ڈپلوما کی ڈگری سے نوازے گئے۔

فراغت کے بعد مشغلہ

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے رفاہی، سماجی اور قومی خدمات میں حصہ

لینا شروع کردیا اور ہر جہت سے قوم کو پسماندگی سے نکال کر روشنی اور ترقی کی جانب چلانے کی فکر میں مشغول رہے۔ آپ کا علاقہ بدعت اور جہالت زدہ تھا۔ مختلف رسوم و بدعات میں عوام الناس مبتلا تھے۔ آپ حتی الوسع ان کی اصلاح و تصحیح عقائد کی فکر میں کوشاں رہے اور معاشی استحکام کے لئے کپڑے کی تجارت شروع فرمائی، اس کاروبار میں آپ کے شریک حضرت مولانا عبدالصمد صاحب مدظلہ رہے، اور دونوں نے خوب توجہ اور محنت سے حلال کاروبار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خوب برکات سے نوازا۔

۱۹۶۸ء میں آپ نے کپڑے کی تجارت کو ترک فرمایا اور میڈیکل اسٹور قائم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کاروبار میں بھی آپ کو خوب برکت عطا فرمائی اور خوب مالی استحکام نصیب ہوا۔

۲۰۰۷ء میں آپ نے عبدالرزاق پی جی کالج قائم کر کے قوم وملت پر عظیم احسان فرمایا ہے جس سے آج انٹر کے بعد تمام شعبہ جات میں ہزاروں طلبہ داخل ہوکر فیضیاب ہورہے ہیں اور حکومتی سطح پر آپ کے قائم کردہ کالج کا عمدہ ریکارڈ اور بہترین نتائج سامنے آرہے ہیں۔ یہ کالج آپ کی زندگی کا بلاشبہ عظیم اور قابل فخر کارنامہ ہے۔

علاوہ ازیں مدرسہ انوار العلوم جویا کے آپ چار دہائیوں سے زیادہ عرصہ تک مہتمم اور روحِ رواں رہے۔ یہ مدرسہ اگرچہ عرصۂ دراز سے کسی نہ کسی درجہ میں ملت اسلامیہ کی خدمت میں مصروف ہے مگر ادارہ کو استحکام اور ترقی آپ ہی کے دورِ اہتمام میں ہوئی اور آج بھی شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ اِس کے علاوہ آپ علاقہ کی عظیم دینی درس گاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے تاحیات فعال، متحرک اور فکر مند رکن شوریٰ رہے ہیں، شوریٰ اور عاملہ کی میٹنگوں میں پورے اہتمام سے شرکت فرماتے تھے اور مدرسہ کے مفاد میں بہترین رائے دیتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی

جمعیۃ علماء ہند سے آپ کو تعلیمی اُمور سے فراغت کے بعد سے ہی خصوصی دلچسپی تھی اور مدنی خانوادے سے قلبی تعلق اور محبت تھی۔

آپ تاحیات جمعیۃ علماء ضلع امروہہ کے ذمہ داروں میں شامل رہے، جمعیۃ علماء یو پی اور جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کے رکن رہے، اور جب تک ہمت رہی پورے اہتمام سے تمام ہی پروگراموں میں دہلی، لکھنؤ، دیوبند اور دوسرے مقامات پر شرکت فرماتے رہے۔

چند سال پہلے آپ بہت زیادہ بیمار ہوئے اور دہلی کے میدانتا ہسپتال میں زیر علاج رہے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو روبصحت فرمایا تو کافی تعداد میں علماء واکابرین عیادت اور مزاج پرسی کے لئے آپ کے دولت کدے پر تشریف لائے۔ امیر الہند حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم بھی جو یا آپ کے دولت کدے پر مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ بیماری اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے پڑھا تو خوب تھا؛ مگر اس کا اندازہ نہیں تھا۔ اس بیماری میں اس کا خوب اندازہ ہوا اور فرمایا کہ اگر میں دعوت دے کر اور خرچ کر کے علماء کرام کو گھر پر بلاتا تو اس قدر علماء اور اکابرین تشریف نہ لاتے، جتنے میری بیماری کو سن کر تشریف لائے۔

آپ کا اصلاحی تعلق رأس الاولیاء حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ سے تھا" پھر حضرت رائے پوری کے وصال کے بعد دوسرے اکابر سے ربط رہا اور آپ تاحیات اکابرین اور علماء حق سے مربوط رہے اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا رہے۔ اکابرین و بزرگان دین سے ربط و تعلق کے ثمرات وفوائد تاحیات آپ نے محسوس فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت کی نعمتوں سے خوب خوب مالا مال فرمائے۔

پسماندگان

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ تین لڑکے زبیر احمد، عزیر احمد، اویس احمد، صاحب زادیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں اور رشتہ دار و متعلقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دارین کی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۲۰ء)

متفرقات:

حافظ سعید احمد صاحب پالن پوریؒ

موصوف حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیو بند کے صاحبزادے تھے، ۲۸/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ ۲۶/نومبر ۲۰۱۹ء بروز منگل کو ۵۱/سال کی عمر میں طویل بیماری کے بعد سورت گجرات میں وفات ہوئی، جہاں آپ ایک مدرسہ میں قرآنِ کریم کی تدریسی خدمت انجام دیتے تھے۔ اس جانکاہ حادثہ پر حضرت الاستاذ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش ہے۔ (ندائے شاہی جنوری ۲۰۲۰)

مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانیؒ

موصوف مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور پنجاب کے سابق مفتی اعظم تھے، بڑے صاحب علم اور وضع دار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے مالیر کوٹلہ میں ''دار السلام'' کے نام سے دینی ادارہ قائم کیا، اور اخیر میں دار العلوم وقف دیو بند کے مفتی اعظم کا عہدہ بھی آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔

مؤرخہ ۷/ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ مطابق ۵/دسمبر ۲۰۱۹ء بروز جمعرات کو مالیر کوٹلہ میں وفات ہوئی، اور دیو بند میں مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ اللہ تعالیٰ سبھی مرحومین کی مغفرت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۲۰)

حضرت مولانا قاری محمد عاشق الٰہی صاحب مظاہریؒ

آپ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ کے شیخ الحدیث تھے، یہاں آپ نے مسلسل

۴۳؍سال تدریسی خدمات انجام دیں، آپ ۱۹۷۲ء میں مظاہرعلوم سے فارغ ہوئے، اور پھر پوری زندگی مکمل استقلال اور عزیمت کے ساتھ درس واِفادہ میں گذاری، سیکڑوں تلامذہ کے ذریعہ آپ کا فیض جاری ہے۔

یکم ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۹؍نومبر ۲۰۱۹ء شب جمعہ کو آپ کا وصال ہوا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

موصوف کے صاحبزادے جناب قاری حماد صاحب مدرسہ شاہی کے اُستاذ تجوید ہیں۔

اِدارہ ندائے شاہی قاری صاحب موصوف کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔ قارئین سے بھی دعا اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۲۰)

اہلیہ حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب مدظلہ

لسان التبلیغ، داعی الی اللہ حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب دامت برکاتہم کی اہلیہ محترمہ گذشتہ ۱۷؍شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۲۰ء بروز اتوار کو انتقال فرما گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ نہایت پارسا، قناعت پسند، دین دار، کم آمیز اور شریف الطبع خاتون تھیں۔ پوری زندگی دین کی دعوت اور نشر واِشاعت میں حضرت مولانا موصوف کی معاون بن کر رہیں۔

بلاشبہ اُن کی جدائی حضرت مولانا کے لئے بڑا صدمہ ہے، ہم حضرت کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موصوفہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں، اور سبھی متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۰ء)

حضرت مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کو صدمہ

مفتی جامعہ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کے برادرِ عزیز جناب محمد ابوبکر

صاحب گذشتہ ۸؍جون ۲۰۲۰ء بروز پیر معمولی علالت کے بعد مکہ معظّمہ میں انتقال فرما گئے، موصوف بڑے جفاکش، ملنسار اور خدمت گذار شخص تھے۔ اس المناک سانحہ پر حضرت اقدس مفتی صاحب اور اُن کے سبھی برادران و متعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں، اور اُن کے وارثین کی غیب سے سرپرستی وکفالت فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۲۰ء)

جناب حاجی امیر احمد خاں کا انتقال

مرادآباد شہر کی معروف شخصیت اور مدرسہ شاہی کے رکن شوریٰ وعاملہ جناب الحاج امیر احمد خاں صاحب گذشتہ ۱۸؍جون ۲۰۲۰ء بروز جمعرات کو انتقال فرما گئے۔ موصوف بہت ہی وضع دار، باوقار اور صائب الرائے شخص تھے، موصوف کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب دارالطلبہ لالباغ میں حضرت مہتمم صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئی، اور حوض والی مسجد کے سامنے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (ندائے شاہی جون ۲۰۲۰ء)

جناب حافظ سعید احمد صاحب کا پوردریؒ

جناب حافظ محمد سعید صاحب کا پودروی کا ۲۱؍صفر المظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۹؍اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز جمعہ کو مغرب کی نماز سے قبل انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف قرآنِ کریم کے اچھے حافظ تھے، ہر وقت تلاوت میں مصروف رہا کرتے تھے، بچوں اور بڑی عمر کے لوگوں کو قرآنِ کریم بڑی دلچسپی سے پڑھایا کرتے تھے، خوش اخلاق، مہمان نواز اور اکابر واَسلاف سے والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید اشہد رشیدی اور مفتی جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری سے بہت محبت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی نومبر ۲۰۲۰ء)

حضرت مولانا رشید احمد سیلوڈوی ؒ

حضرت مولانا رشید احمد سیلوڈوی اُستاذ حدیث وتفسیر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق یکم نومبر ۲۰۲۰ء کو وفات پاگئے، انا للہ والیہ راجعون۔ موصوف انتہائی باصلاحیت، خوش اخلاق اور مقبول ترین اساتذہ میں سے تھے۔ طلبہ کے ساتھ شفقت وہمدردی مثالی تھی، پوری زندگی تعلیم وتعلم اور تدریس میں گذاری، اور بہترین نقوش چھوڑکر دنیا سے تشریف لے گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۲۰ء)

مولانا مفتی عبدالجلیل خان صاحب کو صدمہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے ناظم اَوقاف حضرت مولانا مفتی عبدالجلیل خان صاحب کی والدہ محترمہ نے گذشتہ ۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۲۰۲۰ء بروز پیر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اِنا للہ واِنا الیہ راجعون۔

مرحومہ نہایت دین دار اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں، الحمدللہ طویل عمر پائی، اِس حادثے پر مفتی عبدالجلیل صاحب اور اُن کے اہل خانہ ومتعلقین کی خدمت تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۲۰ء)

رفتـــــگاں

۲۰۲۱ء-۲۰۲۲ء

- حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحبؒ
- حضرت مولانا عبدالمؤمن صاحب سنبھلیؒ
- حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل الامینیؒ
- حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحبؒ
- حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ
- حضرت مولانا عبدالمغنی صاحبؒ حیدرآباد
- حضرت مولانا مفتی ابراہیم صاحب آچھودیؒ (گودھرا)
- حضرت مولانا محمد اختر صاحبؒ ریڑھی تاج پورہ

اَمیر شریعت

حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ

ملک کے مقتدر عالم دین، امارتِ شرعیہ بہار اُڑیسہ وجھارکھنڈ کے امیر شریعت، خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی صاحب رحمانی نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۰ رشعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۳ راپریل ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ پٹنہ کے ایک اسپتال میں انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے روز جامعہ رحمانی مونگیر کے وسیع میدان میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور ہزار ہا ہزار افراد نے نم آنکھوں کے ساتھ آپ کو آخری آرام گاہ تک پہنچایا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جرأت مند، فعال، منصوبہ ساز اور بابصیرت قائد تھے، آپ کی خدمات کا دائرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، ایک طرف خانقاہ رحمانی مونگیر کے روحِ رواں ہونے کے اعتبار سے ہزاروں فرزندانِ توحید کے شیخ طریقت تھے، دوسری طرف جامعہ رحمانی مونگیر کے رئیس ہونے کی حیثیت سے دینی تعلیم کی نشر و اشاعت میں بھی آپ کا بڑا حصہ تھا۔ پھر ''رحمانی فاؤنڈیشن'' کے ذریعہ سے آپ نے شاندار انداز میں متعدد عصری اِدارے قائم فرمائے اور اُنہیں کامیابی کے ساتھ چلاتے رہے، نیز امارتِ شرعیہ بہار واُڑیسہ وجھارکھنڈ کے پلیٹ فارم سے بھی آپ کی خدمات سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی، علاوہ اَزیں آپ ۲۳ رسال تک بہار اسمبلی میں ایم ایل سی بھی رہے۔

آپ نے ملک کے باوقار اور معتمد علیہ اِدارے ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کی

جنرل سکریٹری کی ذمہ داری ایسے وقت سنبھالی جب کہ مسلم معاملات میں مرکزی حکومت کی پالیسیاں تشویش ناک تھیں؛ لیکن آں موصوف نے سبھی ملی موضوعات پر ملت کی متفقہ رائے کو پوری جرأت کے ساتھ سامنے رکھا، یکساں سول کوڈ، تین طلاق، بابری مسجد اور اخیر میں سی اے اے پر آپ پوری قوت سے ملت کی ترجمانی کرتے رہے۔

آپ بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید عبدالعلی مونگیریؒ کے پوتے اور امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے صاحب زادے تھے، آپ کی پیدائش ۱۹۴۳ء میں مونگیر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم جامعہ رحمانی مونگیر میں حاصل کی، آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۴ء میں اعلیٰ درجہ سے سند فضیلت حاصل کی، پھر ۱۹۶۶ء سے جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین اور جامعہ رحمانی مونگیر کے سرپرست مقرر ہوئے، ۲۰۰۵ء میں امارت شرعیہ بہار کے نائب امیر شریعت؛ جب کہ ۲۰۱۵ء میں امیر شریعت سابع بنائے گئے۔ ۱۹۹۱ء سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سکریٹری رہے، ۲۰۱۵ء میں میں جنرل سکریٹری بنائے گئے، آپ نے عصری تعلیم کے لئے ۱۹۹۶ء میں ''رحمانی فاؤنڈیشن'' اور ۲۰۰۸ء میں ''رحمانی ۳۰'' کو قائم کیا، جن کے تحت مسلم طلبہ کو مقابلہ جاتی امتحانات میں بہترین انداز میں تیاری کرانے کا انتظام کیا گیا۔

آپ کا جدید تعلیمی نظام کے بارے میں گہرا مطالعہ تھا، خطابت کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی آپ کو شغف رہا، آپ کی تحریریں واضح اور اَدبی چاشنی سے بھرپور ہوتی تھیں۔ الغرض آپ کی وفات سے ملت ایک عظیم جامع الصفات شخصیت سے محروم ہوگئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۱ء)

حضرت مولانا عبدالمؤمن صاحب سنبھلی ندوی نقشبندیؒ

ہمارے علاقہ کے بافیض اور مقبول عالم دین، داعی الی اللہ حضرت مولانا عبدالمؤمن صاحب ندوی سنبھلی نقشبندی گذشتہ ۳؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۶؍اپریل ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بوقت سحر چندروز علالت کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف کو ہر طبقے میں بے مثال مقبولیت حاصل تھی، ہر شخص آپ کی وسعت ظرفی اور بلند اخلاقی سے متأثر نظر آتا تھا، اور آپ کی گفتگو کی مٹھاس محسوس کرتا تھا۔ موصوف جہاں ایک طرف کامیاب اور مشفق ترین اُستاذ تھے، وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتظام کا بہترین سلیقہ بھی عطا فرمایا تھا، جس کا کچھ اندازہ ''مدرسہ مدینۃ العلوم انجمن معاون الاسلام سنبھل'' کی تعمیر وترقی سے لگایا جاسکتا ہے۔ خاندانی وجاہت وشرافت کے ساتھ ساتھ مشہور ومعروف بزرگ حضرت اقدس پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم سے وابستگی اور اِجازت وخلافت نے آپ کی صلاحیتوں کو دوآتشہ کردیا تھا؛ چناں چہ سلوک ومعرفت کی راہ سے ملک وبیرون ملک میں بے شمار لوگ آپ سے فیض یاب ہورہے تھے۔ آپ کی تقریریں بڑی پرجوش اور پراثر ہوتی تھیں، اصلاحِ معاشرہ اور ردبدعات وخرافات پر آپ کے بیانات سے بالخصوص اہل سنبھل کی کافی اصلاح ہوئی، مدرسہ کی مسجد میں آپ کا جمعہ کا بیان بڑا مقبول تھا، دور دور سے لوگ آپ کا وعظ سننے کے لئے آیا کرتے تھے، آپ علاقہ میں تبلیغی جماعت کے بھی اہم سرپرست تھے۔

موصوف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نوراللہ مرقدہٗ کے بھتیجے اور حضرت مولانا حکیم محمد احسن صاحب قاسمی سنبھلیؒ کے صاحب زادے تھے، علم وعمل کے ماحول میں آپ پروان چڑھے، پھر ۱۹۸۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے سندفضیلت حاصل کرکے جب واپس ہوئے تو اپنے

وطن ہی کو اپنی دینی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر کام شروع کیا، اور اپنی بے لوث اور سرگرم خدمات کی گہری چھاپ چھوڑ کر صرف ۵۶/سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، صاحب زادگان اور دیگر اعزہ و متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۱ء)

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کو صدمہ

مؤرخہ ۷؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰؍اپریل ۲۰۲۱ء بروز منگل کو جامعہ کے مفتی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی اہلیہ محترمہ مختصر علالت کے بعد وفات پاگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ نہایت پارسا، عبادت گذار اور بااخلاق خاتون تھیں، اُمورِ خانہ داری کے علاوہ پورا وقت ذکر و فکر اور دینی کتب کے مطالعہ میں گذارتی تھیں۔ موصوفہ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمود حسن پٹھیڑ ویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ اجل تھے، والد کی دین داری کا اثر صاحب زادی میں نمایاں تھا، رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

اُسی دن تراویح کے بعد رات میں دس بجے دارالطلبہ لالباغ میں مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب نے موصوفہ کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر قریبی قبرستان مدنی مسجد کے جوار میں تدفین عمل میں آئی، رات کے کرفیو کے باوجود بڑی تعداد میں عوام وخواص جنازے میں شریک ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب کے لئے عمر کے اِس مرحلے میں رفیقۂ حیات کی جدائی یقیناً اَلمناک ہے؛ لیکن حکم ربی کے سامنے صبر کے سوا چارہ نہیں ہے۔

بس دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب اور سبھی اعزہ کو صبر جمیل عطا فرمائیں، اور موصوفہ کو آخرت کی راحتوں سے مالامال فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۲۱ء)

اَدیب العصر

حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل الامینیؒ

دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز اُستاذ، عالم اسلام کے صاحب طرز اَدیب اور مصنف، عربی زبان واَدب میں اہل عرب علماء کی صفوں میں اپنی الگ شناخت رکھنے والے منفرد اِنشاء پرداز، ذوق کی سلامتی، طبعیت کی پاکیزگی اور فکر کی بلندی میں اپنے ہم عصروں میں امتیازی مقام پر فائز جلیل القدر شخصیت حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی نور اللہ مرقدہٗ نے ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۳؍مئی ۲۰۲۱ء بروز دوشنبہ صبح سوا تین بجے تقریباً ۷۰؍سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے دن دوپہر ایک بجے اِحاطۂ مولسری دارالعلوم دیوبند میں حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی اور قبرستانِ قاسمی میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا نور عالم صاحبؒ عربی اَدب میں اپنے اُستاذ گرامی حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جانشین تھے، فنی اعتبار سے عربی زبان واَدب پر موصوف کو جو عبور حاصل تھا، اُس کی نظیر آپ کے ہم عصروں میں نہیں ملتی۔ آپ کی زبان کا معیار اِس قدر بلند تھا کہ بڑے بڑے عربی اُدباء آپ کی تحریروں کو پڑھ کر عش عش کر اُٹھتے تھے، خصوصاً ''الداعی'' میں آپ کے اِداریے اور مستقل کالم ''اشراقۃ'' میں آپ نے جو مضامین لکھے ہیں اور اُن میں جو اَچھوتی تعبیرات استعمال کی ہیں وہ بلاشبہ عربی اَدب کے شہ پاروں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے خالص علمی تدریسی اور تالیفی زندگی گذاری، اور پوری محنت، لگن اور یکسوئی سے اِفادہ

اور استفادہ میں مشغول رہے۔ ابتدائی درجات کے لئے آپ کی درسی کتاب ''مفتاح العربیۃ'' نہایت مقبول ہوئی، آپ کی عالم عرب کی تاریخ پر بہت گہری نظر تھی، ایک زندہ دل مؤمن کی طرح مسجد اقصیٰ اور فلسطین کی واگذاری کا جذبہ آپ کے دل میں بھی موجزن تھا، جو نوکِ قلم پر آنا شروع ہوا تو ایک ضخیم اور وقیع کتاب تیار ہوگئی، جو عربی میں ''فلسطین في انتظار صلاح الدین'' اور اُردو میں ''فلسطین کسی صلاح الدین ایوبی کے انتظار میں'' کی صورت میں منظر عام پر آئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ اسی طرح صحابہ کرام کے دفاع میں آپ کی لکھی ہوئی کتاب کو عوام وخواص میں خوب پذیرائی ملی۔

آپ عربی اور اُردو برجستہ اور بے تکان لکھتے اور بولتے تھے، عرصۂ دراز کی بات ہے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے سابق مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کو ''النادی الادبی'' کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی، موصوف بڑے اہتمام سے تشریف لائے، طبعیت خوب کھلی ہوئی تھی، مسند خطابت پر تشریف فرما ہوئے تو عربی زبان کی اہمیت اور معارف وآداب سے متعلق قیمتی معلومات کا گویا دہانہ کھل گیا، اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک سامعین اَساتذہ وطلبہ ہمہ تن گوش رہے، پھر یہی خطاب بعد میں ''حرفِ شیریں'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا، اور آج تک عربی اَدب اور املاء کے بارے میں ایک بہترین رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کی عربی اور اُردو تحریر بہت ہی صاف تھی، اور دونوں زبانوں میں قواعد املاء کی مکمل رعایت فرماتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی سخت تاکید فرماتے تھے، خط رقعہ کے بارے میں آپ نے باقاعدہ ایک کتاب ''خط رقعہ کیوں اور کیسے سیکھیں؟'' مرتب فرمائی جو نہایت مقبول ہے۔

سوانح نگاری کے فن میں بھی آپ اپنی مثال آپ تھے، اپنے اُستاذِ معظم حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کی سوانح پر قلم اُٹھایا تو ''وہ کوہ کن کی بات'' نامی کتاب سامنے آئی،

جس نے علماء کے طبقے میں دھوم مچادی، اَب تک اُس کے نہ جانے کتنے ایڈیشن شائع ہو چکے، وہ صرف حضرت الاستاذؒ کی سوانح ہی نہیں؛ بلکہ اُس کے فٹ نوٹ میں کتنی ہی نامی گرامی شخصیتوں کے مثبت تذکرے ہیں اور جا بجا ہدایتیں اور نصیحتیں بھی بھری پڑی ہیں۔

پھر آپ کا یہ معمول بھی رہا کہ انتقال کرنے والی شخصیات کے بارے میں لکھتے تھے اور بہت خوب لکھتے تھے، جس کا ایک عظیم الشان مجموعہ ''پس مرگ زندہ'' کے نام سے شائع ہوا، اور نہایت مقبول ہوا؛ بلکہ وہ قریبی زمانے میں وفات پانے والوں سے متعلق ایک مستند حوالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کی تدریسی اور تربیتی زندگی بھی مثالی تھی، آپ کی تنبیہات اور چست تبصرے طالب علم کے حوصلے کو بڑھاتے تھے، اور آپ کی پر اَثر باتوں سے زندگی میں کچھ کر گذرنے کا جذبہ انگڑائی لیتا تھا۔ جو حضرات ''دیوانِ متنبّی'' اور تکمیل اَدب کے درس میں شامل رہے ہیں وہ گواہی دیں گے کہ آپ ایک ''اَدیب گر'' اُستاذ تھے، آپ کی کمی بہت دیر تک کھلتی رہے گی، کسی فن کے ایسے باکمال اَفراد آج دنیا میں بہت کم یاب ہیں۔

عرصہ سے آپ شوگر کے موذی مرض میں مبتلا تھے، جس کی وجہ سے آمد و رفت بہت کم ہوتی تھی، رمضان المبارک کے شروع سے طبعیت زیادہ متأثر ہوئی، آکسیجن کی کمی ہونے لگی، اَولاً گھر ہی میں علاج ہوتا رہا، پھر آنند ہسپتال میرٹھ میں داخل کیا گیا، بالآخر وقت موعود آپہنچا اور تہجد کے وقت آپ نے ''اللہ اللہ رحم کر'' کہتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، سبھی اہل خانہ اور متعلقین کو صبرِ جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو اور بالخصوص دارالعلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔ (ندائے شاہی مئی ۲۰۲۱ء)

❍❖❍

فکرِ عجم، زبانِ عرب، روحِ دیوبند)

(حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینیؒ اُستاذ اَدب عربی دارالعلوم دیوبند)

مولانا مفتی محمد اجمل قاسمی اُستاذ ادب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

......قرار آ ہی گیا

اپنے البیلے اسلوب نگارش، اچھوتے طرز تحریر اور شگفتہ انداز بیان سے جانے والوں کو پسِ مرگ زندہ وتابندہ بنانے والے، زبان وبیان کے بے تاج بادشاہ صاحب طرز ادیب اور نامور مصنف واہل قلم، ہمارے انتہائی محسن ومربی استاذ حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی چیف ایڈیٹر عربی ماہنامہ الداعی واستاذ عربی ادب دارالعلوم دیوبند ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۳؍مئی ۲۰۲۱ء بروز دوشنبہ صبح سوا تین بجے تقریباً ۷۰؍سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا کی علالت کی خبریں جس انداز سے مل رہی تھیں اندیشے اُمیدوں پر غالب آتے جارہے تھے، دعائیں جاری تھیں، دل مسلسل انہی کی طرف لگا ہوتا تھا؛ مگر علاج وچارہ گری کی ساری تدبیریں بالآخر ناکام ہوئیں، اور قضا وقدر کا فیصلہ غالب آیا:

بجلی تڑپ کے قصہ غم ہی چکا گئی
اُلجھا ہوا تھا خار وخسِ آشیاں میں میں

مولانا حد درجہ نفیس مزاج تھے، شوگر نے اس میں نازکی بھی پیدا کردی تھی، مرض کی تکلیف تو تھی ہی، مختلف قسم کی نلکیوں کی بندش نے بھی اُنھیں مسلسل اذیت اور بے قراری میں ڈال رکھا تھا، جزوی طور پر افاقہ کی خبریں بھی ملیں، مگر بجائے شفا کے موت پر ہی اس بے قراری کو قرار آیا:

اَب کیا ستائیں گی ہمیں دوراں کی گردشیں
لو ہم حدود سود و زیاں سے نکل گئے

مولانا کے انتقال کی خبر آپ کے شاگردوں، چاہنے والوں اور وابستگان دارالعلوم پر بجلی بن کر گری، اپنا یہ حال رہا کہ کئی دنوں تک وجود پر ایک سکتہ سا طاری رہا، ''نہ سکوں نہ بے قراری والی'' ایک عجیب اور ناقابل بیان کیفیت ہوگئی، ہائے! کیسا عظیم صاحب قلم چلا گیا!!

مولانا کی وفات دارالعلوم دیوبند کے ایک عہد کا خاتمہ اور علم وادب کی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان ہے، مگر داستان غم کو دراز کرنا، کسی موت پر واویلا مچانا، اور اس سے ہونے والے نقصان کو سوچ کر حد سے زیادہ پریشان ہونا مؤمن کا شیوہ نہیں، ہمیں تو مولائے حکیم کے فیصلے پر تسلیم ورضا کا ثبوت پیش کرنا چاہئے، اور کارساز وکریم رب سے اچھی امید رکھنی چاہیے، یہی شان بندگی ہے، اسی میں خیر ہے اور یہی ہمارے لئے باعث اجر وثواب ہے۔

اِس لئے آیئے! اِس قصے کو یہیں تمام کرتے ہیں، اور ایک مؤمن کی زبان سے ان پاکیزہ کلمات کو دہراتے ہیں: **إِنَّـا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى.**

یادیں اُن کی

حضرت مولانا کی سرپرستی اور تربیت میں عمر عزیز کے پانچ بیش قیمت سال گذرے، آپ سے وابستہ یادوں کا ایک سیل رواں ہے جس سے ذہن ودماغ میں تلاطم برپا ہے، آپ کی رفتار وگفتار، خوشی ومسرت، رنج والم، رضا وغضب اور تدریس وتحریر کے بے شمار مناظر نگاہوں کے سامنے ہیں، جنہیں اگر قید تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے تو قصہ مختصر یہ کہ قصے کو مختصر نہ کیا جاسکے گا:

وہ آئے کب کے، گئے بھی کب کے، نظر میں اَب بھی سمارہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آرہے ہیں، وہ جارہے ہیں

مگر سب نہیں تو کچھ ہی سہی ''مَـا لَا يُدْرَكُ كلُّه لا يُتْرَكُ كلُّه'' آیئے! حضرت

مرحوم سے وابستہ خوشگوار یادوں کے کچھ حسین لمحوں کو قید کرتے ہیں، اوران کے محاسن وکمالات کے کچھ گوشوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مولانا اپنی نظیر آپ تھے

دارالعلوم دیوبند کی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ میں بڑے بڑے اہل علم، اصحاب تحقیق، اورعلوم اسلامیہ کی ماہرعبقری شخصیات گذری ہیں جو اپنی اپنی جگہ لاثانی اور بےنظیر ہیں، حضرت مولانا گرچہ اس دوراخیر میں تھے، مگر اسی قافلے کے پیچھے رہ جانے والے ایک عظیم فرد تھے، مولانا نے خاص عربی زبان وبیان میں جونام ومقام پیدا کیا، وہ ان سے پہلے کسی کے حصے میں نہیں آیا، وہ اپنے میدان کے فردفرید تھے جن کی انفرادیت تادیر باقی رہے گی، وہ دارالعلوم کے عظیم سپوت تھے، اس کی عظیم وشاندارتاریخ کی لوح پروہ سنہرا نقش تھے جسے حرف مکرریا کسی کا عکس قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلاشبہ دارالعلوم دیوبنداوراس کے نہج پر چلنے والے مدارس میں عربی کوبحیثیت زبان پڑھنے پڑھانے، عربی تقریروتحریرکا ماحول پیدا کرنے، اوراس میدان کے لئے افرادسازی میں آپ کےعظیم اورعبقری استاذ حضرت مولانا وحیدالزماں قاسمی کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں ہے؛ مگر جہاں تک عربی تحریروانشاء کا تعلق ہے تو اس میدان میں حضرت مولانا نورعالم امینی رحمۃ اللہ علیہ بےنظیر تھے، اورخاص اس باب میں وہ اپنے تمام پیشروؤں سے بہت آگے جا چکے تھے، جس نے بھی حضرت مولانا کو پڑھا ہے وہ اس بات سے اختلاف نہیں کر سکے گا۔

عربی زبان کےعبقری اَدیب واہل قلم

عربی سے عشق اوروحی الٰہی کی ترجمان اس مبارک زبان کی طویل مزاولت کی وجہ سے مولانا کوعربی زبان وبیان اورانشاء پردازی پرزبردست قدرت حاصل تھی، وہ اس وقت برصغیر میں عربی کے غالبًا سب سے ممتاز اہل قلم تھے، وہ کوئی بات لکھنے سے پہلے موڈ بناتے، تیاری کرتے، اور جب موڈ بنالیتے، تو ناشتے، دواداروا ور دیگر ضروری کاموں سے فارغ ہوکر بیٹھتے، پھر تو آپ کا سبک سیر اورتیز گام اشہب قلم مسلسل اور بےتکان رواں دواں رہتا، مضامین کی

زبردست آمد ہوتی، آب رودِ خیال میں الفاظ وتعبیرات کا سیل رواں تھپیڑے مارنے لگتا، نہ رکتے، نہ سوچتے، نہ کاٹ پیٹ کرتے، ایسا محسوس ہوتا جیسے حافظے سے نقل کرتے چلے جارہے ہیں، مولانا کی انشاء میں آبشار کا جلال، سیل رواں کا زور، دریا کی روانی، چڑھتے سورج کی تابانی اور قوس قزح کا لفت رنگی جمال تھا، ان کا اپنا منفرد بیانیہ تھا جس سے وہ جانے پہچانے جاتے تھے، الفاظ کی تراش وخراش، جملوں کی ترکیب، اور تعبیر کی تشکیل میں ان کا مخصوص طرز تھا، جو قاری کے لئے دلچسپ اور لذت بخش ہوتا، ان کی ہر تحریر ادب معلّیٰ وحسن بیان کا شاہ کار ہوتی، عموماً جو بھی لکھتے دل سے لکھتے اور دل کھول کر لکھتے، مگر جب کسی مسرت بخش واقعے یا دل کو جھنجھوڑ دینے والے حادثے سے متأثر ہوکر خامہ فرسائی کرتے، یا کسی محبوب شخصیت کی عقیدت ومحبت میں ڈوب کر لکھتے تو تحریر چمک اٹھتی، زبان وبیان کی دل کشی ورعنائی ہر کسی کے لئے قابل رشک بن جاتی، اور بزبان حضرت غالب معاملہ یوں ہوتا:

پھر دیکھئے انداز گل افشانیِ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ صہبا مرے آگے

کئی بار اس کا مشاہدہ ہوا کہ مولانا عربی میں پیغام، خط، دعوت نامہ یا تصدیق وتوصیہ کے انداز کی کوئی تحریر لکھنے بیٹھے، اور قلم کو جو جنبش ہوئی تو وہ بقید وقت، دن اور تاریخ آپ کے دستخط پر ہی جاکر رکا، مگر اس کے باوجود تحریر ہر پہلو سے مکمل، خط نہایت نفیس وپاکیزہ، اور سطریں بالکل سیدھی ہوتیں، تحریر جب پوری ہوجاتی تو سر اٹھاتے، متعلقہ فرد اگر موجود ہوتا تو مسکراتے اور یہ کہتے ہوئے اُس کے آگے بڑھادیتے کہ ”لیجئے مولانا! آپ کا کام ہوگیا“۔

کامیاب ترین چیف ایڈیٹر

مولانا نے عین جوانی میں ماہنامہ الداعی کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی، آپ کا سن پیدائش ۱۹۵۲ء ہے، جب کہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر سن ۱۹۸۲ء میں ہوا، اس اعتبار سے اُس وقت کل ۳۰ ربرس کے تھے، آپ کے پاس کوئی لمبا چوڑا تجربہ نہیں تھا، اور نہ ساتھ میں

تعاون کے لئے کوئی نائب یا معاون ایڈیٹر یا مجلس ادارت، کسی ماہنامہ کی ادارت کتنا مشکل کام ہے؟ اس سے وہی واقف ہے جسے اس کام سے کوئی واسطہ پڑا ہے، مگر جو کام پوری ایک مجلس کا تھا مولانا نے تن تنہا اس کا بیڑہ اٹھایا، اپنے کو الداعی کے لئے تج دیا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی وہبی صلاحیت، غیر معمولی تحریری ملکہ، حسن انتظام اور بہترین ومثالی کارکردگی کے ذریعہ الداعی کو ظاہری و باطنی خوبیوں سے اس طرح سنوارا اور نکھارا کہ الداعی کا شمار برصغیر کے ممتاز و باوقار عربی مجلّات میں ہونے لگا۔

خونِ جگر سے ''الداعی'' کی آبیاری

مولانا جب کسی کام کو اپنے ذمہ لیتے تھے تو اس کو پوری طرح اوڑھ لیتے، ہر وقت ذہنی طور پر اسی میں مشغول رہتے، اور اس کو ہر پہلو سے جیسا کہ ان کا مزاج تھا معیاری بنانے کے لئے کوشاں اور فکرمند رہتے، الداعی ان کی ذمہ داریوں میں سرفہرست تھا، اس لئے وہی ان کے فکر ونظر اور سعی وعمل کا دائمی محور تھا، الداعی میں لکھنے والے بہت تھوڑے تھے، اس لئے پرچے کے پیٹ بھرنے کا تقریباً ستر اسّی فیصد کام مولانا خود کرتے، اس کے لئے عربی جرائد ومجلّات اور عالم عرب کی مطبوعات پر نظر رکھتے، مضامین کا انتخاب کرتے، اور خاصا حصہ اپنے قلم سے پُر کرتے، الداعی میں مولانا کے تین کالم ''**كلمة المحرر**''، ''**كلمة العدد**'' اور ''**إشراقة**'' تو مستقل تھے، جو آپ پابندی سے لکھتے تھے، اس کے علاوہ ''محلیات'' کا کالم بھی سالہا سال خود لکھتے رہے، کافی بعد میں تخصص فی الادب کے طلبہ سے بھی اس میں تعاون لینے لگے تھے، پھر ادھر جب حضرت مولانا عارف جمیل صاحب مبارک پوری زیدمجدہم پرچے کی ادارت میں بحیثیت معاون شریک ہوئے تو یہ کالم اُن کے سپرد ہو گیا، ''الفكر الاسلامی'' نامی کالم میں بھی عموماً آپ کا تعریب کردہ کوئی نہ کوئی مضمون ضرور شامل اشاعت ہوتا، اسی طرح ''الی رحمۃ اللہ'' کا کالم تھا جس میں وفات پانے والے مشاہیر اہل علم اور معروف شخصیات پر لکھتے رہے، بسا اوقات ایک ہی شمارے میں کئی کئی شخصیات پر لکھنا پڑتا تھا، کم ہی شمارے اس کالم سے خالی

ہوتے تھے، اس کے علاوہ رپوٹیں اور نئی مطبوعات پر تبصرے وغیرہ کے انداز کی چیزیں بھی وقتاً فوقتاً لکھنا ہوتی تھیں۔

یہ رسالے کی تیاری کا پہلا مرحلہ ہوتا، دوسرا مرحلہ اس کی پروف ریڈنگ اور تصحیح کا ہوتا، یہ کام بھی ایک عرصہ دراز تک حضرت خود کرتے رہے، مولانا ہر چیز نہایت عمدہ اور معیاری انداز کی چاہتے تھے، کسی دوسرے سے کام لینے میں وہ چیز نہیں ہوسکتی جو خود سے کرنے میں ہوتی ہے؛ اس لئے عرصہ دارز تک اس سلسلے میں کسی دوسرے کے تعاون سے دست کش رہے، بعد میں بعض رفقاء کار اور لائق وفائق طلبہ سے بھی اس سلسلے میں جزوی تعاون لینے لگے تھے۔

آدمی کو سفر اور بیماری وغیرہ کے بہت سے عوارض زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کے بہت سے کام آگے پیچھے ہو جاتے ہیں، مولانا بھی ان سے دوچار ہوتے؛ مگر پرچے کی تاخیر کو گوارا نہ کرتے، اور سوجتن کر کے اسے وقت پر لانے کی پوری کوشش کرتے اور لاتے۔

اس طرح شبانہ روز کی محنت اور سعی پیہم کے ذریعہ آپ نے پرچے کو ترقی دی اور اپنا خون جگر نچوڑ کر اس کی آبیاری کی، کہتے تھے: ''مولانا! میں بہت سی چیزیں آزادرہ کر لکھنا چاہتا ہوں، مگر مجھے تو الداعی کا پیٹ بھرنے سے ہی فرصت نہیں، ایک شمارہ تیار کرو، اگلا سر پر سوار ہوتا ہے، اس پرچے نے میرے پاؤں باندھ دئے ہیں، آزادی سے سفر نہیں کر سکتا'' اللہ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے! واقعہ یہ ہے کہ اُنہوں نے الداعی کی ادارت کا حق ادا کر دیا، اور بزبان حال کہہ گئے: (ترمیم کے لئے معذرت)

تیرے جمال کے لئے، تیرے کمال کے لئے
حالت دل کی تھی خراب اور خراب کی گئی

ہر کالم کا رنگ جداگانہ تھا

مولانا کے ہر کالم کا اپنا ایک رنگ تھا ''کلمۃ المحرر'' پرچے کا سب پہلا کالم تھا، جو باریک

تحریر میں ایک صفحے پر مشتمل ہوتا، اگر دو مہینے کا شمارہ ایک ساتھ ہوتا تو عموماً دو صفحے پر مشتمل ہوتا، مولانا نے کسی موقع سے فرمایا تھا: پرچے کا اداریہ چوں کہ طویل ہوتا تھا اس لئے ارادہ ہوا کہ اس کا خلاصہ ایک صفحے میں اس کالم میں پیش کر دیا جائے، کچھ دنوں تک ایسا ہی ہوتا رہا، مگر بعد میں بیک وقت ایک سے زائد موضوعات پر لکھنے کی ضرورت پیدا ہوتی رہی، اس لئے دونوں کے موضوع الگ رہنے لگے، اس کالم میں عموماً ہندستان یا عالم اسلام میں اسلام اور ملت اسلامیہ سے متعلق پیدا ہونی والی صورت حال یا اسی انداز کی کسی خبر یا واقعہ پر اظہار خیال کرتے، اس کالم کے جملے نہایت طویل ہوتے، اکثر تین چار پیرا گراف میں اپنی بات کہہ جاتے اور ہر پیرا گراف مکمل ایک ہی جملہ ہوتا، مگر تحریر کی روانی اور بہاؤ ایسا ہوتا کہ جملہ کی طوالت فہم مراد میں مخل نہ ہوتی؛ بلکہ اس سے ایک طرح کی ندرت پیدا ہوتی جو قاری کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتی، اس کالم کے بہت سے مضامین اپنے اختصار کے باوجود نہایت مؤثر ہیں۔

دوسرا کالم ''کلمۃ العدد'' پرچے کا تفصیلی اداریہ ہوتا، مولانا نے فرمایا: ''پہلے میں زیادہ تر خالص دینی و اسلامی مضامین لکھا کرتا تھا، مگر جب امریکا نے عراق پر پہلی بار حملہ کیا اور اسلام دشمن طاقتوں نے صرف عراق ہی نہیں؛ بلکہ پورے عالم عرب کے وسائل پر قبضہ کرنے اور اپنے استعماری منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے ہر محاذ پر سرتوڑ کوششیں شروع کر دیں اور ہر طرف سازشوں کے جال بچھا دئے، تو ان حالات نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور پھر یہی چیزیں میرے اداریوں کا دائمی موضوع بن گئیں''۔ اس کے علاوہ مسئلہ فلسطین بھی روز اول سے مولانا کی دلچسپیوں میں سرفہرست رہا، مولانا حالات کا گہرائی سے مطالعہ کرتے، اتار چڑھاؤ پر مکمل نظر رکھتے، اور ایک ماہر اور باخبر مبصر کی طرح حالات اور تازہ ترین صورتِ حال کا مؤمنانہ اور جرأت مندانہ تجزیہ کرتے، خطروں سے آگاہ کرتے اور مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے، اللہ نے انھیں تحریر و انشاء کا جوز بردست ملکہ دے رکھا تھا اس سے ان خشک موضوعات میں ایسا رنگ بھرتے اور ایسا دلکش بنا دیتے کہ تحریر قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتی، مولانا چونکہ صحافی اور قلم کار ہونے کے

ساتھ دینی غیرت وحمیت سے بھرپور تھے؛ لہٰذا قاری کو آپ کی تحریروں سے جہاں حالات کا صحیح ادراک ہوتا وہیں غیرت وحمیت کے لاوے بھی اس کے دل میں تیز ہوجاتے۔اس بنیادی موضوع کے علاوہ مختلف حالات اور محرکات کے ماتحت دوسرے دینی،علمی،اخلاقی،سیاسی وسماجی موضوعات پر بھی قلم اٹھاتے تھے۔

مولانا کا تیسرا کالم ''اشراقۃ'' تھا،جوان کا محبوب اور پسندیدہ کالم تھا،یہ وہ مرغزارخیال تھاجہاں ملت اسلامیہ کے مسائل اور وقت سے چیلنجز سے نبردآزمائی کے بعد مولانا کا رہوار قلم سیر وتفریح کے لئے نکلتا تھا،اس وادی پربہار میں سنگین سیاسی یا دقیق علمی موضوعات کی کوئی جگہ نہیں تھی،یہاں مولانا اپنے قلبی واردات،زندگی کے مشاہدات وتجربات،روزمرہ کے حالات اور گردوپیش کے ماحول سے ملنے والے قیمتی اور مفید نتائج کو زیرقلم لاتے،اس کالم کوتحریر کرتے ہوئے قلم کی جولانیاں اپنے عروج پر ہوتیں،آمد کا تسلسل ہوتا،اسلوب انتہائی شگفتہ اورزورانشا دیدنی ہوتا،بات سے بات نکالتے،قصۂ زلف کو دراز سے درازتر کرتے،لکھتے جاتے اور کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی فصیح وبلیغ تعبیرات نوک خامہ سے سرکتی اور پھسلتی جاتیں،مولانا کا یہ کالم ادب وانشا کا زبردست شاہکار تھا۔

''الی رحمۃ اللہ'' کا کالم حضرت مولانا کے ساتھ خاص تو نہ تھا؛لیکن اس کی بھی تمام تر رونق مولانا کے مضامین سے تھی،مولانا اس کالم میں وفات پانے والی معروف علمی،ادبی،اصلاحی اور بسااوقات سیاسی وسماجی شخصیات پر لکھتے تھے،یہ مضامین گرچہ تأثراتی ہوتے،مگر اس میں وفات یافتہ شخصیات کے خال وخد،مزاج ومذاق،مہارت واختصاص اور کمالات وخدمات کا بہترین مرقع پیش کیا جاتا،زندگی کے حالات پر بھی مختصراً روشنی ڈالی جاتی،جس کی وجہ سے زیر تذکرہ شخصیت کا مکمل خاکہ سامنے آجاتا،حضرت مولانا ایک عزلت پسند اور گوشہ نشین آدمی تھے، لوگوں سے ملنا ملانا تقریباً نہ کے درجہ میں تھا؛لیکن کسی پر قلم اُٹھاتے تو زیرتذکرہ شخصیت کے بارے میں اُن کی معلومات قاری کو چونکادینے والی ہوتیں تھی،غضب کی ژرف نگاہی تھی،ایک ہی

ملاقات میں وہ آدمی کے مزاج و مذاق کو اتنا جان لیتے تھے جو عام آدمی کے لئے برسوں میں ناممکن تھا۔

مولانا کے اشراقے پانچ ضخیم جلدوں میں ''من وحی الخاطر'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، الداعی میں شاملِ اشاعت مضامین کے اس کے علاوہ چند اور مجموعے بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔

دیگر قلمی سرگرمیاں

الداعی کے علاوہ دار العلوم دیوبند کے عربی زبان سے متعلق جو تحریری کام ہوتے تھے، جیسے مراسلت، سپاس نامے اور اس نوعیت کے دوسرے کام وہ بھی مولانا انجام دیتے تھے، اس کے علاوہ مختلف اداروں، پرچوں، اخبارات و افراد کی طرف سے الگ الگ انداز کی تحریروں کے تقاضے ہوتے تھے، مصروفیات و اعذار اگر اجازت دیتے تو ان تقاضوں کو بھی پورا کرنے کی کوشش کرتے۔

مولانا سیال اور بسیار نویس قلم کے مالک تھے، آپ نے عربی زبان میں جو عظیم نثری ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے وہ برصغیر میں شاید ہی کسی صاحب قلم کے حصے میں آیا ہوگا۔

اُردوئے معلّٰی پر مثالی دسترس

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستانی ہونے کے باوجود بھی اردو زبان میں آپ کا تحریری سفر بہت دیر سے شروع ہوا، عربی زبان سے والہانہ لگاؤ، اور پھر عنفوان شباب ہی میں عربی ادب وانشاء کی تدریس اور عربی مجلّے کی ادارت سے وابستگی کی وجہ سے قدرتی طور عربی زبان ہی آپ کے افکار و خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنی، اور تقریباً تین دہائی تک مسلسل آپ کا قلم اس زبان میں محوِ سفر رہا، اس عرصے میں اردو زبان میں غالبًا کوئی قابل ذکر چیز آپ کے قلم سے نہیں نکلی، اور شاید اردو میں لکھنے کا کوئی قوی محرک بھی آپ کے سامنے نہیں آیا، مگر جب ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق اپریل ۱۹۹۵ء میں آپ کے محسن و مربی اُستاذ عربی زبان کے عبقری معلم حضرت مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا، تو آپ اس حادثہ سے بے پناہ متأثر ہوئے، اور عربی کے ساتھ اُردو زبان میں بھی مولانا مرحوم پر لکھنے کا طاقتور داعیہ پیدا ہوا، ابتداء میں مختصر مضمون کا ارادہ تھا، مگر شخصیت حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی جیسے عبقری اور

صاحب کمال انسان کی اور قلم حضرت مولانا نور عالم امینی جیسے قادر الکلام ادیب کا، ''ذکر اُس پری وش کا، اور پھر بیاں اپنا'' حکایت لذیذ سے لذیذ تر تھی، اس لئے مضمون طویل سے طویل تر ہوتا گیا، بالآخر حضرت مولانا نے اس کو کسی رسالے میں شائع کرنے کے بجائے کتابی شکل میں لانے کا فیصلہ کیا، اور ''وہ کوہ کن بات'' منظرِ عام پر آ گئی۔

مولانا نے یہ کتاب حد درجہ اخلاص اور عقیدت ومحبت میں ڈوب کر لکھی تھی، اس لئے زبان کی شگفتگی، انداز بیان کی برجستگی وبے ساختگی کے اعتبار سے یہ صرف سوانح حیات ہی نہیں، بلکہ ایک ادبی شاہ کار اور اردوئے معلّٰی کا شہ پارہ بھی تھی، کتاب کا نام بھی روایتی انداز سے ہٹ کر بالکل چونکا دینے والا تھا، ان باطنی اور معنوی خوبیوں کے ساتھ کتاب کا ظاہر بھی نہایت نفیس اور دیدہ زیب تھا، کتاب مارکٹ میں آئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور زبان وادب سے وابستہ محترم شخصیات نے اس پر بلیغ تبصرے کئے۔ اس موقع پر غالباً مولانا کو اردو زبان میں اپنی قوت انشاء پردازی کا پہلی بار صحیح ادراک ہوا جس کا اُنہوں سے اس سے پہلے امتحان نہیں کیا تھا، اس کے بعد اردو میں بھی لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور آپ کا شمار عربی کے ساتھ اُردو کے بھی ممتاز قلم کاروں میں ہونے لگا۔

یادش بخیر!

مجھے تدریب فی دارالافتاء کے سال اپنے محبوب استاذ حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ مفتی دارالعلوم دیوبند سے حد درجہ تعلق خاطر رہا، تدریب کے دوسرے سال حضرت کے حصہ کی ساری ڈاک میں ہی لکھا کرتا تھا، حضرت کو مجھ پر اعتماد تھا، بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے، اور بڑی دعائیں دیتے، مفتی صاحب مولانا امینی کی طالب علمی کے زمانے میں ان کے محسن رہے تھے۔ ایک مرتبہ کسی موقع سے میں نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا: حضرت! آپ کا ہمارے استاذ مولانا نور عالم امینی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ کیسا لکھتے ہیں؟ حضرت نے جیسا کہ ان کا مزاج تھا بڑی سادگی کے ساتھ برجستہ فرمایا:

''نور عالم بھلا آدمی ہے، جب یہاں پڑھتا تھا تو ہم سے بہت قریب تھا، اب بھی اس تعلق کو نباہتا ہے، اور وقتاً فوقتاً ہماری مزاج پرسی اور ضیافت بھی کرتا رہتا ہے، لکھتا بھی بہت اچھا ہے، مگر اس میں کمی یہ ہے کہ وہ عربی ہی میں لکھتا ہے، ٹھیک ہے عربی میں لکھے، مگر اسے اردو میں بھی لکھنا چاہیے، یہاں کے لوگ عربی تو سمجھتے نہیں، پھر اسے یہاں کون جانے گا اور کون اس کی چیزوں سے فائدہ اٹھا سکے گا''۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے موقع پر میں نے حضرت مولانا کو فون کیا ،مولانا دیر تک حضرت مفتی صاحب کی خوبیوں پر گفتگو فرماتے رہے، میں نے اس موقع سے حضرت مفتی صاحب کی یہ باتیں اِسی انداز سے حضرت مولانا کو سنادیں، مولانا بے حد محظوظ ہوئے اور کہتے رہے مفتی صاحب کی بات بالکل صحیح ہے، اردو میں لکھنے کا مفتی صاحب کا جو مشورہ تھا اس سے کئی بار اپنے اتفاق کا اظہار کیا، مولانا کو خود بھی اس کا احساس شدت سے تھا، وہ باقاعدگی سے اردو میں لکھنا چاہتے تھے؛ مگر ماہنامہ الداعی کی ادارتی مصروفیات خاطر خواہ موقع اور وقت فراہم ہونے سے مانع رہیں؛ لیکن اس کے باوجود بھی جو کچھ آپ نے لکھا وہ سیکڑوں صفحات سے متجاوز ہے، اور خاصا حصہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے، آپ کی اُردو تالیفات میں ''وہ کوہ کن کی بات''، ''حرفِ شیریں'' اور ''پسِ مرگ زندہ'' بہت مقبول ہوئیں، ''رفتگانِ نارفتہ'' کے نام سے نئی کتاب منظر عام پر آیا چاہتی ہے، اُمید ہے کہ یہ کتاب بھی ناظرین سے خراج تحسین حاصل کرے گی۔

آپ کی اردو اردوئے معلّٰی تھی، فارسی کا رنگ گہرا اور نمایاں تھا، جو کچھ لکھتے خواص کے لئے لکھتے تھے، عوام اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے آپ کی زبان ناقابل فہم یا مشکل تھی؛ البتہ بعد کی تحریروں کی زبان ابتدائی تحریروں کے مقابلے میں قدرے آسان ہے، مجھے آپ کی اردو تحریروں کے مقابلے عربی تحریریں زیادہ اچھی لگتی ہیں، عربی میں آپ کا اسلوب بیان زیادہ فصیح، دلکش، شگفتہ اور عام فہم معلوم ہوتا ہے۔

اُردو عربی ترجمہ میں بے نظیر مہارت

ترجمہ اور انشا پردازی دو الگ الگ فن ہیں، اور دونوں کو باقاعدگی کے ساتھ سیکھنا پڑتا ہے، ایسا ضروری نہیں کہ جو مضمون لکھ لے وہ معیاری ترجمہ بھی کرلے، یا جو ترجمہ کا ماہر ہو اسے انشاء پر بھی قدرت ہو، باکمال صاحب قلم وہی ہے جسے دونوں پر دسترس ہو، مولانا دونوں کے یکساں ماہر تھے، اور ہم طلبہ کو دونوں چیزوں میں مہارت پیدا کرنے کی تاکید کرتے تھے، یوں تو مولانا کو اردو سے عربی اور عربی سے اُردو دونوں ترجموں پر کامل عبور تھا، مگر عملاً اردو میں ترجمہ کی بنسبت تعریب کا کام زیادہ کیا، بالکل ابتدائی دور سے ہی اس کا آغاز ہوگیا تھا، دارالعلوم ندوہ کی مدرسی کے زمانے میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے سیکڑوں صفحات عربی میں منتقل کئے، مولانا فرماتے تھے: ''حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ مجھے تعریب کے لئے مختلف چیزیں دیتے، میں جب ترجمہ کرکے لے جاتا تو بہت خوش ہوتے، اور فرماتے: ''مولوی نور عالم تو ترجمہ کی مشین ہیں اِدھر سے اُردو ڈالو اور اُدھر سے عربی لے لو''۔

آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالعلوم کے زمانہ قیام میں بہت سے مشاہیر اہل قلم کی اہم کتابوں کے ترجمے کئے ہیں، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' کا ترجمہ کیا، اور اسے ''علماء دیوبند اتجاہہم الدینی ومزاجہم المذہبی'' کے نام سے شائع کیا، ترجمہ اتنا عمدہ اور فاضلانہ ہے کہ نقل پر اصل کا گماں ہوتا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کے بہت بڑے حصے کا ''الداعی'' میں قسط وار ترجمہ کیا اور بعض حصے کو شائع بھی کیا، اس طرح مولانا کے کارناموں کی فہرست میں آپ کے عربی ترجموں کا حجم بھی اچھا خاصا ہے۔

مولانا فرماتے تھے کہ: ''جس تحریر کا ترجمہ کرنا ہو پہلے اسے مکمل پڑھ لیا جائے، پوری بات جب سامنے آجائے گی تو ترجمہ میں سہولت ہوگی، کہاں استدراک کی ضرورت ہے، کہاں حاشیہ لگانا ہے، کیا لگانا ہے، ترجمہ میں دشواریوں کہاں کہاں ہیں؟ ان باتوں کا اندازہ ہوجائے

گا، اور ترجمہ شروع کرنے سے پہلے ذہن ان مسائل کا حل ڈھونڈ لے گا، ایک بار پڑھ لینے کے بعد پھر جب ترجمہ کرنے بیٹھے تو پورے پیراگراف پر ایک نظر ڈالے اور اس کے بعد ایک ایک جملے کو دوسری زبان کا لباس دیتا جائے''۔

مولانا تو کام کرتے کرتے اتنے ماہر ہو گئے تھے، کہ ترجمہ کرنے بیٹھتے اور بڑی آسانی سے کرتے چلے جاتے، یوں محسوس ہوتا جیسے کتاب سے کوئی مضمون کاغذ پر منتقل کر رہے ہوں۔

تحریروں میں بعض اہم التزامات

(۱) مولانا اپنی اردو و عربی کی تمام تحریروں میں املا کی صحت کا التزام رکھتے تھے (۱) رموز واوقاف کا مکمل اہتمام تھا (۳) آیاتِ قرآنیہ اور اَحادیث مبارکہ کو مکمل با اعراب لکھتے (۴) کوئی چیز کہیں سے نقل کرتے تو مکمل حوالے کے ساتھ نقل کرتے (۴) فعل مجہول، اور جن ابواب میں اسم فاعل واسم مفعول کے صیغے ہم شکل ہوتے ہیں ان میں اسم مفعول کو حرکتوں کے ذریعہ واضح کرتے، عبارت میں جن جن الفاظ میں قاری کے اشتباہ میں پڑھنے کا اندیشہ ہوتا وہاں بھی ضروری حرکات کے ذریعہ اشتباہ کو دور کر دیتے، اس غرض سے اردو تحریروں میں بھی زیر وزبر پیش لگاتے، حالانکہ کمپوٹر کی کتابت میں اس کی وجہ سے اکثر وبیشتر الفاظ کا حسن متاثر ہو جاتا تھا (۵) تاریخ وسن کا بھی بہت اہتمام تھا، دوران تحریر کسی گذری ہوئی شخصیت کا تذکرہ آتا تو بین القوسین اس کی تاریخ پیدائش ووفات ضرور لکھتے، حالاں کہ اس میں بڑا وقت صرف ہوتا تھا (۶) بات حد درجہ واضح انداز میں کہنے کی کوشش کرتے، جس سے قاری کے سامنے بات بالکل نکھر کر آجاتی؛ مگر اس کی وجہ سے ایک تو آپ کی تحریریں طویل ہو جاتی تھیں۔ دوسرے جملوں کے درمیان بین القوسین یا بین الخطین وضاحتی جملے (جمل معترضہ) کثرت سے آتے جس سے تسلسل کسی قدر متأثر ہوتا۔

یہ چیزیں ایسی ہیں جو خاص طبقہ علماء میں مولانا کے امتیازات میں شامل ہیں، اور ان میں اکثر باتیں قابل تقلید ہیں، خاص طور سے شروع کی چار باتیں نہایت اہم بلکہ ضروری ہیں،

البتہ یہ وضاحت مفید معلوم ہوتی ہے کہ اردو املا کے سلسلے میں مولانا کے کچھ تفرادات ہیں جو عام طور سے رائج نہیں ہیں، اور ان میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں کہ کمپیوٹر کتابت میں اپنی سیٹنگ بنائے بغیر ان کو برتنا ممکن بھی نہیں ہے، اس لئے ایسی چیزوں میں عام روش پر چلنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

وہ خواب جو بکھر گیا

مولانا کے قلم سے نکلنے والی تحریریں ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں، مگر فصیح و معیاری نثر کا یہ گنج گراں مایہ مجلّات اور رسائل کے صفحات میں مدفون ہے، مولانا اس قیمتی خزانے کو کتابی شکل میں منظر عام پر لانا چاہتے تھے، اور اس سلسلے میں ایک لمبے چوڑے منصوبے پر مسلسل سرگرم عمل تھے، چنانچہ ادھر پچھلے چند سالوں میں ان کی تحریروں کے کئی مجموعے یکے بعد دیگرے شائع ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ بھی گئے، مگر اس سمت میں لمبا کام ابھی باقی تھا، اگر زندگی نے چند سال اور وفا کی ہوتی تو اللہ کی ذات سے یہی اُمید تھی کہ یہ منصوبہ بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا؛ مگر اچانک حادثۂ وفات کے پیش آجانے سے اس پورے منصوبے پر پانی پھر گیا، مولانا نے عربی میں عرب وعجم کی معروف شخصیات کی وفات پر جو تأثراتی مضامین تحریر کئے وہ بڑے اہم ہیں اور تعداد میں بہت زیادہ ہیں، اگر ان کو مرتب کیا جائے تو کئی ضخیم مجموعے تیار ہوجائیں گے، یہ سارا کا سارا ذخیرہ ابھی اشاعت کا منتظر ہے۔ مولانا کی وفات کے بعد ان کی چیزوں کو ان کے معیار پر تو کوئی کہاں لا پائے گا، مگر پھر بھی یہ آرزو زبان وقلم پر دعا بن کر بار بار آرہی ہے کہ کاش باری تعالیٰ مولانا کے ناتمام منصوبے کی تکمیل کی کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے!!۔

عمدہ ونفیس خط

مولانا اخیر تک قلم ہی سے لکھنے کے عادی رہے، خط نہایت نفیس وپاکیزہ تھا، حروف کی نوک پلک بڑی واضح ہوتی تھی، الفاظ پروئی ہوئی موتیوں کی طرح مرتب اور سطریں تیر کی طرح سیدھی ہوتیں، عربی تحریروں میں خط رقعہ زیر استعمال رہتا، اس کے علاوہ بھی آپ متعدد رسم الخط

کے ماہر تھے، انھیں اگر اپنی قلمی تحریر ہی کسی کو ارسال کرنی ہوتی، تو اسے ہاتھ کی تین انگلیوں سے ذرا ٹھہر کر لکھتے، مگر جو تحریریں کمپوزنگ کے لئے ہوتیں ان میں انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو مطلقاً زحمت نہ دیتے، بیچ کی دونوں انگلیوں کے درمیان قلم کو سنبھالتے اور ہاتھ کاغذ سے مس کئے بغیر تیزی سے لکھتے، اس طرح لکھنے میں مولانا کو سہولت زیادہ ہوتی تھی، یہ بھی مولانا کا ایک عجیب وغریب کمال تھا، میں نے کبھی کسی کو اس طرح لکھتے نہیں دیکھا تھا، اس لئے یہ منظر میرے لئے باعث حیرت بھی ہوتا اور سبب دلچسپی بھی، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس طرح بھی کیسے لکھا جاسکتا ہے؛ مگر مولانا لکھتے تھے اور خوب لکھتے تھے۔

عربی کے باکمال اور بافیض معلم

تحریر وانشاء کی طرح تدریس میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا، ان کے پاس تفہیم وتشریح کا وہبی ملکہ تھا، خوبی بیان، حسن ادا اور عمدہ تمثیل سے معنویات کو محسوسات کے پیکر میں ڈھال دینا ان کا ادنیٰ کمال تھا، تکمیل ادب اور تخصص فی الادب میں مولانا سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ درسگاہ ہمیشہ وقت پر پہنچتے، حاضری ہوتی، پھر خالص عربی لب ولہجے میں عبارت خوانی ہوتی، تکمیل ادب کے ہر طالب علم کے لئے عبارت پڑھنا ضروری تھا، اس کے لئے باری متعین تھی، روزانہ کم از کم پانچ طلبہ عبارت پڑھتے، جو پہلے سے تیاری کر کے آتے، اس کے بعد مولانا الفاظ وتعبیرات کی تشریح کرتے، وہ زبان کے رمز شناس، بلند پایہ ادیب تھے، عربی ان کے لئے موم کر دی گئی تھی، تشریح کے دوران وہ جب کسی لفظ کو فنی مہارت کے ساتھ مختلف جملوں میں الگ الگ انداز سے گھماتے تو لفظ اپنے پورے مزاج اور صحیح مفہوم کے ساتھ اچھی طرح دل نشیں ہوجاتا، یہیں فن کو صاحب فن سے سیکھنے کی اہمیت بھی سمجھ میں آتی، اس کے بعد عبارت کے ترجمہ کا نمبر آتا، مولانا عربی اخبارات کے تراشے پڑھاتے تھے، جس میں جملے بہت طویل ہوتے، اس لئے پہلے جملے کے اجزاء کا الگ الگ ترجمہ کرتے، پھر مکمل جملے کا ترجمہ کرتے، اور اس دوران کی ترجمہ کی باریکیوں کو واضح کرتے، اور فنی ومعیاری ترجمہ کے مختلف اصولوں کی طرف

رہنمائی کرتے۔ مولانا کے بتائے ہوئے ان اصولوں سے میں نے بے حد فائدہ اٹھایا۔

درس گاہ میں مولانا کا بڑا رعب ہوتا، ہر طالب علم مستعد، گوش برآواز اور چوکنا رہتا، جہاں کسی کو غافل پاتے پوچھ بیٹھتے: ''مولانا! میں نے کیا کہا؟'' اس سوال کے پیچھے غیظ و غضب کا ایک طوفان دستک دے رہا ہوتا جس سے ہر کوئی خائف رہتا، مولانا جملے چست کرنے اور چٹکی لینے میں ماہر تھے، بس کسی ادنیٰ محرک کی ضرورت ہوتی، طالب علم کی کوئی چوک، کسی کا عجیب غریب حلیہ یا الول جلول ہیئت ہی اس کے لئے کافی تھی۔ اس طرح وہ اپنی لطیف چھیڑ چھاڑ سے مجلس کو باغ و بہار بنائے رکھتے، کبھی کسی پر غصہ ہوتے تو زورِ فصاحت اپنے عروج پر پہنچ جاتا، جملوں میں عجیب طرح کی ظرافت آمیز شوخی ہوتی، جو حاضرین مجلس کے لئے اُن کی بذلہ گوئی کی طرح ہی پر لطف ہوتی، مولانا ہی سے سنا ہوا اک شعر برموقع یاد آیا:

باتیں ہماری یاد رہیں، باتیں نہ ایسی سنیے گا
کہتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

وہ سبق میں ذرا ذرا سی مناسبت سے مضمونِ کتاب سے ہٹ کر ہر طرح کی چیزوں کو زیر بحث لے آتے، اور اپنے تجربات و مشاہدات اور معلومات کے موتی بکھیرنے لگتے، جس سے ذہن و دماغ کی پرتیں کھلتیں، عقل روشن ہوتی اور فکر و خیال کو جلا ملتی، وہ پورا گھنٹہ پڑھاتے، اور جیسے ہی گھنٹہ بجتا وہ اٹھ کھڑے ہوتے، ہم ان کی کلاس سے نکلتے تو دل شاد اور دماغ مسرور ہوتا، معلومات میں نمایاں ترقی محسوس ہوتی اور دامن گوہر مراد سے بھرتا نظر آتا۔

مولانا تحریروں کی اصلاح میں بڑی مہارت رکھتے تھے، تخصص فی الادب اور اس کے بعد کے سالوں میں میری تحریروں کی اصلاح فرماتے رہے، جب اصلاح کے لئے بلاتے تو ہمیں اپنے بالکل پاس کھڑا کرتے، قلم سطروں کے اوپر اوپر دوڑنے لگتا، کہیں کچھ بڑھاتے، کہیں گھٹا دیتے، کہیں بدل دیتے، کہیں صرف رموز اوقاف کی کوئی علامت بنا دیتے، ایسا محسوس ہوتا کہ گرہیں کھلتی چلی جا رہی ہیں، جہاں غلطی ہوتی قلم وہیں رکتا، اور پھر جلدی سے ہمیں وضاحت

کرنی ہوتی۔ بڑی سہولت اور تیزی سے اصلاح کیا کرتے تھے، مگر یہ عمل ان کے لئے بڑا بورکن تھا، بادل ناخواستہ کیا کرتے۔ جب تک تحریر چیک کرتے ہمارا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہتا، کچھ پتہ نہیں کب طیش میں آجائیں، اور کب کسی احمقانہ غلطی پر کاپی جھٹک دیں۔ ایک مرتبہ بتا دینے کے بعد وہی غلطی اگر دوبارہ ہوتی تو پھر خیر نہ تھی، ہم امکانی حد تک غلطیوں پر قابو پانے کی پوری کوشش کرتے اور بار بار تحریر کو پڑھ کر اطمینان کرتے، مگر مولانا جب چیک کرنے بیٹھتے تو جو غلطیاں بار بار پڑھنے کے باوجود بھی پکڑ میں نہ آتیں، نگاہ جا کر سیدھے وہیں ٹھہرتی، اور زمین پاؤں کے نیچے سے سرکنے لگتی، اس ڈر کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحریروں میں بار بار ہونے والی غلطیوں پر بڑی حد تک ہم جلدی قابو پا گئے، مولانا کی طرح تحریروں کی اصلاح کرنے والا میں نے نہیں دیکھا، پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں بیک جنبش خامہ سلجھ جاتی تھیں۔

مولانا ہم طلبہ کو اپنی تمرینی وغیر تمرینی تحریروں میں صحت املا اور رموز اوقاف کے استعمال کی تاکید کرتے اور پابند بناتے، ہم کندہ ناتراش کی صورت میں ان کے پاس پہنچے تھے، خط واجبی انداز کا، املا کے قواعد سے بے خبر، رموز اوقاف سے ناواقف، ہم سے بکثرت فروگذاشتیں ہوتیں، جن سے مولانا کو بڑی اذیت ہوتی؛ مگر ان چیزوں کو نظر انداز کر کے گذرنے والے نہ تھے، وہ ہر قیمت پر ہمیں ٹھیک کرنا چاہتے؛ مگر افسوس! کہ ہم اپنی سہل انگاری اور لاابالی پن کی وجہ سے ان باتوں کے پوری طرح پابند نہ ہو سکے:

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل

تابِ گویائی

مولانا کا تکلم بڑا عمدہ، صاف اور واضح تھا، آواز و انداز میں دلکشی تھی، اردو عربی دونوں کو نہایت سلیقے اور بہترین لب و لہجے میں بولتے تھے، اردو تو ہمہ وقت زیر استعمال تھی؛ اس لئے سننے کا موقع بھی خوب ملا؛ البتہ عربی میں گفتگو سننے کے مواقع زیادہ نہیں آئے، چند بار ٹیلیفون پر کسی عرب شخصیت سے عربی میں گفتگو کرتے ہوئے سنا، یا ایک بار جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا

ٹرانسپورٹ نگر مرادآباد کے النادی الادبی کے سالانہ عربی اجلاس میں، اور تقریر تو یہیں پہلی اور آخری بار سنی؛ اس لئے کہ مولانا جلسے جلوس میں شرکت سے حد درجہ دور ونفور تھے، مولانا کی یہ تقریر عربی اردو دونوں میں تھی، عربی میں بولنا شروع کیا تو بڑی سلاست اور روانی سے بولتے رہے، اسلوب دلکش اور الفاظ ان کی تحریروں کی ہی طرح فصیح وپُرشوکت تھے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں مولانا نے محسوس کیا کہ حاضرین کی اکثریت نطق عربی کی وجہ سے محوحیرت ونظارہ تو ہے، پر سمجھنے سے قاصر ہے؛ اس لئے اردو میں بولنا شروع کر دیا، پھر تو گل افشانیِ گفتار کا انداز نرالا ہی تھا، آواز بلند ہوگئی، اور زور خطابت اپنے عروج کو پہنچا۔

آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر اَدا سنت ہے، جس کی پیروی ہر مسلمان کے لئے سعادت اور باعث اجر وثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ نے ہمیشہ عربی زبان ہی کو اپنے افکار وخیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا؛ لہٰذا عربی زبان کو اپنانا بھی سنت اور باعث اجر وثواب ہوگا، ہمیں عربی کو محض ایک زبان کے طور پر نہیں ؛ بلکہ عبادت اور دین سمجھ کر پڑھنا پڑھانا اور لکھنا بولنا چاہیے۔ فرمایا: ہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے منہج ومشرب سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ عربی میں ان کا قد کتنا اونچا تھا؟ اُس عہد میں ان کے جیسی فصیح وبلیغ اور کتاب وسنت سے قریب تر زبان لکھنے والے عجم تو کیا بلادِ عرب میں بھی موجود نہیں تھے، ان کے دوسرے کمالات کی وجہ سے ان کا یہ کمال نظروں سے اوجھل ہوگیا، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے عربی کے سب سے بڑے انشاء پرداز تھے۔

آپ نے فرمایا: جس طرح اقبال نے اپنے بلند افکار وخیالات کے اظہار کے لئے اردو میں اپنا ایک اسلوب؛ بلکہ ایک نئی زبان تراشی ہے، اگر وہ اپنے عظیم افکار کو میر وغالب کی نرم ونازک زبان پر مسلط کر دیتے تو اس کے پرخچے اڑ جاتے، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے بلند علوم ومعارف کے اظہار لئے نئی زبان تراشی ہے، ان کے زمانے کی گھسی پٹی عربی ان کے علوم ومعارف کا ترجمان بننے سے قاصر تھی۔

مولانا کی گفتگو کا یہ تھوڑا سا حصہ حافظے کے کسی گوشے میں پڑا رہ گیا تھا، جو اس وقت اچانک یاد آ گیا، جو لوگ مولانا کے انداز خطابت سے آگہی کے بارے میں دلچسپی رکھتے ہیں، انھیں مولانا کی کتاب ''حرف شیریں'' کا مطالعہ کرنا چاہیے، یہ کتاب درحقیقت مولانا کی ایک تقریر ہے جو آپ نے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں النادی الادبی کے سالانہ عربی پروگرام میں فرمائی تھی، یہ تقریر اردو میں ہے۔

دارالعلوم کے تئیں مولانا کا اخلاص

وہ دارالعلوم کے تئیں بے حد مخلص اور وفادار تھے، اور اس کو بہتر سے بہتر دیکھنا چاہتے تھے، اس کے تعلق سے کوئی اچھی بات سنتے تو خوش ہوتے، میڈیا وغیرہ میں اس کے خلاف ہرزہ سرائی سے بے حد مغموم ہوتے، وہ دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم کے گرویدہ تھے، چنانچہ دورانِ درس اور اپنی عام مجالس میں دارالعلوم اور مشائخ دارالعلوم کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے۔ الداعی کے ذریعہ دارالعلوم کی بہتر ترجمانی کی کوشش کرتے، دارالعلوم کی نمائندگی کے لئے بہترین تحریریں لکھتے، اس غرض سے اپنے طور پر بھی مختلف مواقع پر عربی سفارت خانوں اور عالم عرب کی معروف علمی وسیاسی شخصیات کو مختلف انداز کے خطوط اور پیغامات ارسال کیا کرتے تھے۔

مولانا اَدیب سے پہلے عالم دین تھے

مولانا اَدیب سے پہلے ایک عالم دین تھے، شب خیزی ان کا معمول تھا، فجر کے بعد تلاوت پابندی سے کرتے، ذکر وتسبیح کا بھی اہتمام رکھتے، ان کے دل میں اہل علم، بزرگان دین اور صاحبان صلاح وتقویٰ کا بے حد احترام تھا، حضرت تھانوی کے بے حد معتقد تھے، باتوں باتوں میں ان کا ذکر کرتے ''مولانا صدیق باندوی'' اور ''مولانا ابرارالحق ہردوئی'' ان کی گفتگو میں خلوص وللّٰہیت کا استعارہ بن چکا تھا، وہ امت کے مسائل پر اسلامی نقطہ نگاہ سے سوچنے اور غور وفکر کرنے کے عادی تھے، دینی غیرت وحمیت ان کی گھٹی میں پڑی تھی، جس کی تپش ان کی تحریروں میں صاف محسوس کی جاتی، عالم عرب کے حالات پر جس انداز سے وہ جرأت مندانہ

اور ایمان افروز تجزیے کیا کرتے تھے، ان کے لئے طلاقت لسانی اور زور بیانی سے پہلے ایمان ویقین کی فراوانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

مرتب زندگی اور مثالی نظم وضبط

مولانا کی مصروفیات اور کاموں کی فہرست طویل تھی اور اس کے حساب سے کام کرنے کا وقت بہت ہی محدود ومختصر تھا، ظہر بعد دارالعلوم پڑھانے آتے تھے، اور عصر کے بعد کا وقت گھر کے صحن میں چہل قدمی اور لوگوں سے ملاقات اور چائے نوشی کے لئے تھا، شوگر اور دوسرے عوارض کی وجہ سے ڈاکٹروں نے رات میں کام کرنے سے روک رکھا تھا، اس لئے لکھنے اور تھکانے والے مطالعے سے پرہیز تھا، لے دے کران کے پاس صبح ناشتہ کے بعد سے دوپہر کے کھانے کے درمیان کا وقت ہوتا، قیلولہ نہیں کرتے تھے، اسی مختصر سے وقت میں وہ اپنے لکھنے پڑھنے کے سارے کام کرتے، تخصص کے طلبہ کو بھی وقت دیتے، ظہر کے بعد کے اسباق کی تیاری بھی کرتے اور گھریلو ذمہ داریاں بھی انجام دیتے، یہ سارے کام جو بظاہر اتنے تھوڑے وقت میں ناممکن تھے ان کے حسن انتظام سے بحسن وخوبی انجام پاتے۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی بازار سے مطلوب سامانوں کی فہرست تیار کرتے، اور تھیلے وپیسے کے ہمراہ اسے طلبہ کے حوالہ کرتے، دوسرے چھوٹے بڑے کاموں کی ایک الگ فہرست تیار کرتے، جس میں کام اور اس کا وقت لکھتے، مثلاً اتنے بجے دفتر اہتمام کو فون کرنا ہے، اتنے بجے بجلی والے کو بلانا ہے، اتنے بجے فلاں کتب خانے سے کتابیں منگانی ہیں وغیرہ ......، پھر جب لکھنے بیٹھتے تو یہ فہرست ساتھ ہوتی، دو الارم گھڑیاں سامنے رکھی ہوتیں، فہرست میں دئے ہوئے وقت کے مطابق ان میں الارم سیٹ کرتے، اور لکھنے پڑھنے میں مشغول ہوجاتے، الارم بجتا تو فہرست پر نگاہ ڈالتے اور اس وقت کا کام کرتے، اگلا الارم سیٹ کرتے پھر اپنی مصروفیات میں منہمک ہوجاتے۔

ان دونوں فہرستوں کی تیاری کے بعد اخبارات پر ایک نگاہ ڈالتے، مفید مطلب خبروں

کونشان زد کرتے، اوران کومکمل حوالہ کے ساتھ بڑے سائز کے فولڈنگ رجسٹر میں نقل یا چسپاں کرتے، اکثر یہ کام تخصص کے طلبہ سے لیا کرتے تھے، اخبارات کی حفاظت اور ان میں سے متعلقہ خبروں کو ڈھونڈ نا ایک بڑا مسئلہ تھا، اس تدبیر سے سارا مواد یکجا طور پر ان کے پاس جمع ہوجاتا، اور کسی تحریر کی ترتیب میں ان کی مراجعت آسان ہوتی۔ نشست کے پاس میں موجود الماری میں مختلف ڈکشنریاں اور مراجعت کے لئے ضروری کتابیں ہوتیں، اسی الماری میں بڑی سائز کے مختلف لفافے تھے، جس پر ضروری عناوین قلم سے لکھے ہوئے تھے، ان لفافوں میں عناوین سے متعلق چیزیں رکھتے جاتے، جوالداعی یا دوسری تحریروں کی تیاری میں کام آتیں، اور آسانی سے ہاتھ آجاتیں، کیلنڈر اور اس طرح کی دوسری بہت سی چیزیں، لکھنے پڑھنے کے ضروری سامان اپنی اپنی جگہ موجود ہوتے، جو ہاتھ بڑھاتے ہی مل جاتے۔

ان کی زندگی میں نظم وضبط کی حکمرانی تھی، جو ان کی ہر چیز میں نمایاں تھی، عام ملاقات کے لئے عصر کے بعد کا وقت متعین تھا، پہلے فون سے اجازت لیجیے، ملاقات کا مقصد بتایئے، آپ تنہا ہوں گے یا کوئی اور بھی ہوگا واضح کیجئے، پھر اگر اجازت ہوتو شرف باریابی حاصل کیجیے، یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی کسی بھی وقت منہ اٹھائے چلا آئے اور مولانا سے ملاقات ہوجائے۔

وہ وقت کے حددرجہ پابند تھے، اور اپنے متعلقین کوبھی اس کا پابند کرتے، درس گاہ میں کہہ دیتے کہ میرے پہنچنے کا جووقت ہے اگر اس سے دس منٹ لیٹ ہوجاؤں توتمہاری چھٹی، کسی اطلاع یا مزید انتظار کی ضرورت نہیں، اس اعلان کے باوجود وہ اپنی غیر حاضری کی صورت میں درس گاہ میں بروقت اطلاع بھی ضرور دیتے، طلبہ کی ایسی رعایت اوران کے وقت کا ایسا خیال بھلا کون کرے گا؟ تخصص کے سال ہمیں پابند کیا گیا تھا کہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ہم مولانا کے دردولت پر حاضر ہوجائیں، اور ٹھیک وقت پر دستک دیں، اس میں اگر ذرا بھی دیر ہوجاتی توڈانٹ پڑنا توطے تھی، مزید الٹے پاؤں واپس کردئے جانے کا خوف بھی دامن گیر رہتا۔

وقت کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی پابندی بسااوقات ان کے لئے ضیاع وقت کا سبب بھی

بنتی، اور یہ بات وہ پہلے سے جانتے بھی ہوتے، مگر اپنے مزاج کے خلاف چلنا گوارا نہ فرماتے، دارالعلوم میں اساتذہ کی میٹنگیں ہوتیں، میٹنگ کا جو متعینہ وقت ہوتا اس سے پہلے ہی حاضر ہوجاتے اور میٹنگ شاید ہی کبھی وقت پر ہوتی، اس بے اصولی سے ہمیشہ ناخوش رہتے، ضیاع وقت پر افسوس کا اظہار کرتے، مگر میٹنگوں میں وقت پر پہنچنے کا ان کا جو معمول تھا اس پر قائم رہتے۔

سراپا نشاط وعمل

جس وقت ہم مولانا کے پاس تھے ان کی عمر ۵۴-۵۵ رسال تھی، عہد شباب رخصت ہو چکا تھا، متعدد عوارض نے گھیر لیا تھا، مگران کی چستی پھرتی مثالی تھی، ہر وقت مستعد رہتے، اور ہر کام بروقت کرتے، کاہلی اور کسل مندی ان کے پاس سے بھی نہ گذری تھی، ٹال مٹول کا ان کے یہاں تصور بھی نہ تھا، چہل قدمی، یا کسی سے گفتگو کرتے ہوئے کوئی مفید مضمون ذہن میں آجاتا تو بلا تاخیر فورًا کاغذ قلم طلب کرتے اور ضروری یاداشت لکھ لیتے، کبھی یہ بھی فرماتے: مولانا! اشراقے کا نزول ہوا ہے۔

مزاج ومذاق

مولانا کے مزاج میں حد درجہ نفاست تھی، ان کا لباس، ان کا سراپا، ان کی تالیفات، ان کے صحن کے گملے اوران میں لگے ہوئے پھول پودے، گھر کا رنگ وروغن، چائے کی پیالیاں، اوران میں پی جانے والی دم کی چائے: غرض ہر چھوٹی بڑی چیز میں نفاست کی جلوہ گری ہوتی، انھیں خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی، ان کی ہر چیز معیاری ہوتی، اوران کی ہرادا سے قرینہ اور سلیقہ مندی ٹپکتی:

مجھ سا مشتاقِ جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغِ رخِ زیبا لے کر

شکل وصورت کے اچھے تھے، قد وقامت جامہ زیب تھا، اپنی عمدہ شیروانی، چوڑی دیوار کی ہم رنگ دیوبندی ٹوپی، اور چمک دار جوتے زیب تن کر کے جب وہ احاطہ دارالعلوم کی طرف

محوخرام ہوتے ،تو نگاہیں ہرطرف سے اٹھ کر ان پر ٹھہر سی جاتیں،ان کا سراپا ان کی عظمتوں کا ترجمان معلوم ہوتا:

ہزار مجمعِ خوبانِ ماہ رو ہوگا
نگاہ جس پہ ٹھہر جائے گی وہ تو ہوگا

مولانا اپنی افتادِ طبع کے اعتبار سے بڑے شگفتہ مزاج ، پرمزاح اور باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے،مصروفیات کی جکڑ بندیوں سے جب بھی آزاد ہوتے ان کے مزاج کا یہ رنگ نمایاں ہوجاتا،عصر بعد کی مجلسیں اور ملاقاتیں بڑی پُر بہار ہوتیں،خوب کھلتے ،اور ایسے بے تکلف ہوجاتے کہ ان کا رعب مکمل انس میں تبدیل ہوجاتا، ہرطرح کی باتیں کرتے ، کسی بھی سمت نکل پڑتے ، جو موضوع بھی زیر بحث لاتے اپنی آواز، طرز و انداز اور حرکت و ہیئت سے اسی کے مطابق فضا تخلیق کردیتے،اپنے شوخ ،نادر اور ظرافت سے پُر تبصروں سے دوسروں کو بھی ہنساتے اور خود بھی محظوظ ہوتے۔ایک دفعہ ہم مولانا کے پاس تھے کہ ایک بنگالی طالب علم وارد ہوکر عارض مدعا ہوئے ،اور تذکیر و تانیث کی غلطی کرگئے ،شوخ و سرخ کُرتا زیب تن کئے ہوئے تھے، مولانا کسی کی نقل اتارنے میں طاق تھے،انھیں کے بنگالی لب و لہجے میں ان کے سرخ و شوخ کُرتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے: تو جب یہ پہنتی ہے تو تیرا بیوی کیا پہنتا ہے؟ پھر بالکل سنجیدہ ہوگئے ،اور کہا: مولانا میں آپ کو اردو میں تذکیر و تانیث کا ایک مستحکم اصول بتاتا ہوں جو کہیں نہیں ٹوٹے گا ’’اندھے کو کیا چاہیے؟ دو آنکھ ، وہ طالب علم بھی سنجیدہ ہوگئے ، سمجھے سچ مچ مولانا کوئی زبردست اُصول تلقین فرمائیں گے،مولانا نے کہا: اردو بولتے ہوئے جہاں جہاں تمہاری زبان پر مؤنث آیا کرے مذکر کردو، اور جہاں مذکر آئے اسے مؤنث کردو، کبھی تذکیر و تانیث کی غلطی نہیں ہوگی ؛اس لئے کہ تم بنگالیوں کی زبان پر صحیح کبھی آتا ہی نہیں، یہ کہا اور زوردار قہقہہ لگایا، ہم لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے ، وہ طالب علم بھی مولانا کے شاگرد تھے ہم سے سینئر، وہ بھی دل کھول کر ہنسے۔

ایک مرتبہ میری حاضری ہوئی، مستی میں فنا نظامی کانپوری کا ایک شعر گنگنا رہے تھے، شعر مجھے اچھا لگا، میں نے جیب سے ڈائری نکالی اور لکھنے لگا، کہنے لگے شعر تمہیں اچھا لگا؟ جی! میں نے عرض کیا، وہ تیزی سے اندر گئے، ڈائری نکالی، اور اسے ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے اور بلند ترنم سے کھڑے کھڑے پوری غزل سناڈالی، اور مزے لیتے رہے، بعض اشعار کو کئی کئی بار دہراتے، غزل کے چند اشعار قارئین کی نذر ہیں:

گھر ہوا، گلشن ہوا، صحرا ہوا ❖ ہر جگہ میرا جنوں رسوا ہوا
غیرت اہلِ چمن کو کیا ہوا ❖ چھوڑ آئے آشیاں جلتا ہوا
حسن کا چہرہ بھی ہے اُترا ہوا ❖ آج اپنے غم کا اندازہ ہوا
غم سے نازک ضبطِ غم کی بات ہے ❖ یہ بھی دریا ہے، مگر ٹھہرا ہوا

اِس طرح رہبر نے لوٹا کارواں
اے فناؔ! رہزن کو بھی صدمہ ہوا

غزل سنا کر فارغ ہوئے تو رہبروں کی رہزنی کی مثالیں پیش کرنے لگے، اور یہ سب کچھ اسی طرح کہ وہ کھڑے تھے اور ہم ان کے سامنے بیٹھے لکھ رہے تھے۔

بات سے بات نکلتی ہے، مولانا کو شعر وشاعری کا بڑا ستھرا ذوق تھا، اچھے اشعار پر پھڑک اٹھتے اور اس کو نوٹ کرنے کا اہتمام کرتے، اس کے لئے مستقل ایک ڈائری تھی، ان دنوں قومی آواز کے ایک صفحے میں اوپر ایک گوشہ ہوتا جس میں کسی اچھے شاعر کا ایک یا دو شعر لکھا ہوتا، شاعر کا نام بھی موجود ہوتا، مولانا ان اشعار کو شاعر کے نام کے ساتھ اپنی ڈائری میں نقل کرواتے۔

ایک دفعہ حاضری ہوئی تو احمد ندیم قاسمی کی ایک نعت لئے ہوئے بیٹھے تھے، اور گنگنا رہے تھے، اس کے چند اشعار کو مولانا نے خوب خوب دادِ تحسین دی، جس کی وجہ سے وہ حافظے میں ثبت ہوگئے، وہ اشعار حسب ذیل ہیں:

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی ❖ اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا
اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تم سے ❖ رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا
پھر سے اک بار تو یثرب سے فلسطین میں آ ❖ راستہ دیکھتی ہے مسجد اَقصیٰ تیرا

بات طویل ہوگئی، مگر ان شاء اللہ قاری کے لئے لذیذ بھی ہوگی، مولانا شخصیات کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر آزادی سے اظہار خیال کرتے، ان کی عیاریوں اور مکاریوں کو طشت از بام کرتے، کہتے کہ مدارس کے طلبہ سادہ لوح ہوتے ہیں، وہ ہر کسی مولویانہ شکل والے کو قاری صدیق سمجھتے ہیں، اس لئے انھیں لوگوں کے مکر وفریب سے واقف کرانا ضروری ہے، البتہ تحریروں میں محتاط رہتے، شخصیات کے مثبت اور حقیقی پہلوؤں کو ہی زیر قلم لاتے۔

یہ تو مولانا کی طبیعت کا فطری رنگ تھا، مگر جس وقت مصروفِ کار یا ذمہ داریوں سے زیر بار ہوتے تو رویے میں چڑ چڑا پن آجاتا، گفتگو میں جھنجلاہٹ ہوتی، جلدی جان چھڑانے کی فکر میں رہتے۔

وہ بڑے حساس تھے، مزاج میں انفعال زیادہ تھا، جب کسی چیز سے متأثر ہوتے، تو تأثر ان کے چہرے بشرے اور انداز گفتگو میں صاف نمایاں ہوتا، خوش ہوتے تو خوب سراہتے، کوئی خدمت کی جائے تو قدر شناسی کے جذبے سے مغلوب ہوکر جلدی جلدی دعائیں دینے لگتے، کبھی دعا کے لئے ہاتھ بھی اٹھا لیتے اور آواز بھی گلوگیر ہوجاتی، اور جب کسی حماقت پر برافروختہ ہوتے تو پھر غصے کی تاب لانا آسان نہ تھا، یہ مرحلہ ان کے متعلقین اور خدام کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔

مولانا بہت کم آمیز تھے، فضول ملاقاتوں سے پرہیز کرتے تھے، اس لئے لوگوں کا آنا جانا ان کے یہاں کم تھا؛ مگر بایں ہمہ مولانا مہمان نواز اور کھانے کھلانے والے آدمی تھے، ایک مرتبہ فرمایا: ''مولانا میرا بچپن بڑے افلاس اور تنگی میں گذرا ہے، پیسے ویسے سے ملاقات نہیں ہوتی تھی، عام طور پر جو لوگ غربت میں پلتے ہیں وہ خوشحال ہونے کے بعد بھی اپنی فطرت ومزاج کے اعتبار سے مفلس رہ جاتے ہیں، مگر اس کے برخلاف میری محرومیوں نے مجھے اللہ کی

دی ہوئی نعمتوں سے لطف کا اندوز ہونے کا سبق دیا ہے'' مولانا خود اچھا کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے، خدام اور اہل تعلق کی پُر تکلف دعوت کیا کرتے تھے، دو سال رمضان کی چھٹیوں میں مولانا نے ہمیں اور بعض دوسرے ساتھیوں کو روکا تو پورے رمضان افطار اور کھانا مولانا کے ساتھ ہی ہوا، ملاقات کے لئے آنے والے طلبہ کی چائے سے تواضع کرتے، کوئی مہمان ہوتا تو اور تکلفات بھی ہوتے، دارالعلوم میں آنے والی بہت سی اہم شخصیات کو مدعو کیا کرتے تھے، بعض کے لئے پرہیزی کھانا تیار کرا کے بھیجتے، عرب مہمانوں کی خالص عربی انداز میں ضیافت ہوتی۔

کھانے کی دعوت پر یاد آیا کہ مولانا نے ایک مرتبہ ہم تخصص کے ساتھیوں کی دعوت کی، مولانا بھی دستر خوان پر تشریف فرما تھے، سالن کئی طرح کے تھے، ہمارے ایک ساتھی نے ڈونگے سے خاصی مقدار میں گوشت اور سالن نکالا، اور از راہ تواضع میری طرف بڑھا دیا، مولانا نے خاموشی سے وہ پلیٹ اٹھائی اور انہی ساتھی کے سامنے رکھ دی، وہ متعجب ہوکر مولانا کو دیکھنے لگے تو مولانا نے فرمایا: تواضع کا یہ طریقہ مناسب نہیں، تمہارے ساتھی کو کیا پسند ہے کیا پسند نہیں ہے، زیادہ کھائے گا یا کم کھائے گا، تمہیں نہیں معلوم، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تم اپنی پلیٹ میں نکالو، اور تمہارا ساتھی اپنی پلیٹ میں نکالے، تا کہ وہ حسب منشا جو چاہے جتنا چاہے نکالے اور آزادی کے ساتھ اپنی چاہت کے مطابق کھائے، ہاں اگر ایک ہی سالن ہو تو مضائقہ نہیں؛ مگر اس میں بھی یہ رعایت ہو کہ کسی اور کے لئے جب نکالے تو زیادہ نہ نکالے، مبادا وہ پریشانی میں پڑ جائے۔

مولانا کی یہ بات مجھے بڑی معقول لگی اور بہت پسند آئی، وہ چھوٹی بڑی ہر چیز میں تربیتی اور اصلاحی پہلو سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے، برموقع تنبیہ کرتے، ویسے تو ان کا رعب ہم پر ہر دم مسلط رہتا تھا، مگر دستر خوان پر وہ ایسا ماحول بنا دیتے کہ آدمی خوب کھل جائے اور کوئی تکلف نہ کرے، چیزیں مہمان کی طرف بڑھاتے رہتے، اور کہتے رہتے یہ لو، یہ اور لو، کم کھایا، نوجوان ہو اور کھاؤ وغیرہ۔

مولانا کے یہاں ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا بھی اہتمام تھا، اقرباء کی صلہ رحمی

کرتے، دارالعلوم کے بعض نادار ملازمین کا تعاون فرماتے، دیوبند میں ان کے ایک مرحوم استاذ کی بیوہ کس مپرسی کا شکار تھیں، میرے ذریعہ ایک سے زائد بار ان کی خدمت میں نذرانے کے لفافے ارسال کئے، ہم سے تاکید ہوتی کہ لفافہ مرسل الیہ کو ہی دیا جائے۔

مولانا سے میرا تعلق

سن ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴ء شعبہ تکمیل ادب میں ہمارا داخلہ ہوا، اسی سال ہمیں حضرت مولانا سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ایک عام طالب علم کی طرح سبق میں شریک ہوتا اور استفادہ کرتا، اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگلے سال تخصص فی الادب میں مزید ایک سال عربی پڑھنے کو ترجیح دی، اور دو طالب علم مولوی عبد الرحمٰن پٹنوی اور مولوی انوار مبارکپوری ہمارے ساتھی رہے، یہ شعبہ اس وقت مکمل حضرت مولانا سے ہی متعلق تھا، دن کا خاصا حصہ حضرت کے گھر گذرتا تھا، یہاں حضرت کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، حضرت نے ہمیں پہلے اپنی کتاب ''حرف شیریں'' پڑھنے کو دی، تاکہ ہمیں املا اور رموز واوقاف کے ضروری قواعد معلوم ہوجائیں، اور عربی سیکھنے کی رہنمائی حاصل ہوجائے، اس کے بعد جاحظ کی ''کتاب البخلاء'' میں ''قصۃ الکندی'' سبقاً پڑھایا، جاحظ کے بڑے مداح تھے، پڑھانے کا انداز وہی تھا جو تکمیل ادب میں ہوتا تھا؛ البتہ یہاں عبارت کی مکمل زنجیری ترکیب بھی کراتے تھے، مولانا کی نحو وصرف نہایت پختہ تھی۔ اس کے علاوہ اردو عربی اور اس کے برعکس ترجمہ بھی کراتے، نثر قدیم میں ابن خلکان کی ''وفیات الاعیان'' اور ابن المقفع کی ''کلیلہ دمنہ'' کا کچھ حصہ اور نثر جدید میں احمد امین کی ''حیاتی''، شیخ علی طنطاوی کی ''من نفحات الحرم'' اور ''رجال من التاریخ'' مطالعہ کے لئے تھی، احمد امین کو پڑھنے کی ترغیب خاص طور سے دیا کرتے تھے، کہتے تھے اس کی نثر سے اخذ واستفادہ زیادہ آسان ہے، دو سو منتخب عربی تعبیرات بھی اردو ترجمے کے ساتھ مولانا کو پیش کرنی تھیں، ان تعبیرات کو جمع کرانے کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ تعبیر تلاش کرنے کے بہانے عربی تحریروں کا مطالعہ کریں، یہ تعبیرات جیسے جیسے جمع ہوتی جاتیں مولانا اُن کو چیک کرتے جاتے۔

کسی موضوع پر سو صفحے کا ایک رسالہ بھی پیش کرنا ہوتا تھا جس کا وقت ششماہی کے بعد تھا، اس کے عنوان کا انتخاب طالب علم کے رجحان اور دلچسپیوں کو دیکھ کر کیا کرتے، شخصیات پر لکھنا آسان ہوتا ہے، طلبہ عموماً اپنے رسالہ کے لئے کسی شخصیت کا ہی انتخاب کرتے، مولانا کی خواہش تو یہی ہوتی تھی کہ رسالہ علمی اور منہجی ہو، مگر طلبہ کی صلاحیت اور وقت دونوں اس کے متحمل نہیں ہوتے تھے؛ لہٰذا اپنی مرضی کے برخلاف تنازل اختیار کرتے، مولانا اس رسالہ کو جیسے جیسے تیار ہوتا جاتا، دو تین دن کے وقفے سے چیک کرتے رہتے اور ضروری اصلاحات فرماتے۔

اِس کے علاوہ مولانا اپنے تحریری و تصنیفی کاموں میں بھی تعاون لیتے، کبھی الداعی کی پروف ریڈنگ کراتے، کبھی کوئی تحریر نقل کراتے، کبھی کسی تحریر کا اصل سے مقابلہ کراتے، سودا سلف کی خریداری وغیرہ کا کام بھی لیتے، جو بھی کام کراتے خواہ لکھنے پڑھنے کا ہو یا ضروریات زندگی سے متعلق ہو پہلے اچھی طرح اس کو سمجھاتے، ممکن ہوتا تو کر کے دکھاتے، اس طرح ہر وقت مفید تجربے ہوتے، خود ان کو مختلف کاموں کو انجام دیتا دیکھ کر بہت سی چیزوں کا سلیقہ پیدا ہوتا، اس وقت تو ہمارے نزدیک ان باتوں کی بہت زیادہ اہمیت نہ تھی؛ لیکن جب عملی زندگی میں آئے تو مولانا کے یہاں جو دیکھا اور سیکھا تھا، اس سے بے حد فائدہ ہوا، اور تعلیم کے ساتھ تربیت کی افادیت کا اندازہ ہوا۔

مجھے سودا سلف وغیرہ خریدنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی دلچسپی تھی، البتہ پڑھنے لکھنے سے لگاؤ تھا، مولانا کی زندگی کے اس پہلو کو تجسس کے ساتھ دیکھا کرتا، مولانا تاڑنے کے ماہر تھے، میری طبیعت کے رجحان کو جلد ہی سمجھ گئے، ایک دن فرمایا: ''خارجی کام تو تمھیں آتے نہیں؛ البتہ پڑھنے لکھنے کے کاموں میں اچھے ہو'' اس کے بعد سے مجھے پڑھنے لکھنے کے کاموں میں استعمال کرنے لگے، اور یہی وہ نقطہ تھا جہاں سے میرے مستقبل کا راستہ طے ہوتا چلا گیا، رفتہ رفتہ مولانا کا اعتماد مجھ پر بڑھتا رہا اور میں ان سے مانوس ہوتا گیا، اس سال رمضان بھی مولانا کے یہاں گذرا۔

۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء میں شعبہ افتاء میں داخلہ ہوا، یہ سال میری تعلیمی زندگی میں نہایت اہم رہا، محنت سے تعلیم حاصل کی جس کا نتیجہ سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن کی شکل میں ظاہر ہوا، مدنی دارالمطالعہ کا عربی ترجمان ''البلاغ'' نکالا، جسے طلبہ میں بڑی پذیرائی رہی، اور اس کے علاوہ مولانا سے مکمل مربوط رہ کر ''الداعی'' کی پروف ریڈنگ کرتا رہا، اس پروف ریڈنگ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ عربی نثر کا مطالعہ بڑی ترکیز کے ساتھ ہوجاتا، مجھے پروف ریڈنگ کے دوران بعض مضامین اپنے اکابر کے فکر کے خلاف نظر آئے، نشان زد کرکے مولانا کے سامنے اس کا اظہار کیا، جس سے مولانا کا اعتماد اور بڑھا، اور وہ بعض مضامین کمپوزنگ سے پہلے ہی مجھے دے دیتے اور کہتے دیکھو اس میں کوئی چیز ہمارے پرچے کے مزاج کے خلاف تو نہیں، کسی مضمون پر ہم کوئی اشکال کرتے تو مولانا اس پر غور کرتے، بعض مرتبہ تبدیلی کردیتے، اور کبھی چلنے بھی دیتے، دو ایک مضمون ایسے بھی رہے جن کو شائع کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس سال مولانا کے کہنے پر کچھ طلبہ کو عربی بھی پڑھائی۔

اسی سال ماہ محرم الحرام میں حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ طویل علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے، دارالعلوم میں تعزیتی اجلاس ہوا، مولانا نے مجھے مکلّف کیا کہ جلسے میں جاکر مقررین کی باتیں قلم بند کرو اور رپورٹ تیار کرو، رپورٹ کو لے کر حاضر ہوا تو حکم ہوا کہ اس کی تعریب کرکے مجھے دکھاؤ، مولانا نے اس رپورٹ میں اصلاحات کیں اور کمپوزنگ کے لئے بھیج دیا، میرے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ رپورٹ مولانا الداعی میں شائع کریں گے، یہ رپورٹ کسی اہمیت کی حامل نہ تھی، مگر کسی پرچے میں شائع ہونے والی میری سب سے پہلی تحریر تھی، وہ بھی شائع کہاں ہوئی؟ الداعی جیسے موقر عربی مجلّہ میں، چنانچہ مولانا نے مجھے جب ''الداعی'' کا تازہ شمارہ عنایت فرمایا اور میری نظر اس رپورٹ پر پڑی جس کے عنوان کے نیچے میرا نام تھا، تو میرے ہر بن مُو سے خوشی کی لہریں اٹھنے لگیں، خانہ دل میں شادمانی کے نغمے چھڑ گئے اور صحن خیال میں مسرت کی پریاں رقص کرنے لگیں، دوستوں کو دکھاتے، تنہائی میں

کھول کر دیکھتے، اس رپورٹ کے شائع ہونے سے مجھے آگے بڑھنے کا نا قابل بیان حوصلہ ملا۔

اخیر سال میں مولانا نے فرمایا: میری رائے ہے کہ تم سال دو سال ابھی اور رکو اور مناسب لگے تو کسی شعبہ میں داخلہ لے لو، چنانچہ میں اگلے سال تدریب فی الافتاء میں داخل ہو گیا، تعلیمی اوقات میں دارالافتاء میں اساتذہ کی زیرنگرانی فتویٰ نویسی کا کام کرتا، اور خارج میں فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کے مطالعے کے ساتھ الداعی کے لئے اردو اخبارات سے منتخب خبروں کی تعریب کرتا، دارالعلوم میں جو جلسے اور پروگرام ہوتے ان کی رپورٹیں تیار کرتا، اس کے علاوہ الداعی کی تیاری میں مولانا کا تعاون کرتا، بعض دفعہ کام اتنے ہو گئے کہ مسلسل کئی کئی دنوں تک راحت وآرام کو مکمل تج دینا پڑا، دو سال اسی طرح گذر گئے۔

ایک بار پھر مولانا نے مجھے اور مولوی سعد کانپوری (جو مولانا کے شاگرد ہیں، اور مولانا کی جی جان سے خدمت کی ہے، مولانا ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے) کو رمضان کی چھٹیوں میں روکا، اور اپنے مضامین کی جمع وترتیب کے ابتدائی کام کا آغاز کیا، الداعی کے تمام شمارے منگائے، سارے اشراقے الگ کر کے یکجا کئے، اسی طرح شخصیات کی وفات پر لکھے گئے سارے مضامین بھی شماروں سے الگ کر کے اکٹھے کئے گئے، بقیہ مضامین کے لئے بڑی سائز کے لفافے لائے گئے، مولانا نے جلی قلم سے ان پر عناوین لکھے، اور تمام مضامین کو عناوین اور موضوع کے اعتبار سے لفافوں میں رکھ دیا گیا۔ یہ مرحلہ پورا ہوا تو مولانا نے اشراقے کے مضامین پر ضروری حرکات اور رموز واوقاف لگوانے شروع کئے، اس لئے کہ ابتدائی شماروں میں ان باتوں کا اتنا اہتمام نہیں تھا جو بعد کے شماروں میں ہو گیا تھا، پھر اشراقے پر حاشیہ کا کام شروع کیا۔ صبح نو بجے سے ظہر تک یہ کام ہوتا، افطار اور کھانا مولانا کے یہاں ہوتا، تراویح بھی مولانا کے ساتھ ہوتی، مولوی سعد کانپوری امام ہوتے، تراویح کے بعد ہم مولانا کی کچھ خدمت کرتے، اس وقت مولانا پورے موڈ میں ہوتے اور مجلس بڑی لطف ہوتی، پھر کمرے پر آتے۔

تدریب فی الافتاء کے دوسرے سال کے اخیر میں مولانا نے ایک سے زائد بار عندیہ

ظاہر کیا کہ میں شعبہ الداعی میں ملازمت قبول کر کے الداعی میں مولانا کا تعاون کروں، مگر میرا رجحان یہ تھا کہ لکھنے لکھانے کا کام تدریس کے ساتھ ہو، مولانا کا بھی یہی ذوق ومزاج تھا، وہ بار ہا اس کے فوائد اور اہمیت پر روشنی ڈال چکے تھے، چنانچہ میں نے جب اپنا رجحان رکھا تو مولانا نے سراہا۔ اگلے سال عربی کے ساتھ کچھ انگریزی سیکھنے کی غرض سے معہد التخصص فی اللغۃ العربیہ وآدابہا، ذاکرنگر دہلی کا رخ کیا جو مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی کی نگرانی میں چلتا تھا، یہاں ایک سال رہا، اور مولانا سے مربوط رہا، بعض تحریریں الداعی کے لئے ارسال کیں جو مولانا نے ازراہ عنایت شائع کیں۔

یہاں تعلیم کا سلسلہ پورا ہو گیا، اب سامنے میدان عمل تھا، جامع مسجد امروہہ سے شعبہ عربی ادب میں کام کرنے کی دعوت مل رہی تھی، مشرقی یوپی کے بعض اہم مدارس میں بھی کام کی راہ ہموار ہو رہی تھی، رائے مشورے کی غرض سے اگلے سال شوال ۱۴۳۰ھ میں دیوبند کا سفر کیا، اور مولانا سے عارض مدعا ہوا، مولانا نے کہا کہ مظاہر علوم جدید کو ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو عربی پرچہ نکال سکے، اُنہوں نے مجھ سے کہہ رکھا ہے، شعبہ عربی ادب میں تدریس کا بھی کام رہے گا، میں وہاں بات کر لیتا ہوں تم وہیں چلے جاؤ، میں نے اپنی عدم استعداد اور ناتجربہ کاری کا عذر کیا تو مولانا نے فرمایا ہمیں اطمینان ہے تم چلے جاؤ؛ چنانچہ مولانا کی ہدایت کے مطابق مظاہر علوم حاضری دی، اور مولانا محمد اسجد صاحب استاذ عربی ادب مظاہر علوم کے ہمراہ حضرت امین عام سے ملاقات کی، وہاں تعارف اور تعلیمی لیاقت معلوم کی گئی، اور کہا گیا اس وقت جائیں تقرر کا فیصلہ ہوا تو مطلع کیا جائے گا، مگر وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا، جس سے مولانا کو رنج ہوا۔

پھر میرے محسن استاذ حضرت مولانا محمد احمد صاحب زید مجدہم سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے مدرسہ شاہی کے لئے کوشش کی، جو بحمد اللہ کامیاب ہوئی، میرے اِن دونوں اساتذہ نے میرے لئے مہتمم مدرسہ شاہی زید مجدہم کے نام بہترین تحریریں بھی لکھیں، جو میرے لئے ہمیشہ باعث فخر رہیں گی۔

مولانا امینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر حسب ذیل ہے جو اُنہوں نے اپنے لیٹر پیڈ پر رقم فرمائی ہے:

محترم جناب مہتمم صاحب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد زید مجدہ

سلام مسنون!

مولوی اجمل قاسمی دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کے بعد تکمیل اَدب، تخصص فی الادب اور دارالافتاء کر چکے ہیں، اُنہوں نے ایک سال مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی برادرِ اوسط حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تخصص اَدب عربی میں بھی اپنی استعداد کو پختہ کیا ہے۔ میرے علم وتجربے کے مطابق موصوف نہ صرف ذی استعداد بل کہ سنجیدہ اور سلیم الطبع بھی ہیں۔ اُنہوں نے ''الداعی'' میں اُردو خبروں کا عربی میں مسلسل اور کام یاب ترجمہ کیا ہے۔ کسی اچھے اور تعلیم وتربیت کے مسئلے پر خصوصی توجہ دینے والے مدرسے میں تعلیمی وتربیتی وتحریری کام کے لئے وہ میرے نزدیک لائق اعتماد فاضل ہیں، **ولا أزكي على الله أحدًا.**

توقع ہے کہ یہ سطریں ان پر اعتماد اور مدرسین کو مطلوبہ ذمے داریوں کے لئے منتخب کئے جانے کے عمل میں ترجیح دینے کے لئے کافی ہوں گی۔''

کتبہ بخط یدہ: نور عالم امینی عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند ۱٦ر شوال ۱۴۳۰ھ مطابق ٦ر اکتوبر ۲۰۰۹ء

میں نے مدرسہ شاہی میں کام شروع کر دیا، مولانا کے یہاں جو تجربے ہوئے تھے وہ بڑے معاون ثابت ہوئے، یہاں کا ماحول بھی مجھے بہت راس آیا، مولانا سے برابر رابطہ رہا، مختلف چیزوں میں رہنمائی لیتا رہتا، کوئی ڈیڑھ سال گذرا ہوگا کہ ایک دن مولانا کا فون آیا کہ دارالعلوم حیدرآباد میں ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' (مدرسہ کا عربی مجلّہ) کے لئے ایڈیٹر کی ضرورت ہے، مختصر تدریس بھی ہوگی، اِس کے علاوہ مولانا نے مدرسہ شاہی سے ڈبل تنخواہ اور دیگر بہت سی مراعات کا ذکر کیا، جو مدرسہ شاہی میں مجھے حاصل نہیں تھیں، مگر وہاں کے لئے میری رائے نہیں ہوئی۔ مولانا کی عنایتوں کے طفیل اس کے بعد بھی کام کے بعض اچھے مواقع میسر آئے؛ مگر میری حرماں نصیبی کہ میں اُن سے مستفید نہ ہوسکا۔

اس مختصر تحریر میں اپنے مشاہدات وتاثرات کے کچھ لمحوں کو قید کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مولانا کی شخصیت کا کوئی جامع خاکہ پیش نظر نہیں ہے اور نہ اس چند ورقی تحریر میں یہ ممکن ہے۔ لوگ مولانا کی شخصیت کے ہر پہلو پر لکھیں گے اور اچھا لکھیں گے، خود مولانا نے اپنے حالات زندگی اور ذوق مزاج کے بارے میں ''الداعی'' کے صفحات میں بہت لکھا ہے اور بہت اچھا لکھا ہے، اگر ان کو ہی سلیقے سے یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع سوانح مرتب ہو جائے گی اور قندِ مکرر کا لطف دے گی۔

دعا ہے اللہ تعالی استاذ محترم کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات وحسنات کو قبول فرمائیں، زلات اور سیئات سے عفو درگذر کا معاملہ کرے، ان کے ادھورے کاموں کی تکمیل کے اسباب پیدا فرمائے، ان کی رحلت سے دارالعلوم میں جو خلا پیدا ہوا اس کی بھرپائی کرے، اہلیہ محترمہ اور بچوں کو صبر وتسلی عطا فرمائے، اور مولانا کے بعد ان کی بہترین سرپرستی کرے، آمین، یارب العالمین!

فکرِ عجم، زبانِ عرب، روحِ دیوبند
تنہا تھا، اُس کے ساتھ مگر کارواں گیا

(ندائے شاہی جولائی-اکتوبر۲۰۲۱ء)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ

محدث دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر اُستاذ، متبحر عالم دین، معروف صاحب قلم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ نے گذشتہ ۳۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعرات سہ پہر اعظم گڈھ کے ایک اسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف بڑے جرأت مند، صاحب الرائے اور علمی گیرائی رکھنے والے شخص تھے، پوری زندگی یکسوئی کے ساتھ تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گذاری۔ دارالعلوم دیوبند میں حدیث کی اعلیٰ کتابیں آپ سے متعلق تھیں، اور آپ کا درس بہت مقبول تھا۔ درس میں آپ بہت مرتب گفتگو فرماتے اور موضوع سے متعلق معلومات کے ذخائر طلبہ کے سامنے پیش فرماتے تھے۔

آپ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے معتمد ترین لوگوں میں سے تھے، موصوف ہی کے حکم پر آپ دیوبند تشریف لائے اور ''مؤتمر فضلاء وابناء قدیم دارالعلوم دیوبند'' کی طرف سے جاری کردہ رسالہ ''القاسم'' کی اِدارت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی، اور بعد میں رسالہ ''دارالعلوم'' کی اِدارت بھی عرصۂ دراز تک آپ کے ذمہ رہی۔ آپ کا قلم نہایت شستہ اور رواں تھا، ٹھوس اور مدلل تحریریں آپ کے قلم سے صادر ہوئیں، جن کا مجموعہ ۳؍جلدوں میں ''مقالاتِ حبیب'' کے نام سے شائع شدہ ہے، اور علماء اور طلبہ میں مقبول ہے۔ لاک ڈاؤن کے زمانہ میں آپ نے مسلسل محنت اور جدوجہد سے امام اعظم حضرت امام

ابوحنیفہؒ کے حالات وخدمات پر مبسوط کتاب مرتب فرمائی، جو جلد ہی شائع ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن رکین تھے، مخدومِ گرامی حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم صدر جمعیۃ علماء ہند کی نظر میں آپ کی آراء اور مشورے بڑی وقعت کے حامل ہوتے تھے۔

آپ ذاتی زندگی میں بڑے خوددار، معمولات اور اَوراد ووظائف کے پابند اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت کے عادی تھے، شب خیزی کا اہتمام بھی تاحیات فرماتے رہے، تقریباً تین مہینے پہلے دیوبند سے وطن (جگدیش پور اعظم گڈھ) تشریف لے گئے، وسط رمضان سے بخار نزلہ کی شکایت ہوئی، اواخر رمضان سے آکسیجن کی تکلیف بھی بڑھ گئی، بالآخر اسپتال میں داخل ہوئے۔ وفات سے پہلے صاحبزادوں کو مالی معاملات اور کتابوں کے بارے میں ضروری ہدایات دیں، پھر دعا میں مشغول ہوگئے؛ تا آں کہ اپنی حسنات اور صدقاتِ جاریہ کے ساتھ ارحم الراحمین کے دربار میں حاضر ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۲۱ء)

حضرت مولانا نظام الدین اَسیر اَدروی صاحبؒ

ملک کے نامور مؤرخ اور اُردو کے صاحب طرز ادیب اور اِنشاء پرداز، اکابر کے صحبت یافتہ بزرگ عالم دین اور مدرسہ شاہی مرادآباد کے ممتاز فاضل حضرت مولانا نظام الدین ''اسیر'' اَدروی رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ۷؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعرات تقریباً ۹۵؍سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا اسیر ادروی بڑے خوبیوں کے انسان تھے، لکھنا پڑھنا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا؛ گویا کہ اُنہیں اگر ''حیوانِ کاتب'' کا لقب دیا جائے تو بجا ہے۔ اور کمال یہ تھا کہ بہت تیز لکھتے تھے، اور تحریر میں اَدب کی ایسی چاشنی ملاتے تھے کہ پڑھنے والا بس پڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔ تاریخی واقعات کی منظر کشی اس بلا کی ہوتی تھی کہ ایسا لگتا تھا کہ خود قاری بھی اُن کے ساتھ ہی موجود ہے۔ اُنہوں نے اپنی آپ بیتی ''داستانِ ناتمام'' کے نام سے لکھی جو دو حصوں میں شائع شدہ ہے، جسے اُردو اَدب کے ایک معیاری نمونہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اسیر صاحب حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے، اور اُن کے بڑے مداح تھے۔ مدرسہ شاہی کے قیام کے زمانے میں اُنہوں نے حضرت سے استفادہ کیا تھا۔ اسیر صاحب نے درجنوں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی، روزنامہ ''الجمعیۃ'' سے بھی وابستہ رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ پر ایک ضخیم کتاب مرتب فرمائی۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ اور امام ربانی حضرت گنگوہیؒ پر مبسوط کتابیں تحریر فرمائیں، جو شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوئیں۔ ''مأثر شیخ الاسلام'' کے نام سے حضرت مدنیؒ کی سوانح لکھی جو نہایت مقبول ہوئی۔ اسی طرح ''تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار'' کے نام سے کتاب لکھی، اُسے بھی بڑی قبولیت

حاصل ہوئی۔ آپ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس سے شائع ہونے والے علمی تحقیقی مجلّہ ’’ترجمان الاسلام‘‘ کے ایڈیٹر رہے، اس دور میں ’’فتنہ انکار حدیث‘‘ کی رد میں ایک ضخیم نمبر شائع کیا۔ اسی طرح محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ایک وقیع اور دستاویزی نمبر شائع کیا۔ الغرض آپ کی پوری زندگی لکھنے پڑھنے میں گذری، نظریاتی اعتبار سے آپ جمعیۃ علماء ہند اور اکابر دیوبند سے پوری طرح وابستہ رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے حسنات کو قبول فرمائیں، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۲۱ء)

حضرت مفتی عبدالرزاق خان صاحب بھوپالیؒ

صوبہ مدھیہ پردیش کی بزرگ ترین شخصیت، مجاہد آزادی، نائب صدر جمعیۃ علماء ہند امیر شریعت، مفتی اعظم بھوپال حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۶رمئی ۲۰۲۱ءکو ۹۵رسال کی عمر میں بھوپال میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی صاحب موصوف بڑے حوصلہ مند، جری اور بافیض عالم دین تھے، آپ کی ملی اور تعلیمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا، آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، بعدازاں ایک سال تکمیل افتاء میں حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے بھوپال واپس آکر ترجمہ والی مسجد میں ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ'' کی بنیاد رکھی، جس کا شمار مدھیہ پردیش کے مرکزی اِداروں میں ہوتا ہے۔ آپ بھوپال شہر کے قاضی اور مفتی بھی رہے۔ نیز تادم آخر جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش کے صدر اور امارتِ شرعیہ کے امیر رہے۔ آپ رابطۂ مدارسِ عربیہ دارالعلوم دیوبند کی صوبائی شاخ کے صدر بھی تھے، آپ نے صوبہ کے مختلف علاقوں میں مکاتب ومدارس قائم فرمائے اور اُن کی سرپرستی فرماتے رہے، آپ نے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ملی اور سیاسی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۲۱ء)

ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہوں جسے؟

حضرت حافظ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ اِسلامیہ معارف القرآن قصبہ اُوجھاری ضلع امروہہ

مولانا عبدالقادر ندوی اوجھاری

مدرسہ معارف القرآن قصبہ اوجھاری کے بانی و مہتمم جناب حافظ قاری محمد سلیمان صاحب گذشتہ ۲؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۵؍مئی ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف بڑے متواضع، حوصلہ مند اور مہمان نواز شخصیت کے حامل تھے، مدرسہ کو تعلیمی اور تعمیری ہر اعتبار سے بامِ عروج تک پہنچایا، موصوف ماہنامہ ندائے شاہی کے خاص معاونین میں سے تھے، اکابر دیوبند اور جمعیۃ علماء سے خصوصی ربط تھا، اللہ تعالیٰ حافظ صاحبؒ کی خدمات کو قبول فرماکر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

ذیل میں قاری صاحب موصوف سے متعلق سوانحی مضمون پیش ہے، جو آپ کے صاحبزادے مولوی عبدالقادر ندوی سلمہ نے مرتب کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

ولادت و تعلیم:- والد محترم حضرت حافظ وقاری محمد سلیمان صاحبؒ کی ولادت ۱۵؍اکتوبر ۱۹۵۳ء مطابق ۷؍صفر ۱۳۷۳ھ بروز جمعرات اوجھاری ضلع امروہہ میں ہوئی۔

آپ کو بچپن ہی سے قرآن کریم سے دیرینہ وابستگی اور حفظ کرنے کا جذبہ وشوق تھا؛ لہٰذا آپ نے اُوجھاری میں ہی حافظ اوصاف صاحبؒ پیر جی قاضی سے ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کی، پھر حفظ کے لئے حضرت مولانا محمد نورؒ صاحب قاسمی سنبھلی سے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

اصلاحی تعلق:- حضرت مولانا فراست حسین صاحب قاسمیؒ (شاگرد خاص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ (خلیفہ ومجاز حضرت مولانا شریف الحسن قاسمی رحمۃ

اللہ علیہ بعدہٗ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ) سے تھا، مولانا فراست حسین صاحبؒ کے انتقال کے بعد والد محترم حضرت مولانا قمر الزماں صاحب سے بیعت ہوئے۔

عادات واَخلاق:- آپ نہایت ہی خوش اخلاق، بلند آواز، متواضع ومنکسر المزاج، قوتِ برداشت، مصائب پر صبر، صلح جوئی، سچائی اور راست بازی، شجاعت وبہادری، بلند ہمتی وعالی حوصلگی، قرابت داروں سے حسن سلوک، غرباء ومساکین کی دست گیری، علماء کی قدردانی، عجز وانکساری، مہمان نوازی، فیصلہ کرنے میں غیر جانب داری اور حکمت، بڑوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، لبوں پر دل آویز مسکراہٹ، چہرے سے شرافت ونجابت اور وقار ومتانت ظاہر ہوتی تھی۔

جامعہ معارف القرآن کا قیام:- والد محترمؒ نے ۳؍اپریل ۱۹۸۵ء مطابق ۱۲ رجب ۱۴۰۵ھ بروز بدھ کو مولانا عبدالجلیل صاحب سیوہارویؒ، اپنے خسر حضرت مولانا فراست حسین صاحب قاسمی عرف میاں جیؒ اور علاقہ کے دیگر علماء دست مبارک سے اوجھاری کے ایک تالاب کے کنارے کھجور کے درخت کے نیچے ایک جھونپڑی ڈال کر بچوں کی تعلیم کا آغاز کیا۔ میرے نانا جان نے اس کا نام ''مدرسہ معارف القرآن'' تجویز فرمایا، زمانے کے نشیب وفراز سے گذر کر ۱۹۹۴ء مطابق ۱۵-۱۴۱۴ھ میں آخر وہ دن بھی آیا کہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ کا ورود مسعود ہوا، حضرتؒ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''قاری صاحب حالات بہت آئیں گے مگر ہمیشہ آگے ہی بڑھتے رہنا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا''۔ پھر کیا تھا والد محترم کی شب روز کی تگ ودو سے وہ چھپر کی جھونپڑی دیکھتے ہی دیکھتے ایک شاہکار عمارت میں تبدیل ہوکر قرآن وحدیث کی تعلیم اور علماء ربانیین کی آماج گاہ بن گئی۔

اور یہ مرد مجاہد متنوع طریقوں سے اسلام کی ضوفشانی کرتے ہوئے ۲؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۵ مئی ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ کو ۶۹؍سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔ (ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۱ء)

❍❖❍

حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحبؒ

پاکستان کے معروف ترین بافیض عالم دین، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رئیس، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے سربراہ وشیخ الحدیث، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، سیکڑوں اِداروں کے سرپرست، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ۱۸؍ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍جون ۲۰۲۱ء بروز بدھ کو ۸۶؍سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے جید الاستعداد محدث، باوقار مشفق اُستاذ، اور صائب الرائے منتظم تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے چہیتے شاگرد تھے، پوری زندگی سلف صالحین اور اکابر علماء حق کے منہج پر قائم رہے، اور عظیم علمی وملی خدمات انجام دیں، بلاشبہ آپ کا وجود اُمت کے لئے بڑے سائبان کی حیثیت رکھتا تھا۔

آپ کی پیدائش آبائی وطن کوکل ضلع ایبٹ آباد (پنجاب) میں ۱۹۳۵ء میں ہوئی، والد ماجد جناب سکندر بن زمان خان علاقے کے باوجاہت شخص تھے، اور علماء وصلحاء سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کراچی کا رخ کیا، جہاں جامعہ بنوری ٹاؤن سے ۱۹۵۶ء میں فراغت حاصل کی۔ اُس کے بعد ۱۹۶۲ء میں آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور چار سال ''جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ'' میں تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۹۷۲ء میں ''جامعہ اَزہر مصر'' میں داخلہ لے کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، آپ کے مقالہ کا عنوان ''عبداللہ بن مسعودؓ امام الفقہ العراقی'' تھا، جس سے آپ کی فقہی استعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے اُستاذ گرامی محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

نے آپ کی فراغت سے قبل ہی ۱۹۵۵ء میں آپ کو مدرسہ کا باقاعدہ اُستاذ مقرر فرمایا تھا، جس پر تاحیات برقرار رہے۔ اس اعتبار سے بنوری ٹاؤن سے آپ کی نسبت کا زمانہ ۶۶ رسال بیٹھتا ہے، آپ ۱۹۹۷ء میں ''رئیس الجامعہ'' بنائے گئے، اور ۲۰۰۴ء میں ''شیخ الحدیث'' مقرر ہوئے، ۲۰۱۵ء میں آپ کو ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا امیر بنایا گیا۔

الغرض آپ کی وفات سے ملت اسلامیہ ایک عظیم مربی اور سرپرست سے محروم ہوگئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں، اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۱ء)

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ

دارالعلوم دیوبند کے مؤقر اُستاذ حدیث واَدب اورنائب مہتمم، اُستاذ الاساتذہ حضرت اَقدس مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ نے گذشتہ ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ عصر سے قبل داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن رات میں دارالعلوم کے اِحاطہ مولسری میں مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جس میں ہزاروں علماء اورعوام نے شرکت کی، بعداَزاں ''قبرستانِ قاسمی'' میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

حضرت مولانا سنبھلی رحمہ اللہ نہایت شریف الطبع، مسکین صفت، متواضع اور بہت ہی شفیق اُستاذ تھے۔ نرم خوئی اور خوردنوازی آپ کی جبلت میں داخل تھی، مزاج ومذاق میں اَدب کی حلاوت اور چاشنی ہر اُس شخص کو محسوس ہوتی تھی جو آپ کی صحبت میں کچھ دیر بھی حاضر رہنے کی سعادت حاصل کرتا تھا، حلم ووقار میں بھی آپ بہت ممتاز تھے، دل کے صاف اور زبان میں محتاط تھے۔ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی ایسی عزت سے پیش آتے کہ شرم آنے لگتی تھی۔ طلبہ کے ساتھ ہم دردی اور خیر خواہی کمال کے درجہ کی تھی، ذاتی طور پر بھی اُن کی تربیت اورنگرانی میں کوئی دریغ نہ فرماتے تھے۔ لباس عام طور پر سفید استعمال فرماتے اور سر پر رومال ڈالنے کی عادت تھی، جس سے شخصیت کی دل آویزی میں اور اِضافہ ہوجاتا تھا۔

آپ اپنے تلامذہ کی حوصلہ افزائی میں بھی ممتاز تھے، نہ جانے کتنے رسائل اور کتابوں پر آپ کی تقریظات نوعمر مصنفین کی ہمت افزائی کا سبب بنتی تھیں۔ اِسی طرح جو فضلاء مدارس میں

تدریسی خدمات کے اُمیدوار ہوتے تھے اُن کے لئے کسی بھی طرح کی سفارشی تحریر لکھنے میں آپ کو کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ آپ ایسے طلبہ پر نظر رکھتے تھے جو ملازمت کے خواہش مند ہوں، نیز اپنے زیرِ اثر مدارس کے ذمہ داروں کو بھی ہونہار طلبہ کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

آپ ملک کے طول وعرض میں بے شمار مدارس کے عملاً سرپرست تھے، اور اُن کے متعلق اُمور میں برابر دلچسپی لیتے تھے، اور مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے۔

حضرت الاستاذ راقم الحروف مرتب پر بے انتہاء مہربان تھے، احقر نے حضرت سے ''اُصول الشاشی'' اور ''دیوانِ متنبیؒ'' پڑھنے کی سعادت حاصل کی، آپ کا پڑھانے کا انداز نرالا اور دلچسپ تھا، آپ کو اُردو اور عربی اَدب پر کامل دستگاہ حاصل تھی۔

احقر کو متعدد بار اصلاحی اَسفار میں حضرت کے ساتھ رہنا نصیب ہوا، تو آپ کا رویہ نہایت بے تکلفانہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ غالباً ۱۹۹۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ''اصلاحِ معاشرہ پروگرام'' کے تحت صوبہ مہاراشٹر کا دس روزہ سفر ہوا، جو ناگپور سے شروع ہوکر امراؤتی، آکولہ، ناندیڑ اور اورنگ آباد ہوتے ہوئے مالیگاؤں پر ختم ہوا، ہر جگہ آپ کی مؤثر تقریریں ہوتیں جو حاضرین پر بہت اثر انداز ہوتی تھیں، اکثر خطاب کے دوران آپ اپنے منفرد انداز میں یہ شعر پڑھتے تھے، جو آج بھی کانوں میں گونج رہا ہے:

زندگی ہو رہی ہے مثلِ برف کم
رفتہ رفتہ، دھیرے دھیرے، دَم بہ دَم

آپ کا خطاب دلچسپی سے بھرپور اور ادبی چاشنی سے معمور ہوتا تھا، جس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔

مختصر حالاتِ زندگی

حضرت مولانا موصوف کی پیدائش ۱۹۵۰ء میں وطن مالوف سنبھل میں ہوئی، ابتدائی تعلیم ''مدرسہ وحید المدارس'' سرائے ترین سنبھل میں حاصل کی، بعد اَزاں ''مدرسہ شمس العلوم''

میں داخل ہوئے، آپ کے خاص اَساتذہ میں حضرت مولانا مفتی محمد آفتاب علی خان صاحبؒ تھے جو سرائے ترین جامع مسجد کے خطیب اور بڑے جلیل القدر اور جید الاستعداد عالم دین تھے، جسمانی معذوری کے باوجود مرجع خاص وعام تھے۔ آپ نے ابتداء سے ''شرح جامی'' تک کی تعلیم حضرت مفتی صاحب موصوفؒ سے ہی حاصل کی، جب کہ حضرت قاری فرید الدین صاحبؒ سے حفظ قرآنِ کریم کی تکمیل کی۔

بعد اَزاں ۱۹۶۸ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۹۷۲ء مطابق ۱۳۹۲ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی۔ یہاں کے اَساتذہ میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شریف الحسن صاحب قابل ذکر ہیں۔ نیز آپ نے فراغت کے بعد ایک سال دیوبند ہی میں رہ کر اَدیب العصر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ سے عربی اَدب میں مہارت حاصل کی۔

۱۹۷۳ء سے آپ نے مغربی یوپی کے معروف اِدارے ''جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ'' میں تدریسی خدمات انجام دینی شروع کیں، یہ سلسلہ چھ سال تک جاری رہا اور آپ نے یہاں ابتداء سے اعلیٰ درجات تک کی کتابیں بہت نیک نامی کے ساتھ پڑھائیں۔ بعد اَزاں آپ ۱۹۷۹ء میں ''جامع الہدیٰ مرادآباد'' سے وابستہ ہوئے، پھر ۱۹۸۲ء میں دار العلوم دیوبند تشریف لے آئے، اور تادم آخر اُسی کی خدمت میں پوری دل جمعی سے لگے رہے۔ ناظم دار الاقامہ، امتحانات میں ناظم طباعت اور اخیر میں تقریباً دس سال آپ نے نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی بحسن وخوبی انجام دی، ہر ایک شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت شریفانہ ہوتا تھا، آپ کی خوش خلقی اور حلم وبردباری مثالی تھی۔

آپ تصنیف وتالیف کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے، ردمودودیت پر پانچ حصوں پر مشتمل آپ کا محاضرہ شائع شدہ ہے اور مقبول ہے۔ علاوہ اَزیں آپ نے شیخ عبد المجید الزندانی

الیمنی کی ’’کتاب التوحید‘‘ کا اُردو میں ترجمہ کیا جو پانچ سوصفحات پر مشتمل ہے۔ نیز ’’فتاویٰ عالمگیری‘‘ کے بعض اجزاء کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

آپ متعلقین کی دعوت پر اصلاحی ودعوتی پروگراموں میں شرکت کے لئے حسب موقع ملک کے طول وعرض کے اسفار فرماتے تھے۔ نیز جمعیۃ علماء ہند کے پروگراموں میں بھی اہتمام سے شریک ہوتے تھے۔

آپ کی طبعیت رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۱ء کے اواخر سے مضمحل ہونی شروع ہوئی، اَولاً ’’یرقان‘‘ کا مرض تشخیص ہوا، اس کا علاج چلتا رہا، جب تکلیف بڑھی تو دلی کے بڑے اسپتال ’’راجیو گاندھی ریسرچ سینٹر‘‘ میں دکھایا گیا، وہاں کی جانچ سے موذی مرض کی تشخیص ہوئی، مگر بدن اس کے علاج کا متحمل نہ تھا، اِس لئے گھر واپس لاکر علاج چلتا رہا؛ تاہم کمزوری اور نقاہت بڑھتی رہی۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا اور آپ اپنے نیک اعمال کا بڑا ذخیرہ لے کر جمعہ کے مبارک دن اپنے خالق ومالک ارحم الراحمین کے دربار میں حاضر ہوگئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

(حضرت کے متعلق تعلیمی احوال ’’تاریخ سنبھل‘‘ مؤلفہ: مولانا عبدالمعید سنبھلی مدظلہم سے ماخوذ ہیں)

جن کی خوشبو سے معطر تھا چمن

(حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلیؒ اُستاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

(ولادت: ۱۵/۳/۱۳۶۹ھ-۴/۱/۱۹۵۰ء، وفات: ۱۹/۱۲/۱۴۴۲ھ-۳۰/۷/۲۰۲۱ء)

مولانا مفتی محمد توحید قاسمی پرتاپ گڈھی اُستاذ ادب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

اس فانی دنیا میں روزانہ بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں، اور اپنے دن پورے کر کے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوجاتے ہیں، لیکن ہزاروں میں ایک آدھ ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی بندگانِ خدا نیک نامی کے ساتھ یاد کرتے ہیں، ان کے حق میں دعائیں کرتے ہیں، ان کی یادیں، ملاقاتیں اور روشن کارنامے بعد والوں کے لئے قدم قدم رہنما ثابت ہوتے ہیں، ان کی اجلی صاف ستھری اور بے داغ زندگی سے روشنی حاصل کرتے ہیں، ان کے کارناموں کو یاد کیا جاتا ہے، ان پر مضامین اور کتابیں لکھی جاتی ہیں، ان کی عادات و اخلاق کو بطور تمثیل پیش کیا جاتا ہے، ان کے بنائے ہوئے خطوط زندگی کی شاہ راہ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، انہیں خدا کے مقبول بندوں میں استاذِ محترم دارالعلوم کے استاذ حدیث ونائب مہتمم مشفق ومہربان اور سب کے چہیتے اُستاذ محترم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی بابرکت ذات تھی۔

حضرت والا نے ۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ ۳۰/ جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ کئی مہینوں کی بیماری اور علاج ومعالجے کے ایک طویل دورانیہ کے بعد مالکِ حقیقی کے سامنے سرِ نیاز خم کردیا، اور فانی

دنیا سے منہ موڑ کر مزارِ قاسمی کے ایک گوشے میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہوگئے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل، بافیض مدرس، کامیاب منتظم شرافت و پاکیزگی کا آئینہ، مروت کا خوگر، غم خواری کا پیکر، تواضع وانکساری کا بہتا دریا، محبت واپنائیت جن کی فطرت، دل و دماغ انتقام ونفرت سے پاک، کدورت وکھوٹ سے خالی، ادبی ذوق سے سرشار، سفید رومال کی آڑ سے جھانکتا ہنس مکھ چہرہ، چشمے کے اوپر سے جھانکتی آنکھیں، اخلاق حسنہ سے متصف، نوادرات کا خزانہ، تعبیرات کے بادشاہ، ادبی اشعار ازبر، خانہ زاد لطائف کے امام، حکایات وواقعات کا حسین گلدستہ، زندگی میں سادگی کا عنصر غالب، انتہائی سہل الحصول، ہرکس و ناکس کی حاجت روائی ودادرسی میں طاق، طالب حاجت کا چوکھٹ پر ہجوم، اور ہر ایک کی خندہ روئی کے ساتھ استقبال وتکمیل، خردوں اور شاگردوں پر بے پناہ شفیق، بلکہ احترام اور اکرام کا درجہ لئے ہوئے، اور اس جیسے بہت سے زندہ نقوش، اچھوتے اور نرالے انداز واَوصاف کے مالک تھے، جن کی وجہ سے آپ ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے۔

بدلا نہ میرے بعد بھی موضوع گفتگو
میں جاچکا ہوں پھر بھی تیری محفلوں میں ہوں

یوپی کے مشہور صنعتی شہر مرادآباد کے ایک مردم خیز قصبہ سنبھل (جواب مستقل ضلع ہے، جس کا صدر مقام بھجوئی ہے) کے محلّہ سرائے ترین میں ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۶۹ مطابق ۴/ جنوری ۱۹۵۰ء بروز بدھ آغوشِ مادر میں آنکھیں کھولیں، اور ہندوستان کی آزاد فضا میں پہلی سانس لی۔

بچپن میں کچھ شعور وآ گہی کے بعد تعلیم کی بسم اللہ محلّہ کے مدرسہ وحید المدارس سے ہوئی؛ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اُستاذ محترم مربی اول حضرت مولانا مفتی محمد آفتاب صاحب مرحوم کے وہاں سے مدرسہ شمس العلوم سرائے ترین سنبھل منتقل ہونے کی وجہ سے آپ بھی اُستاذ محترم کے ساتھ وہیں چلے گئے، ابتدائی تعلیم، عصری علوم، ناظرہ قرآن ودینیات اور حفظ کے ساتھ شعبہ فارسی تا شرح جامی (عربی چہارم) تک کے تمام تعلیمی مراحل اسی ادارے میں مذکورہ

اُستاذ کے زیرِتربیت طے پائے، پھر حصولِ علم کی غرض سے ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم تشریف لے گئے، اور مختصر المعانی (عربی پنجم) میں داخلہ ہوا۔

زمانۂ طالب علمی ایک محنتی، شریف الطبع اور نیک نام طالب علم کی حیثیت سے گزارا، ہم درسوں، ساتھیوں میں نمایاں اور فائق رہے، شوق، لگن اور محنت سے پڑھا، ہمیشہ شریف بردبار اور بااخلاق طالب علم کے طور پر جانے پہچانے گئے، اساتذہ کی شفقتیں عنایتیں اور توجہ ہمیشہ حاصل رہیں دارالعلوم کے علمی اور نورانی ماحول میں تعلیمی مراحل کی تکمیل ۱۹۷۲ء میں ہوئی، سند فضیلت کے بعد عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے یگانۂ روزگار عبقری معلم حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی نور اللہ مرقدہٗ کی شاگردی میں اپنے آپ کو سونپا، اور جوہری نے ہیرے میں تراش وخراش کرکے چمک اور نکھار پیدا کردیا، اور مادرِ علمی اُم المدارس سے آفتاب علم بن کر چمکے۔

۱۹۷۳ میں تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ غازی آباد سے فرمایا اور دورۂ حدیث شریف تک کی کتابیں زیرِدرس رہیں، کچھ ہی دنوں میں ایک مشفق بافیض استاذ کی حیثیت سے شہرہ ملا، اور خادم الاسلام میں ۶ رسال کامیاب تدریسی زندگی گزارنے کے بعد وطن سے دوری اور گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے ۱۹۷۹ء میں اپنے ضلع کے ایک مؤقر ادارے مدرسہ دارالعلوم جامع الہدیٰ گل شہید مرادآباد تشریف لائے، اور تین سال تشنگانِ علوم نبوت کی پیاس بجھائی، صلاحیت، طبعی شرافت، طلبہ کے تئیں ہمدردی عربی زبان میں مہارت کی وجہ سے جامع الہدیٰ میں بے پناہ مقبولیت اور طلبہ کا اعتماد حاصل رہا، اور آج تک لوگ آپ کو یاد کرتے ہیں۔

پھر قسمت نے یاوری کی اور ۱۹۸۲ء جامعہ دارالعلوم دیوبند میں مدرس عربی کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا، دیکھتے ہی دیکھتے کچھ انفرادی خوبیوں کی بنیاد پر ایک کامیاب مشفق استاد سے شناخت قائم ہوئی، اور دارالعلوم کی علمی فضا میں نیک نامی مقدر بنی، اور آپ ہمیشہ طلبہ اور اساتذہ کے مابین مقبول ومحبوب رہے، ذمہ داروں کے درمیان اعتبار واعتماد کی دولت سے کبھی

محروم نہ ہوئے، دارالعلوم کے بہت سے داخلی تعلیمی وانتظامی شعبوں کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد رہی، ناظم دارالاقامہ، ناظم امتحان اور ناظم نشر واشاعت بھی رہے، انتظام کی صلاحیت بھی خوب تھی، ۲۰۰۸ء سے تادمِ آخر دارالعلوم کے ایک کامیاب نائب مہتمم کے طور پر کام کرتے رہے، اور دارالعلوم کی تعمیر وترقی جو آپ کے نیابتِ اہتمام کے دور سے تعلق رکھتی ہیں اس میں آپ کی جدوجہد اور بھاگ دوڑ کا بھی بڑا دخل ہے، اور ملی ہوئی ہر ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا کرتے۔

آپ کو عربی اُردو دونوں زبانوں کا بڑا ستھرا ذوق ملا تھا، اور دونوں پر بھرپور قدرت بھی تھی، اور لکھنے پڑھنے کا شوق وذوق بھی تھا، اگرچہ بہت تصانیف وتالیفات آپ کی معرضِ وجود میں نہیں آسکیں؛ لیکن جو کچھ حضرت نے لکھا، اچھا لکھا، چاہے وہ ردمودودیت کا محاضرہ ہو، یا فتاویٰ عالمگیری کے ایک حصے کا ترجمہ ہو، یا شیخ عبدالمجید یمنی کی کتاب التوحید کا پانچ سوصفحات پر مشتمل عمدہ ترجمہ ہو، تمام تحریریں اہل علم وفن کے یہاں لائق اعتبار ثابت ہوئیں، اس کے علاوہ بے شمار کتابوں پر تقاریظ اور مختصر تحریریں آپ کے قلم سے وجود پذیر ہوئیں، اور مودودی کی تردید اوران کے گمراہ کن عقائد کا تذکرہ کبھی کبھی سبق کے دوران بھی آجاتا، اور بڑے لطیف انداز میں تنقید کیا کرتے۔

زمانۂ تدریس ہو یا نیابت اہتمام کا منصبِ عظیم، ابتدا سے انتہاء تک، نہ رویے میں تبدیلی، نہ انداز واطوار میں تغیر، نہ بڑاپن، وہی تواضع، انکساری، وہی فروتنی کا پیکر، اخلاق حسنہ کا نمونہ، چال ڈھال، نشست وبرخاست، گفتگو وملاقات، ملنے ملانے کا انداز، کسی بھی طور طریقے سے کبھی بھی یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ آپ اتنے مؤقر ادارے کے انتہائی عظیم منصب پر فائز ہیں، ہمیشہ اخلاق، محبت، تواضع اور کسرنفسی کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے، کیونکہ آپ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ باکمال شخص میں سب سے بڑا وصف تواضع وکسرنفسی ہی ہوسکتی ہے، یہی تمام خوبیوں کی جڑ اور تمام صفات حمیدہ کا سرچشمہ ہے، اس کے بغیر ہر بڑائی برائی بن جاتی ہے، اوراس خوبی کے ساتھ ہر عیب لائقِ چشم پوشی رہتا ہے، اور حضرت الاستاذ کی پوری زندگی

اسی وصف محمود کے قالب میں ڈھلی رہی، تواضع کا عنصر ہر چیز میں نمایاں نظر آتا۔

حضرت الاستاد کو اخلاق وافر مقدار میں ملا تھا، سادگی اور فروتنی کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہتا تو اس چوکھٹے میں آپ بالکل فٹ آتے تھے، اٹھنے بیٹھنے میں نہ کوئی امتیاز، نہ ملنے ملانے میں عہدے کا بڑا پن، کہیں پر بھی سلام کر کے اپنا مدعا بیان کر لینا ایک عام سی بات تھی، کوئی ضرورت مند طالب علم راستہ چلتے ملتا تو ''جی ہم سے کوئی کام ہے'' کہہ کر کھڑے ہو جاتے اور پوری بات بغور سماعت فرماتے، آپ کے یہاں ملنے ملانے والوں کے لئے وقت کی کوئی قید اور پابندی نہ تھی، اتنے عظیم ہونے کے باوجود ہر وقت دستیاب رہتے، انتہائی سہل الحصول تھے، آپ کے یہاں متعارف اور غیر متعارف طلبہ کے درمیان فرق اور امتیاز کا کوئی خانہ نہ تھا، اجنبی اور شناسا سب کی پزیرائی کے دروازے کھلے رہتے تھے، ملتے تو ایسے مشفقانہ انداز میں کہ تھکن دور ہو جائے، روح و دل اطمنان وسکون کی لذت سے آشنا ہو جائے، گفتگو میں وہ اپنائیت اور مٹھاس کہ جس کی کیفیت کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا تبسم آمیز گفتگو، لفظوں کو دبا کر اور زور دے کر بولنے کا انداز کہ اس سے فرحت وانبساط کے پھول مہکنے لگتے، اور سادگی کا حال یہ تھا کہ جہاں بٹھا دیا بیٹھ گئے، جو کھلا دیا کھا لیا، نہ انکار نہ پرہیز نہ کسی بات کا عذر، اور دلداری میں بہت سی مرتبہ اپنا نقصان بھی برداشت کر لیتے، ضرورت مند کو مایوس کرنا جیسے آپ نے سیکھا ہی نہ ہو، پروگرام میں شرکت کی درخواست ہو، یا کتاب پر تقریر اور مقدمہ لکھوانے کی فرمائش ہو، دار العلوم کے کسی مسئلہ میں سفارشی تحریر ہو، آپ کے یہاں جملہ منفیہ گویا تھا ہی نہیں، اور دلداری کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی واقعہ مجلس میں زیر گفتگو ہے، اور ختم ہونے کے قریب ہے، کوئی نو وارد شاگرد پہنچ جاتا، تو بلا تکلف پورا واقعہ اس ایک شخص کی دل جوئی کی خاطر دہرا دیتے، اور اس میں حضرت والا کو کسی قسم کا کوئی تردد نہ ہوتا، درسگاہ میں شفقت اور نرمی کا یہ حال کہ کسی طالب علم کے تاخیر سے خفیہ درسگاہ میں آنے پر دروازے کے بجنے کی آواز پر برجستہ فرماتے: ''شاید ہوا چھیڑ خانی کر رہی ہے'' اور نظر پڑ جانے پر بھی نظر انداز کر دیتے، اور کبھی دروازے کی آہٹ پر لطیف جملہ ارشاد فرماتے کہ

''اندر کے لوگ باہر جا رہے ہیں، یا باہر کے لوگ اندر آرہے ہیں'' ہر موضوع پر اردو اشعار از بر تھے، جسے بر وقت موقع اور محل کے اعتبار سے فٹ کرنا آپ ہی کا امتیاز تھا، دیوان متنبّی کے سبق میں تشریح کے وقت شاید ہی کوئی سبق اردو شعر سے خالی رہا ہو، جملوں اور تعبیرات پر ملکہ حاصل تھا، خانہ زاد لطائف، مرتب جملے، برمحل اشعار، مسکراتی عبارتیں اس پر مستزاد تھیں، اور یہ اچھوتا انداز سبق کی اکتاہٹ اور نشستوں کی بیزاری کے لئے تریاق کا کام کرتا، اور یہی انداز جلسوں اور محفلوں کا ہوا کرتا جس سے آپ کی گفتگو کے دوران سامع کبھی اکتاہٹ اور بیزاری کا شکار نہ ہوتا، طبیعت یہ چاہتی کہ آپ بولتے جائیں اور ہم بگوش ہوش سنتے رہیں، اور اس میں کسی تصنع اور بناوٹ کی آمیزش نہ ہوتی، اس طرح کے جملے اور نوادرات فی البدیہہ ارشاد فرماتے: گویا کہ یہ آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی، حضرت اپنی اداؤں اور انداز میں سب سے الگ تھلگ تھے، زندگی سادگی کی ایسی مثال جہاں کروفر، ٹیپ ٹاپ کا گزر نہیں تھا، عربی اور اردو دونوں زبانوں پر قدرت اور مہارت تھی، جس کا اندازہ گاہے بگاہے ہوتا رہتا، ادب کی کتابوں میں فرمائش پر کبھی کبھی پورا سبق عربی میں ہوا کرتا، متنبّی کے سبق میں ایک مرتبہ ایک ساتھی نے عربی زبان میں سبق پڑھانے کی درخواست کردی، تو کئی دنوں تک پورا سبق عربی میں ہوتا رہا، اور اس میں کسی قسم کا کوئی تکلف دیکھنے میں نہ آیا۔

مدرسہ شاہی مرادآباد کے اَدب کے بچوں کی عربی انجمن النادی کے سالانہ اجلاس میں اکثر درخواست پر بخوشی حضرت تشریف لاتے اور ہمیشہ پروگرام سن کر مسرت کا اظہار فرماتے، اور پروگرام کے بعد وقت کی قلت کے باوجود گھنٹوں محبت بھری گفتگو حوصلہ افزا جملے ارشاد فرماتے، ہر شخص کو آپ سے اُنسیت تھی، ہر آدمی سے آپ بڑی محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے، ہر مزاج اور ذہن کے لوگ آتے، اور آپ سب کے ساتھ خندہ پیشانی اور بلند اخلاقی کے ساتھ پیش آتے، اور ہر ملاقات میں آپ سے مل کر یہ دل چاہتا کہ دوسری ملاقات جلد ہو، اور چند گھڑی آپ سے قریب بیٹھنے کا موقع دوبارہ ہاتھ آئے، حضرت الاستاذ سب کے لئے اور خصوصا

طلبہ کے لئے انتہائی مفید تھے؛ بلکہ ”خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ“ کے مصداق تھے، اور اتنا بے تکلف ہو جاتے کہ بعض مواقع پر کم توفیق خردوں کو جری دیکھا گیا؛ لیکن کبھی بھی رد میں آپ نے شرافت کی حد کو پار نہیں کیا، آپ کی ذات یقیناً ایک نعمتِ الٰہی تھی، اور آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے وہ نقوش دھندلے پڑتے نظر آ رہے ہیں، جو اکابر اور بزرگوں کے اخلاص، تقویٰ وطہارت اور شرافت و پاکیزگی سے روشن تھے۔

ڈھونڈیں گے لوگ مجھ کو ہر محفل سخن میں
ہر دور کی غزل میں میرا نشان ملے گا

یقیناً آپ کئی مہینوں سے مریض تھے، مگر ایسے نہ تھے کہ جس سے یہ گمان ہوتا کہ آپ آناً فاناً ہمارے سامنے سے رخصت ہو جائیں گے، مگر وقت موعود آ پہنچا، اور آپ اپنے آخری سفر پر اس طرح روانہ ہو گئے، جہاں جانے کے بعد صرف یادیں رہ جاتی ہیں، اور آپ چلے بھی گئے، اب وہی کسک، وہی ہو کا عالم، وہی آپ کی کمی ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی؛ لیکن آپ کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اُس کا پر ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے، مگر وہ ذات چاہ لے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت الاستاذ کی بال بال مغفرت فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، درجات بلند فرمائیں، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں، اور دارالعلوم اور ملت اسلامیہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۱ء)

ملتِ اسلامیہ کی باکمال شخصیت

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ
اُستاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد اَمروہہ

برصغیر میں خاص طور سے ہمارا ملک ہندوستان انتہائی مفید، اہم، باوقار اور باکمال شخصیات سے محروم ہوتا جا رہا ہے اور ملت اسلامیہ ہند کے لئے علم وعمل اور فضل وکمال کی حامل شخصیات کا تیزی کے ساتھ رخصت پذیر ہونا باعث تشویش بنا ہوا ہے، گذشتہ چند مہینوں کے اندر ملت اسلامیہ کے ڈھرکتے ہوئے دل ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں دیگر کارکنان کے ساتھ چار باکمال اور مؤقر شخصیات دارفانی سے دارالبقاء کی جانب رحلت فرما گئیں۔

مؤرخہ ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ تقریباً ساڑھے چار بجے دن میں ملت اِسلامیہ کی انتہائی مفید، غیر مضر اور باکمال شخصیت دارالعلوم دیوبند کے استاذ اَدب وفقہ وحدیث اور نائب مہتمم حضرت الاستاذ مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ کے انتقال پُر ملال کا سانحہ پیش آیا۔ جو ملت اسلامیہ اور طبقہ علماء کے لئے بڑا خسارہ ہے۔ حضرت کے چند امتیازی اَوصاف وکمالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

اَوصاف وکمالات

آپ کو خلاق عالم نے متعدد خصوصیات وامتیازیات وکمالات سے نوازا تھا۔ انکساری،

فروتنی، کسر نفسی اور تواضع آپ کا یگانہ روزگار وصف تھا جو بہت کم خوش نصیب افراد کو نصیب ہوتا ہے، زبان کی شیرینی خوش اخلاقی، تعبیر دانی اور تعبیر سازی، ہر وارد وصادر سے خندہ پیشانی سے ملاقات، ہر آنے والے خورد وکلاں کی حسب موقع ضیافت ومہمان نوازی آپ کے امتیازی اوصاف میں شامل ہیں۔

اور سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ملت اسلامیہ کے سبھی طبقات کے لئے آپ بیحد مفید بلکہ مفید ترین شخصیات میں شامل تھے۔ضرورت مندوں کا جمگھٹا اور ہجوم آپ کے دروازہ پر مسلسل کھڑا رہتا تھا اور آپ اطلاع ہونے پر دروازہ سے باہر تشریف لاتے تھے اور ہر ایک کی گفتگو کو غور سے سماعت فرماتے تھے اور اس کی مطلوبہ درخواست کو پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے یا رہنمائی فرماتے تھے اور ہر ایک کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے طلبہ کی تعلیمی سرگرمیوں اور انجمن کے پروگراموں میں پوری دلچسپی سے شریک ہوتے تھے اور حسن کارکردگی پر حوصلہ افزائی فرماتے تھے جن ضلعی یا صوبائی انجمنوں کی سرپرستی آپ سے نامزد طریقہ سے وابستہ تھی۔ان کے انتخاب سے لے کر سالانہ اختتامی اجلاس تک تمام ہی امور میں شریک رہتے تھے اور وقفہ وقفہ سے ذمہ داران انجمن سے حالات دریافت فرماتے تھے اور پیش آمدہ مشکلات کو حل فرماتے تھے۔

ہند و بیرون ہند میں مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں اور دیگر اصلاحی اور سیرت کے پروگراموں میں آپ کو اہتمام سے دعوت دی جاتی تھی اور آپ حسب گنجائش شرکت کا وعدہ فرماتے تھے اور پھر مقررہ پروگراموں میں شرکت فرما کر ذمہ داران مدارس کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔عوام وخواص کی اصلاح فرماتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔اس طرح مسلک دارالعلوم دیوبند کی اشاعت اور مذہب اسلام کی صحیح تصویر عوام وخواص میں پیش کرنے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔غیر مقلدیت، مودودیت، رضاخانیت اور قادیانیت کے تعاقب وتردید کے پروگراموں میں بھی ملک بھر میں تشریف لے جاتے تھے اور ان میں شریک ہو کر فرقِ باطلہ وضالہ کی تردید اور دفاع عن الدین کا فریضہ انجام دیتے

تھے۔ متعدد مدارس اسلامیہ کی مجلس شوریٰ کے آپ رکن رکین تھے اور ان کے مشاورتی جلسوں میں شریک ہوکر ذمہ داران مدارس کو مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ "خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ" کا صحیح مصداق تھے۔ ملت اسلامیہ اور طبقہ علماء وطلبہ آپ کی عادات وخصائل اور خوش اطواریوں اور خوش اخلاقیوں کو عرصہ دراز تک یاد رکھے گا اور اپنی مجالس کو آپ کے ذکر خیر سے مزین رکھے گا۔

تصنیفات وتالیفات

آپ کو رب ذوالجلال نے تصنیف وتالیف کا لطیف اور صاف ستھرا ذوق عطا فرمایا تھا؛ لیکن آپ اپنی تدریسی وانتظامی مصروفیات کی وجہ سے اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ تاہم چند تصنیفات آپ کے قلم سے وجوہ پذیر ہوکر عوام وخواص کے لئے سرمۂ بصیرت بنی ہوئی ہیں:

(۱) دارالعلوم دیوبند کے شعبہ محاضرات کی جانب سے آپ کو ارباب دارالعلوم دیوبند نے ردمودودیت پر محاضرہ تیار کرکے طلبہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے پیش کرنے کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ چنانچہ آپ نے انتہائی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ مفید اور تحقیقی محاضرات پانچ حصوں میں ترتیب دئے، پھر دارالعلوم دیوبند کی جانب سے اُس کی اِشاعت ہوئی اور تاحیات ہر سال ان محاضرات کو پیش کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الایمان کا اردو ترجمہ آپ نے سلیس زبان میں کیا اور اس کے ذریعہ ایک اہم علمی ضرورت کو آپ نے پورا فرمایا۔

(۳) شیخ عبدالمجید زندانی یمنی کی کتاب التوحید کا اردو ترجمہ جو پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اس کے علاوہ بعض مختصر تحریریں آپ کے قلم سے وجود پذیر ہوئی ہیں۔

تزکیہ وسلوک

آپ اصلاح باطن اور تزکیہ وسلوک کی دولت عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے فقیہ الامت مفتی اعظم ہند حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کے دست حق

پرست پر بیعت ہوئے اور آپ کے تلقین کردہ وظائف واوراد پر عمل پیرا رہے۔

فیضان علمی

آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان کی تعداد بے شمار اور ان گنت ہے۔ دارالعلوم دیو بند کے علماء کے چند اساتذہ کرام کو مستثنیٰ کر کے درجہ وسطی اور ادنی کے سبھی اساتذہ کرام آپ کے تلامذہ کی فہرست میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ بیشتر دینی مدارس کے اساتذہ کرام بھی آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں جو تدریس وافتاء اور دوسری دینی خدمات کے اندر مصروف اور منہمک ہیں۔

علالت ووفات

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی صحت عطا فرمائی تھی خوراک بھی اچھی تھی۔ معمولی نزلہ بخار کی بیماری کا استثناء کر کے کوئی بڑی بیماری آپ کو لاحق نہیں ہوئی؛ لیکن سال گذشتہ محلّہ خانقاہ سے ایک دعوت میں شرکت کر کے گھر واپس ہوئے تو آپ اچانک گر گئے اور آپ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ علاج ومعالجہ کے بعد افاقہ ہوا، اور آپ حسبِ معمول اپنے اُمور مفوضہ میں مصروف ہو گئے، اور دفتری امور انجام دینے لگے، اگر چہ لاک ڈاون کی وجہ سے تدریسی سلسلہ قائم نہ ہو سکا۔ اس کے بعد سال رواں میں آپ کو یرقان کی شکایت ہوئی اور امروہہ کے مشہور ماہر یرقان ڈاکٹر کا علاج شروع ہوا اور ابتدائی مراحل میں افاقہ بھی ہوا مگر بعد کے ادوار میں طبیعت بگڑتی چلی گئی پھر مزید ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کیا گیا۔ دہلی بھی لے جایا گیا، مختلف جانچیں کرائی گئیں تو آپ کی کڈنی متاثر نظر آئی اور کینسر کا اثر بھی تجویز کیا گیا؛ لیکن پھر بھی علاج ومعالجہ جاری رہا۔ ادھر چند ہفتوں سے آپ پر مسلسل غشی رہنے لگی بالآخر وقت موعود آ ہی گیا اور مؤرخہ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بوقت ساڑھے چار بجے شام قبل نماز عصر مظفر نگر ہسپتال میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور آپ کی روح سعید قفس عنصری سے پرواز کر کے مولائے حقیقی سے جا ملی اور یوم جمعہ میں وفات کی فضیلت نعمت غیر مترقبہ کے طور پر رب العالمین

نے آپ کو عطا فرمائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق اَدا نہ ہوا

نمازِ جنازہ اور تدفین

انتقال کے بعد جنازہ دیوبند آپ کی قیام گاہ پر قبیل نماز عصر لایا گیا۔ آپ کے آخری دیدار کے لئے طلبہ کا جم غفیر اور تمام اساتذہ دارالعلوم بشمول حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قمرالدین صاحب گورکھپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند موجود تھے۔

باہمی مشورہ سے نماز جنازہ کا وقت رات کے گیارہ بجے مقرر ہوا اور تجہیز وتکفین کی تیاری شروع کردی گئی۔ رشتہ داروں اور اعزہ واقرباء کے علاوہ بھاری تعداد میں علماء کرام ذمہ داران دینی مدارس نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں شریک ہوئے اور اپنی محبوب شخصیت کو آخری الوداع کہا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صالحین امامت میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور قبرستان قاسمی میں تدفین عمل میں آئی اور آپ ہمیشہ کے لئے خطۂ صالحین میں محواستراحت ہوگئے۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

رب ذوالجلال سبھی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دینی خدمات کے لئے قبول فرمائیں، آمین

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۲۱ء)

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی صاحب حیدرآباد

صوبہ تلنگانہ وآندھراپردیش کے معروف ومشہور، بافیض اورفکرمند عالم دین حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ ناظم وبانی مدرسہ سبیل الفلاح حیدرآباد وصدر جمعیۃ علماء گریٹر حیدرآباد گذشتہ ۸رمحرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۸راگست ۲۰۲۱ء کو وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اپنی ہمہ جہت خدمات کی وجہ سے عوام وخواص میں بہت مقبول تھے۔ سلوک وارشاد، دینی مدارس ومکاتب کی سرپرستی اور جمعیۃ علماء کے تحت سماجی اور ملی سرگرمیوں میں آپ ہمہ تن مصروف رہتے تھے، آپ کا پورا گھرانہ محی السنہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے وابستہ اور تربیت یافتہ تھا۔ آپ عرصہ تک ''مجلس دعوۃ الحق'' کے ذمہ دار بھی رہے۔ احقر مرتب سے حضرت موصوفؒ کے مشفقانہ تعلقات تھے، بہت مرتبہ آپ کی دعوت پر حیدرآباد اور دیگر مقامات پر پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا، آپ کا حسن انتظام قابل تعریف تھا۔ آپ کا ذوق نہایت نفیس اور زندگی خلق خدا کی نفع رسانی کے لئے وقف تھی۔ ہر طبقے کے لوگ آپ سے وابستہ ہوکر رہنمائی حاصل کرتے تھے، آپ اپنے برادر گرامی حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم ناظم مدرسہ اشرف العلوم حیدرآباد کے دست راست اور مخلص ترین معاون تھے۔ اِس پورے علاقے میں حضرت مفتی صاحب کی کمی شدت سے محسوس کی جائے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائیں، اور سبھی پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۱ء)

اَمیر احرار

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ثانی لدھیانویؒ

صوبہ پنجاب کے شاہی اِمام، مجلس احرار اِسلام ہند کے اَمیر، ملک کے جرأت منداور بے باک رہنما، تحفظ ختم نبوت کے مخلص خادم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ثانی لدھیانویؒ گذشتہ ۹-۱۰ر ستمبر ۲۰۲۱ء کی درمیانی شب جمعہ میں رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نے آزادیٔ ہند کے بعد مجلس احرار اسلام ہند کو دوبارہ متحرک کیا، اور بہت سے مقامات پر اس کی شاخیں قائم کیں، اور اُن کے ذریعہ ملی معاملات کو اُجاگر فرمایا۔ آپ نے صوبہ پنجاب کے مسلمانوں کو حوصلہ بخشا، ہندؤوں اور سکھوں سے برادرانہ تعلقات کو مضبوط کر کے بہت سی مساجد کو غیروں کے قبضے سے واگذار کرا کے آباد فرمایا۔ آپ پوری زندگی قادیانیت کے خلاف برہنہ تلوار بنے رہے، اور فرقہ پرستوں کے مقابلے میں بھی پوری جرأت اور بے باکی سے آپ آواز اُٹھاتے رہے۔ الغرض آپ نے اپنے آباء واَجداد کے مشن کو پوری قوت کے ساتھ جاری رکھا؛ بلکہ آزاد ہندوستان میں اُسے آگے بڑھانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ آپ کی وفات سے علماءِ حق کی ایک مضبوط آواز خاموش ہوگئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

موصوف کی وفات کے بعد اُن کے لائق وفائق فرزند جناب مولانا محمد عثمان صاحب رحمانی مدظلہ کو حضرت موصوف کا جانشین بنایا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو اُن کے نقش قدم پر چلائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۲۱ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا مفتی ابراہیم صاحب آچھودیؒ (گودھرا)

دارالعلوم گودھرا کے شیخ الحدیث، عالم ربانی، نمونۂ اَسلاف حضرت مولانا مفتی ابراہیم صاحب آچھودی نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۶؍ دسمبر ۲۰۲۱ء اتوار کی شب میں رحلت فرما گئے، اِناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ واقعی پرانے اَکابر کی یادگار، تواضع اور سادگی کے پیکر اور متبحر عالم دین تھے، پوری زندگی درس وتدریس اور علمی اِفادہ واستفادہ میں گذاری، علمی استحضار غیر معمولی تھا۔ فقہ وفتاویٰ پر بھی گہری نظر تھی۔ اَخلاقِ فاضلہ بالخصوص زہد اور ورع وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ علمی اِشتغال کے ساتھ جذبہ عبادت بھی قابل رشک تھا، ضعف کے باوجود تادم آخر اپنے معمولات کے پابند رہے، اور دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی گذاری، اور حدیث مبارک ''کُنْ فِيْ الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ'' کے مصداق بنے رہے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے، جب کہ فتویٰ نویسی میں حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند سے خصوصی طور پر استفادہ کیا تھا۔ شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ کے درسی ساتھیوں اور بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔

اَب سے دس بارہ سال قبل شاہ جہاں پور میں منعقد ہونے والے ''حضرت مولانا مفتی

سید مہدی حسن صاحبؒ سیمینار'' کے موقع پر احقر کو پہلی مرتبہ حضرت مفتی صاحب کی زیارت وملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت کی پرخلوص اور سادہ گفتگو سے سبھی حاضرین بہت متأثر ہوئے۔ اُس کے بعد جب بھی ''گودھرا'' یا اُس کے اَطراف کا سفر ہوتا تو حضرت کی خدمت میں حاضری ہوا کرتی تھی۔ حضرت بھی بہت زیادہ محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے اور دعاؤں سے نوازا کرتے تھے، اور بہتر سے بہتر ضیافت کے ساتھ ساتھ باصرار سخاوت کا مظاہرہ بھی فرماتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کچھ نہ کچھ ہدیہ پیش نہ کیا ہو، معلوم ہوا کہ ہر ایک کے ساتھ آپ کا یہی برتاؤ تھا۔

اکثر محبّ گرامی جناب مولانا مفتی نثار صاحب گودھروی مدظلہ کے ذریعہ آپ کی خیریت معلوم ہوتی رہتی اور سلام اور دعا کی درخواست بھی کی جاتی رہتی تھی۔ بلاشبہ آپ کی ذاتِ عالی ایک گھنے سایہ دار درخت کے مانند تھی، جس سے آج اُمت محروم ہوگئی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً

مختصر حالات

آپ کی ولادت ۲۴/ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء بروز شنبہ قصبہ ''ٹنکاریہ'' ضلع بھڑوچ گجرات میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم ٹنکاریہ کے مکتب میں حاصل کی، اُس کے بعد ''جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل'' میں داخلہ لیا، پھر عربی سوم مکمل کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے ''دارالعلوم دیوبند'' تشریف لے گئے، اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں فراغت حاصل کی۔ بعد اَزاں ۱۹۶۴ء میں دارالعلوم دیوبند ہی سے اِفتاء کی تکمیل کی۔ اُس کے بعد ۲/سال ''دارالعلوم اشرفیہ راندیر'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر ۱۹۶۶ء میں ''جامعہ ڈابھیل'' کی خدمت پر مامور ہوئے؛ لیکن علم کا شوق ایسا تھا کہ وہاں سے ڈیڑھ سال تدریس کے بعد خاص طور پر ''علم ہیئت'' میں مہارت پیدا کرنے کے لئے دوبارہ ''دارالعلوم دیوبند'' تشریف لائے، اور حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ سے ''علم ہیئت'' کی بنیادی کتابیں پڑھیں۔

بعد اَزاں ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۷ء تک ''مدرسہ تعلیم المسلمین لوناواڑا'' میں، اور ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۳ء تک ''مدرسہ اِمدادالعلوم وڈالی'' میں خدمات انجام دیں۔

پھر آپ ۱۹۸۳ء میں گودھرا تشریف لے آئے، اور یہاں کے مرکزی اِدارے ''جامعہ رحمانیہ وناک پور گودھرا'' -جو ''دارالعلوم گودھرا'' کے نام سے مشہور ہے- سے وابستہ ہوکر عظیم الشان خدمات انجام دیں، اور اِس اِدارے کو ابتدائی تعلیم سے دورۂ حدیث شریف تک بامِ عروج پر پہنچایا، اور آپ ہی اس کے پہلے شیخ الحدیث قرار پائے، اور تادمِ آخر اسی مبارک مشغلے میں لگے رہے۔

اَولاً آپ کا اصلاحی تعلق مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ سے تھا، حضرت کی وفات کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ سے رجوع کیا، اور بعد اَزاں حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہم سے وابستہ ہوئے، اور آپ ہی نے موصوف کو اِجازتِ بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

معاملات کی صفائی اور اتباعِ سنت میں آپ ممتاز درجہ پر فائز تھے، آپ کی زندگی کے روشن نقوش بعد والوں کے لئے مشعل راہ بنتے رہیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(حضرتؒ کے تفصیلی حالات ''تاریخ جامعہ رحمانیہ وناک پور گودھرا'' مرتبہ: مولانا محمد ادریس بن محمد یوسف صاحب گونیا گودھروی میں موجود ہیں۔ یہ کتاب ہمیں محبّ گرامی جناب مولانا مفتی محمد عادل عثمانی صاحب زیدعلمہ اُستاذ دارالعلوم اشرفیہ راندیر گجرات کے توسط سے حاصل ہوئی، جس پر ہم موصوف کے شکر گذار ہیں، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

(ندائے شاہی فروری ۲۰۲۲ء)

حضرت مولانا محمد اختر صاحب قاسمیؒ

ریڑھی تاج پورہ سہارن پور

مغربی یوپی کے معروف ومشہور مرکزی اِدارے ''جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ'' کے باوقار مہتمم حضرت مولانا محمد اختر صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق یکم جنوری ۲۰۲۲ء بروز ہفتہ دوپہر کے وقت رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف انتہائی باوقار، بردبار، صائب الرائے اور مستقل مزاج شخصیت کے حامل تھے، آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں ہوتا تھا۔ ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے درسِ نظامی کی تکمیل کی، اور اگلے ہی سال سے ''جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ'' میں تدریسی خدمات پر مامور ہوگئے، شروع میں ۸؍ سال صرف مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، بعدازاں مجلس شوریٰ کے اصرار پر ۱۹۷۶ء تدریس کے ساتھ ساتھ اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ نے قبول فرمائی، اور مسلسل ۴۵؍ سال تک بحسن وخوبی اِس ذمہ داری کو نبھایا۔

مولانا موصوف کے دورِ اہتمام میں جامعہ ریڑھی تاج پورہ نے تعلیمی اور تعمیری ہر اعتبار سے ترقی حاصل کی؛ تا آں کہ یہ اِدارہ طلبہ کی کثرت اور بہترین تربیت کے اعتبار سے علاقہ کے مرکزی اِداروں میں شامل ہوگیا۔

مولانا موصوف تدریس اور اہتمام کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ملی معاملات میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اُس کی سرگرمیوں سے خاص لگاؤ تھا، اور ایک مدت تک جمعیۃ علماء ضلع سہارن پور کے صدر بھی رہے۔

سلوک وتصوف میں آپ کا تعلق خانقاہ رائے پور سے تھا، اور حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی حسنات وخدمات کو بے حد قبول فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۲۲ء)

حضرت مولانا مفتی سفیر الدین صاحبؒ

گانوڑی ضلع بجنور

ضلع بجنور کے معروف دینی وتربیتی اِدارے ''مدرسہ فخر العلوم گانوڑی'' کے سابق مہتمم حضرت مولانا مفتی سفیر الدین صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۶؍ دسمبر ۲۰۲۱ء بروز جمعرات رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی صاحب موصوف بڑے جفاکش، محنتی اور دین دار شخص تھے، آپ نے اپنے خونِ جگر سے گانوڑی جیسے دور دراز گاؤں میں ایک ایسے مدرسہ کو پروان چڑھایا کہ دور دور تک اُس کی تعلیم وتربیت کا شہرہ ہوا، اور اُس کے فیض یافتگان دیگر مدارس میں پہنچ کر اِدارے کی نیک نامی کا ذریعہ بنتے رہے۔ بالخصوص باتجوید حفظ وناظرہ اور ابتدائی عربی درجات پر موصوف کے دور اہتمام میں جیسی محنت ہوئی وہ بے نظیر ہے۔ یہ اِدارہ گوکہ مالی اعتبار سے مسلسل تنگ دستی کا شکار رہا؛ لیکن مفتی صاحب موصوف نے کبھی ہمت نہیں ہاری، اور اِدارے کی ترقی کے لئے برابر بے تکان تگ ودو فرماتے رہے۔

چند سال قبل بعض ناگزیر وجوہات سے آپ کو مدرسہ فخر العلوم سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی؛ لیکن پھر بستی کی دوسری جانب ''مدرسہ عین العلوم'' کے نام سے آپ نے دوسرا اِدارہ شروع فرمایا، جو آپ کی بلند ہمتی کی دلیل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کی خدمات بے حد قبول فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، اور آپ کے چھوڑے ہوئے اِداروں کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۲۲ء)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلیؒ

مفکر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحب زادے، معروف صاحب قلم، بابصیرت عالم دین حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۳؍جنوری ۲۰۲۲ء بروز اتوار طویل علالت کے بعد ۹۵؍سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، اگلے روز آپ کے وطن مالوف سنبھل میں آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے باوقار، وضع دار، صاحب کردار اور سنجیدہ طبعیت کے حامل شخص تھے، عام لوگوں سے میل جول اگرچہ زیادہ نہ تھا؛ لیکن اَحوالِ عالم پر پوری نظر رکھتے تھے، اور اُن کا ناقدانہ جائزہ لے کر بہترین تبصرے فرماتے، اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے، جس کا اندازہ ''ندائے ملت'' اور ''الفرقان'' میں شائع شدہ آپ کے اِدارتی مضامین سے لگایا جاسکتا ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۲؍مارچ ۱۹۲۶ء کو ہوئی، آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور اُس وقت کے دیگر اَکابر علماء سے استفادہ کیا۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمہ اللہ اور خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے رفقاء درس میں سے تھے۔

فراغت کے بعد لکھنؤ میں قیام فرماتے ہوئے آپ نے اپنے والد ماجد کے جاری کردہ معروف رسالے ''الفرقان'' کی ترتیب میں تعاون فرمایا۔ پھر بعد میں ہفت روزہ ''ندائے ملت'' لکھنؤ کے ذریعہ اُمت میں دینی شعور بیدار کرنے کا فریضہ اَنجام دیتے رہے۔

طبعی طور پر آپ یکسوئی پسند اور علمی مزاج کے حامل تھے، تاریخ اور تفسیر پر گہری نظر تھی۔ واقعہ کربلا پر آپ کی تالیف نے بے مثال شہرت حاصل کی۔ نیز انقلابِ ایران پر بھی آپ کی کتاب بہت مشہور ہوئی۔ اخیر میں آپ نے تفسیر کو اپنا موضوع بنایا تھا، آسان اُردو زبان میں ''محفل قرآن'' کے نام سے تفسیر لکھنی شروع کی، جس کی اب تک ۶ رجلدیں شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں۔

ایک طویل عرصہ تک آپ لندن (برطانیہ) میں مقیم رہے، چند سال قبل صحت کی ناسازی کی بنا پر ہندوستان واپس تشریف لے آئے تھے، یہیں آپ کی وفات ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اِدارہ ندائے شاہی حضرت موصوف کے اہل خانہ بالخصوص برادر عزیز حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد صاحب نعمانی دامت برکاتہم اور صاحب زادے مولانا عبید الرحمٰن صاحب نعمانی زیدکرمہم کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور سبھی متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۲۲ء)

حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ

مدرسہ مصباح الظفر ڈھکہ

مدرسہ مصباح الظفر ڈھکہ اوجھاری ضلع امروہہ کے باوقار مہتمم اور علاقہ کے بافیض عالم دین حضرت مولانا محمد یونس صاحب قاسمی سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۸؍فروری ۲۰۲۲ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب معمولی علالت کے بعد انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن بعد نماز ظہر عوام وخواص کے بڑے مجمع نے آپ کے صاحب زادے اور جانشین حضرت مولانا مفتی ذوالفقار احمد صاحب مدظلہم کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی اور نم آنکھوں کے ساتھ قریبی قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا مرحوم بہت جفاکش، عبادت گذار، محنتی اور فکرمند عالم دین تھے، بالخصوص سنبھل اور حسن پور کے دیہاتوں میں آپ نے اصلاحِ عقائد اور رد بدعات کے سلسلے میں جو اَن تھک محنتیں فرمائی ہیں، وہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ اور آخرت میں رفع درجات کا سبب بنیں گی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

آپ کا اصل وطن قصبہ مغل مزرعہ ضلع سہارنپور تھا، آپ کی پیدائش ۱۹۴۰ء میں ہوئی، ابتدائی متوسط تعلیم مدرسہ ریڑھی تاجپورہ میں حاصل کی، بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ ۱۹۶۶ء میں آپ قصبہ ڈھکہ کی جامع مسجد میں اِمام وخطیب کے طور پر اِس علاقے میں تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

آپ نے قصبہ ڈھکہ میں اپنی بلند ہمتی اور مسلسل محنت کے ذریعہ ’’مدرسہ مصباح الظفر‘‘

کوترقی دی، جس کا شمار اِس وقت علاقہ کے مرکزی اِداروں میں ہوتا ہے، جس کا فیض دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔

مولانا مرحوم بہترین منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر مدرس اور مربی بھی تھے، اور جمعیۃ علماء ہند کی سماجی اور اِصلاحی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔

آپ کی وفات سے پورا علاقہ ایک بہترین سرپرست سے محروم ہوگیا ہے، دیر تک آپ کی یادیں لوگوں کے قلوب میں تازہ رہیں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، حسنات کو قبول فرمائیں، آپ کے لگائے ہوئے علمی اور دینی گلشنوں کو آباد اور شاداب رکھیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۲۲ء)

متفرقات:

مولانا خلیل احمد بلساڑی (دمن)

موصوف جامعہ نور الاسلام دمن کے مؤقر اُستاذ اور بہت ہی فعال عالم دین تھے، چند روز کورونا میں مبتلا رہ کر ۲۲؍جون ۲۰۲۱ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف نے تدریس کے ساتھ ساتھ ''کتاب المسائل'' جلد اول کا گجراتی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات کو قبول فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۲۱ء)

حضرت مولانا ظہیر احمد صاحب قاسمیؒ ہاپوڑ

مغربی یوپی کے معروف اِدارے جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے مؤقر اُستاذ، علاقے کے فعال اور مخلص بافیض عالم دین حضرت مولانا ظہیر احمد صاحب اظہرؔ رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۱۴؍ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵؍جولائی ۲۰۲۱ء بروز اتوار خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا موصوف نہایت سادہ مزاج، عبادت گذار، خوش اخلاق اور ملت کا درد رکھنے والے شخص تھے، کامیاب تدریسی خدمت کے ساتھ جمعیۃ علماء کی سرگرمیوں سے بھی گہرا تعلق تھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ خادم الاسلام میں حاصل کی، ۱۴۰۲ھ شعبان میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اور ۱۴۰۵ھ سے تادم آخر مدرسہ خادم الاسلام میں خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۲۱ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سارودی کنتھاریہ

دارالعلوم کنتھاریہ بھڑوچ کے شیخ الحدیث، انتہائی محترم اور بافیض عالم دین حضرت

مولانا یعقوب سارودی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۵؍اگست ۲۰۲۱ء بروز جمعرات تقریباً ۸۳؍سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا موصوف جید عالم اور جفاکش داعی الی اللہ تھے، آپ نے ۴۰؍سال تک دارالعلوم کنتھاریہ میں بخاری شریف کا درس دیا۔ قبل ازیں مصر، فلسطین، اُردن، انڈونیشیا اور متعدد ممالک کے کامیاب تبلیغی دورے فرمائے۔ آپ دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے فاضل اور اکابر کے منظورِ نظر تھے، بے شمار طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، مزاج میں یکسوئی اور تواضع غالب تھی۔ احقر مرتب کو بار بار کنتھاریہ حاضری کے موقع پر آپ کی زیارت کا موقع ملا، آپ سالانہ جلسہ میں تشریف فرما رہتے تھے؛ لیکن تواضعاً بیان کرنے کا معمول نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائیں، پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازیں اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطاء فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۲۱ء)

قاری عبداللہ صاحب نواب پورہ مرادآباد

حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ سابق اُستاذ مدرسہ شاہی کے برادرِ اکبر جناب قاری عبد اللہ صاحب ساکن نواب پورہ مرادآباد گذشتہ ۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳؍اگست ۲۰۲۱ء بروز منگل کو انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے دین دار، صائب الرائے اور عبادت گذار شخص تھے، نماز باجماعت کے پابند اور تلاوتِ قرآنِ کریم کا خاص اہتمام فرمانے والے تھے۔ یومیہ ۱۰؍ پارے تلاوت کا معمول تھا۔ موصوف کے دو صاحبزادے عالم دین ہیں: (۱) جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدرسہ شاہی کے اُستاذ ہیں (۲) اور جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مدرسہ جامع الہدیٰ میں مدرس ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور متعلقین کو صبرِ جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۲۱ء)

جناب حاجی اَمین الحق صاحب
والد بزرگوار مفتی عبدالرحمٰن صاحب اُستاذ جامعہ

موصوف کا ۲۳ر ستمبر ۲۰۲۱ء شب جمعہ کو انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نہایت متواضع، ملنسار، نیک صالح، صاف گو اور جرأت مند شخص تھے، اور عبادات کے بہت پابند تھے، یومیہ تین پارے اور رمضان المبارک میں دس پارے تلاوت کا معمول رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے نیک اَولادوں سے بھی سرفراز فرمایا، آپ کے سبھی صاحب زادے علماء اور حفاظ ہیں، اور دینی خدمات میں مشغول ہیں۔ اِدارہ ندائے شاہی اِس موقع پر آپ کے خلف صالح اُستاذ جامعہ مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور سبھی اہل خانہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۲۱ء)

○ سیدہ راشدہ خاتون (ہمشیرہ محترمہ اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ وعمہ بکرمہ مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری) موصوفہ نہایت دین دار اور صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، مختصر علالت کے بعد مؤرخہ ۶ر ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۲ر نومبر بروز جمعہ کی شب میں وفات پائی، رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۲۱ء)

❐❖❐